امیر المومنین سیدنا

علی

رضی اللہ عنہ

شخصیت و کردار

حکیم محمود احمد ظفر

Marfat.com

امیر المومنین

سیدنا علی رضی اللہ عنہ

ابن ابی طالب

شخصیت و کردار

مولف

حکیم محمود احمد ظفر

تخلیقات

علی پلازہ، 3- مزنگ روڈ لاہور، فون: 7238014
Web Site: http://www.takhleeqat.com
E-mail: takhleeqat@yahoo.com

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : سیدنا علیؓ

ناشر: تخلیقات، لاہور

اہتمام: لیاقت علی

کمپوزنگ : عزیز کمپوزنگ سنٹر، لاہور

ٹائٹل: آغاز نثار

پرنٹر: علی فرید پرنٹرز، لاہور

تاریخ اشاعت: 2007ء

ضخامت: **560 صفحات**

قیمت: **350 روپے**

Marfat.com

فہرست

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
پیش آہنگ	7	مسجد کی تعمیر	73
نام ونسب	11	ہجرت مدینہ کے بعد	73
خاندان	11	مواخات	74
عبدالمطلب کی جانشینی	22	غزوۂ بدر اور سیدنا علیؓ	77
ابوطالب	31	ذوالفقار علیؓ	81
ابو طالب کی اولاد	37	سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کا عقد	82
طالب	37	غزوۂ احد اور سیدنا علیؓ	89
عقیلؓ	37	غزوۂ خندق اور سیدنا علیؓ	97
جعفرؓ	39	غزوۂ بنو قریظہ اور سیدنا علیؓ	100
ام ہانیؓ	42	قبیلہ بنو سعد کی سرکوبی	101
سیدنا علیؓ بن ابی طالب	46	صلح حدیبیہ	101
ولادت	46	غزوۂ خیبر اور سیدنا علیؓ	103
رسول ﷺ کی کفالت	49	فتح مکہ اور سیدنا علیؓ	108
اسلام	50	یمن کو روانگی	115
سب سے پہلا مسلمان	52	غزوۂ حنین اور سیدنا علیؓ	116
مکہ کی سخت زندگی	57	غزوۂ تبوک اور سیدنا علیؓ	120
رسول اللہؐ کی معاونت کا اعلان	64	سورۂ برات کی آیات کا اعلان	125
دعوت اسلامی کا پھیلاؤ	66	یمن میں اسلام کی روشنی	134
سیدنا علیؓ اور ہجرت	68	وفد نجران اور سیدنا علیؓ	130

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
حجۃ الوداع	136	شہادت عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کے تاثرات	274
واقعہ غدیر خم	138	سیدنا علیؓ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے	279
خلافت کے بارہ میں شیعہ کا عقیدہ	144	سیدنا علیؓ کا پہلا خطبہ	285
صدمہ جانکاہ	150	خلافت علیؓ اور مدینہ کی حالت	287
سیدنا علیؓ وفات نبوی کے بعد	160	خون عثمانؓ کے قصاص کی تحریک	290
سیدنا علیؓ عہد صدیقی میں	160	ایک غلط روایت	292
سیدہ فاطمہؓ کے گھر جلانے کی روایت	173	گورنر بصرہ سے بات چیت	293
سیدنا ابوبکرؓ کے سیدنا علیؓ سے تعلقات	176	سیدہ عائشہؓ پہ ایک اعتراض کا جواب	302
میراث نبویؐ اور سیدنا علیؓ	183	ایک وضعی روایت	304
فدک اور سیدہ فاطمہؓ	184	ام المومنینؓ کے وفادار بیٹے	306
فدک ہے کیا؟	185	سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ کی شہادت	307
سیدہ فاطمہؓ کی صدیق اکبرؓ سے ناراضگی کی حقیقت	199	سیدنا مروانؓ پر قتل طلحہؓ کا الزام	308
سیدنا علیؓ عہد فاروقی میں	209	سیدنا زبیر اور سیدنا طلحہ: کی بیعت	314
سیدنا فاروق اعظمؓ کی نامزدگی	217	جنگ جمل کے نتائج	316
سیدنا علیؓ کا سیدنا فاروق اعظمؓ کے ساتھ تعاون	222	جنگ جمل کے مقاصد	316
شہادت عمرؓ	224	جنگ جمل کے اثرات	326
سیدنا علیؓ عہد عثمانی میں	227	معرکہ صفین	328
مجلس مشاورت کے اراکین	230	پس منظر	328
اراکین کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کی رائے	233	ملکی انتظامیہ میں تبدیلی	329
روایات پر بحث	241	سیدنا معاویہؓ کی معزولی اور اس کا ردعمل	335
بخاری کی روایات	249	سیدنا معاویہؓ سے مصالحت کی کوشش	338
کتب شیعہ سے بیعت علیؓ کے دلائل	258	سیدنا معاویہؓ کی جوابی کارروائی	340
خلافت عثمانی میں سیدنا علیؓ کا تعاون	259	اکابر صحابہؓ کا سیدنا علیؓ سے اختلاف	341
سیدنا علیؓ کے صاحبزادوں کا شریک جہاد ہونا	263	مصالحت کی ایک اور کوشش	343
محاصرہ عثمانؓ اور سیدنا علیؓ	264	گشتی مراسلہ	346

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
سیدنا علیؓ کی شام روانگی	347	فیصلہ تحکیم کے بعد	422
ایک من گھڑت روایت	348	خوارج اور جنگ نہروان	422
میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش	351	شام پر حملے کا افسانہ	425
جنگ کی ابتداء	355	مصر پر سیدنا معاویہؓ کا قبضہ	426
جنگ کا دوبارہ آغاز	357	محمد بن ابی حذیفہ کا انجام	432
روایت پر بحث	359	ہنگامہ مصر پر نقد و نظر	433
ابو مخنف کا حدود اربعہ	361	سبائیوں کی مختلف علاقوں میں شورش	436
سیدنا علیؓ کے لشکر میں انتشار	362	بغاوتوں کی سرکوبی	439
ایک وضعی روایت	365	سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا گورنری سے استعفیٰ	440
قتل عمار بن یاسرؓ	369	سیدنا علیؓ کی سیدنا معاویہؓ سے صلح	441
جنگ صفین کے مقتولین	376	سیدنا علیؓ کی ندامت	441
تحکم	378	شہادت سیدنا علیؓ	443
سیدنا علیؓ کا فرمان لشکر	379	خلافت علیؓ پر ایک نظر	452
ثالثوں کا اجمالی تعارف	383	اصلاحات	457
سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ	383	نظم مملکت	457
سیدنا عمرو بن العاصؓ	386	محاصل حکومت	459
معاہدۂ تحکم	390	رعایا سے شفقت	460
فیصلہ سنانے کا مقام	393	عمال حکومت کی نگرانی	461
فیصلہ کے بارہ میں مشہور روایات	395	عسکری انتظامات	464
روایات پر اجمالی بحث	399	دینی خدمات	465
ثالثوں کا اصل فیصلہ	406	علم و فضل	470
اہل السنت والجماعت کا مسلک	413	علم القرآن	475
عدالت صحابہ	414	علم الحدیث	476
علامہ ابن خلدون کا نظریہ	416	علم الفقہ	481
اہل عراق اور سب و شتم	420	سیدنا علیؓ اور ان کے اجتہادات	489

Marfat.com

مضمون	صفحہ نمبر
بنجر زمین کی آبادکاری	497
امیر کے بارہ میں سیدنا علیؓ کا نظریہ	498
تعزیر کے بارہ میں موقف	501
خراج کے بارہ میں نظریہ	503
جزیہ کے بارہ میں موقف	505
رضاعت	507
مزارعت	509
مضاربت	509
چوری کے بارہ میں سیدنا علیؓ کا موقف	510
قضا کے بارہ میں نظریہ	512
تقریر و شاعری	518
اخلاق و عادات	522
اعتراف حق	522
دیانت و امانت	526
سادگی اور زہد	527
انفاق فی سبیل اللہ	535
اصابت رائے	535
عبادات	537
شجاعت و بسالت	539
گھریلو زندگی	547
سادگی	552
ازواج و اولاد	554

Marfat.com

پیش آہنگ

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے سیدنا علیؓ کی شخصیت و کردار کے بارہ میں لکھی گئی ہے۔ سیدنا علیؓ کی شخصیت کو ایک گروہ نے متنازع بنا دیا حالانکہ وہ متنازع نہ تھی۔ پھر انہی لوگوں نے آپ کے کردار کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ایک طرف تو وہ بالکل بے بس نظر آنے لگے اور دوسری طرف ان کو فوق البشر سمجھا جانے لگا۔

بتایا گیا کہ وہ شروع سے ہی خلافت کے حریص تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ مسند خلافت پر ابوبکرؓ کی بجائے انہیں بٹھایا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے رات کے وقت سیدہ فاطمہؓ کو ایک گدھے پر سوار کیا اور اپنے دونوں بیٹوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے ہاتھ پکڑے اور اس حالت میں انہیں مہاجرین و انصار کے ایک ایک گھر لے جا کر اپنے حق اور مدد کے لیے پکارا۔ چنانچہ صرف 44 مردوں نے ان کی امداد کا وعدہ کیا۔ سیدنا علیؓ نے انہیں فرمایا کہ صبح تم سب کے سب سر منڈا کر مسلح ہو کر آنا اور مرنے پر بیعت کرنا (فامرھم / ان یصبحوا محلقین روؤسھم مع سلاحھم علی ان یبایعوا علی الموت) لیکن جب صبح ہوئی تو ان چوالیس میں سے صرف چار شخص رہ گئے۔ وہ چار سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور زبیر بن العوامؓ تھے۔ اگلی رات سیدنا علیؓ پھر مہاجرین و انصار کے گھروں میں گئے اور انہیں قسم دلائی جس پر انہوں نے پھر صبح آنے کو کہا لیکن صبح کو پھر وہی چار شخص آئے۔ سیدنا علیؓ نے

Marfat.com

جب ان کی بے وفائی اور بدعہدی دیکھی تو آپ نے گھر ہی میں ٹھہرنے کا عزم فرما لیا۔
(فلمارای علی عذرهم و قلته وفاء هم لزم بيته)
(نفس الرحمٰن فی فضائل سلمان باب 11 ' احتجاج طبرسی ص 107 بروایت سلیم بن قیس' انوار النعمانیہ جلد 1 ص 104)

جب سیدنا علیؓ کو کوئی اعوان و مددگار نہ ملے تو بامر مجبوری انہوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

ان القوم استضعفوني و كادوا يقتلو نني ثم تناول يد ابى بكر فبايعه

(احتجاج طبرسی ص 110)

بے شک قوم نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔ پھر ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔

ایک طرف تو یہ بے بسی ظاہر کی اور دوسری طرف یہ بتایا گیا کہ خیبر کے روز سیدنا علیؓ کی تلوار کو اگر اسرافیل اور میکائیل نہ روکتے تو وہ زمین زیر و زبر ہو جاتی۔

(انوار النعمانیہ جلد 1 ص 56)

حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ نہ سیدنا علیؓ نے بامر مجبوری سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت کی اور نہ ہی وہ فوق البشر تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے اور ان کے دل میں نہ تو خلافت کی کوئی طمع تھی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا وصی بنایا تھا۔ یہ سب روایات گھڑی گئی ہیں۔ بلکہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں کہ جتنی غلط روایات سیدنا علیؓ کے بارہ میں یار لوگوں نے گھڑی ہیں اتنی اور کسی صحابی کے بارہ میں نہیں گھڑی گئیں۔ اس کی وجوہات ہم نے اپنی کتاب سیدنا عثمانؓ۔۔۔ شخصیت اور کردار جلد اول کے مقدمہ میں لکھ دی ہیں۔

غلط روایات جہاں شیعہ حضرات کی کتابوں میں ہیں وہاں سنی حضرات کی کتابیں بھی اس قسم کی غلط روایات سے بھری پڑی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سنت کے علماء نے ان روایات کو بغیر کسی تحقیق و تنقید کے اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور وہ عوام کے حلقہ میں اس طرح پھیلتی چلی گئیں کہ غلط اور صحیح کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہا۔

Marfat.com

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا علیؓ کے فضائل میں کتابوں میں بہت سی روایات منقول ہیں۔ (فتح الباری جلد 7 ص 57 ' باب مناقب علی بن ابی طالب) لیکن اس کے برعکس ان کے بارہ میں غلط اور جھوٹی روایات کا بھی ایک طومار کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

ما كذب على احد من هذه الامة ما كذب علىٰ علّی

"جس قدر سیدنا علیؓ پر جھوٹ اور افتراء باندھا گیا اتنا کسی اور شخصیت پر نہیں باندھا گیا۔"

(تذکرۃ الحفاظ جلد 1 ص 82 ' میزان الاعتدال جلد 1 ص 402)

مشہور شیعہ مورخ ابن ابی الحدید نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ جلد 4 ص 633)

بلکہ علامہ ابن القیم نے اپنی مشہور کتاب "المنار المنیف" میں ابو یعلیٰ خلیلی کا قول نقل کیا ہے کہ: "سیدنا علیؓ اور اہل بیت کے فضائل میں رافضیوں نے تین لاکھ کے قریب روایات وضع کی ہیں۔"

Marfat.com

شاید اسی وجہ سے سیدنا علیؓ کا ایک قول کتابوں میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "میرے بارہ میں لوگ افراط و تفریط کا شکار ہوں گے اور یہ دونوں قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔" (کتاب السنہ لامام احمد ص 204)

اسی سے ملتا جلتا سیدنا علیؓ کا ایک قول مشکواۃ ' مناقب علی میں بھی موجود ہے اور شیعہ حضرات کی کتاب نہج البلاغہ میں بھی ایسا ہی ایک قول منقول ہے۔

(نہج البلاغہ جلد ۲ ص 243)

ان حالات میں اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی گئی کہ سیدنا علیؓ کے حالات زندگی پر کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں سیدنا علیؓ کے بارہ میں صحیح روایات کی روشنی میں ان کے کردار اور ان کی شخصیت کے بارہ میں مفصل بحث کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اپنی طاقت کے مطابق اس کتاب میں سیدنا علیؓ کی شخصیت پر شیعہ اور سنی دونوں حضرات کی کتابوں کی روشنی میں سیدنا علیؓ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور

خصوصی طور پر ان مسائل کو دلائل قویہ کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان میں شیعہ سنی اختلاف چلا آ رہا ہے۔

امید ہے کہ قارئین کرام اس کتاب کا بغور مطالعہ فرمائیں گے اور اگر یہ کتاب اپنے موضوع پر واقعتاً مکمل اور مفصل محسوس ہو تو احقر کے لیے دعا فرمائیں اور اگر دوران مطالعہ اس میں کوئی سقم یا غلطی نظر آئے یا کوئی پہلو تشنہ یا تفصیل طلب ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔

حکیم محمود احمد ظفر

27 رمضان المبارک 1423ھ
مطابق 3 دسمبر 2002ء

Marfat.com

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی علیؓ ،کنیت ابوالحسن اور ابو تراب' لقب حیدر' والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب ــــ

ابو طالب کی شادی اپنی چچا زاد بہن فاطمہ سے ہوئی تھی۔ لہٰذا ان کا شجرہ نسب بھی یہی ہے جو ابو طالب کا ہے۔ اس لحاظ سے سیدنا علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔

سیدنا علیؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حدیث کے مطابق سب سے اعلیٰ ہیں۔

آپکے خاندان بنو ہاشم کو قریش میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ بیت اللہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا ایک خاص امتیاز تھا۔ اس وجہ سے اسے عرب میں قیادت وسیادت کا مقام حاصل تھا۔

خاندان :

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کا خاندان نہایت معزز تھا۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

"ان اللّٰہ اصطفی کنانۃ من ولد اسماعیل و اصطفی قریشا من کنانۃ و اصطفی من قریش بنی ہاشم و اصطفانی من

بنی ہاشم"۔

"اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔"

(البدایۃ والنہایۃ جلد 2 ص 356)

کنانہ جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے' ان کے بیٹوں میں سے نضر بہت مشہور ہوئے۔ ان کی سکونت مکہ مکرمہ میں رہی۔ عام مورخین کے قول کے مطابق سب سے پہلے قریش کا لقب نضر ہی کو ملا اور انہی کی اولاد کی سب شاخیں قریش کہلائیں۔ کیا بنی تیم جن میں سے سیدنا ابو بکرؓ ہیں' اور کیا بنی عدی جن سے سیدنا عمرؓ ہیں اور کیا بنی امیہ جن سے سیدنا عثمان غنیؓ ہیں اور بنی ہاشم جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی مرتضیٰؓ ہیں۔

قُصَی' قریش میں ایک خاص شہرت کے بزرگ تھے اور نامور رئیس بھی۔ انہوں نے قریش کے قبیلہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور ان میں وحدت قومی کی بنیاد ڈالی۔ اسی وجہ سے بعض مورخین کا قول ہے کہ قریش کا لقب انہی کا ہے۔ انہوں نے چونکہ بہت سے نمایاں کام کئے تھے بدیں وجہ ان کو قوم میں ایک خاص اعزاز اور امتیاز حاصل ہوا۔

قُصی کے چار بیٹے تھے۔ جن میں سب سے نامور عبد مناف تھے۔ یہ نہایت حسین و جمیل تھے اس وجہ سے انہیں "قمر البطحاء" بھی کہتے تھے۔ جس کے معنی ہیں "سنگستان مکہ کا چاند"۔

علامہ ابن خلدون اور دوسرے مورخین نے ان کے بارہ میں لکھا ہے:

صاحب شوکۃ فی قریش و سنام الشرف

بڑے صاحب شوکت اور شرف و بزرگی میں بلند مقام کے حامل تھے۔

عبد مناف کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے عطا فرمائے۔

(1) ہاشم (2) عبد شمس (3) مطلب (4) نوفل

(ابن ہشام جلد 1 ص 106)

ہاشم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علیؓ کے جد امجد تھے۔

عبد شمس یہ بنو امیہ کے جد اعلیٰ تھے اور سیدنا عثمانؓ اور سیدنا معاویہؓ انہی کی اولاد

میں سے تھے۔

((مطلب' انہوں نے اپنے بھائی ہاشم کی وفات کے بعد ان کے صاجزادے اور اپنے یتیم بھتیجے شیبہ کی پرورش کی اور انہیں کے نام پر رسول ﷺ اور سیدنا علیؓ کے دادا شیبہ ''عبدالمطلب'' کہلائے۔ امام شافعی انہیں کی اولاد میں سے ہیں۔))

نوفل' عبدمناف کے یہ صاجزادے بھی بڑے بلند اقبال تھے۔

عبدمناف کے یہ چاروں صاجزادے بڑے بااقتدار اور بلند اقبال تھے۔ قریش کی ان کی وجہ سے اندرون ملک اور بیرون ملک دونوں جگہ عزت تھی۔ عرب و حجاز کے علاوہ بڑے بڑے سلاطین کے ہاں بھی ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور ان کی وجہ سے قریش کا پورا قبیلہ باعزت سمجھا جاتا تھا۔

عبدمناف کے ان چاروں صاجزادوں میں سے اللہ تعالیٰ نے جو عزت و شہرت ہاشم کو دی تھی وہ کسی اور بیٹے کو نہ ملی تھی۔ قریش کی پوری تاریخ میں شاید ہی اس مرتبہ کا کوئی دوسرا شخص پیدا ہوا ہو۔ ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا۔ ان کو ہاشم اس وجہ سے کہتے تھے کہ ایک مرتبہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ عمرو متمول اور امیر کبیر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عالی حوصلہ اور سخی تھے۔ قحط زدہ لوگوں کی یہ حالت ان سے دیکھی نہ گئی۔ چنانچہ وہ فلسطین گئے اور آٹے کی بہت بڑی مقدار بوریوں میں بھر کر اور اونٹوں پر لاد کر مکہ مکرمہ لائے۔ اونٹ ذبح کیے اور آٹے کی روٹیاں پکا کر ان کو اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں توڑ توڑ کر بھگویا اور بلا امتیاز روٹیاں تمام اہل شہر میں تقسیم کیں اور لوگوں کو کھلائیں۔

(طبری جلد 2 ص 12' سیرت ابن ہشام جلد 1 ص 136)

عربی زبان میں ''ہشم'' کے معنی توڑنا ہے اور عرب میں اس قسم کے کھانے کو ''ہشم'' اور ''ثرید'' کہتے ہیں۔ اس وجہ سے عمرو کا نام ''ہاشم'' پڑ گیا یعنی روٹیوں کے ٹکڑے توڑ کر اور شوربے میں بھگو کر لوگوں کو کھلانے والا۔ چنانچہ آٹے کی وہ ساری بوریاں اور وہ سارے اونٹ انہوں نے قحط زدہ لوگوں کو کھلا دیئے۔

(طبری جلد 2 ص12)

ہاشم بڑے باوجاہت انسان تھے اور سرکار دربار تک ان کی رسائی تھی۔ دوسرے بادشاہوں کے ہاں بھی انہیں باریابی تھی۔ اس کی وجہ مورخین نے یہ بیان کی ہے کہ قریش

Marfat.com

مکہ چونکہ بیت اللہ کے متولی تھے لہذا اندرون عرب اور بیرون عرب ہر شخص خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' امیر ہو یا غریب' شاہ ہو یا گدا انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

مکہ چونکہ بیت اللہ کے سبب ایک ایسا شہر تھا جس میں دور دراز کے لوگ ہر سال بلکہ سارا سال آتے جاتے رہتے تھے اور حج کے دنوں میں تو ایک ازدحام کی شکل ہوتی تھی' لہذا قریش کے مختلف خاندانوں میں اعزاز کے مختلف عہدے تقسیم کیے گئے تھے' جن میں چند ایک یہ تھے۔

رفادت: یعنی حجاج کی مہمان نوازی کا کام۔

سقایت: یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت یہ جناب ہاشم بن عبد مناف کے سپرد تھی اور وہ ہر سال حاجیوں کو آب زم زم پلایا کرتے تھے۔

لواء: یعنی جنگی علم برداری' ہاشم کے چچا عبدالدار کے بیٹوں کے سپرد یہ خدمت تھی۔

(طبری جلد 2 ص 13)

جناب ہاشم کو اللہ تعالیٰ نے کچھ خاص صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ جہاں مدبر و منتظم تھے وہاں باہمت اور اپنے فرائض کی ادائیگی اور انجام دہی میں بھی نہایت چابکدست اور چست تھے۔ قریش کی طرف سے سقایت کے جو فرائض ان کے سپرد کیے گئے تھے انہوں نے ان کو قابل ستائش حد تک ادا کیا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں یوں کیا کہ زم زم کا پانی چرمی حوضوں میں بھروا کر اس کی سبیلیں لگوا دیں اور رفادت کا اہتمام تو نہایت ہی قابل ستائش تھا۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

فاحسن ہاشم ماشاء فی اطعام الحاج و اکرام وفدھم

"ہاشم نے حاجیوں کے کھانا کھلانے اور ان کے وفدوں کے اعزاز و اکرام کی خدمت کو حسب پسند دل کھول کر نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔"

ہوتا یہ کہ جب ذوالحجہ کا چاند طلوع ہوتا تو جناب ہاشم قوم قریش کو جمع کر کے ان سے نہایت فصیح و بلیغ انداز میں خطاب فرماتے اور زائرین بیت اللہ کی خاطر مدارات کی ترغیب دیتے۔ آپ پہلے اپنے چندے کا اعلان کرتے کہ میں اپنے طیب اور حلال مال سے اتنی رقم پیش کرتا ہوں جس کے حصول میں میں نے نہ تو کوئی قطع رحمی کی ہے اور نہ ہی کسی پر کسی قسم کا ظلم کیا ہے اور نہ ہی کسی اور طریقے سے اس میں حرام کا کوئی شبہ ہے۔

بس تم میں سے اگر کوئی شخص ایسا کرنا چاہے وہ اپنا مال مجھے دے سکتا ہے اور تم لوگوں کو اس خانہ خدا کی حرمت کی قسم ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی سوائے حلال اور طیب مال کے دوسرا مال نہ دے یعنی وہ مال جس کے حصول میں نہ تو کوئی قطع رحمی کی گئی ہو' نہ ہی کسی پر ظلم کیا گیا ہو اور نہ ہی وہ مال مغصوبہ ہو۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ان کی اس ترغیب پر لوگ اپنے حلال اور طیب مال دھڑا دھڑ انہیں پیش کر دیتے۔ اس مال سے جناب ہاشم حاجیوں کے کھانے پینے اور ان کے آرام و آسائش کا انتظام فرماتے۔

جناب ہاشم نے نہ صرف حاجیوں کے آرام و آسائش اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا بلکہ تاریخ کے رپورٹرز یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے قریش کی ترقی اور ان کی ہر قسم کی سہولتوں کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ چنانچہ انہوں نے شام' روم اور غسان کے بادشاہوں سے اپنی قوم کے تجارتی امن و امان کے حصول کے فرامین حاصل کیے۔ قریش کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کے علاقوں میں تجارتی سفر کرتے تھے۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ہے۔ ان دونوں سفروں کی بنیاد بھی ہاشم ہی نے ڈالی تھی۔

اس کے علاوہ عرب رہزنی اور قزاقی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ملک میں کوئی حکومت اور سیاسی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے کسی شخص پر کوئی قانونی پابندی اور قدغن نہ تھی' جو جرائم کی روک تھام کرتی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر شخص خودسری اور خودمختاری کے جنون میں مبتلا تھا۔ ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ کوئی قافلہ محفوظ نہ تھا۔ دن دہاڑے لوگوں کو لوٹ لیا جاتا تھا' گویا کہ ہر جانب ایک قسم کی انارکی تھی۔ حج کے مہینوں میں اگرچہ لوٹ مار نہیں ہوتی تھی لیکن دوسرے مہینوں میں امن و امان کی یہی صورت تھی جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔

جناب ہاشم نے اس صورتحال کا بغور مطالعہ فرمایا اور مختلف قبائل میں دورہ کر کے ان سے قیام امن کے معاہدے بھی کیے اور عہد بھی لیے۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ ملک میں رہزنی اور غارت گری ہوتی تھی لیکن قریش کے قافلے اس دست برد سے محفوظ رہتے۔

ایک مرتبہ جناب ہاشم تجارتی سفر کے لیے گئے تھے کہ مقام غزہ پر جو شام میں ہے آپ کا انتقال ہوگیا۔ ان کی وفات کے بعد رفادت اور سقایت کی خدمات ان کے

بھائی مُطلِب کو مل گئیں۔ مطلب بھی اعلیٰ قابلیت کے حامل تھے۔ لہذا ہاشم کی وفات کے بعد وہ ان خدمات کو بخیر وخوبی سرانجام دیتے رہے۔ علامہ ابن خلدون نے ان کے بارہ لکھا ہے:

وکان ذا شرف و فضل و کانت قریش تسمیه الفضل لسماحته

"مطلب نہایت صاحب فضیلت وشرافت بزرگ تھے۔ قریش ان کی سخاوت و سماحت کے باعث انہیں "فضیلت مجسم" کا نام دیتے تھے۔"

(ابن خلدون۔۔ طبری جلد 2 ص 14۔ سیرت ابن ہاشم جلد 1 ص 137)

جناب ہاشم نے مدینہ طیبہ میں بنی نجار کی ایک نجیب الطرفین سلمیٰ نامی خاتون سے شادی کی جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک بلند قدر اور عالی مرتبت فرزند عطا فرمایا۔ جس وقت یہ بچہ پیدا ہوا اس وقت اس کے سر میں کچھ سفید بال تھے اس وجہ سے گھر والوں نے اس کا نام شیبہ (بوڑھا) رکھا۔ شیبہ ابھی چند سال ہی کا تھا کہ جناب ہاشم کا انتقال ہوگیا اور شیبہ یتیم ہوگیا۔ شیبہ اس وقت اپنے ننھیال مدینہ طیبہ جسے اس وقت یثرب کہتے تھے' اپنی والدہ کے پاس تھے' لہذا وہیں اپنے ماموں کی زیر کفالت پرورش پائی۔ ماموں نے نہایت شفقت ومحبت سے یتیم بھانجے کی پرورش کی اور اسے ایک لمحہ بھی یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا۔

جب شیبہ کی عمر سات آٹھ سال کی ہوئی تو اس کے چچا مطلب مدینہ طیبہ آئے اور اپنے یتیم بھتیجے کو اونٹ پر بٹھا کر مکہ مکرمہ لے آئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مطلب جس وقت مکہ کے قریب پہنچے تو مطلب کے ایک جاننے والے نے مطلب سے پوچھا کہ تمہارے پیچھے کون بیٹھا ہوا ہے؟ اس وقت شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے اور مطلب کو شرم آئی کہ وہ اپنے جاننے والے کو یہ کہے کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے جواب میں کہا: "عبدالمطلب" یعنی مطلب کا غلام ہے۔ اس روز سے شیبہ کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔

(طبری جلد 2 ص 9)

مطلب نے اپنے مرحوم بھائی ہاشم کی اس نشانی اور امانت کی صحیح طور پر حفاظت کی۔ انہیں قومی فرائض کی انجام دہی کے طریقے سکھائے۔ وہ صحیح معنوں میں عبدالمطلب کو

Marfat.com

اپنے باپ کا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے انہی خطوط پر ان کی تربیت کی۔
کچھ عرصہ بعد مطلب تجارتی سفر کے سلسلہ میں یمن گئے اور ایسے گئے کہ پھر واپس نہ آئے اور اسی علاقہ میں رومان کے مقام پر ان کا انتقال ہوگیا۔ لہذا ان کی وفات کے بعد بنو ہاشم کی قیادت و سیادت ان کے بھتیجے عبدالمطلب کے ہاتھ میں منتقل ہوگئی۔
خواجہ عبدالمطلب کو اپنے باپ کی وراثت سے جو کچھ اپنے چچا مطلب سے ملا تھا وہ چند قطعات اراضی تھے' لیکن ہوا یہ کہ ان پر ان کے دوسرے چچا نوفل نے جبراً قبضہ کر لیا اور جب عبدالمطلب نے اپنے حق کا مطالبہ کیا تو اس نے وہ قطعات اراضی دینے سے انکار کر دیا۔ خواجہ عبدالمطلب کو اس بات کا نہایت صدمہ ہوا' لہذا انہوں نے مدد کے لیے اپنے ماموں کو ایک منظوم خط لکھا۔ اس خط سے خواجہ عبدالمطلب کے ادبی ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس خط میں انہوں نے پہلے تو اپنے ان حالات کا ذکر کیا جب وہ اپنے ماموں کے ہاں مدینہ طیبہ میں نہایت خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔ پھر مکہ میں آنے اور اپنے چچا مطلب کی زیر کفالت تعلیم و تربیت کا ذکر کیا۔ پھر اپنے ماموں سے اپنے چچا نوفل کے غاصبانہ قبضے کا ذکر کیا۔ پھر اپنے ماموں کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ اپنے بھانجے کو غاصب چچا سے اس کا حق لے کر دیں۔
یہ کل دس شعر ہیں جن کو طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے چند شعر یہ ہیں۔

قد کنت فیکم ولا اخشی ظلامته
ذی ظلم عزیزاً منیعاً ناعم البال
فغاب مطلب فی قعر مظلمة
وقام نوفل کے بعد وعلی مالی
فاستغفروا منعوا ضیم ابن اختکم
لا تخذلوه واما انتم بخذّال

1- جب میں آپ لوگوں میں تھا یعنی مدینہ طیبہ میں آپ کی زیر کفالت تھا تو مجھے کسی ظالم کے ظلم کا خوف نہ تھا اور میں ہر طرح سے خوشحال اور محفوظ اور عزیز تھا۔

Marfat.com

-2 اب چچا مطلب تو اندھیرے گڑھے یعنی قبر میں غائب ہوگیا ہے اور نوفل کھڑا ہوگیا ہے تاکہ میرے مال پر دست تطاول دراز کرے۔

-3 پس تم اٹھ کھڑے ہو اور اپنے بھانجے کے ظلم کو دور کرو اور اسے ذلیل نہ ہونے دو اور ویسے بھی تم کسی کا ساتھ چھوڑنے والے نہیں۔

(طبری جلد 2 ص 11)

اس خط کا پڑھنا تھا کہ ان کا ماموں اسّی بہادروں پر مشتمل ایک جماعت لے کر آیا اور اپنے بھانجے کو اس کا حق دلا کر واپس مدینہ طیبہ چلا گیا۔ (ایضاً)

عبدالمطلب صحیح معنوں میں اپنے باپ ہاشم کے جانشین تھے۔ باپ کی ساری خوبیاں بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی تھیں۔ زائرین بیت اللہ کی خدمت' بے کسوں اور مظلوموں کی امداد اور داد رسی' قومی ہمدردی' فیاضی' جود و سخا' مقبولیت عامہ' شہرت و ناموری اور داد و دہش غرضکہ کون سی خوبی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان میں نہ رکھی تھی۔ لوگ ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے اور ان کو "شیبۃ الحمد" کے نام سے پکارتے۔ ابن خلدون نے ان کے بارہ میں لکھا ہے۔

واقام الرفادة والسقاية للحاج على احسن ما كان قومه يقيمون بمكة من قبله و كانت له وفادة على ملوك اليمن من الحمير و الحبشة

"خواجہ عبدالمطلب نے حاجیوں کے لیے سقایت و رفادیت کی خدمت کو اس حالت سے زیادہ احسن طور پر قائم کیا جو مکہ معظمہ میں ان سے پیشتر ان کی قوم کرتی تھی اور حمیر خاندان کے ملوک یمن اور ملوک حبشہ میں باریاب بھی تھے۔"

(ابن خلدون جلد 2 ص)

خواجہ عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف سیرت ہی اچھی عطا فرمائی تھی بلکہ صورت کی خوبصورتی میں بھی اپنی پوری فیاضی سے کام لیا تھا۔ قد بحر رجز میں' بدن سڈول' چہرہ سے وجاہت و ہیبت' آنکھوں سے شرافت ونجابت اور رخساروں سے جلالت وعظمت کی شعائیں ضو افشاں تھیں۔ ایک اجنبی بھی جب دیکھ پاتا تو قدموں پر گرنے کے لیے بے تاب ہو جاتا۔ غرضیکہ اپنی سیرت وصورت کے لحاظ سے قریش کے سردار اور مسلمہ

بزرگ تھے۔ ہر شخص اپنی مشکلات و مصائب میں ان کو اپنی جائے پناہ سمجھتا اور بلا خوف و خطر مداوا کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

شراب' زنا' ظلم' بغاوت' دختر کشی' محرم عورتوں سے نکاح' خانہ کعبہ کا ننگا طواف' ان سب افعال سے وہ لوگوں کو منع فرماتے تھے۔ اپنی اولاد کو اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتے تھے اور خسیس اور پست اخلاق سے روکتے تھے۔ جود و سخا میں شہرہ آفاق تھے۔ آپ کا دستر خوان نہ صرف انسانوں کے لیے وسیع تھا بلکہ جنگل کے وحشی جانور اور ہوا کے پرندے بھی اس سے مستفید و مستفیض ہوتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آپؐ جنگلی جانوروں اور پرندوں کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر ان کی روزی پہنچاتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا نام "الفیاض" بھی تھا۔ قریش میں آپ صاحب اقتدار مانے جاتے تھے اور صاحبان حکم میں شمار ہوتے تھے۔ قریش کے لوگ اپنے نزاعات اور جھگڑے فیصلے کے لیے آپ کے پاس لایا کرتے تھے اور آپ جو فیصلہ فرماتے لوگ اس پر عمل کرتے اور اسے تسلیم کرتے تھے۔

آپ فیصلہ کرتے وقت پورے عدل و انصاف سے فیصلہ فرماتے اور اس بات کا کوئی لحاظ نہ فرماتے کہ یہ شخص بڑا ہے یا چھوٹا' یہاں تک کہ اگر کوئی آپ کا نہایت قریبی بھی ہوتا تو حق و صداقت اور عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے آپ اس کے خلاف بھی فیصلہ کرنے سے نہ چوکتے۔

حرب بن امیہ رشتہ میں آپ کا بھتیجا تھا اور آپ کا ندیم خاص بھی۔ وہ ہر وقت آپ ہی کی مجلس میں بیٹھا رہتا۔ روز و شب آپ ہی کے پاس اس کی نشست و برخاست ہوتی۔ باہمی صلاح و مشورہ کی وجہ سے دونوں کی آپس میں بڑی محبت تھی۔ اتفاق سے ایک روز ایک یہودی جو خواجہ عبدالمطلب کا ہمسایہ تھا' اس کی حرب بن امیہ سے راستہ میں کچھ تو تکار ہوگئی۔ یہودی نے حرب کے حق میں کچھ سخت الفاظ استعمال کیے۔ حرب کی نبض غیرت میں کچھ تیزی آئی اور وہ مشتعل ہوگیا۔ اسی اشتعال میں اس نے ایک شخص سے اس یہودی کو مروا دیا۔ خواجہ عبدالمطلب کو جب پتہ چلا کہ حرب نے یہودی کو ناحق مروا دیا ہے تو انہوں نے حرب کی ہم نشینی یک قلم ترک کر دی اور حرب سے ایک سو اونٹ بطور دیت اس یہودی کے چچا کے بیٹے کو دلوا دیئے۔

علامہ طبری نے خواجہ عبدالمطلب کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی تاریخ

Marfat.com

میں لکھا ہے:

"مطلب کے انتقال کے بعد رفادت و سقایت کی خدمت اس کے بھتیجے خواجہ عبدالمطلب کے سپرد ہوئی۔ وہ اپنی قوم میں عظمت اور بزرگی کی اس بلندی پر فائز ہوئے کہ اور کوئی شخص ان کے برابر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے چاہ زم زم کا اصلی مقام معلوم کر کے اسے از سر نو کھودا اور زمانہ قدیم میں قوم جرہم نے جو سونے کے دو ہرن اس میں دفن کئے تھے ان کو وہاں سے نکلوا کر اور مرج القلعہ کی بنی ہوئی دو تلواریں اور زرہیں نکلوا کر تلواروں سے انہوں نے بیت اللہ کا ڈھانچہ بنوایا اور ہرنوں کے سونے کے پترے بنوا کر بیت اللہ کے دروازے پر چڑھائے۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ بیت اللہ کے دروازے پر سونے کے پترے چڑھائے گئے۔"

(طبری جلد 2 ص 12 ' سیرۃ ابن ہشام جلد 1 ص 142-147)

خواجہ عبدالمطلب کی زندگی کا سب سے مشہور واقعہ وہ ہے جس کو "اصحاب الفیل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اس بارہ میں ایک خاص سورت نازل ہوئی جس کو "سورۃ الفیل" کہتے ہیں۔ یہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ صوبہ یمن میں شاہ حبشہ کے نائب ابرہہ اشرم (اشرم اس لیے کہ ایک جنگ میں اس کا ایک کان اور ناک کٹ گئے تھے) جو کہ عیسائی تھا' اس نے صنعائے یمن میں قیمتی پتھروں کا ایک گرجا بنایا جس کا نام "کلیس" رکھا اور اندرونی اور بیرونی طور پر اس کو خوب مزین کیا' اس خیال سے کہ لوگ کعبہ کی بجائے اس کا حج کیا کریں' لیکن کوئی شخص وہاں حج کرنے نہ گیا بلکہ ہوا یہ کہ اس کے قریب کسی شخص نے (بعض روایات کے مطابق کسی قریشی نے) آگ جلائی جو اڑ کر اس گرجے کو جا لگی اور وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ کلیس کے جلنے سے ابرہہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے ہاتھیوں کا ایک لشکر لے کر بیت اللہ پر حملہ کر دیا۔ ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ ہاتھی ٹکریں مار مار کر اس کی دیواریں گرا دیں۔ لشکر کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔

جب یہ لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو لشکریوں نے وہاں جو اونٹ چر رہے تھے ان کو اپنے قبضہ میں لے لیا جن میں دو سو اونٹ خواجہ عبدالمطلب کے تھے۔ آپ کو جب اونٹوں کے پکڑے جانے کی اطلاع ملی تو آپ خود ابرہہ کے پاس اپنے اونٹوں کی واگزاری

Marfat.com

کے لیے تشریف لے گئے۔

خواجہ عبدالمطلب نہایت وقیع' باوقار' بارعب اور پرہیبت بزرگ تھے۔ جب ابرہہ نے انہیں دیکھا تو اس کے دل میں ان کے لیے عظمت کے جذبات پیدا ہوئے اور وہ ہیبت زدہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ خواجہ عبدالمطلب کے پاس فرش زمین پر بیٹھ گیا اور آنے کا مدعا پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے لشکری میرے دو سو اونٹ پکڑ کر لے آئے ہیں' وہ آپ مجھے واپس کر دیں۔

ابرہہ نے نہایت تعجب سے پوچھا کہ آپ نے مجھ سے اپنے دو سو اونٹوں کی بابت سوال کیا ہے' لیکن اپنے کعبہ کی بابت کچھ نہیں کہا' کیونکہ میں اس کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔

خواجہ عبدالمطلب نے فرمایا ''میں اونٹوں کا مالک ہوں لہذا اونٹوں کی بات کرتا ہوں۔ لیکن بیت اللہ کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔'' ابن ہشام کے الفاظ ہیں:

انی انا رب الابل و ان للبیت ربا سیمنعه

''میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔'' (سیرت ابن ہشام جلد 1 ص 50)

ابرہہ نے بڑے غرور و نخوت سے کہا وہ اسے مجھ سے نہیں بچا سکتا۔ خواجہ عبدالمطلب نے جواباً فرمایا: (سیرت ابن ہشام جلد 1 ص 50)

انت و ذالک۔

''تو جانے اور وہ۔''

ابرہہ نے وہ اونٹ واپس کر دیئے' جن کو لے کر خواجہ عبدالمطلب واپس آئے۔

بعد میں آپ نے خانہ کعبہ کا کنڈا پکڑ کر کہا

یا رب لا ارجو لهم سواکا
یا رب فامنع منهم حماکا
ان عدو البیت من عاداکا
امنعهم ان یخربوا قراکا

Marfat.com

اے میرے رب تیرے سوا مجھے کسی کی آس نہیں۔
اے میرے رب اب ان لوگوں سے اپنے گھر کو بچا لے۔
بے شک اس گھر کا دشمن وہی ہے جو تجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔
اے اللہ! تو ان لوگوں کو اپنے گھر کی تخریب سے روک لے۔

اس دعا کے بعد خواجہ عبدالمطلب دوسرے تمام لوگوں کو ساتھ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔

جب صبح ہوئی تو ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی۔ فیل بان نے ہاتھی کو اٹھایا لیکن وہ نہ اٹھا۔ اس نے طبرزین (لوہے کی کھنڈیوں) سے اسے مار مار کر لہولہان کر دیا لیکن ہاتھی اٹھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے جو اس گھر کا مالک تھا غیب سے جدہ کے سمندر کی طرف سے عجیب قسم کے پرندے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔ ہر ایک کی چونچ میں ایک اور دونوں پنجوں میں دو سجیل (پتھر کے ٹکڑے) تھے۔ جس کو بھی وہ پتھر لگتا اس کے اعضاء ساقط ہو جاتے۔ یہ حالت دیکھ کر لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، نفیل بن حبیب نے پہاڑ پر سے پکار کر کہا:

این المفر و الاله طالب ولا شرم المغلوب لیس الغالب

"جب اللہ تعالیٰ خود پیچھے پڑا ہوا ہو تو بھاگنے کی جگہ کہاں مل سکتی ہے اور ابرہہ نکٹا تو اب غالب نہیں بلکہ مغلوب ہے۔"

غرضیکہ خود ابرہہ اور اس کا لشکر ان پرندوں کے کنکروں سے تباہ و برباد ہو گیا۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام جلد 1 ص 53 و دیگر کتب سیرت)

خواجہ عبدالمطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ ان دس بیٹوں میں سے پانچ نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔

(1) ابولہب (2) ابو طالب (3) عبداللہؓ (4) حمزہؓ (5) عباسؓ
(سیرت ابن ہشام جلد 1 ص 153)

عبدالمطلب کی جانشینی:

خواجہ عبدالمطلب جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو انہوں نے اپنی جانشینی کے لیے اپنے سب سے بڑے بیٹے زبیر بن عبدالمطلب کا تقرر فرمایا۔ زبیر رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے سب سے بڑے حقیقی بھائی تھے۔ ویسے خواجہ عبدالمطلب کی اولاد میں آپ کا سب سے بڑا بیٹا حارث تھا۔ جس کے نام پر آپ نے اپنی کنیت ''ابوالحارث'' رکھی ہوئی تھی۔ یہ حارث اپنے پدر بزرگوار کی زندگی میں ہی فوت ہوگئے تھے۔

خواجہ عبدالمطلب کی اہلیہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ جو بنومخزوم سے تھیں' کے بطن سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام زبیر' عبد مناف' (ابو طالب) اور جناب عبداللہ (والد ماجد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے اور بیٹیوں کے نام عاتکہ' برہ' امیمہ اور ام الحکیم البیضاء تھے۔ ام الحکیم البیضاء جناب عبداللہ کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھیں اور یہ سیدنا عثمانؓ بن عفان کی سگی نانی تھیں۔

بھائیوں میں زبیر سب سے بڑے تھے' عبد مناف (ابو طالب) منجھلے اور جناب عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔ چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے:

كان الزبير احد حكام قريش و هوا اسن من عبدالله و ابو طالب

''زبیر قریش کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔ وہ عبداللہ اور ابو طالب سے عمر کے لحاظ سے بڑے تھے۔'' (انساب الاشراف جلد 1 ص 85)

زبیر قریش کے باوجاہت سرداروں میں سے تھے۔

فامّا الزبير بن عبدالمطلب فكان من اشراف قريش و وجوهها

''زبیر بن عبدالمطلب قریش کے معزز اور باوجاہت سرداروں میں سے تھے۔''

(تاریخ یعقوبی جلد 1 ص)

زبیر بڑے صاحب فکر ونظر شخص تھے۔ اعمال انسانی کی جزاء وسزا کے لیے معاد اور آخرت کے قائل تھے۔ کسی ظالم شخص کے بری طرح مرنے پر ابن ابی الحدید نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے ہمارے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا:

ان للناس معاد يوخذ فيه للمظلوم من الظالم

''انسانوں کے واسطے ایک لوٹنے کی جگہ ہے یعنی آخرت جہاں ظالم سے مظلوم کا بدلہ اور

Marfat.com

انتقام لیا جائے گا۔"

(ابن ابی الحدید جلد 3 ص 263)

حلف الفضول عرب کے مختلف قبائل کے مابین ایک معاہدہ ہوا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی تھی اور اس معاہدہ نے "حروب الفجار" کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ اس کے اصل محرک زبیر بن عبدالمطلب ہی تھے۔ چنانچہ ہوا یوں کہ چوتھی حرب الفجار کے چند روز بعد مکہ مکرمہ میں ایک یمنی تاجر سے کچھ مال قریش کے سردار عاص بن وائل نے خریدا' مگر سرداری کے گھمنڈ اور غرور میں اس مال کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ تاجر نے اس ظلم کی فریاد میں قریش کو مخاطب کرتے ہوئے چند شعر کہے اور علی الصبح جبل بوقبیس پر چڑھ کر بلند آواز سے سنائے۔ بنو ہاشم کے سردار زبیر بن عبدالمطلب کی حساس طبیعت پر اس مظلوم کی فریاد کا یہ اثر ہوا کہ عاص بن وائل کو مجبور کر کے نہ صرف مظلوم کا حق دلوایا بلکہ اپنے والد بزرگوار کے دوست اور ندیم عبداللہ بن جدعان سردار بنو تیم (یہ عبداللہ بن جدعان سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے رشتہ میں چچا تھے) کے گھر سرداران قریش کو مدعو کر کے باہم یہ عہد و پیمان کرایا کہ مکہ کے اندر ہم کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے۔ خواہ کوئی شہری ہو یا پردیسی اور ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے۔

(تحالفوالا یظلم احد بمکة الا قاموا معه حتی یرد ظلامته)

(نسب قریش ص 291)

چنانچہ زبیر بن عبدالمطلب ہی کی تحریک پر بنو ہاشم' بنو مطلب' بنو اسد' بنو زہرہ' بنو تیم اور بنو حارث بن فہرہ وغیرہ کے نمائندگان نے وہ تاریخی معاہدہ کیا جو کتب سیر و تواریخ میں "حلف الفضول" کے نام سے موسوم ہے۔

ابن ابی الحدید نے اس معاہدہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ:

وکانت النباهة فی هذا الحلف للزبیر بن عبدالمطلب و لعبداللّٰه بن جدعان اما ابن جدعان فلأن الحلف عقد فی داره' واما للزبیر فلأنه هوالذی نهض فیه و دعا الیه وحث علیه و هو الذی سماه "حلف الفضول"

اس معاہدہ کے سلسلہ میں زبیر بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جدعان کو شرف اور نیک نامی حاصل ہوئی۔ ابن جدعان کو تو اس لیے کہ اس کے گھر پر یہ معاہدہ پایہ تکمیل کو

پہنچا اور زبیر کو اس لیے کہ انہوں نے اس معاہدہ کی تحریک کی' لوگوں کو اس کی دعوت دی اور ترغیب دلائی اور انہوں نے ہی اس کا نام "حلف الفضول" رکھا۔

(ابن ابی الحدید جلد 3 ص455)

(ایسا ہی کتاب المحبر ص 161' سیرۃ الحلبیہ جلد 1 ص 144' البدایہ والنہایہ جلد 2-192)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے حلف الفضول کے بارہ میں لکھا ہے:

"لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے اور قتل و سفا کی موروثی اخلاق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے' یہ تجویز پیش کی' چنانچہ خاندان بنو ہاشم' زہرہ اور تیم عبداللہ بن جدعان[1] کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے سو اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔"

(سیرۃ النبی جلد 1 ص 183)

اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" اس لیے رکھا گیا کہ فضول (مال) اس کے مال کو غاصب سے واپس دلایا جائے گا۔ (ان یردوا الفضول الی اهلها) اور اس سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ قبیلہ جرہم کے تین شخصوں نے جن کے نام "فضل" تھے یعنی فضل بن فضالہ' فضل بن الحرث اور فضل بن وداعہ نے زمانہ سابق میں اسی طرح کا ایک معاہدہ کیا تھا جو ان کے ناموں کی وجہ سے "حلف الفضول" کہلایا۔ اس معاہدہ کا نام

(1) اس کی کنیت ابو زبیر تھی اور یہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا چچا زاد بھائی تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عبداللہ بن جدعان غریبوں کو کھانا کھلاتا اور مہمانوں کی خاطر تواضع کرتا تھا' کیا یہ چیزیں اسے قیامت کے روز فائدہ دیں گی؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں۔"

Marfat.com

بھی اسی پر رکھا گیا۔

غرضیکہ زبیر' عبدالمطلب کے وصی اور جانشین بنو ہاشم کے سردار تھے' نہایت ذی وجاہت انسان تھے۔ مظلوموں اور بے کسوں کی اعانت اور امداد کو وہ اپنا ایک فریضہ زندگی سمجھتے تھے اس مقصد کے لیے انہوں نے "حلف الفضول" کی تحریک و ترغیب دی اور عبداللہ بن جدعان کی گھر پر "حلف الفضول" کا معاہدہ تکمیل کو پہنچا جس کا مقصد ہی مظلوموں اور بیکسوں کی خبر گیری اور امداد تھا۔

اس کے ساتھ دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اپنی مادر مشفقہ کے بطن میں تھے تو آپ کے والد ماجد عبداللہ ملک شام کو ایک تجارتی سفر پر روانہ ہوئے۔ سفر پر اپنے والد کے ماموؤں کے ہاں یثرب میں چند روز کے لیے قیام فرمایا' یہاں وہ اچانک بیمار ہوگئے۔ ان کی علالت کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو ان کے والد خواجہ عبدالمطلب نے ان کے بڑے بھائی زبیر بن عبدالمطلب کو ان کی تیمار داری کی غرض سے بعجلت تمام مدینہ روانہ کر دیا۔ زبیر مدینہ پہنچے تو دیکھا کہ بھائی کی بیماری مہلک ہو چکی ہے۔ ہر قسم کا دوا دارو کیا لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر حضرت عبداللہ نے بڑے بھائی کی آغوش میں ہی اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ زبیر نے تمام مراسم تدفین ادا کیے اور واپس مکہ تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کو انساب الاشراف جلد 1 ص 92، سیرۃ الحلبیہ جلد 1 ص 55 میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور صاحب اسد الغابہ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

چند ماہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے' تو اس دعائے خلیل اور نوید مسیحا کی آمد سے زبیر بن عبدالمطلب کو غیر معمولی خوشی ہوئی۔ چنانچہ وہ انہیں گودوں لیے پھرتے۔ ہاتھوں پر جھلاتے اور لوری گنگناتے جاتے' چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ:

ان الزبير بن عبدالمطلب يرقص النبى صلى الله عليه وسلم وهو صغير ويقول محمد بن عبدم ' عشت بعيش انعم ' فى عزّ فرع اسنم۔

زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں اپنے ہاتھوں پر جھلایا

کرتے تھے اور یوں فرماتے کہ " یہ محمدؐ میرے عبداللہ بھائی کی نشانی ہے۔
خوب عیش و آرام سے جئے اور بڑی اعلیٰ قدر و منزلت پائے۔

(الاصابہ جلد 2 ص 308)

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب مرفہ حال' سخی' ذی وجاہت اور تمام صفات حسنہ کے مالک تھے۔ چنانچہ شیعہ مورخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

کان الزبیر بن عبدالمطلب شجاعاً ابیاً جمیلا بھیاً و کان خطیباً شاعراً و سیداً وجوّاداً

" زبیر بن عبدالمطلب ایک بہادر' خوبصورت اور باوجاہت انسان تھے اور خطیب' شاعر اور بنو ہاشم کے سردار اور سخی تھے۔"

(ابن ابی الحدید جلد 3 ص 455)

چوتھی چیز اس سلسلہ میں یہ ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ جب اپنے چھ سال کے بچے کو ساتھ لے کر اپنے مرحوم شوہر عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لیے یثرب تشریف لے گئیں اور واپسی پر مقام ابواء پر اپنے بچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بیابان میں سیدہ ام ایمن کی معیت میں چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں' تو خواجہ عبدالمطلب نے مادر و پدر کی شفقتوں سے محروم پوتے کو اپنے سایہ عاطفت میں رکھا۔ خواجہ عبدالمطلب اس وقت 90 برس کے قریب تھے اور نہایت نحیف و نزار بلکہ آنکھوں کی بینائی سے بھی محروم' اپنے بیٹے ابولہب کا سہارا لے کر چلتے تھے۔ پدر بزرگوار کی ذاتی اور خاندانی حوائج و ضروریات آپ کے بڑے بیٹے زبیر پوری کرتے جو آپ کے وصی اور نامزد جانشین تھے۔

والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد دو سال تک آپ اپنے شفیق دادا کی آغوش محبت میں رہے' لیکن اس عرصہ میں بھی حقیقی معنوں میں آپ کی کفالت زبیر بن عبدالمطلب ہی کرتے تھے' اپنے تایا ابا زبیر کی شفقت و محبت سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت متاثر تھے اور آپ کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ میں زبیر ہی کی مشفقانہ کفالت میں رہوں۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے:

Marfat.com

بل اجتاره رسول اللّٰه صلی ای علیه وسلم علی الزبیر وکان الطف عمیه به ویقال اوصاه عبدالمطلب بان یکفله بعده

''بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زبیر ہی کے پاس رہنا پسند کیا' وہ ہی آپ کے تمام چچاؤں میں سے سب سے زیادہ شفیق اور مہربان تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواجہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے زبیر ہی کو اپنے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی وصیت فرمائی تھی۔ (انساب الاشراف جلد1 ص 85)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے تایا ابا سے محبت کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ زبیر کے بڑے بیٹے کا نام طاہر تھا اور ان ہی کے نام پر انہوں نے اپنی کنیت ابو طاہر رکھی ہوئی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ہم عصر تھے اور عنفوان شباب ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مناسبت سے اپنے ایک صاحبزادے کا نام طاہر رکھا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

وکان لزبیر بن عبدالمطلب ابن یقال الطاہر وکان من اظرف فتیان مکة' مات غلاماً و به سمی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ابنه الطاہر

''اور زبیر بن عبدالمطلب کے ایک لڑکے کا نام طاہر تھا اور وہ مکہ کے خوش مزاج اور ظریف نوجوانوں میں سے تھا۔ وہ نوجوانی میں ہی فوت ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام پر اپنے ایک صاحبزادے کا نام طاہر رکھا۔''

(ابن ابی الحدید جلد 3 ص 456)

زبیر بن عبدالمطلب کے ایک صاحبزادے عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان کی اولاد سیدہ عاتکہ بنت ابو وہب بن عمرو مخزومیہ تھیں جو آپ کی دادی فاطمہ بنت عمرو کی سگی بھتیجی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ''میری ماں'' کہہ کر پکارتے تھے یہ عبداللہ بن زبیر جنگ حنین میں شریک ہوئے اور اپنے محترم چچا عباسؓ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ وہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ دیکھ کر حاضرین مجلس سے فرماتے: ''یہ میری ماں کے

بیٹے ہیں۔" (انه ابن امی) اور جب ان کے والد محترم کی شفقتیں یاد آتیں تو فرماتے کہ:

"ان کے والد میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے تھے (کان ابوه بی براً)

(الاصابہ جلد۲ ص ۳۰۸)

علامہ ابن سیدالناس اور دوسرے کئی ایک مورخین نے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر کے تذکرہ میں لکھا ہے:

کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول ابن عمّی وحبّی و منهم من یروی انّه کان یقول ابن اُمی وحبّی

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہؓ بن زبیر بن عبدالمطلب کے بارہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے چچا کے بیٹے اور میرے محبوب ہیں اور بعض لوگ یہ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری ماں کے بیٹے اور میرے محبوب ہیں۔"

(عیون الاثر جلد ا ص ۲۹۲)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ خواجہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تایا ابا زبیر کی کفالت میں رہے اور خواجہ عبدالمطلب نے بھی انہیں کو اپنے یتیم پوتے کی کفالت کی وصیت فرمائی تھی نہ کہ ابو طالب کو۔ معلوم نہیں یہ کیا سازش ہوئی کہ ہمارے سیر و تواریخ نگار حضرات نے ابو طالب کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل کے طور پر لکھ دیا حالانکہ ابو طالب تو اپنے بچوں کی بھی ناداری اور مفلوک الحالی کی وجہ سے صحیح طور پر کفالت نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ آئندہ صفحات میں ثابت کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی زیادتی ہے جو ایک خاص سازش کے تحت یہودی اور ایرانی عناصر نے مل کر کی ہے۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ کے پہلے کفیل تو زبیر ہی تھے لیکن زبیر کے انتقال کے بعد ابو طالب نے آپ کی کفالت کی۔ یہ بات بھی بالکل غلط ہے کیونکہ جب زبیر بن عبدالمطلب کا انتقال ہوا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 20 سال کے قریب تھی اور 20 سال کے نوجوان کو کسی کفیل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ آپ اس وقت خود ابو طالب کے سب سے چھوٹے بیٹے سیدنا علیؓ کے کفیل تھے۔ چنانچہ اس

سلسلہ میں علامہ بلاذری نے لکھا ہے:

وروی بعضهم ان الزبير كفل النبی صلى الله عليه وسلم حتّى مات ثم كفّله ابو طالب بعده و ذالک غلط ' بان الزبير شهد حلف الفضول و رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئيذ نيف و عشرون سنة

"بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ زبیر نے اپنی وفات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی تھی پھر ان کے انتقال کے بعد ابو طالب نے آپ کی کفالت کی، لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ زبیر "حلف الفضول" میں موجود تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اُس وقت کچھ اور بیس سال تھی۔

(انساب الاشراف جلد 1 ص 85)

غرضیکہ ہماری تحقیق کے مطابق آپ کے شفیق دادا خواجہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش کی کفالت آپ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب کے سپرد ہوئی تھی اور ہر لحاظ سے استحقاق بھی انہیں کا تھا، لیکن ہمارے عام مورخین اور اصحاب سیر نے ایک دوسرے کے تتبع میں ابو طالب کا نام لکھ دیا جو کہ صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

ابو طالب

خواجہ عبدالمطلب نے کئی شادیاں کیں۔ ایک شادی انہوں نے خاندان نبومخزوم میں کی اور آپ کی اس اہلیہ کا نام فاطمہ بن عمرو بن عائذ تھا۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سات اولادیں دیں جن میں تین لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں' لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے زبیر' منجھلے عبد مناف (ابو طالب) اور سب سے چھوٹے عبداللہ (والد ماجد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) تھے۔

ابو طالب کا اصل نام عبد مناف تھا۔ کنیت بڑے بیٹے طالب کے نام پر ابو طالب تھی۔ تاریخ میں نام سے زیادہ کنیت مشہور ہوئی' جیسا کہ آپ کے سوتیلے بھائی ابو لہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا لیکن لقب ابولہب ہی مشہور ہوا۔

(کتاب نسب قریش ص 17 کتاب المعارف ص 15)

مناف اور عزیٰ نواحِ مکہ مین دو بت تھے۔ ان بتوں کے نسبت سے بعض ممتاز قریش اپنے بچوں کے نام زمانہ جاہلیت میں رکھا کرتے تھے چنانچہ خواجہ عبدالمطلب کے دادا کا نام بھی اس بت کے نسبت سے عبد مناف تھا اور اس عبد مناف کے حقیقی بھائی کا نام عبدالعزیٰ تھا جس کی نسل سے سیدہ خدیجہ ام المومنینؓ اور سیدنا زبیرؓ بن العوام کا ابدی خاندان ہے۔ خواجہ عبدالمطلب نے بھی خاندانی رسم و رواج کے مطابق اپنے دو بیٹوں کے نام ان دو بتوں کی نسبت سے عبد مناف (ابو طالب) اور عبدالعزیٰ (ابولہب) رکھے۔

بعض حضرات ابو طالب کے نام "عبد مناف" سے بہت سٹپٹائے کیونکہ وہ تو ابو

Marfat.com

طالب کو "علیہ السلام" کہتے ہیں' لیکن ابو طالب کا نام ہی ایک بت کے نام پر شرکیہ نام ہے۔ چنانچہ انہوں نے "عبد مناف" کی عجیب وغریب تاویلات کیں۔ کبھی کہا کہ "عبد مناف" نام نہیں تھا بلکہ لقب تھا۔ کبھی کہا کہ ان کا اصل نام تو عمران تھا مگر عبد مناف بھی کہلاتے تھے۔ چنانچہ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے:

نام ابو طالب عمران است وہم اورا عبد مناف نامیدہ اند

"ابو طالب کا نام تو عمران تھا البتہ ان کو عبد مناف بھی کہتے تھے۔"

لیکن یہ بات بلکہ غلط ہے بلکہ ابو طالب کا نام عبد مناف ہی تھا' عمران نہیں تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

اما اسمہ فقیل انہ عمران وہی روایۃ ضعیفۃ.... والصحیح ان اسم ابی طالب عبد مناف

"سو ابو طالب کے نام کے بارہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عمران تھا یہ روایت ضعیف ہے— اور یہ صحیح ہے کہ ابو طالب کا نام عبد مناف تھا۔"

(عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص 5 'البدایہ والنہایۃ جلد 7 ص 334)

خاندان کے سربراہ اور سردار کے لیے جو صفات اور خصوصیات ایک شخص میں پائی جانی چاہئیں جیسے شجاعت و بہادری جود ونوال' بخشش وعطاء' مروت و بردباری' دولت وثروت وغیرہ' ابو طالب ان میں سے اکثر سے محروم تھے' لیکن پھر بھی چونکہ زبیر بن عبد المطلب کے انتقال کے بعد خاندان میں وہ سب سے عمر رسیدہ تھے لہذا جسمانی کمزوری اور معذوری اور مالی کمزوری اور ناداری کے باوجود وہ اپنے خاندان کے سربراہ ہوئے۔

ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشی کے مطابق آپ لنگڑے تھے اور ابن قتیبہ نے المعارف میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ شاید پیدائشی طور پر آپ معذور تھے۔ چنانچہ اس نقص کی وجہ سے نہ کسی حرب فجار میں اور نہ ہی کسی اور جنگ میں آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔

اہل خاندان کا ذریعہ معاش تجارت تھا اور تجارت کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت بہتر تھی۔ ابو طالب چونکہ لنگڑے تھے لہذا اپنی اس معذوری کی وجہ سے وہ دور دراز تجارتی سفروں سے معذور تھے۔ یہی ان کی مالی کمزوری کا سبب تھا۔ سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں آپ کے سفر شام کا جو ذکر ملتا ہے وہ صرف

Marfat.com

ایک افسانہ ہے وگرنہ تاریخی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ٹانگوں کے اسی نقص کی وجہ سے وہ عطر فروشی اور بعض اوقات غلّہ کی خرید و فروخت کر لیتے تھے۔

(کتاب المعارف ص 249)

اس معمولی تجارت کی وجہ سے ان کی آمدنی کوئی زیادہ نہ تھی۔ دوسرے کثرت عیال کی وجہ سے اس آمدنی سے خاندان کا گزارا مشکل تھا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کا قول ہے:

ابی ساد فقیراً وما ساد فقیر قبلہ

"میرے والد ابو طالب جب سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے پہلے کوئی فقیر سردار نہیں ہوا۔"

(تاریخ یعقوبی جلد 1 ص 17)

ایسا ہی سیرۃ الحلبیہ جلد 1 ص 143 ' ابن ابی الحدید جلد 3 ص 461 وغیرہ میں بھی لکھا ہوا ہے۔

ان حالات میں ابو طالب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے کفیل ہو سکتے تھے؟ چنانچہ آپ کے کفیل جناب زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ عمر کی ان منزلوں میں تھے جب کسی کفیل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

اسی بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد قریباً دس سال تک زندہ رہے لیکن قبول اسلام کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔

سیدنا علیؓ کی اس بارہ میں روایت ہے کہ جب ابو طالب کا انتقال ہوا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا کر کہا:

یا رسول اللہ ! ان عمّک الشیخ الضّال قد مات

"یا رسول اللہ ! آپ کا بڈھا گمراہ چچا مر گیا۔"

(السیرۃ الحلبیہ جلد 1 ص 381)

ابو طالب نے ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ جس وقت ابو طالب کی وفات ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 49 سال آٹھ ماہ گیارہ دن تھی۔ ابو طالب کی وفات کے تین روز بعد سیدہ خدیجہ ام

Marfat.com

المومنین سلام اللہ علیہا کا انتقال ہوا۔ (نووی شرح مسلم جلد 1 ص 40)

مسلم کی روایت نمبر 40 میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کی وفات سے کچھ وقت پہلے ان کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی' لیکن ابو طالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بخدا! میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اللہ تعالیٰ روک نہ دے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی القربیٰ من بعد ماتبین لھم انھم اصحاب الجحیم (توبہ: 113)

''نبی اور مومنوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں' خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں' جب ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ جہنمی ہیں۔''

علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ امام احمدؒ امام ابن ابی شیبہؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام نسائیؒ امام ابن جریرؒ، امام ابن منذرؒ اور امام بیہقیؒ نے مسیّب بن حزن سے روایت کیا ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اے چچا! لا الہ الاّ اللہ کہو' میں اللہ کے نزدیک اس کلمہ سے حجت پکڑوں گا۔'' ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا: ''اے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟'' آخر ابو طالب نے لا الہ الاّ اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

اس روایت پر بعض حضرات نے کچھ اعتراضات کیے ہیں لیکن علامہ آلوسیؒ نے ان سب اعتراضات کے مدلل جوابات دیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی جلد 11

ص 32-33) امام بخاریؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (تفسیر کبیر جلد 4 ص 511)

علامہ قرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن جلد 8 ص 272-273 پر یہی لکھا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم میں ہے۔

انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء (قصص : 56)

" بے شک آپ جس کو چاہیں اسے ہدایت یافتہ نہیں کرتے لیکن اللہ جسے چاہے اس کو ہدایت یافتہ کرتا ہے۔"

امام رازیؒ فرماتے ہیں: " بظاہر اس آیت کی ابو طالب کے کفر پر دلالت نہیں ہے۔ لیکن زجاج نے کہا ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ابو طالب نے اپنی موت کے وقت کہا: " اے بنو عبد مناف ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور ان کی تصدیق کرو، تم ہدایت اور فلاح پاؤ گے۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اے چچا ! آپ ان کو تو نصیحت کر رہے ہیں، خود اس بات پر عمل کیوں نہیں کرتے؟" ابو طالب نے کہا: " تم کیا چاہتے ہو؟" فرمایا: " میں چاہتا ہوں کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کہیں تاکہ میں اللہ کے سامنے آپ کی ایمان کی گواہی دوں۔" ابو طالب نے کہا: " اے بھتیجے ! میں جانتا ہوں کہ تم صادق ہو لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یہ کہا جائے کہ ابو طالب موت سے ڈر گیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم بہت نصیحت کرتے ہو اور بہت غم کھاتے ہو۔" (تفسیر کبیر جلد 6 ص 499)

علامہ قرطبی اور حافظ ابن کثیر نے بھی قریباً یہی کچھ لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو قرطبی جلد 13 ص 299، ابن کثیر تفسیر جلد 5 ص 290-294)

یہ تو تھی قرآنی آیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی جلد 1 ص 181، ص 185، جلد 2 ص 674-675 پر ابو طالب کے ایمان نہ لانے کی وہی حدیث نقل کی ہے جس کا ہم گذشتہ سطور میں ذکر کیا اور اس کو مسلم جلد 1 ص 40 اور نسائی جلد 1 ص 40 پر بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ:

سیدنا عباس بن عبدالمطلب نے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے عرض کی: "آپ نے اپنے چچا (ابو طالب) سے کس عذاب کو دور کیا؟ وہ آپ کی طرف سے مدافعت کرتے تھے' آپ کے لیے غضب ناک ہوتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: 'وہ ٹخنوں تک آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوتے۔" (بخاری جلد 1 ص548)

اس حدیث کو مسلم جلد 1 ص115 ' مسند احمد جلد 1 ص206 ' جلد 3 ص 9' ص 50 ' 55 مسند ابو یعلی جلد 2 ص 125 ' ص 399 میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

سیدنا ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابو طالب کا ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز میری شفاعت سے انہیں فائدہ ہوگا۔ ان کو تھوڑی سی آگ میں ڈالا جائے گا جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔" (مسلم جلد 1 ص 115' مسند احمد بن حنبل جلد 3 ص 55 ' ص 50 ' دلائل النبوۃ بیہقی جلد 2 ص 347)

امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "آپ کا بوڑھا گمراہ چچا فوت ہوگیا۔ اس کو کون دفن کرے گا؟" فرمایا: "جاؤ' اپنے باپ کو دفن کر دو۔" (نسائی جلد 1 ص 203' ابو داؤد جلد 2 ص 103' دلائل النبوۃ بیہقی جلد 2 ص349)

امام احمد کی روایت میں ہے کہ جب میں ابو طالب کو دفن کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا تو آپ نے فرمایا: "غسل کر لو۔" (مسند احمد جلد 1 ص 103' ص 131)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں جمہور اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ ابو طالب کا ایمان ثابت نہیں۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 122-126 میں دلائل سے اس کو ثابت کیا ہے اور جو حضرات ابو طالب کے ایمان کو ثابت کرتے ہیں ان کا استدلال نہایت کمزور اور پیش کردہ روایات نہایت ضعیف ہیں اور محدثین کے نزدیک ضعیف روایات کی صحیح روایات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ (ملاحظہ ہو شرح نخبۃ الفکر ص 44)

Marfat.com

ابو طالب کی اولاد:

ابو طالب کے چار لڑکے تھے:

(۱) طالب (2) عقیل (3) جعفر (4) علیؓ

اور دو لڑکیاں تھیں: ام ہانی اور جمانہ۔

ام ہانی کا نام فاختہ تھا۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف۔ سیدہ فاطمہ بنت اسد دولت اسلام سے بہرور تھیں۔

(کتاب المعارف ص 88' نسب قریش ص 39)

ان تمام بہن بھائیوں کی عمر میں دس دس سال کا فرق تھا۔

1- طالب:

اس بیٹے کے نام پر ابو طالب نے اپنی کنیت ابو طالب رکھی تھی۔ روایات میں ہے کہ یہ کہیں باہر گئے لیکن پھر واپس نہ آئے اور نہ ہی ان کی کوئی خبر ملی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ شاید ریگستان اور صحرا میں راستہ بھٹک گئے اور پھر واپسی کا راستہ نہ ملا۔

کہتے ہیں اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی۔ آپ کی شان میں کچھ اشعار بھی کہے۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ بادل نخواستہ چلے گئے' لیکن میدان جنگ میں مسلمانوں سے لڑے نہیں۔ اور واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔ یہاں آ کر اصحاب قلیب بدر کا ایک مرثیہ لکھا اور ایک قصیدہ اور چند اشعار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کہے لیکن غزوہ بدر کے بعد حالت شرک میں موت واقع ہوئی۔

(طبری جلد 2 ص 144)

2- عقیل:

ان کی کنیت ابو یزید تھی۔ بعض روایات کے مطابق فتح مکہ کے روز ایمان لائے اور بعض روایات کے مطابق صلح حدیبیہ کے بعد دولت ایمان سے سرفراز ہوئے (البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 47) غزوہ بدر میں حالت کفر میں تھے بدیں وجہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں شرکت کی اور گرفتار ہو گئے۔

Marfat.com

ان کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب نے چار ہزار درہم فدیہ ادا کر کے رہا کروایا۔

(کتاب المعارف ص 88)

بعض روایات میں ہے 8ھ کی ابتداء میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ غزوہ موتہ میں اپنے بھائی جعفر طیارؓ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے لیکن فتح مکہ اور جنگ حنین میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

عقیل انساب قریش سے بہت واقف و آشنا تھے۔ لوگ اس بارہ میں ان سے رجوع کیا کرتے تھے۔ قدرت نے حاضر جوابی کی دولت سے بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 47)

ابو طالب نے اگرچہ اپنی کنیت اپنے بیٹے طالب کے نام پر رکھی تھی لیکن ابو طالب کو محبت سب سے زیادہ عقیل سے تھی۔ اس کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے کہ ایک مرتبہ قحط و ناداری کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباسؓ سے مشورہ کیا کہ ابو طالب کثیر الاولاد اور قلیل المال ہیں' لہذا ہمیں ان کا بوجھ ہلکا کرنا چاہیے اور ان کے بچوں کو ہم آپس میں تقسیم کر لیں' چنانچہ دونوں حضرات ابو طالب کے پاس گئے اور انہیں کہا: ''ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد کی کفالت کی ذمہ داری آپس میں تقسیم کر لیں۔'' ابو طالب نے کہا کہ ''بہتر ہوتا کہ تم عقیل کو میرے پاس چھوڑ دیتے اور ان کے دوسرے بھائیوں کو تم جس طرح چاہو تقسیم کر لو۔'' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور سیدنا عباسؓ نے سیدنا جعفرؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔

سیدنا علیؓ کی خلافت میں سیدنا عقیلؓ نے اپنے بھائی کا ساتھ نہ دیا بلکہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کا ساتھ دیا چنانچہ مورخین نے لکھا ہے:

لحق بمعاوية و ترك اخاه علياً

''سیدنا عقیلؓ سیدنا معاویہؓ سے مل گئے اور اپنے بھائی علیؓ کو چھوڑ دیا۔''

(کتاب المعارف ص 88)

سیدنا عقیلؓ کی وفات سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ یزید بن معاویہؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا۔ (تاریخ صغیر) وفات کے

Marfat.com

وقت ان کی عمر 96 سال تھی اور آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔

(ابن ابی الحدید جلد 11 ص 350 ' کتاب المعارف ص 88)

ابو طالب کے انتقال کے وقت ان کے دو بیٹے طالب اور عقیل کافر تھے اور دو بیٹے جعفرؓ اور علیؓ مسلمان تھے' اس وجہ سے فرمان نبوی کے مطابق کہ (لا یرث المسلم الکافر و الکافر المسلم) مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ طالب اور عقیل تو ابو طالب کے وارث ہوئے لیکن جعفرؓ اور علیؓ کو حصہ نہ دیا گیا کیونکہ

لانهما کانا مسلمین (کتاب المعارف ص 88)

"کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے۔"

جنت البقیع کے پاس ان کا ایک بہت بڑا مکان تھا جس میں ان کی اولاد رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے 12 بیٹے عطا فرمائے تھے۔ ان بارہ میں سے 9 بیٹے میدان کربلا میں سیدنا حسین بن علیؓ کے ساتھ شہید ہوئے' ان میں مسلم بن عقیلؓ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ (کتاب المعارف ص 88)

3- جعفرؓ

ابو طالب کے تیسرے صاحبزادے سیدنا جعفرؓ بن ابی طالب تھے۔ یہ سیدنا عقیلؓ سے دس سال چھوٹے اور سیدنا علیؓ سے 10 سال بڑے تھے۔ ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علیؓ کے ساتھ عبادت میں مشغول تھے۔ ابو طالب نے جب اپنے دو عزیزوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود دیکھا تو دل پر کچھ خاص اثر ہوا۔ اس وقت جعفرؓ بھی پاس کھڑے تھے۔ ابو طالب نے جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم بھی اپنے چچا زاد بھائی کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ سیدنا جعفرؓ بھی آپ کے بائیں طرف کھڑے ہوگئے اور آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔ عبادات الٰہی کا انہیں اس قدر لطف آیا اور ان کے دل پر اس قدر اثر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرید اور متبع ہوگئے۔ آپ کے ایمان لانے سے قبل قریباً 31-32 آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت سے مشرف تھے۔ (اسد الغابہ ص 287 ' ابن سعد جلد 4 ص 34)

Marfat.com

آپ نے دو ہجرتیں فرمائیں' ایک ہجرت حبشہ اور دوسری ہجرت مدینہ۔ ہجرت حبشہ میں جب قریش کے وفد نے نجاشی کے دربار میں ان مہاجرین حبشہ کی مکہ واپسی کا مطالبہ کیا اور مسلمانوں پر طرح طرح کے الزامات لگائے تو ان کے جواب میں مہاجرین حبشہ نے سیدنا جعفرؓ کو ان کا جواب دینے کے لیے دربار میں کھڑا کیا۔ انہوں نے نجاشی کے بھرے دربار میں اتنی زبردست اور باا ثر تقریر کی کہ خود شاہ حبشہ نجاشی بھی اس سے متاثر ہوا اور اس نے مسلمانوں کو اس وفد کے ساتھ واپس مکہ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا قریش کی سفارت ناکام واپس آئی۔ (مسند احمد جلد 1 ص 201)

دوسری ہجرت آپ نے 7ھ میں حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا جعفرؓ کو دیکھا تو خوشی سے گلے لگا لیا اور آپ کی پیشانی چوم کر فرمایا کہ:

"میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفرؓ کے آنے کی زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح کی۔"

(طبقات ابن سعد جلد 4 ص 34' کتاب المعارف ص 89)

جمادی الاولیٰ 8 ہجری میں غزوہ موتہ پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا سپہ سالار اور علم بردار سیدنا زید بن حارثہؓ کو مقرر فرمایا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفرؓ اور اگر جعفرؓ شہید ہوں تو عبداللہؓ بن رواحہ اس فوج کے امیر ہوں گے۔ (بخاری غزوہ موتہ) جب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کی تین ہزار فوج نے دشمن کے ایک لاکھ ٹڈی دل کا مقابلہ کیا۔ سیدنا زیدؓ شہید ہوئے تو سیدنا جعفرؓ نے علم سنبھالا وہ شہید ہوئے تو سیدنا عبداللہؓ بن رواحہ نے فوج کی کمان سنبھالی اور جب وہ بھی شہید ہو گئے تو سیدنا خالدؓ بن ولید سیف اللہ نے علم ہاتھ میں لیا اور مجاہدین اسلام کو بچا لیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جو اس جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو دیکھا تو ان کے سامنے کے حصہ پر پچاس زخم تھے' پورے بدن پر نوے سے بھی زیادہ زخم تھے۔ کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔ (بخاری غزہ موتہ) ابن قیتبہ نے

Marfat.com

سامنے کے حصے پر 54 زخم بتائے ہیں۔ (کتاب المعارف ص 89) چونکہ اس جنگ میں دونوں بازو قلم ہو گئے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو دو پر عطا فرما دیئے جن سے وہ جنت میں اڑ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا لقب "ذوالجناحین" اور "طیار" پڑ گیا۔

(کتاب المعارف ص 89)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے انتقال کا انتہائی صدمہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ "آل جعفر کا خیال رکھنا' آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔"

(مستدرک حاکم جلد 3 ص 209)

سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین پر چلنے والوں اور گھوڑے پر سوار ہونے والوں میں بہترین شخص جعفرؓ تھے۔" (کتاب المعارف ص 89)

سیدنا جعفرؓ نہایت فیاض اور کشادہ دست تھے۔ غرباء و مساکین کو کھلانے میں انہیں خاص لطف آتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں "ابوالمساکین" کہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کو مساکین کے حق میں سب سے بہتر پایا۔ (بخاری جلد 1 ص 562) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مناقب میں فرمایا کہ:

"جعفر! تم صورت اور سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو۔"

(بخاری جلد 1 ص 566' مسند احمد جلد 1 ص 108)

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھ سے پہلے ہر نبی کو سات رفیق دیے گئے ہیں لیکن میرے رفیق چودہ ہیں ان میں سے ایک جعفرؓ بھی ہیں۔"

غرض کہ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو ان سے خاص محبت تھی۔

سیدہ اسماء بنت عمیسؓ سے اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادے عبداللہؓ، محمد اور عوف عطا فرمائے۔ سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ کا نکاح سیدہ زینب بنت علیؓ سے ہوا تھا اور انہیں

Marfat.com

عبداللہ کی ایک صاحبزادی ام محمد یزید بن معاویہؓ کی اہلیہ تھی۔

(جمہرۃ الانساب ص 69' کتاب نسب قریش ص 25, 83)

4- ام ہانی:

یہ ابو طالب کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا نام فاختہ تھا اور بعض روایات میں فاطمہ آیا ہے' لیکن ہمارے خیال میں صحیح نام ہند تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے خاوند نے بھی ایک شعر میں اسی نام سے انہیں یاد کیا ہے۔ "ام ہانی' کنیت اپنے بڑے بیٹے ہانی کے نام پر رکھی۔ ان کے خاوند کا نام ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی تھا جو ابوجہل کا قریبی رشتہ دار تھا۔ یہ اسلام کا سخت مخالف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ آخر 8 ھ میں فتح مکہ کے روز مکہ سے بھاگ کر عیسائی علاقے نجران چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مر گیا۔

نزول وحی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو ام ہانی سے اپنے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ آپ کے پیغام کے ساتھ ہبیرہ بن ابو وہب نے بھی ابو طالب کو پیغام دیا تھا۔ ابو طالب نے بنو مخزوم کے ہبیرہ بن ابو وہب کو اپنی یہ بیٹی بیاہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کا اپنے بارہ یہ رویہ دیکھ فرمایا:

یا عم ! ا تزوجت هبيرة و تركتني؟

"چچا جان! آپ نے ہبیرہ کو تو بیٹی بیاہ دی اور مجھے یوں ہی چھوڑ دیا؟"

یہ سن کر ابو طالب نے کہا:

يا بن اخي ! انّا قد صهرنا اليهم والكريم يكافي الكريم

"اے میرے بھائی کے بیٹے! ان لوگوں کے تو ہم سے رشتے ناتے ہوتے چلے آئے ہیں معزز لوگوں کے ہم کفو معزز اور ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں۔"

(الاصابہ جلد 3 ص 503' کتاب المجر ص 98' طبقات ابن سعد جلد ص 152)

اس بات کو قریباً ہر مورخ نے بیان کیا کہ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام شادی کو رد کر کے بنو مخزوم کے ہبیرہ بن ابی وہب کے ساتھ اپنی بیٹی ام ہانی کا نکاح کر دیا۔ (ملاحظہ ہو طبری' ابن اثیر' عیون الاثر لابن سید الناس وغیرہم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب روایات غلط ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ابو طالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے بے پناہ محبت تھی۔ جو چچا اپنی بیٹی ایک یتیم بھتیجے کے نکاح میں نہیں دے سکتا الٹا یہ جواب دیتا ہے کہ:

"معزز لوگوں کے میل کے معزز لوگ ہی ہوتے ہیں۔"

گویا کہ آپ معزز نہیں ہیں اور ہبیرہ معزز ہے' لہذا میں نے آپ کے بجائے اس کو اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اس چچا کی محبت کو کس پیمانے سے ناپا جا سکتا ہے؟

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس چچا کے جواب سے اتنا رنج اور صدمہ ہوا کہ آپ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا (فعاتبه النبی صلی الله علیه وسلم)

(الاصابہ جلد 3 ص 503)

ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہبیرہ بن ابی وہب سے اپنی بیٹی کا کیوں نکاح کر دیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنو مخزوم کا قبیلہ قریش میں دولت اور ثروت' اثر و رسوخ اور عددی قوت کے لحاظ سے اس زمانہ میں ایک ممتاز اور مقتدر گھرانا سمجھا جاتا تھا۔ اس گھرانا کے پاس منصب العدل بھی تھا۔ تمول اور دریا دلی' لیاقت و صلاحیت وغیرہ میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ (وھوالوحید) (کتاب نسب قریش ص 30) اسی خاندان کا ایک فرد ولید بن المغیرہ مخزومی (والد خالدؓ بن ولید سیف اللہ) تیرہ بھائی تھے۔ اسی ولید کا ایک بھائی ہشام بن المغیرہ مخزومی سخاوت اور مہمان نوازی میں اس زمانہ میں نہایت شہرت رکھتا تھا۔ اس کا مہمان خانہ ہر وقت کھلا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کو کھانے پینے کا اذن عام تھا۔ جس سال اس کی وفات ہوئی' قریش اسی سال سے واقعات کا تعین کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

ان قریشاً تورخ بموته تقول عام مات هشام

"بے شک قریش ہشام کی موت سے تاریخ شروع کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اس سال ہوا جب ہشام فوت ہوا۔"

(کتاب نسب قریش ص 301' کتاب المحبر ص 139)

Marfat.com

اسی ہشام کا بیٹا ابو جہل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا۔
اس خاندان کے اس اقتدار و اعزاز کی وجہ سے ابو طالب نے اپنی لڑکی کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بجائے اس خاندان کے شخص سے کیا۔

ابو طالب کا یہ داماد بلکہ چہیتا داماد ان بدبخت اور بدطینت لوگوں میں سے تھا جنہوں نے پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی۔ یہ شاعر بھی تھا اس وجہ سے اشعار کے ذریعہ بھی آپ کی ہجو کرتا۔ (ملاحظہ ہو نساب الاشراف جلد 1 ص 156)

جنگ بدر میں یہ بدبخت شوہر ام ہانی کفار کے میمنہ کی اور اس کا بہنوئی زمعہ بن الاسود میسرہ کی کمان کر رہا تھا۔ (کتاب المغازی جلد 1 ص 58) زمعہ کو تو سیدنا حمزہؓ نے قتل کر دیا لیکن ہبیرہ بچ نکلا۔

8 ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ طور پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ہبیرہ نجران بھاگ گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مر گیا۔

(طبری جلد 3 ص 122، ابن اثیر جلد 2 ص 120)

ام ہانی ہمشیرہ سیدنا علیؓ فتح مکہ کے روز حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ (الاستیعاب جلد 2 ص 782، کتاب نسب قریش ص 344، عیون الاثر لابن سید الناس جلد 1 ص 177)

ہبیرہ کو نجران میں جب پتہ چلا کہ اس کی زوجہ ام ہانی نے اپنے بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے تو اس نے کچھ اشعار کہے جس میں اپنی اہلیہ کو طعن و تشنیع کی۔

(الاستیعاب جلد 2 ص 782، کتاب نسب قریش ص 344، عیون الاثر جلد 1 ص 177)

فتح مکہ کے روز شوہر ام ہانی جب اپنی بیوی اور بچوں کو بے سہارا چھوڑ کر بھاگ گیا تو سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ام ہانی چونکہ اب اسلام لاچکی ہے لہذا اگر قرابت کے ساتھ رشتہ مناکحت بھی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کی یہ تجویز منظور فرما کر پیغام نکاح بھیجا۔ لیکن پیام کے جواب میں سیدہ ام ہانی نے کہا:

"میں جب زمانہ جاہلیت میں آپ کی ذات سے انس و محبت کرتی تھی، تو زمانہ

Marfat.com

اسلام میں تو اس کا کیا ہی کہنا۔ مگر میں بال بچوں والی ہوں اور اسے برا جانتی ہوں کہ آپ کی زحمت کا باعث بنوں۔"

(کتاب المحبر ص 98 ' الاصابہ جلد 3 ص 503 ' طبقات ابن سعد جلد 8 ص 152)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ عذر قبول فرماتے ہوئے اس کی تعریف فرمائی۔ سیدہ ام ہانی نے اپنے کافر شوہر سے علیحدگی کے بعد قریباً 40 برس بیوگی میں بسر کئے۔ ان کے بڑے بیٹے جعدہ سیدنا علیؓ کے داماد تھے اور آپ کے عہد خلافت میں خراسان کے گورنر ہوئے۔

سیدنا علیؓ بن ابی طالب

ولادت :

ابو طالب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے سیدنا علیؓ بن ابی طالب بعثت نبوی سے ۷ سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک عام الفیل کے ۷ سال بعد آپ کی ولادت ہوئی اور بعض کے نزدیک رجب عام الفیل کے سن ۳۰ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب آپ ایمان لائے اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۳) اس حساب سے آپ کی پیدائش بعثتِ نبوی سے ۷ سال قبل ہوئی تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ بعثت نبوی کے وقت آپ کی عمر 5 سال تھی۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے لکھا ہے:

"شهد على بدراً وهو ابن عشرين سنة و شهدالفتح و هو ابن ثمان و عشرين سنة

"سیدنا علیؓ جنگ بدر میں شریک ہوئے تو اس وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی اور فتح مکہ کے زمانہ میں وہ اٹھائیس برس کے تھے۔" (تاریخ بغداد جلد 1 ص 138)

اس حساب سے بعثت نبوی کے وقت آپ کی عمر ۵ سال بنتی ہے۔

جنگ بدر ۲ ہجری میں ہوئی اس پر سب کا اتفاق ہے۔ یہ پہلی جنگ ہے جس

Marfat.com

میں سیدنا علیؓ کو تیغ زنی کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں:

لقد نهضت فيها و مابلغت عشرين

"میں پورے بیس سال کا بھی نہ تھا جو اس میں (جنگ بدر) لڑنے کو اٹھ کھڑا ہوا۔" (نہج البلاغۃ خطبہ ۲۶)

سیرۃ الحلبیہ میں بھی سیدنا ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جنگ بدر میں سیدنا علیؓ کی عمر ۲۰ سال تھی۔

سیدہ فاطمہؓ سے آپ کا نکاح مشہور اور معتبر روایت کے مطابق جنگ احد کے بعد ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۱ سال تھی۔ چنانچہ لکھا:

انكحها رسول الله صلى الله عليه وسلم .... بعد وقعة احد .... وسن على يومئذ احدى وعشرين سنة و خمسة اشهر (حاشیہ صحیح البخاری ص 532، اصح المطابع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کا نکاح سیدنا علیؓ سے جنگ احد کے بعد کیا۔ اس وقت سیدنا علیؓ کی عمر ۲۱ سال ۵ ماہ تھی۔

غزوہ موتہ جمادی الآخرہ ۸ ہجری میں ہوا۔ اور سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی سیدنا جعفر الطیارؓ اس جنگ میں شہید ہوئے۔ مقاتل الطالبین کے شیعہ مصنف نے اس وقت ان کی عمر ۳۳۔۳۴ سال بتائی ہے۔ (قتل جعفر و هوا بن ثلاث او اربع وثلاثين سنته) (مقاتل الطالبین ص ۱۴) اور یہ متفق علیہ امر ہے کہ سیدنا جعفرؓ سیدنا علیؓ سے ۱۰ سال بڑے تھے۔ اس لحاظ سے سیدنا علیؓ کی عمر ۸ ہجری میں ۲۴/۲۳ سال بنتی ہے۔ اور بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر ۵/۴ سال بنتی ہے۔

سیدنا علیؓ رمضان ۴۰ ہجری میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھاون برس تھی۔ چنانچہ سیدنا جعفر بن محمد الباقر سے کسی نے پوچھا کہ قتل کے روز سیدنا علیؓ کی کیا عمر تھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا "ثمان و خمسين" (اٹھاون برس) (تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۱۳۸) اس حساب سے بھی بعثت نبوی کے وقت آپ کی عمر ۵ سال بنتی ہے۔ اس سے آپ کی تاریخ پیدائش کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

شیعہ کے نزدیک سیدنا علیؓ کی پیدائش بیت اللہ کے اندر ہوئی لیکن تاریخی لحاظ

Marfat.com

سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ شیعہ نے صرف عقیدت کی بنا پر ایسی روایت گھڑ لی ہے۔ چنانچہ شیعہ مورخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

فکثیر من الشیعة یزعمون انه ولد فی الکعبة والمحدثون لا یعترفون بذالک و یزعمون انّ المولود فی الکعبة حکیم بن حزام بن خویلد

"بہت سے شیعوں کا یہ خیال ہے کہ سیدنا علیؓ کعبہ میں پیدا ہوئے لیکن محدثین اس بات کو نہیں مانتے ان کا خیال ہے کہ کعبہ میں پیدا ہونے والا بچہ سیدنا حکیمؓ بن حزام بن خویلد تھے یعنی خدیجہ سلام اللہ علیھا کے بھتیجے۔"

(ابن ابی الحدید جلد 1 ص 14)

ملا باقر مجلسی شیعی نے بھی لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ

درمیان کعبہ معظمہ متولد شد (جلاء العیون جلد 1 ص 253)

"کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔"

لیکن شیعہ حضرات کا یہ قول صرف عقیدت کی وجہ سے ہے وگرنہ محدثانہ اور مورخانہ نقطہ نظر سے بے بنیاد ہے۔ مسعودی شیعی نے بھی لکھا ہے کہ:

"سیدنا علیؓ کی ولادت کعبہ میں ہوئی۔"

وکان مولده فی الکعبة

"آپ کی ولادت کعبہ میں ہوئی۔" (مروج الذھب جلد 2 ص 358)

آپ کی ولادت فی الکعبہ اور ولادت داخل الکعبہ ثابت نہیں ہے۔

(تاریخ الخمیس جلد 2 ص 275 ' سیرۃ الحلبیہ جلد 1 ص 165)

لیکن ابن عبدربہ نے لکھا ہے: "و ولد علی بمکته فی شعب بنی ہاشم "اور علیؓ مکہ میں شعب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔" تاریخ خلیفہ بن خیاط میں بھی یہی لکھا ہے۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد 1 ص 182 ' العقد الفرید جلد 3 ص 96)

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کعبہ میں پیدا نہیں ہوئے۔ یہ شیعہ حضرات کی گھڑی ہوئی روایت ہے' لیکن اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا علیؓ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تو پھر بھی یہ کوئی فخر کی بات نہیں کیونکہ اس وقت کعبہ ایک بت خانہ بنا ہوا تھا۔ اس

Marfat.com

میں بعض روایات کے مطابق 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے ابو طالب اپنی بیوی فاطمہؓ بنت اسد کو دردزہ سے خلاصی کے لیے بتوں کے سامنے لے گئے ہوں' وگرنہ کوئی تک نہیں کہ ایک عورت بچے کی پیدائش کے لیے کعبہ میں جائے اور وہاں غلاظت پھیلائے۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیت اللہ میں صرف سیدنا حکیمؓ بن حزام پیدا ہوئے تھے' سیدنا علیؓ کے بارہ میں شیعہ حضرات نے ویسے ہی مشہور کر دیا ہے کہ وہ کعبہ میں پیدا ہوئے تھے۔ سیدنا حکیمؓ بن خویلد سیدہ خدیجہ ام المومنین سلام اللہ علیہا کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے ہی سیدنا زید بن حارثہؓ کو خرید کر اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہؓ کو دیا تھا۔

سادات قریش میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ صدقہ اور نیکی کے کاموں میں خاص رغبت تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال بڑے تھے اور بڑی لمبی عمر پائی۔ 60 سال جاہلیت میں گزارے اور 60 سال اسلام میں۔ زید بن عمرو بن نفیل سے بہت متاثر تھے اس وجہ سے بچپن ہی سے بت پرستی سے متنفر تھے۔ سن فیل سے 13 سال قبل بیت اللہ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 68) ان کے علاوہ اور کسی شخص کی پیدائش بیت اللہ میں نہیں ہوئی۔ چنانچہ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ:

حکیم بن حزام الصحابی و من مناقبه انه ولد فی الکعبة قال بعض العلماء ولا یعرف احد شارکه احد

"حکیم بن حزام صحابی رسول ہیں۔ ان کے مناقب میں یہ بھی ہے کہ وہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس فضیلت میں ان کا کوئی شریک نہیں۔"

(نووی شرح مسلم جلد 2' نیز ملاحظہ ہو الاصابہ جلد 2' ص 348' تحت حکیم بن حزامؓ، سیر اعلام النبلاء جلد 3 ص 31)

رسول ﷺ کی کفالت:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ ابو طالب ایک کثیر العیال شخص

Marfat.com

تھے۔ معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سخت تنگ حالی اور ناداری میں اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ جن کی پرورش ان کے لیے نہایت مشکل تھی۔ اس کے مقابلہ میں آپ کے بھائی سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب ایک متمول اور مالدار آدمی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس چچا کی تنگ حالی اور قلاشی کا علم تھا۔ آپ ان کی کسی طریقہ سے امداد کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ ایک روز سیدنا عباسؓ کے پاس گئے اور انہیں ابو طالب کی کثیر العیالی اور تنگدستی کے بارہ میں بتایا۔ زمانہ بھی ان دنوں قحط سالی اور خشک سالی کا تھا' لہذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجویز پیش کی کہ ابو طالب کے بچوں کی کفالت ہم اپنے ذمہ لے لیں۔ سیدنا عباسؓ نے آپ کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ دونوں حضرات ابو طالب کے پاس پہنچے اور انہیں اپنے آنے کا مقصد بتایا اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے بچوں کا کچھ بوجھ آپ سے ہلکا کر دیں۔ ابو طالب نے ان کی یہ تجویز سن کر کہا کہ "عقیل" کو تو تم لوگ میرے پاس چھوڑ دو باقی اولاد کے بارہ جو چاہو تم فیصلہ کر لو۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کی کفالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لے لی اور سیدنا جعفرؓ کی پرورش سیدنا عباسؓ نے اپنے ذمہ لے لی۔ اس طرح علی ابن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیر کفالت پرورش پانے لگے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔ سیدنا جعفرؓ بن ابی طالب سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب کی کفالت میں رہے یہاں تک کہ انہیں کفالت کی حاجت نہ رہی۔

(طبری جلد 2 ص 57' زرقانی جلد 1 ص 280' البدایہ والنہایہ جلد 3' ص 58' ابن ابی الحدید جلد 1 ص 15 (Life of Mohammad: Muir P.340,

اسلام:

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ سیدنا علیؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت تھے اور آپ کی تعلیم و تربیت آپؐ کے ہاں ہوئی تھی کیونکہ ابو طالب اپنی ناداری اور قلاشی کی وجہ سے اپنے سب بچوں کی پرورش کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ ابن کثیر اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ ایک روز سیدنا علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئے۔ گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہؓ دونوں نماز

Marfat.com

پڑھ رہے تھے سیدنا علیؓ نے پوچھا اے محمد! یہ کیا کر رہے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دین اللّٰہ الذی اصطفی لنفسه و بعث به رسله

"یہ اللہ کا دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا اور اسی کے لیے اپنے رسولوں کو بھیجا۔"

آپ نے سیدنا علیؓ کو مزید فرمایا:

"میں تمہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا اور لات اور عزیٰ کے انکار کا اقرار کرواتا ہوں۔"

سیدنا علیؓ نے کہا کہ میں نے ایسی بات اس سے قبل کبھی نہیں سنی اور میں اس وقت تک اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک کہ میں اپنے والد ابو طالب سے مشورہ نہ کرلوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ دین کی اعلانیہ دعوت سے قبل اس بات کو فاش کیا جائے' لہذا آپ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ اگر تم اس دعوت کو اور اس دین کو قبول نہیں کرتے تو اسے ابھی پوشیدہ رکھو۔

علامہ ابن کثیر کے الفاظ ہیں کہ:

فمکث علی تلک اللّیلة' ثم انّ اللّٰہ اوقع فی قلب علی الاسلام

"سیدنا علیؓ اس رات خاموش رہے (اور اس معاملہ پر غور و فکر کرتے رہے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا۔"

(البدایۃ والنہایۃ جلد 3 ص 24)

بعض روایات میں سیدنا علیؓ کا جو قول نقل ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں ایمان لایا (انا اول من اسلم) اس کے بارہ میں علامہ ابن کثیر نے لکھا:

ھذا لا یصح

"یہ صحیح نہیں ہے۔" (البدایہ والنہایۃ جلد 7 ص 334)

صبح کے وقت سیدنا علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "کل آپ نے مجھے کیا دعوت دی تھی؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا کہ:

"تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور لات اور عزیٰ کا انکار کرو اور تمام جھوٹے خداؤں سے بریت کا اظہار کرو۔"

چنانچہ سیدنا علیؓ نے حسب ہدایت کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام لے آئے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے ابو طالب کے خوف اور ڈر سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور اس کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ (کیونکہ ابو طالب خود مسلمان نہیں تھے۔)

(البدایۃ والنہایۃ جلد 3 ص 24 ' اسد الغابہ جلد 3 ص)

سب سے پہلا مسلمان:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اعلان نبوت کے بعد سیدہ خدیجہ ام المومنینؓ سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لائیں' لیکن مردوں میں سب سے پہلے کون آپ پر ایمان لایا یہ مسئلہ بعض حضرات کے نزدیک اختلافی اور نزاعی ہے۔ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ سیدنا علیؓ سب سے پہلے ایمان لائے (ملاحظہ ہو عمدۃ الطالب ص 59 ' حیات القلوب جلد 2 ص 277) اور اکثریت کی رائے یہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ چنانچہ امام نخعی فرماتے ہیں:

ابو بکر اوّل من اسلم

"ابو بکرؓ سب سے پہلے شخص ہیں جو ایمان لائے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 26 طبری جلد 2 ص 55)

خود سیدنا علیؓ کا اپنا قول ہے:

اوّل من اسلم من الرجال ابو بکر الصدیق

"مردوں میں سب سے پہلے ابو بکر صدیقؓ ایمان لائے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 27 ' جلد 7 ص 234 ' تاریخ الخلفاء ص 33)

شیعہ تفسیر مجمع البیان میں صاف لکھا ہے کہ:

انّ اول من اسلم بعد خدیجۃ ابوبکر

"سیدہ خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ابو بکرؓ تھے۔"

(مجمع البیان' جلد 3 ص 65)

Marfat.com

سیدنا حسانؓ بن ثابت شاعر رسول نے بھی سیدنا ابوبکرؓ کے بارہ میں یہ لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے اسی طرح ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ:

ایّ الناس اوّل اسلاماً ؟

''اسلام لانے میں سب سے پہلا شخص کون تھا؟''

آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہی شخص جس کو سیدنا حسان بن ثابتؓ نے پہلا اسلام لانے والا کہا ہے۔

اوّل الناس منهم صدق الرسلا

(طبری جلد 2 ص 59 ' البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 28)

البتہ کچھ روایات ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ پہلے شخص ہیں جو حضور علیہ الصلواۃ والسلام پر ایمان لائے تھے۔

بخاری میں سیدنا عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب پہلی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس وقت آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام دو عورتیں اور ایک ابوبکرؓ تھے۔ (بخاری جلد1 ص 516)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں ان پانچ غلاموں اور دو عورتوں کے نام بتائے ہیں۔

(۱) سیدنا بلالؓ (۲) سیدنا زیدؓ بن حارثہ (۳) سیدنا عامر بن فہیرہؓ
(۴) سیدنا ابوفکیہہؓ (۵) سیدنا یاسرؓ (۶) سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا' سیدہ سمیہ والدہ عمار بن یاسرؓ (رضی اللہ عنہم)

غرض کہ مردوں میں اسلام لانے میں سب سے پہلا نمبر سیدنا صدیق اکبرؓ کا ہے اگرچہ بعض روایات میں سیدنا علیؓ اور سیدنا زید بن حارثہؓ کا نام بھی آتا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ نے ان سب روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ:

''آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکرؓ ایمان لائے' عورتوں میں سیدہ خدیجہؓ غلاموں میں زیدؓ بن حارثہ اور بچوں میں سیدنا علیؓ ابن ابی طالب ایمان لائے تھے۔'' (البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 29 ' طبری جلد 2 ص 60)

Marfat.com

پھر سیدنا صدیق اکبرؓ کے لیے یہ بات بھی قابل فخر ہے کہ وہ بغیر کسی چون و چراں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس شخص پر بھی میں نے اسلام پیش کیا اس نے ضرور اس کی قبولیت میں کچھ پس و پیش کی یا توقف کیا' لیکن ابو بکرؓ نے نہ تو کوئی پس و پیش کی اور نہ ہی کوئی توقف کیا۔ چنانچہ ابن کثیرؒ ہی نے نقل کیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے ارادے سے باہر نکلے' کیونکہ آپ جاہلیت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے۔ جب ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو عرض کی کہ میں نے آپ کو آج مجلس میں نہیں دیکھا ؟ لوگ آپ کے بارہ میں کچھ ایسی باتیں کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ سے فرمایا :

انی رسول اللّٰہ ادعوك الیٰ اللّٰہ

"میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔"

جونہی آپ نے یہ دعوتی جملہ ارشاد فرمایا۔ روایت کے الفاظ سننے پڑھنے کے قابل ہیں۔

فلما فرغ کلامه اسلم ابوبکر

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کہہ چکے تو ابوبکرؓ اسلام لے آئے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 29 ' 30)

اس روایت کا اس روایت سے مقابلہ کیجئے جو سیدنا علیؓ کے اسلام کے بارہ میں ہم نے نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہؓ کو نماز پڑھتے دیکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ نے سیدنا علیؓ کو دعوت حق دی۔ سیدنا علیؓ نے اس وقت دعوت کو قبول نہیں کیا' حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت پرورش پا رہے تھے' بلکہ یہ کہا کہ میں نے ایسی بات پہلے کبھی نہیں سنی' لہذا میں اپنے والد ابو طالب سے اس بارہ میں مشورہ کروں گا' لیکن ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہوسلم نے یہ جملہ ختم کیا' ابوبکرؓ آپ پر ایمان لے آئے۔

Marfat.com

اسی وجہ سے ایک مرتبہ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ دونوں میں کسی بات پر کچھ ان بن ہوگئی ہے اور اس سے ابوبکرؓ کو کچھ ذہنی کوفت ہوئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے لب ولہجہ میں ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا' لیکن تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکرؓ نے تصدیق کی اور اپنی جان اور مال کے ساتھ میری غم خواری اور غم گساری کی' تو کیا تم پھر بھی میرے ساتھی (ابوبکرؓ) کو میری خاطر نہ چھوڑو گے؟ یعنی اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ گے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ دہرایا۔ (بخاری جلد 1 ص 517)

دوسرے ابوبکرؓ کے اسلام لانے کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ جونہی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے فوراً اس کو دوسروں تک بھی پہنچانا شروع کر دیا۔ چنانچہ خود اسلام قبول کرنے کے بعد وہ عثمان بن عفانؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ، زبیر بن عوامؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس گئے اور ان کو دعوت اسلام دی۔ دوسرے روز عثمانؓ بن مظعون' ابوعبیدہ بن الجراحؓ' عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابی سلمہؓ بن عبدالاسد' ارقم بن ابی ارقمؓ کو دعوت اسلام دی اور یہ سب جلیل القدر صحابی آپ ہی کی وجہ سے دین اسلام میں داخل ہوئے۔ بعض روایات میں ۳۸ کی تعداد ہے جو آپ کی دعوت سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۳۰)

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا علی جس وقت آپؐ پر ایمان لائے اس وقت ان کی عمر ۱۵/ ۶ سال تھی۔ اس عمر کا بچہ تو شریعت اسلامیہ کا مکلف ہی نہیں۔ پھر روایات میں ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا۔

کتم علی اسلامه ولم یظهره

علیؓ نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا (ابو طالب کے خوف سے) اور اسے ظاہر نہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 24)

محمد بن کعب کی روایت میں ہے:

وکان علی یکتم ایمانه خوفاً من ابیه

"اور علیؓ اپنی باپ کے خوف سے ایمان کو چھپاتے تھے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 26)

Marfat.com

لیکن ابوبکرؓ نے جونہی اسلام قبول کیا اسی وقت دوسروں کو اس کی دعوت بھی دینی شروع کر دی اور سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور اس جرم کی پاداش میں وہ وہ تکالیف اٹھائیں کہ قلم ان کو لکھنے کی تاب نہیں رکھتا۔ ان تکالیف سے تنگ آ کر آپ نے بھی ہجرت حبشہ کا ارادہ فرما لیا۔ لیکن ابھی برک الغماد جو مکہ سے یمن کی جانب پانچ دن کی مسافت پر ہے' پہنچے تو ابن الدغنہ سے جو قبیلہ قارہ کا سردار تھا ملاقات ہوگئی۔ اس نے مکہ چھوڑنے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ: "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے۔ میں اب چاہتا ہوں کہ سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔"

ابن الدغنہ نے کہا کہ: "تم جیسے شخص کو کیسے جلا وطن کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ تم غریبوں کی مالی مدد کرتے ہو' صلہ رحمی کرتے ہو' اپاہجوں کا سہارا ہو اور حق کی طرف سے حوادث کا مقابلہ کرتے ہو' لہٰذا تم چلو اور میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔"

(واقعہ لمبا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری جلد 1 ص 553,252)

مقصد یہ تھا کہ سیدنا ابوبکرؓ نے کھل کر دین اسلام کی دعوت دی اور کسی مصیبت اور تکلیف سے گھبرائے نہیں۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا علیؓ اگرچہ ۶ سال کے بچے تھے جب آپ نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنا دین اپنے والد ابوطالب اور دوسرے عزیزوں سے مخفی رکھا اور انہیں پتہ نہیں چلنے دیا کہ وہ اپنے چچا زاد بھائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ابن ہشام نے اپنی سیرۃ جلد ۱ ص ۲۶۴ پر بھی سیدنا علی کے بارہ میں اس قسم کا واقعہ نقل کیا ہے لیکن کیا مقام ہے سیدنا صدیق اکبرؓ کا کہ ایک تو بغیر سوچ و بچار کے جونہی آپؐ نے اپنی نبوت کی آپ کو دعوت دی' اسی وقت سیدنا صدیق اکبرؓ نے اسلام کی اس دعوت کو قبول کر لیا۔ کوئی پس و پیش اور سوچنے کی مہلت نہیں مانگی اور دوسرے جونہی دعوت اسلام کو قبول کیا اسی وقت اس کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے اور صحابہؓ کی ایک اچھی خاصی تعداد انہی کی تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔

Marfat.com

مکہ کی سخت زندگی:

مکہ کی زندگی اسلام کے نام لیواؤں کے لیے سخت ترین زندگی تھی۔ کفار مکہ نے طرح طرح کے ظلم مسلمانوں پر توڑے اور کوئی سختی ایسی نہ تھی جس کو انہوں نے اہل اسلام پر نہ آزمایا ہو' حتیٰ کہ اگر باہر سے بھی کوئی شخص آتا اور کلمہ اسلام کو قبول کرتا تو وہ اس کو بھی اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بناتے۔ اس سلسلہ میں امام بخاری نے سیدنا ابو ذر غفاریؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے کہ سیدنا ابو ذرؓ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا تاکہ وہ صحیح صورتحال کا پتہ لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ مکہ معظمہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی باتیں سنیں اور واپس جا کر سیدنا ابو ذرؓ کو بتایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسی بات کرتے ہیں جو شاعری نہیں۔ سیدنا ابو ذرؓ کو اپنے بھائی کی باتوں سے تسلی نہ ہوئی۔ انہوں نے فوراً زادِ راہ تیار کیا اور مختصر سا سامان لے کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے نہیں تھے' اس لیے قیافہ وغیرہ سے آپ کو تلاش کرتے رہے' لیکن ناکام رہے' سیدنا علیؓ نے انہیں دیکھ لیا۔ پتہ چلا کہ دو تین راتوں سے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش میں سرگرداں ہیں' کیونکہ آپ کو پہچانتے نہیں اور قریش سے بوجہ ان کی سختی کے پوچھ نہیں سکتے۔ سیدنا علیؓ ان کے پاس سے گزرے کہ کیا آپ کو ابھی تک اس شخص کا ٹھکانہ نہیں ملا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ تین روز ان کو تلاش کرنے میں گزر گئے ہیں۔ سیدنا علیؓ نے ان سے پوچھا کہ یہاں کیسے آنا ہوا؟ سیدنا ابو ذرؓ نے کہا کہ اگر وعدہ کرو کہ تم میری رہبری کرو گے تو بتاؤں گا۔ سیدنا علیؓ نے وعدہ کیا اور کہا کہ بتائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ ابو ذرؓ نے آنے کی غرض و غایت بتائی اور بتایا کہ میں تین روز سے آپ ﷺ کو تلاش کر رہا ہوں۔

سیدنا علیؓ نے کہا کہ یقیناً وہ حق بات ہے اور آپ اللہ کے بلاشک و شبہ رسول ہیں۔ آپ جب صبح بیدار ہوں تو میرے ساتھ چلیں۔ اگر میں نے راستہ میں کوئی خطرناک بات دیکھی تو رک جاؤں گا جیسا کہ استنجی کے لیے ٹھہر گیا ہوں۔ اور اگر میں چلتا رہا تو آپ بھی میرے ساتھ چلتے رہیں اور جہاں میں جاؤں وہاں آپ بھی میرے پیچھے پیچھے

Marfat.com

آ جائیں۔ چنانچہ آپ سیدنا علیؓ کی ہدایت کے مطابق ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے یہاں تک کہ سیدنا ابو ذرؓ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اسلام کی تعلیمات پوچھیں یہاں تک کہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابو ذرؓ! ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھنا اور کسی پر ظاہر نہ کرنا اور اپنے گھر واپس لوٹ جاؤ۔ سیدنا ابو ذرؓ نے قسم کھا کر کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے اسلام کو چھپا نہیں سکتا۔ ابھی لوگوں کے سامنے اونچی آواز سے اعلان کروں گا۔ یہ کہہ کر مسجد الحرام میں تشریف لائے اور قریش کے مجمع میں سب کو مخاطب کر کے اعلان فرمایا کہ اے سربراہان قریش! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے کہا کہ اس بے دین کو لینا۔ یہ کہنا تھا کہ چاروں طرف سے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ سیدنا ابو ذرؓ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

یہ دردناک منظر دیکھ کر سیدنا عباسؓ ترس کھا کر ان کے اوپر گر پڑے اور اہل مکہ سے فرمایا، شرم نہیں آتی ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو، حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کی گزرگاہ کے راستہ میں ہے۔ اس پر سب ہٹ گئے لیکن

عشق را بہ مصلحت اندیشی مجنوں چہ کار

سیدنا ابو ذرؓ برابر کلمہ توحید کو دہرا رہے تھے اور پھر وہی مسجد تھی، وہی صنادید قریش کا مجمع اور وہی ان کی ستم آرائی۔

(بخاری جلد 1 ص 545، مسلم جلد 1 ص 292-295، مستدرک حاکم جلد 3 ص 38، البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 34)

اس واقعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ مکہ کی سرزمین میں اہل اسلام کے لیے اعلانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت کرنا قریباً ناممکن تھا۔ حدیث اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ اس فضا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چھپ چھپ کر اللہ رب العزت کی عبادت فرماتے تھے۔ سیدنا علیؓ بھی چونکہ آپ کے ساتھ ہوتے تھے لہذا وہ بھی مخفی طور پر آپ کے ساتھ عبادت خداوندی میں شریک ہوتے۔ چنانچہ سلمہ بن کہیل روایت کرتے ہیں کہ:

Marfat.com

"میں نے علی بن ابی طالب کو منبر پر ہنستے ہوئے دیکھا اور آپ اتنا ہنسے کہ اس سے زیادہ ہنستے ہوئے اس سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ پھر فرمایا کہ مجھے ابو طالب کا قول یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وادی نخلہ میں مصروف عبادت تھا کہ ابو طالب ادھر آ گئے۔ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ تم دونوں کیا کر رہے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت اسلام دی۔ ابو طالب نے جواب میں کہا اے محمد! جو کچھ تم کر رہے ہو اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ سیدنا علیؓ اپنے باپ کی اس بات سے متعجب ہو کر خوب ہنسے پھر فرمایا اے اللہ! میں اس بات کا اعتراف نہیں کرتا کہ اس امت میں سے کسی شخص نے مجھ سے پہلے تیری عبادت کی ہو سوائے تیرے نبی کے۔ اس کلمہ کو آپ نے تین دفعہ دہرایا۔ (مسند احمد جلد 1 ص 99)

اس روایت کے علاوہ اور روایتوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری امت میں سے پہلے نماز پڑھنے والے سیدنا علیؓ ابن طالب ہیں جو کہ غلط ہے۔ اسی بارہ میں ایک روایت امام ترمذی نے بھی اپنی جامع میں نقل کی کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے سیدنا علیؓ نے نماز پڑھی۔

امام ترمذی نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ روایت اس سند سے غریب ہے کیونکہ اسے شعبہ کے علاوہ کسی اور نے ابو بلیح سے نقل نہیں کیا اور شعبہ سے محمد بن حمید کے علاوہ کوئی نقل نہیں کرتا اور ابو بلیح کا نام یحیٰ بن سلیم ہے۔ (ترمذی جلد 2 ص 237) مسند احمد کی روایت میں ایک راوی یحیٰ ابن سلمہ بن کہیل ہے جس کے بارہ میں علمائے نقد و رجال نے یوں لکھا ہے:

"ابو حاتم وغیرہ اسے منکر الحدیث کہتے ہیں۔ امام نسائی نے متروک لکھا ہے۔ بعض نے لیس بشی اور بعض نے لایکتب حدیثہ یعنی اس کی حدیث نہ لکھی جائے وغیرہ وغیرہ" ویسے بھی یہ راوی سیدنا علیؓ کے بارہ میں جو روایت کرتا ہے وہ شیعہ ذہن کی غمازی کرتی ہیں، جیسے النظر الیٰ علی عبادۃ۔" (سیدنا علیؓ کو دیکھنا عبادت ہے) (میزان الاعتدال جلد 4 ص 381)

اس حدیث کے آخری راوی حبہ بنت جوین العرنی الکوفی ہیں۔ یہ سیدنا علیؓ سے

Marfat.com

روایت کرتے ہیں۔ ان کے بارہ میں لکھا ہے:

من غلاۃ الشیعۃ

"غالی شیعوں میں سے تھا۔"

جوز جانی نے غیر ثقہ کہا ہے۔ نسائی نے کہا ہے کہ قوی نہیں۔ ابن معین اور ابن خراش نے کہا ہے کہ کوئی شی نہیں۔ (میزان الاعتدال جلد 1 ص 450)

غرضیکہ مسند احمد کی یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں۔

اسی طرح وہ روایت جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں (1) محمد بن حمید الرازی (2) ابراھیم بن المختار الرازی اور (3) عمرو بن میمون تین راوی ایسے ہیں جن پر علمائے جرح و تعدیل نے سخت تنقید کی ہے۔ مثلاً

-1 محمد بن حمید الرازی:

ابو زرعہ رازی نے اسے کذاب کہا ہے۔ فضاک الرازی کا بیان ہے کہ میرے پاس ابن حمید کی پچاس ہزار روایات ہیں لیکن میں ان میں سے ایک حرف بھی بیان کرنا پسند نہیں کرتا۔

صالح جزرہ کا بیان ہے کہ ہم محمد بن حمید کو ہر معاملہ میں متہم سمجھتے ہیں۔ ہم نے اس شخص سے بڑھ کر اللہ سے بے خوف اور کوئی نہیں دیکھا۔ وہ لوگوں کی احادیث لیتا اور ان میں تبدیلیاں کرتا رہتا۔ ابن خراش کا بیان ہے کہ ہم سے ابن حمید نے بیان کیا ہے اور اللہ کی قسم وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اور دیگر لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حدیث چوری کیا کرتا تھا۔

امام نسائی کا بیان ہے کہ ثقہ نہیں۔ صالح جزرہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن حمید اور ابن الشاذ کوفی سے بڑھ کر جھوٹا کوئی اور شخص نہیں دیکھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد 3 ص 530)

-2 ابراھیم بن المختار الرازی:

دوسرا راوی اس حدیث کا ابراھیم بن مختار ہے۔ اس کی روایات ترمذی اور ابن ماجہ میں پائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

یحیٰی بن معین کا بیان ہے کہ یہ کچھ نہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی روایات پر اعتراض ہے۔ ابو غسان کہتے ہیں کہ میں نے اس کی روایت ترک کردی ہے۔
(تفصیل کے لیے میزان الاعتدال جلد 1 ص 65)

عمرو بن میمون:

تیسرا راوی عمرو بن میمون ہے۔ اسے قناد کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ اس کی روایت منکر ہوتی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد 1 ص 65)

ابو بلیح الفزاری:

اس حدیث کا ایک اور راوی ابو بلیح الفزاری ہے۔ اس کا اصل نام یحیٰی بن سلیم ہے۔ بخاری اور مسلم کے علاوہ اصحاب سنن نے بھی اس سے روایت لی ہے۔

اگرچہ بعض حضرات نے اس کو ثقہ کہا ہے' لیکن امام بخاری نے کہا ہے کہ اس پر اعتراض ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ خطاء کیا کرتا تھا۔ جوز جانی کا بیان ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ اس کی منکرات میں سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ کے دروازے کے علاوہ سب دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔

اور اس کی بکواسات میں سے ایک بکواس یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا:

> "جہنم پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اس کے دروازے آپس میں کھڑ کھڑاتے ہوں گے اور اس میں کوئی نہ ہوگا۔"

(میزان الاعتدال جلد 4 ص 384-385)

حج کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابو بکرؓ کے ساتھ مختلف اجتماعات میں دین حق کی تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے۔ مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی سیدنا علیؓ بھی ان کے ساتھ چلے جاتے۔ (کنز العمال جلد 6 ص 319)

امام احمد نے سیدنا علیؓ کے بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں ایک روز میں اور رسول اللہ ﷺ گھر سے نکل کر بیت اللہ میں پہنچے۔ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ میرے کندھوں پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھے اور مجھے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ میں کھڑا تو ہو گیا لیکن

فرایء منّی ضعفاً

لہذا مجھے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ خود بیٹھ گئے اور مجھے فرمایا کہ میرے کندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں آپ کے کندھوں پر چڑھ گیا اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوا کہ میں اتنا بلند ہو رہا ہوں کہ آسمانوں کی بلندی تک پہنچ جاؤں گا۔ (لو شئت لنلت افق السماء) میں اس طرح سے کعبہ کے چھت تک پہنچ گیا اور وہاں پر جو پیتل یا تانبے کا بنا ہوا بت رکھا تھا اس کو میں اپنے ہاتھوں سے دائیں بائیں اور آگے پیچھے موڑنے لگا یہاں تک میں نے اس پر پورا قابو پالیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: "اس کو گرا دو میں نے اس کو نیچے گرا دیا اور وہ شیشے کے برتن کی طرح ریزہ ریزہ ہو گیا۔ پھر میں وہاں سے اترا اور ہم دونوں تیز تیز چلتے ہوئے گھروں میں چھپ گئے تا کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔ (مسند احمد جلد 1 ص 84)

یہ روایت کئی لحاظ سے غلط ہے۔

-1 اصول روایت کے لحاظ سے اس کی سند میں تین راوی ہیں (1) ابو مریم (2) نعیم بن حکیم (3) اسباط بن محمد۔

ابو مریم مجہول الحال ہے۔ نعیم بن حکیم، اگرچہ امام یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن ازدی ابن سعد اور نسائی نے اسے قوی اور قابل احتجاج نہیں سمجھا۔

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد 4 ص 276)

یہی حال تیسرے راوی اسباط بن محمد کا ہے۔

-2 اصول درایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس روایت میں سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ بت پیتل یا تانبے کا تھا لیکن ساتھ ہی یہ فرماتے ہیں جب میں نے اس کو گرایا تو وہ شیشے کے برتن کی طرح ٹوٹ گیا اور چور چور ہو گیا۔ تانبے یا پیتل کی شے جب اوپر سے نیچے گرائی جائے تو اس کی شکل وصورت تو بگڑ سکتی ہے، جس پہلو وہ زمین پر گرے گا، اس پہلو اس برتن میں گڑھا ہو سکتا ہے لیکن وہ شیشے کے برتن کی طرح ٹوٹ کر ریزہ ریزہ نہیں ہو

Marfat.com

سکتی۔

یہ حدیث چونکہ عام عادت اور مشاہدے کے خلاف ہے لہذا معلوم ہوتا ہے کہ گھڑی گئی ہے۔ وگرنہ سیدنا علیؓ نہ تو جھوٹ بولنے والے تھے اور نہ ہی (معاذ اللہ) کوئی بیوقوف تھے کہ پتہ نہ ہو کہ تانبے یا پیتل کی شے شیشے کی طرح ٹوٹ کر چور چور نہیں ہوتی۔

3- تیسری چیز اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ایک نبی اس طرح چوری چھپے کافروں کے بتوں کونہیں توڑتا بلکہ سرعام ان کی مذمت کرتا ہے اور اگر توڑنے کا وقت آئے تو سرعام توڑتا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا جو واقعہ قرآن حکیم میں ہے اس میں اگرچہ قوم کی غیر موجودگی میں بتوں کو توڑا گیا تھا لیکن وہ قوم کو سمجھانے کے لیے کیا تھا اور پھر ظاہر بھی فرما دیا گیا کہ یہ کام ابراہیم علیہ السلام نے کیا ہے لیکن اس روایت میں بیان کردہ واقعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے بہت مختلف ہے۔ لہذا اس واقعہ کا لب و لہجہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ یہ بات شان نبوت کے منافی ہے کہ وہ چوری چھپے کافروں کے بتوں کو اس طرح توڑے اور اگر توڑنا بھی تھا تو پھر سارے بتوں کو توڑتے۔ صرف ایک بت کو کیوں توڑا؟ وہاں تو مختلف قسم کے تین سو ساٹھ بت پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت جب توڑنے کا وقت آیا تو آپ نے اس وقت صرف ایک بت نہیں توڑا بلکہ سارے کے سارے بت توڑ دیے۔

4- چوتھی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ نہیں جیسا کہ واقعہ کے خدوخال بتا رہے ہیں بلکہ یہ واقعہ فتح مکہ کے وقت پیش آیا' ہجرت سے قبل یہ بات ممکن ہی نہ تھی اور فتح مکہ کے روز اس واقعہ میں جو علیؓ نبوت کے کاندھوں پر سوار ہوئے وہ آپ کے نواسے (سیدہ زینب سلام اللہ علیھا کے صاحبزادے) علیؓ تھے۔ آپ کے داماد علی بن ابی طالبؓ نہیں تھے۔ چنانچہ اس کو اپنی جگہ پر دلائل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

باقی یہ کہنا کہ امام حاکم نے یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے تو اس کا جواب یہ ہے:

Marfat.com

کہ امام حاکم کی اس بات کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ امام حاکم بنیادی طور پر شیعہ تھے اور شیعہ حضرات نے سیدنا علیؓ کے بارہ میں ہزاروں غلط روایات گھڑی ہوئی ہیں۔

ان روایات پر اس طرح بحث سے (معاذ اللہ) سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کی تنقیص مقصود نہیں لیکن جب ان کی شان میں صحیح روایات حدیث و تاریخ میں موجود ہیں تو ان غلط روایات کا سہارا ڈھونڈنا میرے خیال میں سیدنا علیؓ کی شان کو گھٹانا ہے بڑھانا نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاونت کا اعلان :

اعلان نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریباً تین سال تک اسلام کی دعوت کی اعلانیہ تبلیغ نہیں کی بلکہ آپ مخفی طور پر خاص خاص لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے اور ان کو دعوت اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ چوتھے سال آپ کو یہ حکم ملا:

و انذر عشیرتک الاقربین (شعراء)

"اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ

اور یہ حکم بھی آیا۔"

فاصدع بما توء مر (حجر)

"اور آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے واشگاف کہہ دیجئے۔"

ان احکام کی تعمیل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے لوگوں کو بلایا۔ جب وہ لوگ جمع ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا: "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا میری بات کی تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں، کیونکہ تم کو ہم نے ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ، جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا، سخت برہم ہو کر چلے گئے۔ (بخاری جلد 2 ص 702، البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 38)

چند روز کے بعد آپ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ دعوت کا سامان کرو۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے دعوت کا سامان کیا اور تمام خاندان عبدالمطلب کو مدعو کیا گیا۔ حمزہؓ ابو

طالب' عباسؓ سب شریک دعوت ہوئے بلکہ ایک روایت میں ابولہب بھی شریک ضیافت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟ ہر چہرہ خاموش تھا' ساری مجلس پر سناٹا تھا لیکن مجلس کے بزرگوں نے دیکھا کہ دفعتاً ایک چھ سات سال کا لڑکا جس کا نام علیؓ تھا' اس نے کھڑے ہو کر کہا:

"اگرچہ میں عمر کے لحاظ سے بچہ ہوں اور گو مجھے آشوب چشم ہے میرا پیٹ بڑھا ہوا ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

(طبری جلد 2 البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 40)

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ رسول اللہ ﷺ پر اس مجلس میں ایمان لائے تھے' تبھی تو آپ نے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کا وعدہ فرمایا۔ حاضرین دعوت سے آپ کا مطالبہ تھا کہ وہ اس دعوت حق پر ایمان لائیں جو رسول اللہ ﷺ نے ان پر پیش کی۔ حاضرین مجلس میں سے سوائے سیدنا علیؓ کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ شاید اسی وجہ سے ابن سعد نے واقدی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اجمع اصحابنا علی انّ علیاً اسلم بعد ما تنبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسنۃ

"ہمارے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ سیدنا علیؓ رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ نبوت کے ایک سال بعد اسلام لائے۔" (طبری جلد 2 ص 58)

امام احمد نے بھی یہ روایت نقل کی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ جب سیدنا علیؓ نے اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاون و مددگار بننے کا اعلان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے یہی الفاظ دہرائے' لیکن دوسری دفعہ بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور ساری مجلس بحر سکوت میں ڈوبی رہی۔ سیدنا علیؓ پھر اٹھے اور آپ کا دست و بازو بننے کا اعلان فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پھر بٹھا دیا اور تیسری دفعہ پھر وہی اعلان فرمایا۔ سیدنا علیؓ پھر اٹھے اور آپ کا یارو مددگار بننے کا اعلان فرمایا۔ اب کی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا' بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور وارث ہے۔ (مسند احمد جلد 1 ص 159)

Marfat.com

طبری نے بھی ایک روایت میں یہ الفاظ کہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انّ هذا اخی و وصیی وخلیفتی فیکم فاسمعواله واطیعوا

"یہ تم میں میرا بھائی' وصی اور خلیفہ ہے پس تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔"

لیکن اس روایت میں عبدالغفار بن قاسم اور منہال بن عمرو راوی ہیں۔ ان میں پہلا شیعہ اور متروک ہے دوسرا بد مذہب ہے۔

(میزان الاعتدال جلد 2 ص 640' جلد 4 ص 192' سیرۃ النبی جلد 1 ص 210 تعلیقہ)

دعوت اسلامی کا پھیلاؤ:

اس واقعہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ اسلام کی تبلیغ شروع فرما دی اور سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی اس تبلیغ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ دیا اور صحابہ کرامؓ کی ایک اچھی خاصی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی جن میں سیدنا عثمان بن عفانؓ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا زبیر بن العوامؓ اور سیدنا طلحہؓ وغیرہ سرفہرست ہیں۔ اس عرصے میں سیدنا علیؓ کی اسلام کے بارہ میں کوئی کارکردگی تاریخ کے اوراق میں نظر نہیں آتی۔ ابھی چالیس حضرات ہی دامن اسلام سے وابستہ ہوئے تھے کہ دفعتاً ایک واقعہ پیش آ گیا جس کی وجہ سے سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ لیکن مسلمان ابھی تک اپنے فرائض مذہبی اعلانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ بیت اللہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ لیکن سید الشہداء حمزہؓ کے ایمان لانے کے چند ہی روز بعد سیدنا عمرؓ بن الخطاب نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں اپنا نام لکھوا لیا اور اہل ایمان کی جماعت حقہ میں داخل ہو گئے۔

سیدنا عمرؓ کا اسلام لانا تھا کہ اہل کفر کی صفوں میں کافی حد تک برہمی پیدا ہو گئی اور اسلام کے نام لیوا اپنی صفوں میں ایک قوت اور مضبوطی محسوس کرنے لگے۔

وقد عزّوا فی انفسهم حین اسلم عمرؓ

"مسلمان اپنے اندر ایک عزت اور مضبوطی محسوس کرنے لگے جب سیدنا عمرؓ

Marfat.com

حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔" (سیرۃ ابن ہشام جلد1 ص 95)

ادھر سیدنا عمرؓ کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے سے مسلمانوں کی ثابت قدمی میں اضافہ ہوا لیکن دوسری طرف قریش مکہ کے طیش و غضب میں اضافہ ہوا اور انہوں نے سخت دلی' بے رحمی' درندہ طبعی اور سفاکی کا مہیب قالب اختیار کر لیا یہاں تک کہ مسلمان ہجرت حبشہ پر مجبور ہو گئے۔ لیکن کفار مکہ نے وہاں بھی انہیں چین سے نہ رہنے دیا۔ چنانچہ کچھ لوگ حبشہ سے واپس مکہ معظمہ آ گئے لیکن ان پر اب پہلے سے زیادہ سختیاں شروع ہو گئیں۔

قریش مکہ دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا حلقہ پھیلتا جا رہا ہے۔ سیدنا عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ شاہ حبشہ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے اور ہماری تمام مزاحمت کے باوجود اسلام مختلف قبائل میں تیزی کے ساتھ پھیلتا جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک نئی تدبیر سوچی جس سے ان کے خیال میں اشاعت اسلام کے آگے ایک بند باندھا جا سکتا تھا۔

تدبیر یہ سوچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ منصور بن عکرمہ نے ایک معاہدہ لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب بنو ہاشم میں پناہ گزین ہو گئے۔ بنو ہاشم تین سال تک اس گھاٹی میں رہے اور بہت تکالیف برداشت کیں۔ آخر کار کفار کو رحم آیا اور انہوں نے خود انہیں ہاتھوں سے اس معاہدہ کو توڑا جن ہاتھوں سے اسے لکھا تھا۔ چنانچہ مطعم بن عدی نے اس معاہدہ کو چاک کیا اور انہوں نے اور عدی بن قیس' زمعہ بن الاسود' ابوالبختری اور زہیر وغیرہ نے ان کو اس درّہ اور گھاٹی سے نکالا۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور جس ہاتھ سے لکھا تھا اس کا وہ ہاتھ شل ہو گیا اور اس معاہدہ کو کعبہ کے اندر آویزاں کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد جلد 1 ص 209)

شعب[1] بنی ہاشم میں بنو ہاشم کے تین سال تک محصور رہنے میں سیدنا علیؓ کی

1- عام تواریخ میں اس کا نام "شعب ابی طالب" ہے لیکن یہ نام غلط ہے اور ایک خاص سازش کے تحت رکھا گیا ہے۔ دراصل یہ ایک پہاڑ کا درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا اور اس کا اصل نام "شعب بنو ہاشم" تھا۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد 1 ص 245 تعلیقہ)

ایسا ہی ناسخ التواریخ جلد 2 ص 341' العقد الفرید جلد 3 ص 96 اور تاریخ یعقوبی شیعی نے لکھا ہے

Marfat.com

کوئی نمایاں کارکردگی کتابوں کے اوراق میں نہیں ملتی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ سیدنا علیؓ اس وقت چھوٹے تھے اور بڑوں کے ہوتے چھوٹوں کو آگے نہیں لایا جاتا۔

سیدنا علیؓ اور ہجرت:

قریش مکہ جب ہر طرف سے مایوس ہوگئے اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی ہر قسم کی مزاحمت دین اسلام کی تشہیر و تبلیغ کو نہیں روک سکی اور مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے تو انہوں نے دارالندوہ میں اجلاس عام کیا جس میں ہر قبیلہ کے روساء شامل تھے۔ جن میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

ابوسفیان، عتبہ، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل اور امیہ بن خلف۔ (طبری جلد ۲ ص ۹۸)

چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے:

فاجتمعوا فی دارالندوۃ ولم یتخلف احد من اهل الرائے والحجی منهم لیتشاوروا فی امره

"وہ سب دارالندوہ میں جمع ہوئے اور اہل الرائے (حضرات)---- لوگوں میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں مشورہ کیا جا سکے۔"

(طبقات جلد 1 ص 227، البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 175)

دارالندوہ کی اس مجلس شوریٰ میں ابلیس لعین بھی ایک (ثقافتی بزرگ) کی شکل میں حاضر ہوا۔ مجلس شوریٰ میں جو تجویز بھی پیش ہوتی ابلیس اس پر اعتراض کر کے اسے رد کر دیتا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ہر قبیلہ سے ایک شخص لیا جائے اور یہ سب لوگ ایک ساتھ مل کر تلواروں سے (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر دیں۔ اس صورت ان کا خون قبائل میں بٹ جائے گا اور بنو ہاشم کے لیے تمام قبائل کا مقابلہ کرنا ایک ناممکن بات ہوگی۔

اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تمام قبائل کے ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ عالیہ کا محاصرہ کرلیا۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کو جبریل امین نے اس بارہ میں خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو بلایا اور مکہ کے لوگوں کی ساری امانتیں ان کے سپرد کیں اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ طیبہ روانہ ہو جاؤں گا۔

نم علی فراشی و تسبح ببردی هذا الحضرمی الاخضر فنم فیه فانه لن یخلص الیک شی تکرهه منهم

"میرے پلنگ پر میری یہ حضرمی سبز چادر اوڑھ کر سو رہو' تم کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچائے گا۔"

(ابن ہشام جلد 1 ص 139 ' طبری جلد 2 ص 99 ' البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 179)

اور فرمایا: "کہ صبح کو یہ ساری امانتیں دے کے مدینہ چلے آنا"

چنانچہ سیدنا علیؓ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی چادر اوڑھ کر آپ کے پلنگ پر بے خوف وخطر سو رہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی تھی کہ تمہیں کوئی شخص تکلیف اور گزند نہیں پہنچائے گا۔

سیدنا علیؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کامل یقین اور اعتماد تھا اور انہیں یہ پتہ تھا کہ رسول ﷺ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کبھی غلط نہیں ہو سکتے' لہذا انہیں پورا اطمینان اور کامل یقین تھا کہ کوئی کافر انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس وجہ سے وہ بستر رسولؐ پر معمول کے مطابق گہری نیند سو گئے۔

صبح کے وقت کسی شخص نے ان کفار کو جو آپ کے مکان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو جا چکے ہیں۔ ان لوگوں نے اندر جھانک کر دیکھا تو بستر رسول پر کسی کو لیٹے ہوئے دیکھا' وہ یہی سمجھتے رہے کہ یہ محمد (ﷺ) لیٹے ہوئے ہیں لیکن جب صبح ہوئی تو بستر رسول سے سیدنا علیؓ اٹھے۔ اب وہ کہنے لگے۔

واللّٰہ لقد کان صدق الذی حدثنا

"بخدا! جس نے ہمیں بتایا تھا کہ محمد (ﷺ) جا چکے ہیں اس نے سچ بتایا تھا۔"

(ابن ہشام جلد 1 ص 140-141 ' طبری جلد 2 ص 100)

سیدنا علیؓ جب صبح کو اٹھے تو کفار نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں پوچھا کہ وہ کہاں گئے؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا:

Marfat.com

لا علم لی به — (طبقات ابن سعد جلد 1 ص 228)

''مجھے آپ کے بارہ میں کوئی علم نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ تو سیدنا ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے۔ سیدنا علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر کے تین روز بعد عازم مدینہ ہوگئے۔ سیدنا علیؓ خود فرماتے ہیں:

''میں تین دن مکہ میں رہا۔ میں لوگوں کے سامنے آتا جاتا۔ میں ایک روز بھی لوگوں سے غائب نہیں رہا۔ پھر تین روز کے بعد میں مکہ سے نکلا اور اس راستے پر چلتا گیا جس راستے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گئے تھے یہاں تک کہ میں بنی عمرو بن عوف کے محلّہ میں پہنچا۔ میں کلثوم بن الہدم کے مکان پر گیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما تھے۔''

(طبقات ابن سعد جلد 1 ص 22' طبری جلد 3 ص 106)

راہ ہجرت کا یہ سفر نہایت مشکل تھا لیکن سیدنا علیؓ کی ایمانی طاقت راہ وفا کے ان سنگلاخ راستوں پر پروں کا کام دیتی تھی اور سیدنا علیؓ دن کو چھپے رہتے رات کو ریگزاروں میں چلتے یہاں تک کہ

پاؤں کے چھالوں سے کانٹوں کی بجھائی میں نے پیاس
جس طرف کو میں چلا گویا کہ مے خانہ چلا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی آمد کے بارہ پتہ چلا تو فرمایا ''علیؓ کو بلاؤ۔'' خدمت گرامی میں عرض کیا گیا' ''حضور! وہ چلنے سے معذور ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو آپ خود تشریف لے گئے۔ گلے لگایا' سر منہ چوما' پاؤں کے ورم کو دیکھا تو نبوت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ کے پاؤں پر ہاتھ پھیرا' لعاب دہن لگایا' نبوت کے اس لعاب دہن لگانے سے پھر ساری زندگی سیدنا علیؓ کے پاؤں کو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ابن اثیر کے الفاظ ہیں:

فلم یشتکھا بعد حتی قتل — (ابن اثیر جلد 2 ص 106)

''پھر سیدنا علیؓ کے پاؤں کو ان کی شہادت تک کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔''

Marfat.com

ابن سعد کا بیان ہے کہ سیدنا علیؓ ربیع الاول کے وسط میں قباء میں تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک قباء ہی میں تشریف فرما تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد 3 ص 22)

یہ ساری تفصیل ان روایات کی روشنی میں ہے جو عام تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے لیکن بخاری جو کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کی رو سے سیدنا علیؓ کا بستر رسولؐ پر سونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو مکہ سے نکلنا ایک افسانہ نظر آتا ہے۔

بخاری میں سیدہ عائشہ ام المومنینؓ سے جو روایت مروی ہے اس میں صاف مرقوم ہے کہ ہجرت کا سفر دوپہر کے وقت شروع ہوا نہ کہ رات کو۔ چنانچہ ام المومنینؓ کا بیان ہے۔

"ایک دن ہم سب گھر میں بیٹھے تھے۔ عین دوپہر کا وقت تھا۔ (فبینما نحن یوماً جلوس فی بیت ابی بکر فی نحر الظہیرة) اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ گھر کے کسی شخص نے حضور علیہ الصلواۃ والسلام کو دور سے دیکھ کر کہا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سر ڈھانپے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ اس وقت اس سے پہلے کبھی تشریف نہ لائے تھے۔ (متقنعاً فی ساعته لم یکن یاتیا فیھا) سیدنا ابو بکرؓ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ ضرور کسی اہم کام کے لیے تشریف لائے ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر حضور علیہ السلام اندر تشریف لے آئے۔ آپؐ نے ابو بکرؓ سے فرمایا۔ یہاں اس وقت جو لوگ موجود ہیں انہیں باہر نکال دو (کیونکہ ایک اہم بات کرنی ہے) سیدنا ابو بکرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ تو آپ ہی کے گھر والے ہیں۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہاں سے باہر جانے (ہجرت) کا حکم دیا گیا ہے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے کہا: "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیجیے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ٹھیک ہے۔" سیدنا ابو بکرؓ نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیجیے۔"

Marfat.com

آپ نے فرمایا: "مفت نہیں قیمتاً لوں گا۔" (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب سیرۃ خاتمہ النبیین صلی اللہ علیہ وسلم)

سیدنا عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے لیے جلدی جلدی سامان سفر اور زاد راہ تیار کیا۔ کچھ کھانا چمڑے کے ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ سیدہ اسماء بنت ابوبکرؓ نے اپنا آزار بند کاٹا اور اس سے اس تھیلے کا منہ باندھا۔ اس وجہ سے ان کا نام "ذات النطاقین" پڑ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اپنی اپنی سواریوں پر چل پڑے اور غار ثور میں تین دن تک چھپے رہے۔ (بخاری جلد 1 ص 552-553)

بخاری کی اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

1- ہجرت رات کو نہیں بلکہ دوپہر کے وقت شروع ہوئی۔

2- ہجرت کا جونہی آپ کو حکم ہوا آپؐ اسی وقت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ ابوبکرؓ کو وہ حکم سنایا۔ ابوبکرؓ نے رفاقت کی درخواست کی جو آپ نے منظور فرمائی۔

3- اسی وقت ابوبکرؓ کے گھر ہی پر زاد راہ سیدہ عائشہؓ اور سیدہ اسماءؓ دونوں بہنوں نے تیار کیا اور سیدہ اسماءؓ نے اپنے ازار بند سے اس تھیلے کے منہ کو باندھا جس میں کھانا تھا۔

4- ابوبکرؓ کے گھر ہی سے اسی وقت سیدنا ابوبکرؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لیے روانہ ہوگئے اور جبل ثور کے ایک غار میں تین روز تک چھپے رہے۔

یہ جو تاریخ کی کتابوں میں عام روایات ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو اپنے بستر پر سلایا اور فرمایا کہ یہ سبز چادر اوڑھ کر سو جاؤ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ بخاری کی اس روایت کے مقابلے میں ان روایات کی ایک افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں اور ان روایات کے خدوخال سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سبائی ٹکسال کی گھڑی ہوئی ہیں۔

بہرحال ہمارے اہل قلم اور مورخ حضرات کو اس بارہ میں غور کرنا چاہیے اور ہجرت رسولؐ کے بارہ میں صحیح روایت جو بخاری نے نقل کی ہے اس کو سامنے لانا چاہیے۔

Marfat.com

اس بارہ میں اردو کے مورخین نے بھی بڑی زیادتی کی ہے اور بخاری کی روایت کو چھوڑ کر دوسری روایات نقل کر دی ہیں۔

مسجد کی تعمیر:

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رہائش تو سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں رکھی' لیکن خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے ایک مسجد کی ضرورت محسوس کی جہاں بندگانِ اللہ اس کے حضور میں سر نیاز جھکا سکیں۔ چنانچہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص یہ شعر پڑھتا۔

لئن قعدنا و النبی یعمل
لذالک منّا العمل المضلّل

دوسرے مسلمان اس کے جواب میں یہ پڑھتے

لا عیش الّا عیش الآخرہ
اللھم ارحم الانصار والمھاجرۃ

سیدنا علیؓ اینٹ اور گارا اٹھاتے اور لاتے ہوئے یہ رجز پڑھتے

لایستوی من یعمر المساجدا
یدأب فیہ قائماً و قاعدا
ومن یریٰ عن الغبار حائدا

جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور مشقت برداشت کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اس کے مقابلہ میں جو گرد و غبار کی وجہ سے اس کام سے جی چراتا ہے وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (زرقانی جلد 1 ص 426' سیرۃ ابن ہشام جلد 2 ص 497)

ہجرت مدینہ کے بعد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت سیدنا علیؓ کی عمر صرف 6-7 سال کی تھی کیونکہ سیدنا حسن بن علیؓ کے بیان کے مطابق شہادت کے وقت آپؓ کی عمر 58 سال تھی۔ (طبری جلد 2 ص 116)

Marfat.com

اور ابن کثیر نے سیدنا جعفر الصادق کا جو قول نقل کیا ہے اس میں بھی 58 سال ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 7 ص 330)

اور سیدنا علیؓ کی شہادت 40 ہجری میں ہوئی ہے اس لحاظ سے بھی آپ کی عمر 6-5 سال ہی بنتی ہے۔

دوسری دلیل اس سلسلے میں یہ ہے کہ نبوت کے دوسرے سال جب سخت قحط پڑا تو ابو طالب کے چار بیٹوں میں دو بڑے بیٹے طالب اور عقیلؓ کی عمریں 36 اور 26 سال تھیں اور دو چھوٹے بیٹوں سیدنا جعفرؓ اور سیدنا علیؓ کی عمریں 16 اور 6 سال تھیں۔ دونوں بڑے بیٹے خود کفیل تھے۔ لہذا دونوں چھوٹوں کو سیدنا عباسؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کفالت میں لے لیا اور اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ ان سب بھائیوں کی عمروں میں 10-10 سال کا فرق تھا۔ اگر اعلان نبوت کے وقت سیدنا علیؓ کی عمر 10 سال مان لی جائے تو سیدنا جعفرؓ کی عمر 20 سال بنتی ہے اور بیس بائیس سال کے بچے کی کون کفالت کرتا ہے؟ وہ تو خود کفیل ہوتا ہے۔ اسے کفالت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس لحاظ سے ہجرت کے وقت سیدنا علیؓ کی عمر 19-18 سال بنتی ہے۔ اس وجہ سے اسلام کے لیے کام کرنے کا وقت ہجرت کے بعد سیدنا علیؓ کے لیے شروع ہوا۔ چنانچہ آپ نے ہجرت مدینہ کے بعد اسلام کے لیے ہر وہ کام کیا جو علیؓ جیسا نوجوان کر سکتا تھا۔ جنگ بدر' جنگ احد' جنگ خیبر قریباً سب جنگوں میں تاریخ کے اوراق میں ہمیں آپ کا نام ملتا ہے۔

مواخات:

مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل خالی ہاتھ آئے تھے۔ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ یا تو کفار مکہ نے چھین لیا یا وہ وہاں چھوڑ آئے کیونکہ وہ کافروں سے چھپ کر نکلے تھے۔ بے سروسامان مہاجرین کی مالی امداد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات اور بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا۔

سیدنا انس بن مالک کے گھر پر لوگوں کو جمع کیا گیا۔ مہاجرین کی تعداد 45 تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: "یہ تمہارے بھائی

Marfat.com

ہیں۔" پھر مہاجرین و انصار میں سے دو اشخاص کو بلا کر آپ فرماتے گئے کہ: "یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔" (طبقات ابن سعد جلد 1 ص 238)

چشم فلک نے ایسا رشتۂ اخوت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کے اتنا فرمانے سے دو اجنبی واقعی بھائی بھائی ہو گئے۔ انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کو اپنے ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ کرایا اور کہہ دیا کہ آدھا آپ کا ہے اور آدھا ہمارا ہے۔ سیدنا سعدؓ بن الربیع جو سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بھائی قرار پائے' ان کی دو بیویاں تھیں۔ انہوں نے سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہا کہ میں ایک کو طلاق دیتا ہوں' آپ اس سے شادی کر لیں لیکن سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔

(بخاری جلد 1 ص 533)

یہ رشتہ بالکل حقیقی بھائیوں کا سا رشتہ بن گیا۔ کوئی انصاری انتقال کرتا تو اس کی جائیداد اور مال مہاجر بھائی کو ملتا۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ کو خارجہؓ بن زید کا بھائی بنایا' سیدنا عمرؓ کو عتبانؓ بن مالک کا بھائی بنایا' سیدنا زبیرؓ کو سلمہؓ بن سلامہ کا بھائی بنایا' سیدنا طلحہؓ بن عبیداللہ کو سیدنا کعبؓ بن مالک کا بھائی بنایا' سیدنا عثمانؓ بن عفان کو سیدنا اوسؓ بن ثابت کا بھائی بنایا۔ اسی طرح آپ نے سیدنا علیؓ کو سہیلؓ بن حنیف کا بھائی بنایا۔ چنانچہ ابن سعد نے لکھا:

آخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین علی بن ابی طالب و سھل بن حنیف۔ (طبقات ابن سعد جلد 3 ص 23)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ ابن طالب اور سہلؓ بن حنیف کے درمیان مواخات کروائی۔"

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

ھذا اخی (سیرت ابن ہشام جلد 1 ص 158)

"یہ میرا بھائی ہے۔"

جن روایات میں ایسا آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو اپنا بھائی بنایا وہ روایات روایت اور درایت دونوں کے لحاظ سے صحیح نہیں۔ (ملاحظہ ہو البدایہ

Marfat.com

والنہایہ جلد 3 ص 227 جلد 7 ص 223) کیونکہ:

1- مہاجرین جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے وہ تو پہلے ہی آپس میں رشتہ اخوت میں بندھے ہوئے تھے کیونکہ قریش میں سے تھے اور ہر قریشی کا کسی دوسرے سے رشتہ داری کا تعلق تھا۔ پھر ان میں وطنی رشتہ داری بھی تھی۔ آپؐ نے تو انصار اور مہاجرین کے مابین بھائی چارے کا تعلق قائم فرمایا تھا تا کہ ایک تو مہاجرین کی دل جوئی ہو سکے' دوسرے مہاجرین کی بے سروسامانی کا مداوا ہو سکے۔ چنانچہ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی ملکیت میں سے ہر شے آدھی بانٹ کر دے دی۔

2- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مہاجر اور سیدنا علیؓ بھی مہاجر' لہذا مہاجر مہاجر کا آپس میں رشتہ اخوت قائم کرنے کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔

بدیں وجہ یہ روایت ہی غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ کے ساتھ رشتہ اخوت قائم فرمایا بلکہ آپ نے ایک انصاری سیدنا سھل بن حنیفؓ سے ان کا بھائی چارہ قائم فرمایا۔

ویسے رشتہ میں سیدنا علیؓ آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی موقعہ پر انہیں اپنا بھائی فرمایا ہوگا جس کو یار لوگوں نے مدینہ طیبہ کی مواخات پر محمول کر لیا جو کہ سراسر غلط اور مقصد مواخات کے سراسر خلاف ہے جس کے تحت آپ نے یہ بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔

علامہ ابن کثیر نے بھی اس بارہ میں نہایت عمدہ بحث فرمائی ہے۔ اہل علم ملاحظہ فرمالیں۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 227)

ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ کل 90 آدمی تھے 45 مہاجرین اور 45 انصار اور ایک روایت میں کل 100 آدمی تھے جن میں 50 مہاجر اور 50 انصار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان بھائی چارہ کروایا۔

(طبقات جلد 1 ص 238)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کی مواخات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ ہوئی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مہاجر تھے اور سیدنا علیؓ

Marfat.com

بھی مہاجر تھے اور بھائی چارہ مہاجر و انصار میں ہوا تھا لہذا آپ کا رشتہ اخوت سیدنا سہلؓ بن حنیف سے ہوا تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک مواخات آپ نے مدینہ طیبہ میں انصار اور مہاجرین کے درمیان قائم کی تھی اور اس سے قبل مکی زندگی میں بھی ایک مواخات (بھائی چارہ) قائم کی تھی۔ اس مواخات میں آپ نے سیدنا علیؓ کو اپنا بھائی بنایا تھا۔ چنانچہ وہ مواخات سیدنا حمزہؓ اور سیدنا زید بن حارثہؓ سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سیدنا زبیرؓ اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان قائم ہوئی تھی۔ اسی طرح دوسرے حضرات کے درمیان بھی آپؐ نے بھائی چارہ قائم کیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی تھی' اس میں سیدنا علیؓ کو سیدنا سہلؓ بن حنیف کا بھائی بنایا گیا۔ (سیرۃ الحلبیہ جلد 2 ص 21)

اور جن روایات میں مدینہ طیبہ کی مواخات سرکار دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا علیؓ کے مابین ہونے کا ذکر ہے۔ وہ حافظ ابن کثیر کے بقول سب ضعیف ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 227' جلد 7 ص 223)

غزوہ بدر اور سیدنا علیؓ:

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے قریباً 80 میل کے فاصلہ پر ہے یہ وہ غزوہ ہے جس نے اسلامی تاریخ یا تاریخ عالم کے دھارے کا رخ بدل دیا اور مسلمانوں کی شجاعت اور جرات نے نہ صرف کفار مکہ بلکہ جزیرۂ عرب کے تمام کافروں سے اپنا سکہ منوالیا۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے اس غزوہ کو "الفرقان" کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کے غیظ وغضب کا بادل بڑے زور شور سے اٹھا ہے' آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور انہیں کفار کے منصوبے کے بارہ میں بتایا۔ مہاجرین کی طرف سے سیدنا صدیق اکبرؓ نے اور انصار کی طرف سے سیدنا سعد بن عبادہؓ (سردار خزرج) نے پوری حمایت کا یقین دلایا۔ سیدنا مقدادؓ نے تو یہاں تک کہا کہ:

"ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں بلکہ ہم لوگ آپ کے دائیں سے' بائیں سے' سامنے سے اور پیچھے سے

Marfat.com

لڑیں گے۔"

ان کی اس تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا اور آپ بہت خوش ہوئے۔

مختصر یہ کہ دونوں فوجیں میدان بدر میں آمنے سامنے ہوئیں۔ قریش مکہ کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ کا بیٹا ولید بن عتبہ دعوت مبازرت دیتے ہوئے میدان میں نکلے۔ یہ تینوں بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مقابلہ کے لیے تین انصاری نوجوانوں عوفؓ بن حارث' معوذؓ بن حارث اور عبداللہ بن رواحہؓ کو میدان جنگ میں بھیجا۔ (طبری جلد 2 ص 148)

عتبہ نے ان تینوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ہم انصاری ہیں ان تینوں کا جواب یہ تھا۔ عتبہ نے کہا ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔ تم اچھے لوگ ہو۔ عتبہ نے پھر آواز دی اے محمدؐ! ہماری اپنی قوم کے لوگوں کو ہمارے مقابل لائیے جو ہمارے برابر ہیں۔

(ابن اثیر جلد 2 ص 125)

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ نے جب مسلمانوں کو مبازرت کے لیے آواز دی تو انصار میں سے تین افراد معاذؓ بن حارث' معوذؓ بن حارث اور عوفؓ بن حارث میدان جنگ میں نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی کہ میدان جنگ میں کفار مکہ سے سب سے پہلا مقابلہ انصار کا ہو۔ لہٰذا آپؐ نے تینوں کو واپس بلا لیا۔ اس پر کفار مکہ اور دوسری روایت کے مطابق عتبہ نے کہا اے محمدؐ! ہمارے برابر کے لوگ ہمارے سامنے لائیے۔ ہم ان انصار کے ساتھ کیا مقابلہ کریں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا بنی ہاشم ! قوموا' قاتلوا بحقکم الذی بعث اللّٰہ بہ نبیکم اذ جاؤوا بباطلھم لیطفوا نور اللّٰہ

"اے بنو ہاشم اٹھو اور اپنے اس حق کے لیے لڑو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا جب کہ کفار اپنے باطل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانے کے لیے آئے ہیں۔"

(طبقات ابن سعد جلد 2 ص 17 ' مسند احمد جلد 1 ص 117)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس آواز پر سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلب ' علیؓ ابن ابی طالب اور عبیدہؓ بن الحارث بن عبدالمطلب میدان جنگ میں آئے۔ عتبہ نے کہا کہ اپنا تعارف کرواؤ۔ سیدنا حمزہؓ نے فرمایا:

انا حمزة بن عبدالمطلب اسداللّٰه و اسد رسوله

"میں حمزہؓ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کا شیر۔"

عتبہ نے کہا: خوب' بہت اچھا مدمقابل ہے۔ عتبہ نے پوچھا آپ کے ساتھ یہ دو حضرات کون ہیں؟ سیدنا حمزہؓ نے فرمایا: علیؓ ابن ابی طالب اور عبیدہؓ بن الحارث۔

چنانچہ عتبہ کا مقابلہ سیدنا حمزہؓ سے' علیؓ ابن ابی طالب کا مقابلہ ولید بن عتبہ سے اور عبیدہؓ بن الحارث کا شیبہ بن ربیعہ سے ہوا۔ سیدنا حمزہؓ اور سیدنا علیؓ نے اپنے مدمقابل لوگوں کو ایک ہی وار میں واصل جہنم کیا' لیکن سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ چونکہ سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے اور ان کا مدمقابل شیبہ جوان تھا لہذا اس نے سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ کو زخمی کر دیا۔ سیدنا حمزہؓ اور سیدنا علیؓ نے جب اپنے ساتھی سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ کو زخمی دیکھا تو دوڑ کر شیبہ پر ایسا حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کو بھی واصل جہنم کر دیا۔ لیکن سیدنا عبیدہؓ بن الحارث بھی اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے اور شہید ہو گئے۔ (طبقات جلد 2 ص 17)

طبری' ابن ہشام اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حمزہؓ کا مقابلہ بجائے عتبہ کے شیبہ سے ہوا اور سیدنا عبیدہ بن الحارث کا مقابلہ بجائے شیبہ کے عتبہ سے ہوا۔

(ملاحظہ ہو طبری جلد 2 ص 148 ' ابن ہشام جلد 2 ص 625' البدایہ والنہایہ جلد 3 ص 273' ابن اثیر جلد 2 ص 125)

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ کے ہاتھ میں اس روز ایک جھنڈا تھا جس کا نام عقاب تھا اور انصار کا جھنڈا سیدنا سعدؓ بن معاذ کے ہاتھ میں تھا۔

(البدیۃ والنہایہ جلد ص 260' طبقات ابن سعد جلد 3 ص 23 ' ابن ہشام جلد 2 ص 612)

شیعہ حضرات نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنگ بدر میں مشرکین کے 70 آدمی مارے گئے ان میں سے آدھے آدمی سیدنا علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

(ملاحظہ ہو ابن ابی الحدید جلد 1 ص 24)

یہ روایت سراسر غلط ہے اور یار لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے۔

بہر حال مختلف کتابوں کی ورق گردانی سے 57 مشرکین کے ناموں کا پتہ چلتا ہے جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی مشرک جو جنگ بدر میں مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بنے تھے' وہ بھرتی کا مال تھے' کسی شہرت کے حامل نہ تھے۔ وہ 57 مشرک جو بدر میں قتل ہوئے' ان میں سے مندرجہ ذیل کو سیدنا علیؓ نے قتل کیا:

1	حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
2	عاص بن سعید	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
3	ولید بن عتبہ بن ربیعہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
4	حارث بن ربیعہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
5	نوفل بن خویلد بن اسد معروف بہ ابن عدویہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
6	نضر بن حارث بن کلدہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
7	ابن تیم	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
8	حرملہ بن عمرو بن ابی عتبہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
9	ابو قیس بن ولید	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
10	مسعود بن ابی امیہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
11	عبداللہ بن ابی رفاعہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
12	حاجز بن سائب بن عویمر	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
13	زمعہ بن اسود	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
14	حارث بن زمعہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
15	عمرو بن عثمان بن کعب	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
16	عثمان بن طلحہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
17	مالک بن طلحہ	سیدنا علیؓ نے قتل کیا
18	منبہ بن الحجاج	سیدنا علیؓ نے قتل کیا

اس جنگ میں سیدنا علیؓ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ تجربہ کار صحابہ کے ساتھ سیدنا علیؓ کو جنگی امور میں مہارت حاصل کرنے کا موقعہ دینے کی

وجہ سے انہیں زیادہ سے زیادہ موقع دیا گیا تا کہ وہ امور حرب میں پختہ ہو جائیں۔

ذوالفقار علیؓ:

جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکوں میں منبہ بن حجاج نامی شخص بھی تھا جس کو سیرۃ ابن ہشام کے مطابق سیدنا حمزہؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے قتل کیا۔ ذوالفقار نام کی تلوار اسی مشرک کی تھی جو اس موقع پر غنیمت میں حاصل ہوئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس تلوار کو ابوجہل کی تلوار بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

انّ ذا الفقار لم یکن لعلّی و انما کان سیفاً من سیوف ابی جہل غنمه المسلمون منه یوم بدر

"ذوالفقار سیدنا علیؓ کی نہیں بلکہ ابوجہل کی تلوار تھی جسے مسلمانوں نے جنگ بدر کے دن غنیمت میں حاصل کیا۔" (منہاج السنہ جلد 3 ص 17)

طبقات ابن سعد کی مختلف جلدوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تلوار بدر کے دن اپنے حصہ میں لی۔ ایک مقام پر لکھا ہے کہ آپ نے ذوالفقار نامی تلوار اپنے حصہ سے زائد لے لی جو منبہ بن الحجاج کی تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد 1 ص 328,360 جلد 2 ص 272)

اس تلوار کا نام پہلے ہی ذوالفقار تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام برقرار رکھا۔ عربی زبان میں "فقار" ریڑھ کی ہڈی میں جڑے ہوئے مہروں کے اتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں' چونکہ اس تلوار میں آرائش و زیبائش کے لیے اوپر کی جانب کنگورے بنائے گئے تھے اس لیے اسے "ذوالفقار" کنگورے دار تلوار کہا جاتا تھا۔ یہ تلوار غزوۂ بدر کے بعد مستقل طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں رہی اور آپ کے انتقال کے بعد آپؐ کے متروکات میں اس کا شمار ہوتا ہے اور تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ہے کہ آپؐ نے یہ تلوار سیدنا علیؓ کو مرحمت فرمائی۔ ویسے بھی اگر آپ نے یہ تلوار سیدنا علیؓ کو دی ہوتی تو آپؐ کے متروکات میں اس کا شمار کبھی نہ ہوتا۔

یہ تھی ذوالفقار کی تاریخی حیثیت' لیکن ایک خاص گروہ نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ آسمان سے نازل کی گئی اور یہ خاص معجزاتی اوصاف کی حامل تھی چنانچہ محمد بن

Marfat.com

یعقوب کلینی نے لکھا ہے:

"راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ ذوالفقار شمشیر کہاں سے آئی تھی؟ فرمایا جبریل علیہ السلام آسمان سے لائے تھے اور اس کا قبضہ چاندی کا تھا۔" (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد1 ص 267)

"آسمان سے اترنے" کا یہ افسانہ یار لوگوں نے صرف سیدنا علیؓ کی شان بڑھانے کے لیے گھڑا تا کہ یہ پتہ چلے کہ سیدنا علیؓ اتنے بلند مرتبہ انسان تھے کہ ان کے ہاتھ کی تلوار بھی آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ غلط باتوں سے کسی بزرگ کی شان نہیں بڑھتی بلکہ اس میں شکوک وشبہات کے کانٹے نکل آتے ہیں۔ دوسرے سیدنا علیؓ کی شان تو ویسے ہی بہت بلند ہے' کیونکہ وہ داماد رسول ہیں عشرہ مبشرہ کے صحابی ہیں' لہذا ان کے بارہ میں غلط روایات کی ضرورت نہیں۔

سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کا عقد:

سیدنا علیؓ اب پورے شباب پر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہی رہتے تھے کہ آپ نے انہیں اپنی دامادی کا شرف بخشا اور اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ کو ان کے حبالہ عقد میں دے دیا۔ شادی کے وقت سیدنا علیؓ کی عمر 21 سال اور سیدہ فاطمہؓ کی عمر ساڑھے پندرہ سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ جلد 6 ص 332' زرقانی جلد 2 ص 203' تفسیر قرطبی جلد 4 ص 151)

سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کا یہ نکاح 3 ہجری میں غزوہ احد کے بعد ہوا چنانچہ مشہور شیعہ محدث ومورخ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے:

"شیخ مفید وابن طاؤس واکثر اعاظم علماء ذکر کردہ اند کہ این مزاوجت باسعادت درشب پنجشنبہ بیست ویکم ماہ محرم ازسال سیم ہجرت واقع شد۔"

"شیخ مفید اور ابن طاؤس اور اکثر بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ نیک شادی جمعرات کی رات ۲۱ محرم[1] ۳ ہجری کو ہوئی۔ (جلاء العیون جلد1 ص166)

---

1 آج مسلمان محرم میں اپنی بیٹیوں کے نکاح کرنا اچھا نہیں سمجھتے' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ کا نکاح محرم الحرام کی 21 تاریخ کو کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محرم میں اپنی بیٹیوں کے نکاح پڑھوانا سنت اور باعث اجر وثواب ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ محرم ویسے ہی بڑی عزت وحرمت والا مہینہ ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کا نکاح اس مہینے میں کیا تھا۔

Marfat.com

سیدنا علیؓ کے ساتھ یہ شادی کیسے ہوئی' شیعہ حضرات نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

"سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی قدر میں حاضر ہوتے۔ میں ان حضرات کی ترغیب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپؐ نے مجھے دیکھا تو مسکرا کر فرمایا "علیؓ! کس طرح آنا ہوا؟" میں نے اپنی نسبی قرابت اور دیرینہ قبولیت اسلام' نصرت دینی اور مساعی جہاد کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا "علیؓ جو کچھ تو نے کہا' تو اس سے بہتر ہے۔" میں نے پھر عرض کیا کہ "اگر آپ فاطمہؓ کا نکاح مجھ سے کر دیں تو بہتر ہوگا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم یہیں ٹھہرو' میں ابھی گھر سے ہو کر آتا ہوں' چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر سیدہ فاطمہؓ کھڑی ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ سیدہ فاطمہؓ نے آپ کی چادر مبارک اور نعلین اتار کر رکھیں۔ پھر وضو کے لیے پانی لا کر آپؐ کو وضو کروایا' آپ کے پاؤں مبارک دھوئے۔ پھر سیدہ فاطمہؓ بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فاطمہؓ! علی نے تیرے نکاح کے بارہ میں ذکر کیا تھا' تمہارا کیا خیال ہے؟" سیدہ فاطمہؓ خاموش رہیں' لیکن چہرے پر ناپسندیدگی کے کوئی آثار نہ تھے اور نہ ہی رخ پھیرا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:
"فاطمہؓ کا خاموش ہو جانا ہی اقرار اور رضامندی کی علامت ہے۔"

اللہ اکبر! سکوتھا اقرارھا

(کتاب الامالی' طوسی' جلد 1 ص 38)

ملا باقر مجلسی نے بھی اپنی کتاب جلاء العیون باب تزویج امیرالمومنین و حضرت فاطمہ میں شیخ طوسی کی معتبر سند سے یہی لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ کو سیدنا ابوبکرؓ سیدنا عمرؓ اور سیدنا سعد بن معاذؓ نے سیدہ فاطمہؓ سے نکاح کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ باقر مجلسی نے لکھا ہے:

Marfat.com

پس ایشان بہر نحو یکہ بود آں حضرت را راضی کردند کہ بخدمت حضرت رسول رود و فاطمہ را ازاں حضرت خواستگاری نماید

"پس ان تینوں (ابوبکرؓ، عمرؓ اور سعد بن معاذؓ) نے جس طرح بھی ہو سکا سیدنا علیؓ کو اس کام کے لیے راضی کر لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کریں۔"

(جلاء العیون جلد 1 ص 170)

چنانچہ ان حضرات کی آمادگی پر سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کی جو حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے قبول فرمائی۔ لیکن پوچھا کہ شادی کے مصارف کے لیے کوئی رقم ہے۔ سیدنا علیؓ نے عرض کی کہ "صرف ایک زرہ ہے۔"

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا علیؓ کے والد نہایت مفلوک الحال اور تنگ دست تھے۔ چنانچہ اسی تنگ دستی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عباسؓ نے ان کے دو بچوں کو اپنی زیر کفالت رکھا تھا۔ سیدنا علیؓ کی زندگی بھی نہایت تنگدستی کی زندگی تھی۔ آپ کا ذریعہ معاش کنوؤں سے پانی نکال کر لوگوں کے کھیتوں کو سیراب کرنا تھا اور اس کام سے بمشکل گزارہ ہوتا۔ چنانچہ ملا باقر ہی نے لکھا ہے کہ جب ابوبکرؓ، عمرؓ اور سعد بن معاذ سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کے لیے سیدنا علیؓ کو آمادہ کرنے کے لیے ان کے ہاں گئے تو تاریخ کے رپورٹر یہ بتاتے ہیں:

درآں وقت حضرت شتر خود را بردہ بود در باغ یکے از انصار آب می کشید باجرت

"(سیدنا علیؓ گھر پر موجود نہ تھے) بلکہ آپ اس وقت اپنا اونٹ لے کر ایک انصاری کے باغ میں اجرت پر آب کشی کے لیے گئے ہوئے تھے۔"

(جلاء العیون جلد 1 ص 169 ' کشف الغمہ جلد 1 ص 354)

اسی سلسلہ میں صاحب کنز العمال نے نقل کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں فاقہ تھا۔ جب سیدنا علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ اپنی مزدوری کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ کام کی تلاش میں ایک یہودی کے باغ میں پہنچے تاکہ اس کے باغ کی سینچائی مزدوری کے طور پر کر دی جائے۔ اجرت یہ مقرر ہوئی ایک ڈول پانی کے بدلے

Marfat.com

ایک کھجور۔ سیدنا علیؓ نے سترہ ڈول کھینچے۔ یہودی نے انہیں یہ اختیار دیا کہ مزدوری میں جس قسم کی کھجوریں وہ چاہیں لے لیں۔ سیدنا علیؓ نے سترہ (17) ڈولوں کے بدلے میں سترہ عجوہ کھجوریں لیں' (عجوہ مدینہ طیبہ کی ایک نہایت اچھی اور لذیذ کھجور ہے۔) یہ سترہ کھجوریں فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "یہ کہاں سے لائے؟" سیدنا علیؓ نے عرض کی حضور! مجھے پتہ چلا کہ آپ فاقہ سے ہیں لہذا آپ کے لیے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے میں مزدوری کی تلاش میں نکل پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے اس کام کے لیے آمادہ کیا۔ سیدنا علیؓ نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس پہ قلاشی اور ناداری اس تیزی سے نہ آئی ہو جیسے سیلاب کا پانی اپنے رخ پر تیزی سے بہتا ہے۔ آپ نے پھر فرمایا:

"جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرے اسے چاہیے کہ مصائب کی روک تھام کے لیے ایک چھتری بنا لے۔" (کنز العمال جلد 2 ص 321)

یہ واقعہ معلوم ہوتا ہے' اس وقت کا ہے جب سیدنا علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رہائش پذیر تھے اور سیدہ فاطمہؓ سے ابھی آپ کا رشتہ ازدواج قائم نہیں ہوا تھا۔ لیکن تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ شادی کے بعد بھی سیدنا علی کے حالات کچھ تبدیل نہ ہوئے اور گھر پر وہی افلاس و ناداری کے بادل چھائے رہے۔ ملکہ جنت سیدہ فاطمہؓ خود اپنے ہاتھوں سے چکی پیستیں یہاں تک کہ ہاتھوں کو چھالے پڑ گئے۔ خود پانی لاتیں۔ ایک روز پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کچھ قیدی غلام آئے ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ اپنے لیے کوئی غلام لے سکیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر پر موجود نہ تھے۔ لہذا سیدہ فاطمہؓ اپنے آنے کی غرض سیدہ عائشہؓ سے کہہ آئیں۔ جب حضور علیہ السلام گھر تشریف لائے تو سیدہ عائشہؓ نے فاطمہؓ کی بات عرض کر دی۔

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہؓ کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور ہمارے سونے کی جگہ تک تشریف لے آئے۔ ہم اٹھنے لگے تو فرمایا کہ نہیں بلکہ اپنی جگہ پر لگے رہو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

Marfat.com

وسلم کے پاؤں مبارک کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جس چیز کی خواہش کی ہے' میں چاہتا ہوں کہ اس سے بہتر چیز تم کو بتاؤں۔ فرمایا جب تم سونے لگو تو 33 مرتبہ سبحان اللہ' 33 مرتبہ الحمد اللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ شے تم دونوں کے لیے اس سے بہتر ہوگی جس کا تم نے سوال کیا۔

(بخاری جلد 1 ص 439' جلد 2 ص 807' ابو داؤد جلد 2 ص 64' مسند احمد جلد 1 ص 146-153)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ:

"میں اصحاب صفہ کو چھوڑ کر جن کے پیٹ میں بھوک سے بل پڑ رہے ہیں' تم لوگوں کو نہیں دوں گا۔ میرے پاس اُن کے اخراجات کے لیے کچھ نہیں لہذا میں ان غلاموں کو بیچ کر ان کی قیمت اصحاب صفہ پر خرچ کر دوں گا۔" (فتح الباری جلد 7 ص 23)

غرض کہ سیدنا علیؓ کی معاشی اور اقتصادی حالت ناگفتہ بہ تھی' لہذا آپ کے پاس سرمایہ صرف ایک زرہ تھی (ایک دوسری روایت میں ایک گھوڑے کا بھی ذکر ہے) جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ سے فرمایا:

"حضرت رسول مرا امر فرمود کہ یا علی برخیز و زرہ را بفروش"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "اے علیؓ اٹھو اور زرہ کو (مصارف شادی) کے لیے فروخت کر دو۔"

(جلاء العیون جلد 1 ص 176)

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں میں نے وہ زرہ فروخت کر دی اور قیمت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کتنے درہم ہیں؟" میں نے نہ بتایا بلکہ خاموش رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رقم میں کچھ درہم سیدنا بلالؓ کو دیے کہ فاطمہؓ کے لیے خوشبو خرید کر لائے۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ بھر کر ابوبکرؓ کو دیے کہ فاطمہؓ کے لیے کپڑا لتّا اور دیگر سامان شادی لے کر آئیں۔ عمار بن یاسرؓ اور دوسرے کئی اصحاب کو ابوبکرؓ کے ساتھ سامان لانے کے لیے بھیجا۔

یہ سب حضرات بازار گئے۔ جو چیز یہ خریدنا چاہتے وہ پہلے سیدنا ابوبکرؓ کو دکھاتے' اگر وہ اس کا خریدنا بہتر سمجھتے تو پھر اس کو خریدتے۔ سیدہ فاطمہؓ کے جہیز کے لیے جو اشیا

خریدی گئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

ایک قمیض' ایک اوڑھنی' ایک خیبری سیاہ چادر' ایک بنی ہوئی چار پائی' بستر کے دو گدے' ایک گدا کھجور کی چھال سے بھرا ہوا۔ دوسرے گدے کی بھرائی بھیڑ کی اون سے کی گئی تھی' ایک بالین جس کی بھرائی اذخر (گھاس) سے کی ہوئی تھی' ایک صوف کا کپڑا' ایک چمڑے کا مشکیزہ' دودھ کے لیے ایک گلاس' ایک لکڑی کا پیالہ' سبز قسم کا ایک گھڑا اور چند مٹی کے کوزے۔

اس خرید کردہ سامان میں سے کچھ سامان سیدنا ابوبکرؓ نے اٹھایا اور باقی اشیا دوسرے حضرات نے اٹھائیں۔ جب یہ سامان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے ہاتھوں میں لے کر ملاحظہ فرمایا اور فرمایا:

خداوندا! مبارک گرداں ایں را براہل بیت من

"اے اللہ! اس سامان کو میرے گھر والوں کے لیے برکت والا بنا۔"

(جلاء العیون جلد 1 ص176' کشف الغمہ جلد 1 ص 359)

جس زرہ کے فروخت سے سیدہ فاطمہؓ کے جہیز کا سامان خریدا گیا وہ زرہ کہاں بیچی گئی اور کتنے میں بیچی گئی؟ اس بارہ میں خود سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کی زبانی سنیئے' فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ ابھی جاؤ اور اس زرہ کو ابھی بیچ کر اس کی قیمت میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس سے وہ سب اشیاء تیار کروں جو تیرے اور میری بیٹی فاطمہؓ کے لیے بہتر ہوں۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:

فانطلقت و بعته باربع مائة درهم سود هجرية من عثمان بن عفان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ' فلما قبضت الدراهم منه و قبض الدرع منّی قال یا ابا الحسن! فقلت بلی ' قال: فانّ الدرع هدية منّی اليک

"میں گیا اور میں نے یہ زرہ چار سو درہم میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دی۔ میں نے جب درہم لے لیے تو عثمان نے مجھ سے زرہ لے لی اور کہا اے ابو الحسن! زرہ اب میری ہوگئی اور درہم آپ کے ہوگئے۔ میں نے کہا کہ بالکل درست۔ عثمان بن عفانؓ نے کہا: "یہ زرہ اب میری

Marfat.com

طرف سے آپ کے لیے ہدیہ ہے۔" سیدنا علیؓ فرماتے ہیں "میں نے وہ درہم اور وہ زرہ لے لی۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ زرہ اور درہم آپ کو پیش کر دیے اور عثمانؓ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا تھا یعنی رقم بھی مجھے دے دی اور زرہ بھی دے دی' اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔

فدعا لہ بخیر (کشف الغمہ جلد 1 ص 359)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ کے لیے دعائے خیر کی۔"

علمائے اہل سنت نے بھی لکھا کہ سیدنا عثمانؓ نے زرہ سیدنا علیؓ سے چار سو اسی درہم میں خرید کر درہم بھی سیدنا علیؓ کو دے دیئے اور زرہ بھی۔

(ملاحظہ ہو مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی جلد 2 ص 3)

جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ سیدہ فاطمہؓ کے جہیز کا سامان خرید کر لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کا نکاح سیدنا علیؓ سے کر دیا۔ اس نکاح کے گواہوں میں سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا زبیر بن العوامؓ اور بہت سے انصار تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد 1 ص 348 ' ص 358 'ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ جلد 2 ص 241' زرقانی جلد 2 ص 2-7)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ فاطمہؓ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ سیدنا علیؓ نے جواب دیا کہ "ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا اور کچھ نہیں۔" آپ نے جواب میں فرمایا کہ گھوڑا تو جہاد کے لیے ہے البتہ زرہ کو فروخت کر دو' چنانچہ سیدنا علیؓ نے وہ زرہ سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ 480 درہم میں فروخت کر دی۔ (زرقانی جلد 2 ص 4)

نکاح کے قریباً دس گیارہ ماہ بعد سیدہ فاطمہؓ کی باقاعدہ رخصتی ہوئی۔ سیدنا علیؓ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی مکان میں رہتے تھے جہاں آپؐ رہائش پذیر تھے' لیکن رخصتی کے وقت آپ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو'

چنانچہ سیدنا علیؓ نے حارثہؓ بن النعمان کا مکان کرایہ پر لے لیا اور آپ سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ اس مکان میں اپنی متاہل زندگی کے دن گزارنے لگے۔ (الاصابہ جلد 8 ص 158)

زرقانی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کا نکاح اگرچہ سیدنا علیؓ سے 3 ہجری میں ہوگیا تھا لیکن رخصتی 4 ہجری میں ہوئی تھی[1]۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا علیؓ کی زندگی نہایت تنگدستی کی زندگی تھی۔ آپ کا کام بھی کوئی ایسا نہیں تھا جس سے زیادہ رقم آپ کو مل سکے۔ زرہ فروخت کر کے شادی کی۔ جہاد کے لیے ایک اونٹ تھا۔ خیال تھا کہ اونٹ کے ذریعہ کام کر کے کچھ رقم ولیمہ کے لیے رخصتی سے پہلے پہلے جمع کر لی جائے گی لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ آپ کے چچا سیدنا حمزہؓ ایک روز آپ کے مکان پر شراب پی رہے تھے (اس وقت شراب ابھی حرام نہیں ہوئی تھی) نشہ کی حالت میں اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب بنا لیے۔ سیدنا علیؓ کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا لیکن کیا کیا جا سکتا تھا۔ لہذا زرہ کی قیمت سے مہر ادا کرنے کے بعد جو رقم بچ گئی تھی اسی سے دعوت ولیمہ کی جس میں کھجور' جو کی روٹی' پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا۔ یہ دعوت ولیمہ اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت پر تکلف اور شاندار تھی۔

چنانچہ سیدہ اسماءؓ فرمایا کرتی تھیں کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔
(زرقانی جلد 2 ص 8' کشف الغمہ جلد 1 ص 366)

یہ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ ہیں جو سیدنا جعفر طیارؓ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو پھر سیدہ فاطمہؓ کی رخصتی فتح خیبر 7 ہجری میں ماننی پڑتی ہے کیونکہ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ فتح خیبر کے روز اپنے شوہر سیدنا جعفرؓ طیار ابن ابی طالب کے ساتھ حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائی تھیں۔ اس لیے مورخین نے لکھا ہے کہ یہ اسماءؓ بنت عمیس نہیں بلکہ ان کی بہن سلمٰی بنت عمیس ہیں۔
(ملاحظہ ہو کشف الغمہ جلد 1 ص 367)

غزوہ احد اور سیدنا علیؓ:

غزوہ بدر میں قریش مکہ کے 70 آدمی مارے گئے تھے اور وہ قریباً سارے کے

1۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ نکاح ہی 4 ہجری میں غزوہ احد کے بعد ہوا جیسا کہ دوسرے مقام پر ہم نے لکھا ہے۔ اس جگہ ہم نے عام روایت کے مطابق اس کو غزوہ بدر کے بعد ذکر کر دیا ہے۔

Marfat.com

سارے بڑے بڑے لوگ تھے۔ جن میں ابوجہل' عتبہ بن ربیعہ' ولید بن عتبہ وغیرہ شامل تھے۔ لہذا پورا مکہ جذبہ انتقام سے لبریز تھا اور مکہ کے ہر گلی کوچے سے انتقام انتقام کی صدائیں آتی تھیں۔

جنگ کی تیاری کے لیے چندہ جمع کیا گیا۔ قریش کا کارواں تجارت جو گذشتہ سال شام سے آیا تھا اس کا زراصل تو حصہ داران کو تقسیم کر دیا گیا لیکن زر منافع جنگ بدر کی شکست کا انتقام لینے کے لیے محفوظ رکھ لیا گیا۔

جن جن لوگوں کے عزیز جنگ بدر میں مارے گئے تھے' ان کو ساتھ لے کر عکرمہ بن ابی جہل ابوسفیان کے پاس گیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) نے قریش کا خاتمہ کر دیا ہے لہذا محفوظ سرمایہ انتقام کے لیے مخصوص کیا جائے۔

(طبری جلد 2 ص 187' ابن اثیر جلد 2 ص 148)

اس مقصد کے لیے بڑے زور شور سے تیاریاں کی گئیں اور شاعروں کو ساتھ لیا گیا جن کے ذمہ یہ تھا کہ وہ اپنی شعر گوئی سے لوگوں کو انتقام پر آمادہ کریں۔

کچھ عورتوں کو بھی ساتھ لیا گیا جو رجزیہ شعر پڑھ پڑھ کر مردوں کو غیرت دلاتیں۔ ان میں ہند زوجہ ابوسفیان' ام حکیم زوجہ عکرمہ بن ابی جہل' فاطمہ بنت ولید (سیدنا خالد بن ولید کی ہمشیرہ) برزہ (عروہ بن مسعود ثقفی کی بہن) ریطہ زوجہ عمرو بن العاص' خناس والدہ مصعب بن عمیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(طبری جلد 1 ص 188 ' زرقانی جلد 2 ص 30 ' ابن اثیر جلد 2 ص 149)

آپ نے کفار کے لشکر کی خبر پا کر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ مشورہ میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ نوجوان صحابہؓ کا مشورہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اور مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر مقابلہ کا فیصلہ کیا۔

شوال 3 ہجری بدھ کے روز قریش مکہ، مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار نفوس کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی تین سو نفوس کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ وہ اپنے تین سو آدمیوں کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ واپس لے گیا کہ محمد (ﷺ) نے چونکہ میری

Marfat.com

بات نہیں مانی لہذا میں ساتھ نہیں دوں گا۔ اس وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صرف 700 صحابہؓ رہ گئے۔ (ابن کثیر جلد 2 ص 150 ' طبری جلد 2 ص 190)

مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا اور سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا اسید بن حضیرؓ، سیدنا براء بن عازبؓ، سیدنا عرابہ بن اوسؓ اور سیدنا ابو سعید الخدریؓ وغیرہ کو کم سن ہونے کی وجہ سے واپس بھیج دیا گیا۔ لیکن سیدنا رافعؓ بن خدیج کو فوج میں لے لیا گیا کیونکہ انہوں نے انگوٹھے کھڑے کر کے اپنے قد کو اونچا کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوق جہاد کو دیکھ کر اجازت مرحمت فرما دی۔

(ابن اثیر جلد 2 ص 151 ' البدایہ والنہایہ جلد 4 ص 15 ' طبری جلد 2 ص 191 ' زرقانی جلد 2 ص 29)

احد پہاڑ کو پشت پر رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف آرائی کی۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ کو علم عطا کیا گیا۔ سیدنا زبیرؓ کو افسر رسالہ بنایا گیا۔ پشت کی طرف سے احتمال تھا کہ دشمن کہیں حملہ نہ کر دے لہذا پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ سیدنا عبداللہ بن جبیرؓ کی زیر قیادت پہاڑ پر متعین کر دیا گیا اور انہیں خصوصی ہدایت کی گئی کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے تم نے یہ جگہ نہیں چھوڑنی۔

دونوں طرف جب صف آرائی ہوگئی تو طبل جنگ بجایا گیا ' اور لڑائی شروع ہوگئی۔ زور کا رن پڑا۔ ابن اثیر کے الفاظ ہیں:

اقتتل النّاس قتالاً شدیداً (ابن اثیر جلد 2 ص 153)

"لوگ خوب لڑے۔"

سیدنا حمزہؓ، سیدنا علیؓ ابن ابی طالب اور سیدنا ابو دجانہؓ نے وہ کارنامے سرانجام دیے کہ قریش مکہ ٹپٹا اٹھے۔ ان تینوں بہادروں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ یہاں تک کہ مشرکین مکہ کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مشرکین کے بھاگنے کے بعد مسلمانوں نے ان کا مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا اور پہاڑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیر انداز بٹھائے ہوئے تھے وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے قائد سیدنا عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں جگہ نہ چھوڑنے کے لیے بہت سمجھایا لیکن ان کی بات نہ مانی گئی۔ مورچہ کو خالی دیکھ کر قریش کے لشکر نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر

دیا۔حملہ کی تاب نہ لاکر مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی' بلکہ بدحواسی کے عالم میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ جو مسلمانوں کے لشکر کے علم بردار اور صورت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے شہید ہو گئے۔ غرض ایک افراتفری کا عالم تھا۔ بہت سے مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ رہ گئے جن میں سیدنا علیؓ، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا زبیر بن العوامؓ، سیدنا ابودجانہؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (کشف الغمہ جلد 1 ص 188)

سیدنا مصعب بن عمیرؓ کے شہید ہونے کے ساتھ کفار نے یہ مشہور کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے۔ اس خبر نے تو مسلمانوں کے اوسان خطا کر دیے اور ان کے دل پژمردہ ہو گئے۔ کئی صحابہ کرامؓ میدان جنگ سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے کہ اب لڑنے کا کیا فائدہ؟ (طبری جلد 2 ص 199 ' البدایہ والنہایہ جلد 4 ص 20)

سیدنا مصعبؓ کے شہید ہونے کے بعد اسلامی علم سیدنا علیؓ نے سنبھالا اور اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر اس علم کی حفاظت کی۔ اتنے میں مشرکین کے علم بردار طلحہ بن عثمان نے مسلمانوں کو للکار کر کہا کہ "اے مسلمانو! تمہارا خیال ہے کہ تمہاری تلواریں ہمیں جہنم بھیجتی ہیں اور ہماری تلواریں تمہیں جنت میں پہنچاتی ہیں۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو کوئی تم میں ایسا ہے کہ جس کو میری تلوار جنت میں پہنچا دے اور اس کی تلوار مجھے جہنم رسید کر دے۔" یہ سن کر سیدنا علیؓ اس کی طرف بڑھے اور تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کا پاؤں کٹ گیا اور وہ خود نیچے گر گیا۔ نیچے گرتے ہی وہ ننگا ہو گیا اور سیدنا علیؓ سے رحم کی اپیل کرنے لگا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کے اس بہادری کے کارنامہ کو دیکھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور سیدنا علیؓ سے پوچھا کہ تم نے اس کافر کو کیوں چھوڑ دیا؟ آپ نے عرض کیا وہ ننگا ہو گیا تھا اور اس نے مجھے رحم کے لیے پکارا تھا لہذا میں نے ترس کھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔

(ابن اثیر جلد 2 ص 152 ' طبری جلد 2 ص 194)

سیدنا کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کو دیکھا اور مسلمانوں کو بآواز بلند کہا:

یا معشر المسلمین! ابشروا ' هذا رسول اللّٰه حیّ لم یقتل

" اے مسلمانو! تمہیں خوشخبری ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور شہید نہیں ہوئے۔" (ابن اثیر جلد 2 ص 175)

اس آواز کا سننا تھا کہ مسلمانوں کی جان میں جان آ گئی۔ مسلمان فوراً اس گھاٹی کی طرف بڑھے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدنا علیؓ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ وغیرہ تھے۔

(ابن اثیر جلد 2 ص 175 ' البدایہ والنہایہ جلد 4 ص 35)

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ جنگ احد میں لشکر اسلام کا میمنہ سنبھالے ہوئے تھے اور سیدنا مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کے بعد علم بھی آپ نے ہی سنبھالا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جنگ احد میں مندرجہ ذیل حضرات سیدنا علیؓ کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے:

-1	طلحہ بن عثمان (علمبردار)	قبیلہ بنی عبدالدار
-2	ارطاط بن شرحبیل	قبیلہ بنی عبدالدار
-3	فارط بن شریح بن عثمان	قبیلہ بنی عبدالدار
-3	ابوالحکم بن اخنس بن شریق	بنی زہرہ
-5	امیہ بن ابی حذیفہ بن مغیرہ	بنی مخزوم

عبداللہ بن قمیئہ قریش کا مشہور بہادر تھا۔ صفوں کو چیرتا پھاڑتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا۔ قریب آ کر اس نے چہرہ مبارک پر اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے زور سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔

چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے اور اللہ کا پیغمبر زخمی حالت میں درمیان میں کھڑا تھا۔ شمع بنوت کے پروانوں نے فوری طور پر پیغمبر اسلام کے گرد ہالہ بنا لیا۔ سیدنا ابودجانہؓ پیغمبر اسلام پر جھک کر ایک سپر بن گئے۔ قریش کی طرف سے جو تیر آتا سیدنا ابو دجانہؓ اس کو اپنی پیٹھ پر لیتے۔ سیدنا طلحہؓ نے قریش کی تلواروں اور تیروں کو اپنے ہاتھوں سے روکا یہاں تک کہ ایک ہاتھ کٹ کر گیا۔ (طبری جلد 2 ص 198)

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مدینہ طیبہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ احد مدینہ طیبہ سے کوئی زیادہ دور نہیں تھا۔ وفا شعاران پیغمبر بڑی بے تابی سے دوڑتے ہوئے آئے۔ سیدہ فاطمہ زہراؓ بھی دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے ابا کو آکر دیکھا تو تڑپ گئیں۔ چہرہ انور سے خون جاری تھا۔ سیدنا علیؓ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے اور سیدہ فاطمہؓ چہرہ مبارک سے خون کو دھوتیں۔ لیکن خون تھا کہ تھمتا نہیں تھا۔ آخر کار چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر ڈالا جس سے فوری طور پر خون تھم گیا۔ (بخاری جلد 2 ص 584)

اس سلسلہ میں ابن کثیر نے لکھا ہے:

غسل عن وجه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الدم الذی کان اصابه من الجرح حین شج فی وجهه و کسرت رباعیته

"سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے خون کو دھویا جو آپ کے چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور آپ کے دندان مبارک کے ٹوٹنے سے بہا تھا۔" (البدایۃ والنہایۃ جلد 7 ص 224)

جنگ احد کے سلسلہ میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ سیدنا ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سیدنا علیؓ کے پاس تھا اور مشرکین کا طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس۔ سیدنا علیؓ نے مشرکین کے علم بردار کو قتل کر دیا یہاں تک کہ بالترتیب نو افراد نے اس جھنڈے کو سنبھالا اور سیدنا علیؓ ہر جھنڈا اٹھانے والے کو قتل کرتے رہے اور مشرکین کے سرداروں کی ایک جماعت کو بھی نار جہنم رسید کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "آپ یہ مواسات کا عمل دیکھ رہے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں اس سے ہوں اور یہ مجھ سے ہے۔" جبرائیل نے کہا کہ میں تم دونوں میں سے ہوں۔ پھر ہمیں آسمان سے ایک چیخ سنائی دی۔ آواز دینے والا کہہ رہا تھا:

لا فتی الاّ علی لا سیف الاّ ذوالفقار

(طبری جلد 2 ص 197 ' ابن اثیر جلد 2 ص 154)

یہ روایت طبری اور ابن اثیر کے علاوہ اور بھی بہت سے مورخین نے نقل کی

Marfat.com

ہے۔ لیکن اگر اس کو سارے مورخین بھی نقل کر دیں تب بھی یہ روایت قابل قبول نہیں۔ نہ روایت کے لحاظ سے اور نہ درایت کے لحاظ سے۔

یہ روایت ابو رافعؓ سے نقل کی گئی ہے۔ یہ ابو رافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ اس سے پہلے یہ سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب کے غلام تھے۔ سیدنا عباسؓ جب اسلام لائے تو انہوں نے ابو رافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عباسؓ کے اسلام لانے کی خوشی میں ابو رافع کو آزاد کر دیا۔

(طبقات ابن سعد جلد 4 ص 51)

ابو رافعؓ اگرچہ صحابی رسول ہیں لیکن یہ جنگ احد میں شریک نہیں تھے۔ کیونکہ 8ھ میں سیدنا عباسؓ اسلام لائے اور اس وقت ابو رافع انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا۔ جنگ احد کے وقت سیدنا ابو رافعؓ مکہ میں تھے اور جنگ احد مدینہ میں ہو رہی تھی۔ مدینہ طیبہ میں جنگ کے دوران میدان مین اوپر سے آواز آئی جس کو مجاہدین احد نے تو بالکل نہ سنا لیکن مکہ میں ابو رافع نے سن لیا۔ یہ نہایت تعجب کی بات ہے۔ لہذا اس روایت کے غلط ہونے کے لیے یہی جرح کافی ہے۔

اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے بھی منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: "میدان احد میں آسمان سے ایک آواز آئی کہ:

لا فتی الاّ علی لا سیف الاّ ذوالفقار[1]

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہے کہ جنگ احد کے موقعہ پر سیدنا ابن عباسؓ

---

1. شیعہ حضرات نے سیدنا علیؓ کے فضائل و کمالات کے بارہ میں اس قسم کی بے شمار روایات گھڑی ہوئی ہیں۔ چنانچہ یہاں تک کہا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور جنات حساب میں لگ جائیں اور تمام انسان لکھنے لگ جائیں تو وہ سیدنا علیؓ کے فضائل کا شمار نہیں کر سکتے۔" (میزان الاعتدال جلد 3 ص 466) کبھی کہا گیا کہ سیدنا علیؓ کے فضائل حد شمار سے باہر ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد 3 ص 464)

اسی قسم کی یہ روایت ہے کہ "علی کے سوا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے سوا اور کوئی تلوار نہیں۔" حالانکہ یہ اس وقت سیدنا علیؓ کی تلوار ہی نہ تھی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے (ملاحظہ ہو عنوان "ذوالفقار علیؓ") لیکن روایتاً اور درایتاً دونوں لحاظ سے غلط ہونے کے باوجود آج یہ فقرہ ہر شیعہ کی زبان پر ہے "لافتی الاعلی لاسیف الا ذوالفقار"

Marfat.com

پانچ چھ سال کے بچے تھے اور آپ اپنے والد محترم کے ساتھ مکہ ہی میں رہائش پذیر تھے۔

پھر ابن عباسؓ کی اس روایت کا ایک راوی یحییٰ بن سلمہ بن کہیل ہے۔ جس کے بارہ میں نسائی کہتے ہیں کہ "متروک الحدیث ہے" اور یحییٰ بن معین کہتے ہیں "یہ کچھ نہیں۔" (الموضوعات جلد 1 ص 382 ' اللالی المصنوعہ سیوطی جلد 1 ص 364)

علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ دارقطنی کا قول ہے کہ اس کا راوی عمار متروک ہے۔ (الموضوعات جلد1 ص 382)

ابو حاتم کہتے ہیں کہ: "اس کی روایت حجت نہیں۔" جوز جانی کا قول ہے کہ "عمار اور اس کا بھائی سیف دونوں قوی نہیں۔" بخاری کہتے ہیں کہ "عمار بن محمد مجہول ہے اور اس کی حدیث منکر ہے۔" (میزان الاعتدال جلد 3 ص 168)

اس روایت کی سند میں ایک راوی سعد بن طریف ہے۔ اس کی روایات ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں اور یہ عکرمہ اور ابو وائل سے روایات نقل کرتا ہے لیکن یحییٰ بن معین فرماتے ہیں "کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس سے حدیث روایت کرے۔" امام احمد اور ابو حاتم فرماتے ہیں "ضعیف الحدیث ہے" اور نسائی اور دارقطنی کے قول کے مطابق "متروک حدیث" ہے۔ ابن حبان کا قول ہے کہ "یہ فی البدیہہ حدیث وضع کر لیا کرتا تھا۔ اس کی روایت ضعیف ہے اور غالی قسم کا شیعہ تھا۔" غرض کہ آئمہ جرح و تعدیل نے اس پر سخت تنقید اور جرح کی ہے۔

(ملاحظہ ہو' کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ص 100 ' میزان الاعتدال جلد 2 ص 123' تقریب ص 188 ' کتاب الضعفاء الصغیر ص 148' کتاب الجرح والتعدیل جلد 2 ص 87 وغیرہ)

اسی وجہ سے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ روایت کہ "ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں اور علیؓ کے سوا کوئی جوان نہیں" اس کی کوئی ایسی بنیاد نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ صرف حسن بن عرفہ العید نے ایک واہی قول ابو جعفر محمد بن علی الباقرؒ سے نقل کیا ہے اور وہی الریاض النضرۃ میں پایا جاتا ہے۔" حافظ سخاوی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسی ندا جنگ احد کے روز آسمان سے آتی تو اس کو تمام لوگ سنتے صرف ایک دو آدمیوں نے اسے کیوں سنا؟

Marfat.com

اصل میں یہ کہانی ایک شخص عیسیٰ بن مہران نے گھڑی جس کے بارہ میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ "وہ جھوٹ کا ایک پہاڑ تھا۔" ابن عدی کا قول ہے کہ "اس نے احادیث روایت کی ہیں اور وہ آگ لگانے والا شیعہ ہے۔"

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ "یہ نہایت سرکش قسم کا رافضی شیطان تھا۔ اس نے ایک بار مجھے اپنی ایک لکھی ہوئی کتاب دکھائی جس میں اس نے صحابہ کرامؓ کو ملعون کہا تھا اور کافر کہا تھا۔" (میزان الاعتدال جلد 3 ص 324)

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ "عیسیٰ بن مہران ایک بدترین شخص تھا اور اس کا تو مذہب بھی بدتر تھا۔ اس سے ابن جریر طبری (شیعی) نے روایات لی ہیں۔"

(کتاب الضعفاء والمتروکین ص 137)

غزوۂ خندق اور سیدنا علیؓ :

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق پیش آیا' جس کا سبب یہ ہوا کہ یہود کا قبیلہ بنونضیر مدینہ طیبہ سے خیبر پہنچا تو اس نے ایک خاص سازش کے تحت اپنے سرداروں میں سے سلام بن ابی الحقیق' حیی بن اخطب' کنانہ بن الربیع وغیرہ کو مکہ معظمہ میں قریش کے پاس بھیجا۔ انہوں نے قریش سے کہا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا تیا پانچہ کیا جا سکتا ہے۔ قریش پہلے ہی اس بات کے خواہش مند تھے' چنانچہ یہود اور قریش کے گٹھ جوڑ اور قبیلہ غطفان کے تعاون سے ایک لشکر تیار کیا گیا جس کے مختلف افسر تھے لیکن سپہ سالار کل ابوسفیان بن حرب تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمانؓ فارسی کے مشورے سے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودی۔ خندق کھودنے میں حضور علیہ الصلواۃ والسلام بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔ جاڑے کی راتیں تھیں اور تین تین دن کا فاقہ۔ انصار اور مہاجرین اپنی پیٹھوں پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے تھے اور جوش محبت میں ہم آواز ہو کر یہ شعر پڑھتے تھے۔

نحن الذی بایعوا محمداً
علی الجهاد ما بقینا ابداً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گرد آلود کپڑوں سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

Marfat.com

والـلّـه لـو لا انت مَا اهتدينا
ولا تـصـدقـنـا و لا صـلـيـنـا
فـانـزلـن سـكـيـنـة عـلـيـنـا
وثبـت الا قـدام ان لاقيـنـا
ان الالـىٰ قـد بـغـوا عليـنـا
اذا ارادوا فتـنـةً ابيـنـا

اس کے ساتھ آپ انصار اور مہاجرین کے لیے ان الفاظ سے دعا فرماتے :

اللهم انّه لا خير الا خير الآخرة
فبارِك فى الانصار و المهاجرة

(بخاری جلد 2 ص 588-589)

خندق پر کئی روز تک حملے ہوتے رہے تاکہ اس کو عبور کر کے مسلمانوں پر زبردست حملہ کیا جائے' لیکن وہ عبور نہ ہوسکی۔ ایک روز ایک جگہ سے جہاں سے یہ خندق زیادہ چوڑی نہ تھی' حملہ کرنے کی پلاننگ کی گئی۔ چنانچہ عرب کے مشہور شاہسوار ضرار' جبیرہ' نوفل اور عمرو بن عبدود نے خندق کے کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا جو اس پار تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا جس کو ایک ہزار نوجوانوں کے برابر جانا جاتا تھا۔ یہ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اس وقت اس کی عمر 90 برس تھی۔

عمرو بن عبدود نے مسلمانوں کو دعوت مبازرت دی۔ سیدنا علیؓ نے اٹھ کر مبازرت کو قبول کرنے کا اعلان فرمایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ سیدنا علیؓ بیٹھ گئے۔ اس نے پھر مقابلہ کے لیے پکارا سیدنا علیؓ پھر اٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ سیدنا علیؓ نے عرض کیا کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ سیدنا علیؓ کا ذوق اور شوق دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی۔ خود دستِ مبارک سے تلوار عنایت فرمائی اور سر پر عمامہ باندھا اور دعا بھی فرمائی۔

عمرو بن عبدود کہا کرتا تھا کہ "اگر کوئی شخص مجھے تین باتوں کی درخواست کرے

Marfat.com

تو میں ایک ضرور قبول کروں گا۔" سیدنا علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا تو واقعی ایسا کہتا ہے؟ اس نے کہا" ہاں"۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لے آ۔" عمرو نے کہا" یہ نہیں ہوسکتا۔" سیدنا علیؓ نے فرمایا" جنگ سے واپس چلا جا۔" اس نے جواب دیا کہ" میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔" سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ" میری درخواست یہ ہے کہ تو مجھ سے معرکہ آرا ہو۔"

عمرو نے مسکراتے ہوئے کہا" میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس آسمان کے نیچے کوئی شخص مجھ سے یہ بھی کہے گا۔ لہذا مجھے منظور ہے۔

سیدنا علیؓ پیادہ تھے۔ عمرو ایک بہادر آدمی تھا۔ اس کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کا حریف پیادہ ہو اور وہ اس سے سوار ہو کر لڑے' لہذا وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری اور اس کی کونچیں کٹ گئیں۔ پھر پوچھا" تم کون ہو؟" سیدنا علیؓ نے اپنا نام بتایا۔ عمرو نے کہا کہ" میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔" آپ نے جواب دیا" لیکن میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔" یہ سن کر عمرو غصے سے سٹپٹا اٹھا۔ اس نے پر تلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر سیدنا علیؓ پر وار کیا۔ سیدنا علیؓ نے اس وار کو ڈھال پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور سیدنا علیؓ کی پیشانی پر لگی۔ زخم اگرچہ کاری نہ تھا لیکن زخم کا نشان آپ کی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے رہ گیا۔

عمرو کے وار کے بعد سیدنا علیؓ نے اس پر وار کیا۔ آپ کی تلوار دشمن کا شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی۔ وار کرنے کے ساتھ ہی سیدنا علیؓ نے" اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا۔

عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن ان کو بھی سیدنا علیؓ کی تلوار کے سامنے پسپا ہونا پڑا۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ صحابہ کرامؓ نے تیر مارنے شروع کیے۔ اس نے آواز دی کہ میں شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں۔ سیدنا علیؓ نے اس کی عرضداشت منظور فرمائی اور خندق میں اتر کر اس کو شریفانہ موت سے مارا۔

غرض کہ سیدنا علیؓ نے اس جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ قریش مکہ نے انتہائی کوشش کی کہ اہل اسلام کو شکست سے دوچار کیا جائے لیکن موسم کی سختی' محاصرے کا امتداد' آندھی کا زور' رسد کی قلت اور یہود کی علیحدگی نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے طبل رحیل بجانے کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کا افق

بیس' بائیس روز غبار آلود رہ کر بالکل صاف ہو گیا۔

قرآن حکیم نے اس بادِ صرصر کا جو قریش مکہ کی پسپائی کا ایک بہت بڑا سبب تھی' عسکر خداوندی کے طور پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یاایها الذین آمنو اذکروا نعمة اللّٰه علیکم إذ جاءتکم جنود فارسلنا علیهم ریحاً و جنوداً لم تروها

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جن کو تم نہیں دیکھتے تھے۔ (الاحزاب :)

غزوہ بنو قریظہ اور سیدنا علیؓ:

یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ نے چونکہ اس غزوہ میں نقض عہد کیا تھا اور جنگ خندق میں اعلانیہ شرکت کی تھی' لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ خندق سے فارغ ہونے کے بعد حکم دیا گیا کہ ابھی ہتھیار نہ کھولیں اور بنو قریظہ کی طرف بڑھیں۔ ادھر بنو قریظہ بھی مسلمانوں سے مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر چڑھائی کی۔ طبری نے لکھا ہے:

قدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی ابن ابی طالب برأیة الی بنی قریظة (طبری جلد 2 ص 345)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو اپنے علم کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔"

سیدنا علیؓ جب فوج سے آگے بڑھ کر ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ سیدنا علیؓ ان کے منہ سے اس قسم کی غلیظ باتیں سن کر واپس آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ ان خبیث لوگوں کے پاس نہ جائیں۔" آپ نے فرمایا: "کیوں؟ مجھے خیال ہے کہ تم نے ان سے میرے بارے میں غلیظ باتیں سنیں۔" انہوں نے عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ! غرضکہ بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور قریباً ایک ماہ تک محاصرہ رہا۔ آخر

Marfat.com

انہوں نے یہ درخواست پیش کی کہ سیدنا سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ ہمارے متعلق کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ سیدنا سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ لڑنے والے مرد قتل کئے جائیں' عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال اور اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ ان کا یہ فیصلہ تورات کے حکم کے مطابق تھا۔

غرضیکہ سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر لیا اور ان کے صحن میں نماز عصر ادا کی۔ (زرقانی جلد 2 ص 180)

قبیلہ بنو سعد کی سرکوبی:

چھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ قبیلہ بنو سعد خیبر کے یہودیوں کی امداد کے لیے جمع ہو رہا ہے۔ آپ نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو ایک سو افراد کے ساتھ مامور فرمایا۔ انہوں نے ماہ شعبان چھ ہجری میں حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے۔ (طبقات ابن سعد جلد 2 ص 65' زرقانی جلد 2 ص 187)

صلح حدیبیہ:

چھ ہجری ہی میں ذوالقعدہ کے مہینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے مابین حدیبیہ کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جو تاریخ اسلام میں "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے۔

ہوا یوں کہ چودہ سو صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کا ارادہ کیا۔ قریش مکہ نے مکہ معظمہ سے باہر خالد بن ولید کی قیادت میں دو سو سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ ان کا راستہ روکنا چاہا' لیکن مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ان سے کترا کر نکل گئے اور حدیبیہ کے مقام پر قیام کیا۔

قبیلہ خزاعہ جو مسلمانوں کا حلیف تھا۔ اس کے رئیس اعظم بدیل بن ورقاء چند آدمی ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے اور عرض کی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے اور وہ آپ کو بیت اللہ میں نہ جانے دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ: "تم قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہمارے آنے کی

Marfat.com

غرض و غایت صرف عمرہ ہے جنگ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ مختلف جنگوں نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور اس کو جانی اور مالی سخت نقصان پہنچا ہے' لہذا ان کے لیے ہر لحاظ سے یہ بہتر ہے کہ وہ ایک مدت معین کے لیے صلح کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں' لیکن اگر وہ اس پر راضی نہیں تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہے کر دے۔"

بدیل بن ورقاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری شرطیں قریش کے سامنے پیش کر دیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں' لہذا تم مجھے اجازت دو کہ میں خود جا کر ان سے معاملہ طے کروں۔

عروہ بن مسعود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا اور آپ سے گفتگو کی لیکن معاملہ ناتمام رہ گیا اور واپس چلا گیا۔ اب آپ کا یہ خیال ہوا کہ میں اپنا کوئی آدمی قریش سے گفتگو کے لیے مکہ بھیجوں' چنانچہ آپ نے اس کے لیے سیدنا عمرؓ کا انتخاب فرمایا' لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں جو مجھے پناہ دے سکے' لہذا آپ عثمانؓ کو بھیجیں ان کے قبیلہ کے وہاں کافی لوگ موجود ہیں۔ آپ نے سیدنا عمرؓ کی تجویز کو پسند فرماتے ہوئے سیدنا عثمانؓ کو بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعد کی حمایت میں مکہ گئے اور قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا۔ قریش نے انہیں نظر بند کر لیا لیکن مشہور یہ ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

سیدنا عثمانؓ کی شہادت کی خبر جب بارگاہ رسالت میں پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ "عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔" چنانچہ آپ نے موجود تمام صحابہ کرامؓ سے کیکر کے ایک درخت کے نیچے شہادت عثمانؓ کے قصاص کے لیے بیعت لی جس کو تاریخ میں "بیعت رضوان" کا نام دیا گیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔

قریش نے آخر میں سہیل بن عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے انہیں اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ صلح صرف اس شرط کے ساتھ ہو سکتی ہے کہ محمد (ﷺ) اس سال واپس چلے جائیں۔

Marfat.com

سہیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کریں۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے اس معاہدے کے عنوان پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا۔

عرب کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ وہ خطوط اور معاہدوں کی ابتدا میں "باسمک اللھم" لکھتے تھے۔ بسم اللہ سے وہ بالکل نا آشنا تھے۔ سہیل بن عمرو نے اس پر اعتراض کیا کہ وہی پرانا لفظ "باسمک اللھم" لکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو منظور فرما لیا۔

سیدنا علیؓ نے اب معاہدے کی عبارت شروع کرتے ہوئے لکھا "ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ" (یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا) سہیل نے کہا کہ ہم تو آپ کو پیغمبر ہی تسلم نہیں کرتے۔ اگر آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو پھر آپ سے جھگڑا کیا تھا۔ آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں (یعنی محمد بن عبداللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر چہ تم لوگ میری تکذیب کرتے ہو لیکن اللہ کی قسم میں اس کا رسول ہوں۔" یہ فرما کہ آپ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا: "یہ الفاظ کاٹ دیں۔"

سیدنا علیؓ گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار تھے لیکن عالم عشق و محبت میں کچھ مقام ایسے بھی آتے ہیں جہاں فرماں برداری سے بعض دفعہ انکار بھی کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آپ نے کہا "یا رسول اللہ! میں آپ کا نام ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔" آپ نے فرمایا "اچھا مجھے دکھاؤ کہ میرا نام کہاں ہے؟" سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی اس جگہ پر رکھ دی۔ آپ نے خود اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ دیا۔

(حیات القلوب جلد 2 ص 753، ارشاد شیخ مفید ص 63، قم)

اس کے بعد صلح کا وہ معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف سے دستخط ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کعبہ کا ارادہ ملتوی کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

(بخاری جلد 1 ص 372-452، صحیح مسلم جلد 2 ص 104، زرقانی جلد 2 ص غزوہ حدیبیہ)

غزوۂ خیبر اور سیدنا علیؓ:

سات ہجری میں اور بعض روایات کے مطابق چھ ہجری کے آخر میں غزوۂ خیبر

Marfat.com

پیش آیا۔ خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "قلعہ"۔ یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہاں کی زمین نہایت زرخیز ہے۔ یہ عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مدینہ طیبہ سے جو یہودی جلاء وطن کیے گئے وہ بھی یہیں آ کر آباد ہوئے تھے۔
(فتح الباری جلد 2 ص 373)

خیبر اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ یہاں یہودیوں کے قلعے تھے جن میں لوگ آباد تھے۔ چنانچہ سات ہجری کے اوائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کیا۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ان قلعوں میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ان سب قلعوں میں قموص کا قلعہ نہایت محفوظ اور مضبوط تھا۔ مرحب جو کہ نہایت مشہور پہلوان اور بہادر تھا' اس قلعہ کا رئیس تھا۔

خیبر کے ان قلعوں میں سب سے پہلے ناعم کا قلعہ فتح ہوا جس کی فتح کا سہرا سیدنا محمودؓ بن مسلمہ کے سر ہے۔ قموص کا قلعہ جس کا رئیس مرحب تھا سیدنا علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو پوری فوج کے سپہ سالار اعظم تھے اپنی ہدایات کے مطابق مختلف جرنیلوں کے ذریعہ اپنی فوج کو لڑوا رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک دن شام کو ارشاد فرمایا کہ کل اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرما دے گا اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے یہ رات نہایت اضطراب اور بے قراری میں گزاری۔ سیدنا عمرؓ جو قناعت پسندی میں اپنی مثال آپ تھے اور آپ نے کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی تھی۔ وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خوداری بھی قائم نہ رہ سکی۔(1) (صحیح مسلم جلد 2 ص 278)

صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرامؓ نے سنا کہ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "علیؓ کہاں ہیں؟" سیدنا علیؓ اس وقت آشوب چشم کے مرض میں مبتلا تھے اور جنگ

---

(1) یہ روایت سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے جو جنگ خیبر کے بعد ایمان لائے ہیں۔ وہ جنگ خیبر میں موجود نہ تھے' لہذا کسی سے سنا ہوگا۔

اس روایت کا ایک راوی سہیل بن ابی صالح ہے جو اگرچہ ثقہ ہے لیکن بعض محدثین کو اس کے حافظہ پر اعتراض ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔

کرنے کے قابل نہ تھے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھوں کو اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ جب سیدنا علیؓ کو علم دیا گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ "کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنالیں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "نرمی کے ساتھ ان پر اسلام پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے حلقہ بگوش اسلام ہوگیا تو یہ بات تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

(بخاری جلد 2 ص 605، جلد 1 ص 525، مسلم جلد 2 ص 279)

یہ قلعہ بیس روز کے بعد فتح ہوا۔

جیسا کہ لکھا گیا ہے کہ اس قلعہ قموص کا رئیس مرحب تھا جس کے قتل ہونے کے بعد یہ قلعہ فتح ہوگیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مرحب کو سیدنا علیؓ بن ابی طالب نے قتل کیا تھا لیکن قدیم ترین مورخین نے اس سے انکار کیا ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ مرحب یہودی رجز پڑھتا ہوا اپنے قلعہ سے باہر نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب
اطعن احیاناً و حیناً اضرب
اذا اللیوث اقبلت تحرب
ان حمای للحمی لایقرب

یہ رجز پڑھتا ہوا وہ میدان میں آیا اور دعوت مبارزت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون اس کے مقابلہ میں جائے گا؟ سیدنا محمدؓ بن مسلمہ نے عرض کی:

انا لہ یا رسول اللّٰہ!

"یا رسول اللہ! میں اس کے مقابلہ میں جاؤں گا۔"

کیونکہ اس نے کل میرے بھائی کو مارا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" اٹھو جاؤ۔" اور ساتھ ہی فرمایا "اے اللہ! اس کی مدد فرمانا۔" (اللّٰھم اعنہ علیہ)

یہ سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد ابن ہشام نے لکھا ہے۔

وضربہ محمد بن مسلمۃ حتی قتلہ

"اور محمد بن مسلمہ نے اسے ایسی ضرب لگائی یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا۔"
(ابن ہشام جلد 2 ص 47)

مرحب کے قتل ہونے کے بعد اس کا بھائی یاسر آیا۔ اس کو سیدنا زبیر بن عوامؓ نے قتل کیا۔

طبری نے باوجود شیعہ ہونے کے یہ لکھا ہے کہ محمد بن مسلمہؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔
(تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد 1 ص 45 ' مسند ابویعلی جلد 3 ص 386 ' طبری جلد 2 ص 299)

علامہ ابن کثیر نے بھی واقدی ' زہری اور محمد ابن اسحاق سے مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔
(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد 2 ص 188-189 ' ابن اثیر جلد 2 ص 219)

علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے:

"ابن اسحاق ' موسیٰ ابن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے مارا تھا۔ مسند احمد بن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے ' لیکن صحیح مسلم اور حاکم جلد ۲ ص ۳۹ میں حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔" (سیرۃ النبی جلد 1 ص 489)

علامہ ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ کے قاتل مرحب ہونے کی روایت مشہور بھی ہے اور صحیح بھی۔ (ابن اثیر جلد 2 ص 219)

لیکن جہاں تک ہم نے ان روایات کی اسناد کا مطالعہ کیا ہے جن میں سیدنا علیؓ کو مرحب کا قاتل قرار دیا گیا ہے۔ ان سب روایات میں کوئی نہ کوئی راوی شیعہ ضرور ہے یا وہ راوی ہیں جو ضعیف اور غیر ثقہ ہیں۔ لہذا سند کے لحاظ سے روایات اصح نہیں ہیں۔ معلوم نہیں علامہ شبلی نے ان روایات کو اصح کیسے لکھ دیا۔

باقی رہا اس روایت کے مشہور ہونے کا معاملہ تو اس روایت کو ایک خاص گروہ نے ایک خاص مقصد کے تحت مشہور کیا ہے۔ ایسی ایسی واہیات چیزیں درج کر دی ہیں کہ پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ چنانچہ ان روایات میں سے ایک روایت علامہ شبلی نے بھی نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"معالم التنزیل میں ہے کہ "حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب نے

سپر پر روکا' لیکن ذوالفقار خود سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ نے قلعہ کا در جو سرتا پا پارۂ سنگ تھا' اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے نہ ہل سکا۔"

یہ روایتیں ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہیں لیکن بازاری قصے ہیں۔ علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کہ:

كلها واهية

"علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علی ابن احمد فروخ کے حال میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ: "یہ روایت منکر ہے۔" ابن ہشام نے جن سلسلوں سے یہ روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں تو بیچ کے راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے میں اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہے جن کو امام بخاری اور ابو داؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔"

(میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان' سیرۃ النبی جلد 1 ص 488-489)

اسی قسم کے اور بہت سے قصے کتابوں میں نقل ہیں جن میں سیدنا علیؓ کے بارہ میں اس قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے کہ خدا کی پناہ' بلکہ تاریخ کی کتابوں میں جس قدر غلط روایات سیدنا علیؓ ابن ابی طالب اور سیدنا حسین بن علیؓ کے بارہ میں نقل کی گئی ہیں شاید ہی کسی اور شخص کے بارہ میں نقل کی گئی ہوں۔ لہذا اس روایت کا مشہور ہو جانا کوئی تعجب خیز معاملہ نہیں ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے سیدنا علیؓ جھنڈا لے کر میدان میں آئے تو مرحب یہ اشعار پڑھتا ہوا میدان میں آیا:

قد علمت خيبر اني مرحب

شاكي السلاح بطل مجرب

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیار بند اور تجربہ کار بہادر ہوں۔"

اس کے جواب میں سیدنا علیؓ یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے:

Marfat.com

انا الذی سمتنی امیّ حیدره
كليث غابات كرية المنظره

"میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگل کے خوفناک شیر کی طرح ہوں۔"

اس روایت کے غلط ہونے کے لیے یہ شعر ہی کافی ہے کیونکہ سیدنا علیؓ کا نام ان کی ماں نے حیدر نہیں رکھا تھا بلکہ علیؓ رکھا تھا اور سیدنا علیؓ میدان جنگ میں غلط بیانی نہیں کر سکتے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کی ماں نے پہلے آپ کا نام اپنے والد کے نام پر اسد رکھا تھا۔ (نووی جلد 2 ص 115' تاریخ الخمیس جلد 2 ص 275)

فتح مکہ اور سیدنا علیؓ:

رمضان المبارک سن 8 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پر حملہ کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے قبائل عرب میں سے کچھ قبائل نے مسلمانوں کے حلیف ہونے کا معاہدہ کیا اور کچھ نے قریش کے۔ ان قبائل میں بنوخزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف ہوگیا اور اس کا حریف بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا۔ ایک روز بنو بکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا اور روسائے قریش نے اعلانیہ ان کی مدد کی۔ عکرمہ بن ابی جہل' صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور دوسرے کئی ایک رئیسان قریش نے راتوں کو بھیس بدل کر بنوبکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ بنو خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی لیکن وہاں بھی ان کا خون بہایا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ بنوخزاعہ کے تیس ناقہ سوار عمرو بن سالم کی قیادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد لے کر آئے۔ انہوں نے آتے ہی مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ صدا بلند کی:

لاهُمّ انی ناشد محمداً
حلف ابينا و ابيه الا تلدا
فانصر رسول الله نصراً عيدا
وادع عباد الله ياتو امدادا

Marfat.com

"اے خدا! میں محمد (ﷺ) کو وہ معاہدہ یاد کراؤں گا جو ان کے اور ہمارے قدیم خاندانوں میں ہوا تھا۔

اے اللہ کے رسول ہماری اعانت اور امداد کر اور اللہ کے بندوں کو بھی بلا وہ سب مدد کے لیے حاضر ہوں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سالم کی ساری بات سن کر قریش کے سامنے تین شرطیں پیش کیں اور فرمایا کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کرلی جائے۔ وہ شرطیں یہ تھیں۔

1- بنوخزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔
2- قریش بنوبکر سے الگ ہو جائیں۔
3- معاہدہ حدیبیہ کے ٹوٹنے کا اعلان کر دیا جائے۔

قریش نے تیسری شرط کو منظور کیا۔ یعنی حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ دیا۔

(زرقانی جلد 2 ص 336)

قریش نے یہ کہہ تو دیا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے لیکن بعد میں انہیں اس پر سخت ندامت ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو بھیجا کہ وہ معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کروا لائیں۔ ابوسفیان نے مدینہ منورہ میں سیدنا ابوبکرؓ سیدنا عمرؓ اور سیدہ فاطمہ زہراؓ کو درمیان میں ڈال کر معاہدہ کی تجدید کرانا چاہی لیکن کسی نے حامی نہ بھری۔ آخر سیدنا علیؓ کے ایما پر مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ "میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔"

(زرقانی جلد 2 ص 337)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاریاں کرنی شروع کر دیں اور اس میں یہ احتیاط کی گئی کہ قریش کو اس بارہ میں کوئی خبر نہ ہونے پائے۔

سیدنا حاطبؓ بن ابی بلتعہؓ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے خفیہ طور پر قریش کو ایک خط لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقع کی اطلاع ہوگئی۔ چنانچہ آپ نے سیدنا زبیر بن عوامؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا مقدادؓ اور سیدنا ابومرثد غنویؓ کو بھیجا کہ ایک قاصد عورت سے جو اس وقت فلاں مقام پر ہے جا کر وہ خط چھین لائیں۔ اس عورت نے جس کو یہ خط سیدنا حاطبؓ بن ابی بلتعہ

Marfat.com

نے دیا تھا' اس خط کو اپنے بالوں کے جوڑوں میں چھپایا ہوا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ان حضرات کو فرمایا کہ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جو مدنیہ طیبہ سے 12 میل پر واقع ہے) کے باغیچہ میں ایک اونٹ سوار عورت ملے گی' اس کے پاس ایک خط ہے جو وہ قریش مکہ کو پہنچانے جا رہی ہے۔ یہ حضرات اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ چنانچہ ان حضرات نے اس عورت کو پا لیا۔ عورت سے پوچھا گیا کہ "تمہارے پاس کوئی خط ہے؟" اس نے جواب دیا کہ "میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔" سیدنا علیؓ اور سیدنا زبیرؓ نے اس کے کجاوہ کو کھولا لیکن اس میں کچھ نہ تھا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ "میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے کبھی غلط بات کی اور نہ ہی ہم کوئی غلط بات کہتے ہیں۔ لہذا تمہیں وہ خط نکالنا پڑے گا۔ وگرنہ ہم تجھے برہنہ کر کے جامہ تلاشی لیں گے۔" جب اس قاصدہ نے ان حضرات کو سنجیدہ دیکھا تو وہ خط دینے پر رضامند ہوگئی۔ چنانچہ اس نے ان حضرات سے کہا کہ تم منہ پھیر لو۔ انہوں نے منہ پھیر لیا اور اس نے خط اپنے سر کے بالوں کے جوڑے سے نکالا اور ان حضرات کو دے دیا۔ اس خط کو لے کر یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 4 ص 283 ' زادالمعاد جلد 1 ص 421 ' ابن ہشام جلد 2 ص 68 ' طبری جلد 2 ص 328)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کو کھول کر پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو حاطبؓ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کو بلایا اور پوچھا:

یا حاطب! ماحملک علی ھذا؟

"اے حاطبؓ! تمہیں اس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا؟"

سیدنا حاطبؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بخدا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا ہوں۔ میں نہ بدلا ہوں اور نہ ہی مجھ میں کوئی تغیر واقع ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں میرا نہ کوئی حامی ہے اور نہ کوئی عزیز و اقارب اور میرے اہل و عیال اور اعزاء بھی مکہ میں رہتے ہیں۔ میں نے اس طریقہ

Marfat.com

سے قریش پر احسان رکھنا چاہا تا کہ وہ میرے اہل و عیال اور اعزاء و اقربا کو کوئی ضرر نہ پہنچائیں۔" سیدنا فاروق اعظمؓ کہنے لگے: "یا رسول اللہ! اجازت دیں میں اس منافق کا سر قلم کر دوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عمر! تمہیں پتہ نہیں اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کے دن اصحاب بدر سے کہہ دیا تھا کہ:

اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم

"تم جو چاہو کرو اللہ تعالیٰ نے تمہارے سارے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 4 ص 283)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حاطبؓ کے اس عذر کو شرف قبولیت بخشا اور ان کے اس فعل سے جبین رحمت پر کوئی شکن نہ پڑی۔

(بخاری جلد 2 ' ص 612 ' سیرۃ حلبیہ جلد 3 ص 87)

غرض 10 رمضان المبارک سن آٹھ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 10 ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ معظمہ کو فتح کرنے کے ارادے سے مکہ کی طرف بڑھے اور مرّ الظہر ان پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ یہ مقام مکہ سے ایک منزل سے بھی کم فاصلے پر واقع ہے۔

قریش کو بھی اسلامی لشکر کی آمد کا پتہ چل گیا۔ انہوں نے تحقیق حال کے لیے ابوسفیان' حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ چند صحابہ کرامؓ نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ سیدنا عمرؓ جذبہ انتقام کی وجہ سے تیز قدمی کے ساتھ آگے بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا کہ "کفر کے استیصال کا وقت آ گیا ہے۔" سیدنا عباسؓ کے ابو سفیان کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے جان بخشی کی درخواست کی لیکن سیدنا عمرؓ کو انتقام پر اصرار تھا۔ سیدنا عباسؓ نے فرمایا "عمرؓ تم یہ سب کچھ اس لیے کر رہے ہو کہ یہ (ابوسفیان بن حرب) بنی عبد مناف میں سے ہے۔ اگر یہ بنی عدی بن کعب میں سے ہوتا تو تم ایسا نہ کہتے۔" سیدنا عمرؓ نے کہا کہ "آپ یہ نہ فرمائیں۔

فواللہ لاسلامک یوم اسلمت کان احب الیّ من اسلام الخطاب لو اسلم و ذالک لانیّ اعلم ' ان اسلامک کان احب الی رسول اللہ من اسلام الخطاب لو اسلم۔

Marfat.com

"بخدا! آپ کا اسلام لانا مجھے اپنے باپ خطاب کے ایمان لانے سے زیادہ محبوب ہے اگر وہ اسلام لاتا اور یہ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے اگر وہ اسلام لاتا' زیادہ محبوب ہے۔" (طبری جلد 2 ص 331)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا کہ "تم چلے جاؤ ہم نے اسے امان دی ہے۔"

سیدنا ابوسفیانؓ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ طبری وغیرہ مورخین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کے کچھ مکالمات ذکر کیے ہیں جو کہ واقدی کی زیادتی ہے۔

غرض دس ہزار قدوسیوں کی فوج فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم محترم میں داخل ہوئے اور اللہ کے اس گھر میں جس کو خلیل اللہ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ 360 بت دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ خلیل بت شکن کے گھر کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی کی نوک سے ایک ایک بت کو گرا کر پاک اور صاف کیا۔ آپ جب کسی بت کو لکڑی کی نوک کے ٹھوکے سے گراتے تو زبان مبارک سے فرماتے:

جاء الحق و ذهق الباطل انّ الباطل کان زهوقاً

"حق آ گیا' باطل مٹ گیا' بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔"

بخاری میں یہ الفاظ منقول ہیں۔

جاء الحق و زهق الباطل و مایبدی الباطل وما یعید

"حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور اب باطل پھر نہ آئے گا۔"

(بخاری جلد 2 ص 614)

اس موقع پر علامہ شبلی نے لکھا ہے:

"عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیئے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ بھی مٹا

دیں۔" (سیرۃ النبی جلد 1 ص 517)

علامہ ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ بیت اللہ میں بہت سی تصاویر تھیں ان کو مٹانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔ جن کو سیدنا عمرؓ بن الخطاب نے مٹا دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 4 ص 301)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ جو بعض حضرات نے لکھ دیا ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل نے جب لکڑی کی نوک سے تمام بتوں کو گرا دیا تو تانبے کا ایک بہت بڑا بت باقی رہ گیا۔ یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا تھا اور بہت بلندی پر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کو گرانے کی کوشش کی لیکن وہ بار نبوی کو نہ سنبھال سکے۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کو گرانے کا حکم دیا۔ سیدنا علیؓ نے اس کی سلاخ اکھاڑ کر اس بت کو نیچے گرایا جس سے کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی۔

یہ روایت صحیح نہیں ہے بلکہ بنائی گئی ہے۔ چنانچہ قدیم مورخین اور محدثین میں سے کسی نے اس کو نقل نہیں کیا۔

(ملاحظہ ہو طبری' البدایہ والنہایہ' ابن ہشام' ابن اثیر' بخاری' مسلم وغیرہ)

بلکہ سب نے یہی لکھا ہے کہ ان سارے بتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چھڑی سے گرایا اور ان کے گرانے میں کسی اور سے مدد نہیں لی۔ چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر تصاویر تھیں جن کو مٹانے کا آپ نے حکم دیا چنانچہ وہ مٹا دی گئیں۔ کس نے مٹائیں؟ تواریخ بتاتی ہیں کہ وہ سیدنا عمرؓ نے مٹائیں اور کعبہ کے اردگرد بت تھے جو سکہ سے بندھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ آپ اس سے بت کی طرف اشارہ فرماتے اور پھر پڑھتے جاتے "جاء الحق و ذھق الباطل ان الباطل کان ذھوقا " اس شارہ سے وہ بت اوندھے منہ زمین پر گر پڑتا۔

حتّٰی ما بقی منھا صنم الا وقع

"یہاں تک کہ کوئی بت باقی نہ رہ گیا جو گرا نہ ہو۔"

(ابن ہشام جلد 2 ص 83)

Marfat.com

اس واقعہ کو کہ سیدنا علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مونڈھوں پر کھڑا کر کے اس ایک بت کو گروایا۔ محدثین میں صرف امام حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے' لیکن انہوں نے بھی اس واقعہ کو فتح مکہ کی بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے اور اس پر ہم نے گذشتہ صفحات میں بحث کی ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام حاکم کو اکثر محدثین نے شیعہ اور بعض نے رافضی قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

امام صدوق لكنّه يصح فی مستدرك احاديث ساقطة و يكثر من ذالك۔ فما ادری هل خفيت عليه فما هو ممن يجهل ذالك' وان علم فهذه خيانة عظمية۔ ثم هو شيعی مشهور.... وقد قال ابن طاهر سالت ابا اسماعيل عبداللّٰه الانصاری عن الحاكم ابی عبداللّٰه' فقال امام فی الحديث' رافضی خبيث۔

"امام صدوق ہیں لیکن اپنی مستدرک میں بہت سی ساقط الاعتبار احادیث کو صحیح قرار دیتے ہیں بلکہ یہ حرکت اکثر کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بات حاکم سے مخفی رہی یا کوتاہی سے وہ جاہل رہے اور اگر انہوں نے جان بوجھ کر یہ کام کیا ہے تو یہی بہت بڑی بددیانتی اور خیانت ہے۔ پھر وہ شیعہ مشہور ہیں۔ اور ابن طاہر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ میں نے ابو اسماعیل عبداللہ انصاری سے ابو عبداللہ الحاکم کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا! حدیث میں تو امام ہے لیکن خبیث رافضی ہے۔" (میزان الاعتدال جلد 3 ص 608)

امام ذہبی کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ:

"حاکم رافضی نہ تھے بلکہ شیعی تھے۔"

خطیب بغدادی نے بھی حاکم پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کا میلان تشیع کی جانب تھا۔ اسی لیے حاکم نے حدیث طیر اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ قسم کی احادیث جمع کی ہیں۔ (تاریخ بغداد جلد 5 ص 474)

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ محمد بن طاہر روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو اسماعیل

Marfat.com

انصاری سے حاکم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا:

"وہ حدیث میں ثقہ تھا مگر سخت رافضی تھا۔" (تذکرۃ الحفاظ جلد 3 ص 247)

سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں بھی ان کے خیالات صحیح نہیں تھے۔ اس کی وجہ سے انہیں زدوکوب بھی کیا گیا تھا۔

(شذرات الذہب جلد 3 ص 77 ' المنتظم جلد 7 ص 275)

حقیقت یہ ہے کہ بعض حضرات اندر سے شیعہ تھے لیکن اپنے کو ساری زندگی سنّی ظاہر کرتے رہے اور ہمارے سادہ دل سنّی علماء ان کو سنّی ہی سمجھتے رہے اور اگر کسی نے ان کو پہچان کرامت کو بتا دیا کہ فلاں شخص شیعہ ہے تو ہمارے اپنے ہی علماء نے ان کا دفاع شروع کر دیا۔ چنانچہ طبری' ابن شہاب زہری اور حاکم وغیرہ انہیں لوگوں میں سے ہیں جو اندر سے شیعہ تھے لیکن ساری زندگی سنّی بنے رہے۔

یمن کو روانگی:

آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالدؓ بن ولید سیف اللہ کو بنو جزیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ سیدنا خالدؓ بن ولید وہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے وہاں اللہ تعالیٰ کی توحید' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کے دیگر ارکان کی دعوت دی۔ ارکان قبیلہ نے اسے قبول کر لیا اور دعوت اسلام کو لبیک کہا' لیکن دین اسلام کی دعوت کی قبولیت کو صبانا صبانا کے لفظ سے ادا کیا جس کے معنی ہیں ہم بے دین ہوگئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو دین ہم نے پہلے اختیار کیا ہوا تھا اس کو چھوڑ کر اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ اگر وہ اس لفظ کے بجائے اسلمنا یعنی ہم نے اسلام کو قبول کرلیا ہے کہہ دیتے تو بات صاف ہو جاتی۔ صبانا کہنے سے سیدنا خالدؓ بن ولید یہ سمجھے کہ یہ لوگ واقعی بے دین ہوگئے ہیں۔ لہذا سیدنا خالد بن ولید نے ان کا منشا نہ سمجھتے ہوئے انہیں قید کر لیا اور کافی لوگوں کو قتل بھی کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی اصلاع ملی تو آپ کو سخت تکلیف ہوئی۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے بھی یہ بات غلط فہمی سے کی تھی' لہذا آپ نے سیدنا خالدؓ بن ولید کی اس غلط فہمی یا غلطی کی تلافی کے لیے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو یمن بھیجا۔ سیدنا علیؓ

Marfat.com

نے اس قبیلہ میں پہنچ کر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اور جتنے لوگوں کو قتل کیا گیا تھا ان کا خون بہا ادا کیا۔ (فتح الباری جلد 8 ص 46)

غزوہ حنین اور سیدنا علیؓ:

فتح مکہ کے بعد شوال آٹھ ہجری کو غزوہ حنین پیش آیا۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کو اوطاس بھی کہتے ہیں لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ اوطاس دوسری وادی کا نام ہے۔

فتح مکہ سے قبل اگرچہ مسلمانوں نے کافی جنگیں لڑیں لیکن اہل عرب کی نگاہیں اہل مکہ کی طرف تھیں اور ان کا یہ خیال تھا کہ اگر محمد (ﷺ) قریش مکہ پر غالب آ گئے تو پھر وہ بلا شک و شبہ سچے پیغمبر اور رسول ہیں۔ چنانچہ جب آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور قریش کی اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہو گئی تو تمام قبائل نے آگے بڑھ کر دعوت اسلام کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ (بخاری جلد 2 ص 614) لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبائل پر اس کا الٹا اثر ہوا' اور اسلام کی اس روز افزوں ترقی میں انہیں اپنے اقتدار کا خاتمہ نظر آیا۔ یہ قبائل فنون جنگ سے بخوبی آشنا تھے' لہذا انہوں نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں ہیں' ایک زبردست حملہ کر دیا جائے اور ان کی طاقت اقتدار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثقیف اور ہوازن کے ان ارادوں کا پتہ چلا تو آپ نے بھی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ معاشی طور پر مسلمانوں کی حالت کچھ بہتر نہ تھی لہذا سامان جنگ کے لیے قرض کی ضرورت پیش آئی۔ ایک رئیس اور دولت مند مکی سے تیس ہزار درہم قرض لیے۔ (مسند احمد جلد 4 ص 36) صفوان بن امیہ سے اسلحہ جنگ مستعار لیا گیا' چنانچہ اس نے ایک سو زرہیں اور اس کے لوازمات مستعار دیے۔

شوال آٹھ ہجری میں مسلمانوں کی بارہ ہزار کی فوج حنین کی جانب بڑھی۔ بعض صحابہ کرام کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گئے کہ "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے" لیکن حق تعالیٰ کو ان کی یہ ناز و فخر کی بات پسند نہ آئی۔ اس بات کو قرآن حکیم نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

Marfat.com

و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت' ثم ولیّتم مدبرین۔ ثم انزل اللّٰہ سکینتہ علٰی رسولہ و علٰی المومنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذّب الذین کفروا و ذالک جزاء الکافرین۔ (توبہ:)

" اور حنین کا دن یاد کرو جب تمہیں تمہاری کثرت نے عجب میں ڈال دیا لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی' پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ تعالٰی نے اپنے رسول پر اور دوسرے مسلمانوں پر اپنی سکینت (تسلی) نازل فرمائی اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہ دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافرین کی سزا یہی ہے۔"

غرض جنگ شروع ہوئی۔ شروع میں اہل اسلام کو کامیابی ہوئی اور کافر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے مال غنیمت کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جنگ احد کی طرح دشمن کے تیر اندازوں نے موقع پا کر مسلمانوں پر تیروں کی بارش برسانا شروع کر دی۔ جس سے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور پراگندگی پیدا ہو گئی' چنانچہ سیدنا براء بن عازبؓ جو خود اس جنگ میں شریک تھے بیان فرماتے ہیں:

و انا لمّا حملنا علیھم انکشفوا فاکببنا علی الغنائم فاستقبلنا بالسھام۔

" جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ پسپا ہو گئے اور شکست کھا گئے۔ پس ہم مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہمیں تیروں پر دھر لیا۔"

(بخاری جلد 2 ص 617)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سب مسلمان نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے وہ لوگ جو نئے نئے ایمان لائے تھے اور ابھی ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا' بھاگے تھے چنانچہ امام نووی نے لکھا:

لم یحصل الفرار من جمیعھم و انما فتحہ علیھم من فی قلبہ مرض من مسلمۃ اہل مکۃ المؤلفۃ و مشرکیھا

الذین لم یکونو اسلموا۔ (نووی شرح صحیح مسلم جلد 2 ص 100)

"اس دن سب لوگ نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مولفتہ القلوب میں جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین (جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے بھاگنا شروع کیا تھا۔"

علامہ عینیؒ نے بھی عمدۃ القاری جلد 8 ص 359 پر اس بارہ مفصل بحث کی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مجاہدین اسلام بھاگے نہیں تھے' بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے بلکہ میدان جنگ ہی میں اِدھر اُدھر ہو گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ایک روایت کے مطابق چار آدمی اور ایک دوسری روایت کے مطابق 100 آدمی رہ گئے تھے۔ (فتح الباری جلد 8 ص 23)

علامہ ابن کثیر کی ایک روایت کے مطابق جو سیدنا عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے' صرف 80 آدمی رہ گئے تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 4 ص 332 ' مسند احمد جلد 1 ص 453)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ

لم یبق مع رسول اللّٰہ یوم حنین الا رجل واحد اسمہ زید

"حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک آدمی کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہ گیا تھا اور اس کا نام زید تھا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 4 ص 332)

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ

فاد بروا عنہ حتی بقی وحدہ

"لوگ پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے۔"

(بخاری جلد 2 ص 621)

اس حدیث کا مطلب محدثین نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے سامنے سب سے آگے تھے اور جو صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ تھے وہ آپ کے ساتھ ثابت قدم تھے اور وہ آپ کے پیچھے تھے۔

Marfat.com

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد 8 ص 24 ' نووی جلد 2 ص 100)
یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرامؓ کو آواز دی:

این ایھا الناس؟ ھلموا الیّ انا رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) انا محمد بن عبداللّٰہ۔

"اے لوگو! تم کہاں ہو؟ میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں' میں محمد بن عبداللہ ہوں۔" (سیرۃ ابن ہشام جلد 2 ص 92 ' ابن اثیر جلد 2 ص 263)

سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو آواز دی تو انصار نے کہا:

لبیک یا رسول اللّٰہ! ابشر نحن معک

" اے اللہ کے رسول ہم حاضر ہیں۔ آپ خوش ہوں کہ ہم آپ کے پاس ہیں۔"

سیدنا انسؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لبیک یا رسول اللّٰہ و سعدیک نحن بین یدیک

"اے اللہ کے رسول ہم حاضر ہیں اور آپ کے سامنے ہیں۔"

(بخاری جلد 2 ص 621)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انصار و مہاجرین میدان ہی میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر انہوں نے فوری طور پر لبیک کہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد جمع ہو گئے۔

اس مشکل وقت میں کچھ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے ان میں ایک سیدنا علیؓ ابن ابی طالب بھی تھے۔ ان کے علاوہ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب ' سیدنا ابوسفیانؓ بن حارث' سیدنا جعفر بن ابی سفیان بن حارثؓ، سیدنا فضل بن عباسؓ، سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا ایمن بن امّ ایمن وغیرہ تھے۔

(طبری جلد 2 ص 348)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر جب مسلمان سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوئے تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے بلکہ دوسری

روایت میں تیرہ ہزار تک بھی ہے جو مسلمانوں میں تقسیم ہوئے
(سیرت ابن ہشام جلد 2 ص 32 تاریخ طبری جلد 3 ص 119 البدایہ والنہایہ جلد 7 ص ... تاریخ الخلفاء جلد 2 ص 250 اسد الغابہ جلد 2 ص 254)

غزوہ تبوک اور سیدنا عثمانؓ

غزوہ تبوک رجب 9 ہجری میں پیش آیا۔ تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ پر واقع ہے اور مدینہ منورہ سے چودہ منزل پر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاعات ملیں کہ ملک شام کے نبطی سوداگروں کی حرکت سے پتا چلا کہ قیصر نے شام میں ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے اور ان کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں اور اس فوج کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے۔ اس فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ (زرقانی جلد 3 ص 72)

یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ اگرچہ زمانہ سخت قحط کا تھا اور گرمی انتہا پہ شدت پر تھی اور لوگوں کا گھر سے نکلنا مشکل تھا لیکن سوائے چند منافقین کے سب مسلمان اس فوج میں شامل ہوئے۔ صحابہ کرامؓ نے لشکر اسلام کی امداد پر بھی کافی مدد کی۔ سیدنا عثمانؓ نے سب سے زیادہ رقم اس فوج کے لیے پیش کی۔ (زرقانی جلد 3 ص 72)

کچھ لوگ اس وجہ سے اس فوج میں جانے سے رہ گئے کہ ان کے پاس سفر کا سامان نہیں تھا۔ وہ حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی قلاشی اور ناداری کا رونا رویا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر رحم بھی آیا لیکن ان کے جانے کا کچھ سامان نہ ہو سکا اور وہ حسرت ہی کرتے رہے۔ قرآن حکیم نے ان کے بارہ میں فرمایا:

ولا على الذين اذا ما اتوك لتحملهم قلت لا اجد ما احملكم عليه تولوا واعينهم تفيض من الدمع حزنا الا يجدوا ما ينفقون۔

"اور ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں جو تمہارے پاس آئے کہ ہمیں سواری دیجئے اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تمہیں سوار کر سکوں

Marfat.com

تو وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں یہ افسوس تھا کہ ان کے پاس کوئی ایسی شے نہیں جس کو وہ خرچ کر سکیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ میں کسی کو اپنا قائم مقام فرما کر جاتے۔ اس مرتبہ آپ نے اپنا قائم مقام سیدنا سباع بن عرفطہؓ کو مقرر فرمایا (ابن ہشام کے مطابق محمدؓ بن مسلمہ انصاری کو مقرر کیا گیا۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 7) اور اپنے اہل و عیال اور مدینہ طیبہ کی مستورات اور بچوں کی نگرانی پر سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو مقرر فرمایا۔

(طبری جلد 2 ص 368، ابن اثیر جلد 2 ص 278، ابن ہشام جلد 2 ص 124 بخاری، جلد 2 ص 633 وغیرہ)

منافقین نے عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال اور حضور علیہ السلام کے آپ کو مدینہ میں چھوڑ جانے پر سیدنا علیؓ کو طعنے دیے جس سے آپ نہایت کبیدہ خاطر ہوئے۔ سیدنا علیؓ اپنا اسلحہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑے اور مقام جرف پر جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے سیدنا علیؓ سے آنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! منافق کہتے ہیں کہ آپ مجھے بوجھ سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ میں نے تجھے اپنے پیچھے اس لیے چھوڑا ہے تاکہ تو اپنے اور میرے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔ آپ نے مزید فرمایا:

الا ترضیٰ ان تکون منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الاّ انه لیس نبی بعدی

"کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تم میرے لیے بمنزلہ ہارون (علیہ السلام) کے ہو؟ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

(بخاری جلد 2 ص 633، جلد 1 ص 526، مسلم جلد 2 ص 278، طبری جلد 2 ص 368، ابن ہشام جلد 2 ص 124)

یہ حدیث کئی لحاظ سے بڑی معرکتہ الآراء حدیث ہے۔ یہ شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک صحیح حدیث ہے لیکن شیعہ حضرات نے اس کے معنی میں بڑی زیادتی کی ہے۔

Marfat.com

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو سیدنا ہارون علیہ السلام سے مشابہت دی ہے' لیکن کس شے میں مشابہت دی ہے' حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ تشبیہ کس بات میں دی ہے؟

علم بیان کی رو سے تشبیہ کے لیے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

1- مشبہ: جس کو تشبیہ دی جائے۔

2- مشبہ بہ: جس چیز سے تشبیہ دی جائے۔

3- حروف تشبیہ: جس حرف سے تشبیہ دی جائے۔

4- وجہ تشبیہ: جس وجہ سے تشبیہ دی جائے۔

اس لحاظ سے اس حدیث میں سیدنا علیؓ مشبہ ہیں اور سیدنا ہارون علیہ السلام مشبہ بہ اور منزلتہ حرف تشبیہ۔ لیکن وجہ تشبیہ کیا ہے۔ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ ویسے بھی جب کوئی تشبیہ دی جاتی ہے تو وجہ تشبیہ کا الفاظ میں کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ اسے قاری یا سامع کے ذہن پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ اس بات کا خود فیصلہ کرے کہ مشبہ کو مشبہ بہ کے ساتھ کس بات میں تشبیہ دی جا رہی ہے۔ علم بیان کی رو سے وجہ تشبیہ کو الفاظ میں بیان کرنا فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

اس شے کو ایک مثال سے سمجھئے۔ اردو زبان میں کسی بہادر آدمی کے بارہ میں بعض دفعہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی تو شیر کی مانند ہے۔ اس کو کس بات میں شیر کہا گیا۔ یہ بات سننے والے پر چھوڑ دی گئی۔ سننے والا اگر پڑھا لکھا اور دانشور ہے تو وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ وجہ شبہ بہادری ہے۔ کیونکہ جس کو شیر کہا جا رہا ہے۔ اس کی نہ تو شکل شیر جیسی ہے' نہ بال شیر جیسے اور نہ ناخن اور پنجے شیر جیسے ہیں۔ لیکن سمجھنے والا فوراً سمجھ گیا کہ وجہ شبہ بہادری ہے اور اس شخص کی بہادری کو شیر کی بہادری سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ اب اس حدیث میں سیدنا علیؓ کو جو سیدنا ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے وہ تشبیہ نبوت میں نہیں دی گئی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا ازالہ اگلے جملہ میں فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حالانکہ سیدنا ہارون علیہ السلام نبی تھے۔ معلوم ہوا تشبیہ نبوت میں نہیں ہے۔

یہ تشبیہ خلافت میں بھی نہیں کیونکہ سیدنا ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے

Marfat.com

بعد خلیفہ نہیں ہوئے بلکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام ان کے خلیفہ ہوئے جبکہ سیدنا علیؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد کئی سال تک زندہ رہے۔

اسی طرح سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد میں کوئی بھی خلیفہ نہیں ہوا جبکہ سیدنا علیؓ کی اولاد میں سیدنا حسنؓ وغیرہ خلیفہ ہوئے۔ اگر سیدنا علیؓ کی اولاد خلافت سے محروم ہوتی تب بھی یہ گمان ہوتا کہ وجہ تشبیہ یہ ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وجہ تشبیہ کوئی اور ہے اور یہ تشبیہ کسی اور سلسلہ میں دی جا رہی ہے' چنانچہ حدیث پر غور کرنے اور سیدنا ہارون علیہ السلام اور سیدنا علیؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ مشابہت دراصل سیدنا ہارون علیہ السلام کی اس وقتی خلافت کے ساتھ دی جا رہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جانے سے قبل ان کو قوم میں دی تھی' اور وہ قطعی ناکام ثابت ہوئی۔ قوم زبردست اختلاف کا شکار ہوئی۔ قوم کی جمعیت اور وحدت میں تشتت و افتراق کی دراڑیں پیدا ہوگئیں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے کئی سورتوں میں اس چیز کو بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد سامری نے بچھڑا بنایا' لیکن تورات کے مطابق نام سیدنا ہارون علیہ السلام کا لگ گیا کہ انہوں نے یہ گوسالہ بنایا ہے۔ بنی اسرائیل اسی گوسالہ کی پوجا کرنے لگے۔ سیدنا ہارون علیہ السلام نے روکنے کی کوشش کی لیکن قوم نے کوئی دھیان نہ دیا بلکہ الٹا انہیں قتل کرنے کے درپے ہوگئے۔

بالکل یہی واقعات سیدنا علیؓ کے ساتھ پیش آئے۔ آپ جب خلیفہ ہوئے تو ایک بہت بڑے گروہ نے آپ کی بیعت نہ کی۔ کچھ لوگ تو سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے مسئلہ کے باعث آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کر سکے اور کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر بیعت نہ کی کہ جب سب لوگ بیعت کر لیں گے تو ہم بھی بیعت کر لیں گے۔

اور جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ بھی بالآخر آپ کے سخت مخالف ہوگئے یہاں تک کہ آپ کو قتل کی دھمکیاں دینے لگے اور آپ پر اپنا حکم چلانے لگے۔ اُمت کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی یہاں تک کہ صفین اور جمل کی جنگوں میں مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ علاوہ ازیں شہادت عثمانؓ میں سیدنا علیؓ کو متہم کیا جانے لگا حالانکہ آپ اس سے بالکل بری الذمہ تھے۔ مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

ایک چھوٹے سے جملے میں آئندہ کی صورت حال بیان فرما دی۔

بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانے کے بارہ میں کہا تھا تو یہ بات کئی وجوہات سے غلط ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث میں سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانے کے بارہ میں نہیں بلکہ خلیفہ نہ بنانے کے بارہ میں کہا گیا ہے کیونکہ سیدنا ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ نہیں بنے تھے بلکہ ان کے بعد سیدنا یوشع بن نون خلیفہ بنے تھے' لہذا سیدنا علیؓ کے خلیفہ بننے کے بارہ میں کیسے کہا جا سکتا ہے؟

دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دنیوی زندگی میں اپنے قرابت داروں کو حکومت کے عہدوں سے دور رکھا اور آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کسی ہاشمی کو کسی صوبے کا گورنر نہیں بنایا۔ آپ نے جن لوگوں کو اپنی زندگی میں مختلف صوبوں کا گورنر بنایا وہ سارے کے سارے غیر ہاشمی تھے اور آپ نے ان کو ان کی دو صفات دیکھ کر گورنر بنایا۔ ایک یہ کہ وہ اس کا اہل ہو اور دوسرے یہ کہ طلب حکومت سے بے نیاز ہو۔ یہ تو گورنر حضرات کی بات ہے۔ آپ نے تو کسی ہاشمی عورت کو ام المومنین کے شرف سے نہیں نوازا۔ امہات المومنین میں اموی' مخزومی' ہلالی' ہارونی' غزوی اور قبطی سبھی قبائل میں سے تھیں لیکن ان میں ہاشمی کوئی نہیں تھی۔

آج جو یہ کہا جاتا ہے کہ اموی لوگ دین اسلام اور رسول ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف تھے' یہ بات سراسر غلط ہے۔ اموی ہاشمیوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی تھے' چنانچہ آپ تاریخ اسلام کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ السابقون الاولون میں سے صرف تین ہاشمی ہیں۔ سیدنا علیؓ، سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ اور سیدنا حمزہؓ جب کہ امویوں میں سے نو یا گیارہ حضرات السابقون الاولون میں سے ہیں۔

لہذا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو چھوڑ کر سیدنا علیؓ کو اس حدیث کے ذریعہ خلیفہ مقرر فرمانے کا اظہار فرماتے۔

آپ نے تو اس حدیث کے ذریعہ اس بات کا اظہار فرمایا کہ اگر تم علیؓ کو خلیفہ بناؤ گے تو امت مسلمہ کا وہی حال ہوگا جو سیدنا ہارون علیہ السلام کے خلیفہ بنائے جانے پر

Marfat.com

بنی اسرائیل کا ہوا تھا کہ وہ تشتت و افتراق کا شکار ہو گئے اور خود سیدنا ہارون علیہ السلام کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا تھا۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا غرض یہ کہ آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ تبوک پہنچ کر پتہ چلا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی' لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی۔ آپ نے وہاں بیس روز قیام فرمایا۔ اس دوران ایلہ کا سردار یوحنا حاضر خدمت ہوا اور جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ کو اس نے ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا' جس کے بدلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک ردائے مبارک عنایت فرمائی۔ (البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 16)

علامہ ابن کثیر نے لکھا کہ غزوہ تبوک میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس آنے میں دیر ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امامت کے مصلی پر کھڑا کر دیا۔ فجر کی نماز تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت میں آ کر ملے اور آپ نے ایک رکعت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پیچھے ادا کی۔ جب لوگوں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیچھے مقتدیوں میں کھڑے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس بات کو غیر معمولی سمجھا اور انہیں افسوس ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیوں نہ کیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احسنتم و اصبتم (البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 22)

"تم نے اچھا کیا اور صحیح کیا۔"

سورۂ برات کی آیات کا اعلان:

سن نو ہجری میں غزوۂ تبوک کے بعد حج بیت اللہ فرض ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو پہلا امیر الحج مقرر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ ارکان حج سنت ابراہیمی کے مطابق ادا ہوں۔ چنانچہ 9 ہجری میں ذی قعدہ کے آخر میں سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نے تین سو مسلمانوں کا ایک کارواں حج کے لیے روانہ فرمایا اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو اس کا میر کارواں مقرر فرمایا تاکہ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے حج ادا کروائیں۔ اس کاروان حج کے ساتھ بیس اونٹ بھیجے گئے اور سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے پانچ اونٹ الگ قربانی کے لیے ساتھ لیے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ ابھی مقام عرج پر پہنچے تھے کہ انہیں پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ جدعاء (حافظ ابن کثیر نے ناقہ کا نام العضباء لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 37) کے بلبلانے کی آواز آئی۔ کان تو ناقہ کی آواز سے پہلے ہی آشنا تھے' فوراً پہچان لیا۔ مڑ کر دیکھا تو سیدنا علی ابن ابی طالبؓ اس ناقہ پر سوار چلے آ رہے تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کو خیال آیا کہ مدینہ طیبہ سے روانگی کے بعد شاید کوئی وحی آئی ہو اور شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت حج کے بارہ میں اپنا فیصلہ اس وحی کی روشنی میں تبدیل فرمالیا ہو' لہذا سیدنا علیؓ سے پوچھا:

امیر أو مامور؟

آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور بن کر؟

سیدنا علیؓ نے کہا کہ مامور بن کر' مزید کہا کہ سورۂ برات کی چالیس آیات لے کر آیا ہوں' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل نے مجھے دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ حج کے موقع پر ان کا اعلان کروں۔

(طبری جلد 2 ص 383' البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 37' ابن کثیر جلد 2 ص 291)

سیدنا صدیق اکبرؓ کا کاروان حج اور سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھی سب حضرات روانہ ہوئے۔ موسم حج میں سیدنا ابوبکرؓ نے یوم ترویہ (8 ذی الحجہ) یوم عرفہ (9 ذی الحجہ) اور یوم نحر (10 ذی الحجہ) تینوں روز امیر الحج کی حیثیت سے خطبہ پڑھا اور سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے سورۂ براۃ کی آیات کا اعلان فرمایا:

1- جن مشرکین کے ساتھ معاہدہ ہے اور انہوں نے نقض عہد بھی نہیں کیا ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد انہیں مکہ میں رہنے اور طواف کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

2- کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہیں کرے گا۔

بخاری نے لکھا ہے کہ اعلان یہ کیا گیا کہ:

Marfat.com

''اس سال کے بعد نہ تو کوئی مشرک حج کرے گا اور نہ ہی کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کرے گا۔

(بخاری جلد 2 ص 626، 671 سنن نسائی جلد 2 ص 43، البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 37، سیرۃ ابن ہشام جلد 2 ص 342)

اس سلسلہ میں مسند احمد میں ایک روایت منقول ہے جس کا تعلق اس واقعہ سے ہے۔ اس روایت سے بعض حضرات کو کچھ شکوک پیدا ہوئے ہیں، لہذا یہاں اس کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ روایت یہ ہے کہ:

''سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ برات کی دس آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو بلایا اور انہیں اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ جا کر اہل مکہ کو پڑھ کر سنائیں۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا جاؤ۔ ابوبکرؓ سے جلد ملو اور ان سے جہاں بھی ملاقات ہو میری تحریر لے لینا اور اس تحریر کو اہل مکہ کے پاس لے کر جانا اور انہیں پڑھ کر سنانا۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں میں ابوبکرؓ سے جحفہ میں ملا اور ان سے وہ خط لے لیا۔ ابوبکرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بغیر حج کیے) لوٹ آئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے متعلق کچھ نازل ہوا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں' لیکن جبرائیل میرے پاس آئے تھے اور مجھے حکم دیا کہ آپ کا کوئی قائم مقام نہیں ہو سکتا' یا آپ خود جائیں یا پھر اسے بھیجیں جو آپ میں سے ہو۔

لن یؤدی عنک الا انت او رجل منک

(مسند احمد جلد 1 ص 151)

یہ روایت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ نے محمد بن سلیمان سے نقل کی ہے' امام احمد سے نقل نہیں کی' محمد بن سلیمان نے یہ روایت محمد بن جابر سے نقل کی ہے۔ اس نے سماک سے اس نے حنش سے اور اس نے سیدنا علیؓ سے۔

اس روایت میں سماک بن حرب راوی کی کنیت ابو المغیرہ الہذلی ہے۔ یہ کوفہ کا رہنے والا ہے اور امام بخاری کے علاوہ دوسرے محدثین نے اس سے روایت لی ہے۔

Marfat.com

ابن المبارکؒ نے سفیان سے نقل کیا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ جریز الضبی کا بیان ہے کہ میں سماک کے پاس گیا۔ میں نے اسے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا۔ میں واپس آ گیا اور دل میں سوچا کہ اس کا دماغ سٹھیا گیا ہے' لہذا میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

امام شعبہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ احمد کا بیان ہے کہ سماک مضطرب الحدیث ہے لیکن تب بھی یہ عبدالملک بن عمیر سے بہتر ہے۔

نسائی کا بیان ہے کہ جب کسی اصل میں منفرد ہو تو یہ حجت نہیں۔ لیکن اس میں یہ عیب ہے کہ اسے تلقین کی جاتی تو وہ اس تلقین کو قبول کر لیتا۔

ابن عمار کا بیان ہے کہ حدیث میں غلطیاں کرتا ہے۔ لوگ اس کی حدیث میں اختلاف کرتے ہیں۔ عجلی کا بیان ہے جائز الحدیث ہے۔ سفیان ثوری اسے تھوڑا بہت ضعیف کہا کرتے تھے۔ ابن المدینی کہتے ہیں اس کی روایت عکرمہ سے مضطرب ہے۔ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ یہ عکرمہ کے علاوہ اور لوگوں کی روایت میں نیک ہے' لیکن ان لوگوں میں نہیں جن پر اعتماد کیا جائے۔

اس حدیث کا دوسرا راوی جس سے سماک بن حرب روایت کرتا ہے حنش ہے۔ اسے ابن ربیعہ الکنانی الکوفی بھی کہتے ہیں۔ اسے ابو داؤد نے ضرور ثقہ کہا ہے لیکن ابو حاتم کا بیان ہے کہ یہ شخص اگرچہ نیک ہے لیکن میں نے محدثین کو دیکھا کہ وہ اسے حجت نہ سمجھتے تھے۔

نسائی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔ بخاری کا بیان ہے کہ محدثین کو اس کی حدیث میں کلام ہے۔ ابن حبان اس کی حدیث کو حجت نہیں سمجھتے کیونکہ یہ سیدنا علیؓ سے عجیب عجیب کہانیاں نقل کرتا ہے اور یہ کہانی ثقہ راویوں کی حدیث کے مطابق نہیں ہوتی۔

(میزان الاعتدال جلد 1 ص 219)

محدثین کے نزدیک اگر سیدنا علیؓ سے اہل کوفہ نقل کریں کہ تو وہ روایت اس وقت تک معتبر نہ ہوگی جب تک عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اسے نقل نہ کریں' کیونکہ سیدنا علیؓ کے ساتھیوں کی اکثریت قاتلین عثمان میں سے ہے اور وہ سب جھوٹے ہیں۔ اسی لیے محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ سیدنا علیؓ پر جتنا جھوٹ بولا گیا اتنا کسی دوسرے شخص پر

نہیں بولا گیا۔ لہذا اگر کوئی سبائی سیدنا علیؓ سے روایت کرتا ہے تو وہ قابل اعتبار نہیں۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ اس سے سماک روایت کرتا ہے' قوی نہیں۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین ص 36)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ حنش نے سیدنا علیؓ سے روایت سنی ہے۔ اس سے سماک اور حکم کوفی نے روایت نقل کی ہے۔ محدثین اس کی حدیث میں کلام کرتے ہیں۔

(کتاب الضعفاء الصغیر ص 38)

ان دو راویوں پر جرح ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ روایت کہاں تک درست اور صحیح ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت مسند احمد جلد 1 ص 3 پر زید بن یثیع نے سیدنا ابوبکرؓ سے نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ بغیر حج کے واپس آ گئے۔ اس روایت میں زید بن یثیع الہمدانی سبائی ہے اور ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال جلد 1 ص 107)

اس سلسلہ میں بعض حضرات یہ اعترض کرتے ہیں کہ پہلے سیدنا ابوبکرؓ کو امیر حج بنایا گیا تھا لیکن ان کی نااہلی کی وجہ سے آپ کو امارت حج سے معزول کر کے سیدنا علیؓ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا گیا۔ لیکن یہ اعترض بالکل فضول اور غلط ہے کیونکہ "مسند حمیدی" میں ہے کہ سیدنا علیؓ سے اس روانگی کے بارہ میں سوال کیا گیا کہ کس بات کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو روانہ فرمایا تھا۔ آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: "مجھے امارت حج کے لیے نہیں بلکہ صرف چار احکام کے اعلان کے لیے بھیجا تھا۔"

حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری جلد 8 ص 258 میں ایک نہایت اچھی بات ذکر فرمائی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سورۂ براۃ" کی تبلیغ کے لیے سیدنا صدیق اکبرؓ کو نہ بھیجا کیونکہ اس میں سیدنا صدیق اکبرؓ کی مدح و ثنا اور تعریف و تحسین تھی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ تھا کہ یہ مدح سرائی ابوبکرؓ کی اپنی زبان سے نہ ہو بلکہ کسی دوسرے شخص کی زبان سے ہو چنانچہ اس غرض سے آپؐ نے سیدنا علیؓ کو بھیجا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ معاہدۂ حدیبیہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں طے پایا تھا۔ عرب دستور کیمطابق معاہدہ کے ختم کے لیے اب آپؐ کا یا آپ کے کسی قریبی رشتہ دار کا ہونا ضروری تھا۔ غیر مسلم عرب چونکہ ابھی تک جماعتی زندگی

Marfat.com

سے نا آشنا تھے اس وجہ سے آپ نے ابوبکر صدیقؓ کو اپنی نمائندگی کے لیے بھیجا لیکن غیر مسلم عربوں کے لیے آپ کی نمائندگی آپ کا کوئی قریبی عزیز اور رشتہ دار ہی کر سکتا تھا۔ اس وجہ سے آپؐ نے سیدنا علیؓ کو ان کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر روانہ فرمایا۔

وفد نجران اور سیدنا علیؓ:

9 ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس میں ساٹھ آدمی تھے۔ ان میں چودہ آدمی ان کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ رئیس الوفد عبدالمسیح عاقب تھا۔ یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں اتارا۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی' کچھ دیر بعد جب ان کی نماز (عبادت) کا وقت ہوا تو انہوں نے نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ کرامؓ نے روکا لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پڑھنے دو۔" چنانچہ مشرق کی طرف منہ کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی۔ دوران قیام مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری جلد 8 ص 73' شرح المواہب جلد 4 ص 41)

وفد نجران کا مفصل واقعہ حافظ ابن تیمیہؒ نے "الجواب الصحیح" جلد 1 ص 55 تا 66 پر ذکر کیا ہے اس موقع پر سورۂ آل عمران کی آیات نازل ہوئیں۔ ان میں یہ آیت بھی ہے۔

فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم و نساء نا ونساء کم' و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنة للّٰہ علیٰ الکاذبین

"آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ' ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم گڑ گڑا کر (خدا تعالیٰ سے) دعا مانگیں اور جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کریں۔"

اس آیت سے شیعہ حضرات سیدنا علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت کرتے ہیں کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ، سیدہ فاطمہؓ

Marfat.com

اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو معاملہ میں شریک کرنے کے لیے اپنے ساتھ لیا اور کسی دوسرے کو اپنے ساتھ نہ لیا جس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ آپ کو جو تعلق ان حضرات سے تھا وہ کسی اور سے نہ تھا۔ پھر بعض مفسرین نے "انفسنا" سے مراد سیدنا علیؓ لیے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علیؓ نفس رسول تھے اور صاف ظاہر ہے کہ نفس رسول کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا ہرگز جائز نہیں۔

یہ معنی لینے میں بہت سی خرابیاں ہیں:

1- اگر روایت کے ذریعہ اس آیت میں تخصیص پیدا کی جائے تو اس صورت میں اس مسئلہ کا تعلق آیت کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ اس روایت کے ساتھ ہوگا اور اس بارہ میں روایات مختلف نوع کی پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معتبر تفاسیر میں "انفسنا" سے مراد سیدنا علیؓ نہیں لیے گئے بلکہ اس کو عموم پر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری نے لکھا کہ:

"ندع ابناء نا و ابناء کم" کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص ہم میں سے اور تم میں سے اپنے بیٹوں کو اور عورتوں کو اور اپنے نفس کو مباہلہ کی طرف بلاؤ۔"

ایسا ہی تفسیر مدارک، معالم التنزیل اور بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے۔

2- اہل نجران اگر دعوت مباہلہ قبول کر لیتے اس وقت دیکھا جاتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن کن لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ اگر اس وقت بھی ان لوگوں کے سوا کسی اور کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے تو پھر سوچنا پڑتا کہ کیا یہ حضرات ان الفاظ کے مصداق ہیں یا نہیں؟ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مباہلہ کی نوبت آجاتی تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو ضرور اپنے ساتھ لے جاتے کیونکہ "نساء نا" سے کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ ابن حیان نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"اور اگر نجران کے عیسائی مباہلہ کا ارادہ کرتے اور اس کے لیے آتے تو ضرور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو حکم دیتے کہ اپنے اپنے اہل و عیال کو لے کر مباہلہ کے لیے آئیں۔" (البحر المحیط جلد 1 ص 479)

3- تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ "انفسنا" سے سیدنا علیؓ کا مراد ہونا اور

Marfat.com

"نساء نا" سے سیدہ فاطمہؓ اور "ابناء نا" سے حضرات حسنینؓ کا مراد ہونا لغت عرب اور محاورۂ قرآنی کے خلاف ہے۔

لفظ انفس جمع نفس کی ہے۔ نفس ہر شخص کا اس کی ذات کو کہتے ہیں نہ کسی دوسرے کو۔ پھر لفظ جمع سے شخص واحد کو مراد لینا بھی جائز نہیں الا مجازاً۔ محاورۂ قرآنی میں قرآن مجید میں کئی مقامات پر سرکار دو عالم کو تمام اہل مکہ اور تمام مسلمانوں کے انفس سے فرمایا ہے۔ "لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث منھم رسولاً من انفسھم" اور ایک مقام پر ارشادِ خداوندی ہے "لقد جاء کم رسول من انفسکم" لہذا سیدنا علیؓ کو لفظ انفس سے مراد لینا اور سب کو خارج کر دینا ان آیات کے خلاف ہوگا۔

لفظ ابناء نا جمع ابن کی ہے۔ لغت عرب میں ابن بیٹے کو کہتے ہیں۔ بیٹی کے بیٹے کو "ابن البنت" کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ آپ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ "ما کان محمد ابا احد من رجالکم" لہذا کسی مرد کو آپ کا بیٹا کہنا اس آیت کے خلاف ہوگا۔ احادیث میں بے شک آیا ہے کہ سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو بیٹا فرمایا ہے۔ مگر آپ کا یہ فرمانا بطور مجاز کے محض اظہار محبت کے لیے تھا جیسا کہ ظاہر ہے۔

لفظ نساء نا جمع ہے اس کے معنی ہماری عورتوں کے ہیں۔ جب یہ لفظ کسی شخص کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس سے اس شخص کی بیوی (زوجہ) مراد ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر مستعمل ہوا ہے اور وہاں بالاتفاق زوجہ مراد ہے۔ سورۂ احزاب میں "یا نساء النبی" سے بلا اختلاف آپ کی ازواج مطہرات مراد ہیں۔ لہذا اس لفظ سے سیدہ فاطمہؓ کو مراد لینا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ کسی زبان میں کسی کی بیٹی کو اس کی عورت کہنا درست نہیں ہے۔

4- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک فریق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو بنایا ہے اور دوسرا فریق نجران کے عیسائیوں کو' اور یہ الفاظ ابناء' نساء اور انفس کے دونوں فریق کے لیے علیحدہ علیحدہ استعمال فرمائے ہیں۔ شیعہ حضرات نے اپنی ساری ذہانت ان الفاظ کے معانی صرف ایک فریق کے

Marfat.com

صرف کرنے میں صرف کی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کہ آپ کے ابناء سے حضرات حسنینؓ اور آپ کی نساء سے سیدہ فاطمہؓ اور آپ کے انفس سے سیدنا علیؓ مراد ہیں' لیکن دوسرے فریق کے لیے کوئی معنی حضرات شیعہ نے بیان نہیں کیے۔ اگر از روئے لغت یہ معنی صحیح ہیں تو دوسرے فریق کے لیے بھی پھر یہی معنی ہونے چاہئیں۔ کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ عیسائیوں کے ابناء' نساء اور انفس سے اسی طرح انہیں خاص تعلقات کے لوگ مراد ہیں۔ ہرگز نہیں' یقیناً عیسائیوں کے لیے یہ الفاظ اپنے عموم پر قائم رکھے گئے ہیں اور لغوی معنی میں مستعمل ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرے فریق کے لیے ان الفاظ کے معانی میں اس قدر تکلف سے کام لیا گیا۔

-5 بعض روایات میں جو آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات (سیدنا علیؓ، سیدہ فاطمہؓ، سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ) کو بلایا اور ازواج مطہرات کو نہ بلایا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ جو حضرات الفاظ آیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے ان کو آپ نے قبل از وقت اس لیے بلا لیا کہ ان کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے اور ان کی دل شکنی نہ ہو۔ اور جو حضرات الفاظ آیت سے مراد تھے ان کے بلانے میں آپ نے عجلت نہ فرمائی بلکہ انتظار فرمایا کہ نصاریٰ کی منظوری معلوم ہو جائے تو ان کو بلایا جائے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے' ان کو کمبل میں لے کر آپ نے دعا مانگی اور جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد تھے' ان کو اس دعا میں شامل نہ کیا۔ سیدہ ام سلمہؓ نے شامل ہونا چاہا تو آپ نے ان کو یہ کہہ کر روک دیا کہ "انک علیٰ خیرء "یعنی تم بہتر حالت میں ہو۔ مطلب یہ کہ تم تو پہلے ہی قرآنی حکم کے مطابق اہل بیت میں شامل ہو۔

-6 اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ انفسنا سے مراد سیدنا علیؓ ہیں' تو بھی ان کے لیے خلافت بلافصل ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ سیدنا علیؓ کا نفس رسول ہونا حقیقی معنوں میں تو ہو ہی نہیں سکتا ورنہ سیدنا علیؓ کا نبی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا اور

اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہوگی کہ (معاذ اللہ) جناب سیدہؓ کا نکاح آپ کے ساتھ درست نہ ہوگا۔ اس لیئے لا محالہ سیدنا علیؓ کو مجازی طور پر نفس رسول کہا جائے گا۔ اس صورت میں نہ ان کا معصوم ہونا ثابت ہوگا اور نہ تمام صحابہ سے افضل ہونا۔ کیونکہ مجاز میں حقیقت کے تمام اوصاف موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اس مجاز کا استعمال صرف اور صرف چچا زاد بھائی ہونے کے سبب سے مانا جائے گا جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ اہل عرب چچا کے بیٹے کو بھی نفس کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر خواہ مخواہ نفس رسول ہونے سے استحقاق خلافت ثابت ہو تو پھر یہ استحقاق تمام صحابہ کرامؓ بلکہ تمام اہل مکہ کے لیے ماننا پڑے گا کیونکہ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کے انفس سے فرمایا گیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

7- یہ کسی روایت میں نہیں ہے کہ ابناء نا سے مراد سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ ہیں اور نساء نا سے مراد سیدہ فاطمہؓ اور انفسنا سے مراد سیدنا علیؓ ہیں۔ یہ تعیین قیاسی ہے کسی قولی یا فعلی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ سیدنا علیؓ انفسنا کے بجائے ''ابناء نا'' میں داخل ہوں جیسا کہ روح المعانی جلد 1 ص 603 میں مرقوم ہے۔

یمن میں اسلام کی روشنی:

سنہ دس ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ حضرات کو اسلام کی تبلیغ کے لیے مختلف جگہوں پر روانہ فرمایا۔ یمن کی مہم پر سیدنا خالد بن ولیدؓ کو بھیجا۔ سیدنا خالدؓ وہاں مقیم رہے اور دن رات اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ مگر خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا اور اچھے طریقے سے اسلام کی اشاعت نہ ہو سکی۔ رمضان المبارک دس ہجری میں آپ نے سیدنا علیؓ کو بلایا اور انہیں یمن جانے کا حکم فرمایا۔ سیدنا علیؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ مجھے ایک ایسی قوم میں بھیج رہے ہیں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں۔ ان کے درمیان مختلف امور کا فیصلہ کرنا میرے لیے نہایت مشکل ہوگا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی

Marfat.com

"اے اللہ! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور فرما۔"

پھر آپؐ نے اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور علم عطا کر کے یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ (زرقانی جلد 3 ص 103)

سیدنا علیؓ یمن پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے وہاں کا رنگ بالکل ہی بدل دیا۔ جو لوگ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی چھ ماہ کی تبلیغ اور سعی و کوشش سے اسلام کی حقیقت سے آشنا نہیں ہوئے تھے وہ سیدنا علیؓ کی چند روزہ تعلیم سے اسلام سے والہانہ محبت رکھنے لگے اور ہمدان کا سارا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

(فتح الباری جلد 8 ص 152)

سیدنا علیؓ نے اہل ہمدان کے قبول اسلام کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو بھیجی تو آپؐ بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت حق تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو گئے۔ سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا "السلام علی همدان' السلام علی همدان " ہمدان کے لیے سلامتی ہو' ہمدان کے لیے سلامتی ہو۔ (زادالمعاد جلد 2 ص 33)

زرقانی اور دوسری کتابوں میں اس بارہ میں جو تفصیل آئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا علیؓ کو یمن روانہ فرمایا تو خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا جس کے تین پیچ تھے۔ عمامہ کا ایک کنارہ بقدر ایک ہاتھ کے سامنے لٹکایا اور بقدر ایک بالشت پیچھے چھوڑا اور فرمایا سیدھے چلے جاؤ کسی اور طرف توجہ نہ کرنا اور یمن پہنچ کر قتال میں پہل نہ کرنا۔ ان کو پہلے دین کی دعوت دینا' اگر وہ قبول کر لیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔" اے علیؓ! اگر ایک شخص تیرے ہاتھ سے ہدایت پا جائے تو یہ دنیا و مافیہا سے تمہارے لیے بہتر ہے۔"

سیدنا علیؓ نے مقام قناۃ پر قیام فرمایا اور اسی جگہ سے صحابہ کرامؓ کی مختلف ٹولیاں مختلف اطراف میں روانہ فرمائیں۔ سیدنا علیؓ کے سپاہی سب سے پہلے علاقہ مذحج میں داخل ہوئے اور بہت سے اونٹ اور بکریاں پکڑ لائے۔ اس مال غنیمت کو انہوں نے ایک جگہ جمع کیا۔ پھر یہ حضرات ایک دوسرے علاقہ میں گئے۔ سیدنا علیؓ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے۔ جواب میں سیدنا علیؓ نے ان پر حملہ کیا۔ اس حملے میں ان کے 20 آدمی

Marfat.com

مارے گئے۔ حملے کی تاب نہ لا کر وہ بھاگ گئے۔ سیدنا علیؓ نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں دوبارہ اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا اور وعدہ کیا ہم اللہ کا حق صدقات ادا کریں گے۔

اس علاقہ کے تمام مال غنیمت کو جمع کیا گیا۔ خمس نکال کر باقی چار خمس سیدنا علیؓ نے غانمین پر تقسیم فرما دیے۔ سیدنا علیؓ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے ہیں' لہذا وہ اپنی جگہ کسی اور کو امیر مقرر فرما کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجتہ الوداع میں شریک ہوئے۔ (زرقانی جلد 3 ص 103)

حجتہ الوداع:

مکہ فتح ہو گیا اور جزیرہ عرب میں قریباً تمام قبائل میں اسلام پھیل گیا اور مکہ مکرمہ کے علاوہ عرب کے کونے کونے سے اسلام کا آوازہ گونجنے لگا' لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ حج کے فریضہ کو خود عملی طور پر انجام دیں تاکہ اُمت کو ہمیشہ کے لیے معلوم ہو جائے کہ حج کس طرح کیا جائے۔

سنہ 9 ہجری میں حج فرض ہوا۔ اس سال آپ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ ذیقعدہ دس ہجری میں آپ نے خود حج کا ارادہ فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ اس سال چونکہ میں خود حج کے لیے جانے والا ہوں لہذا زیادہ سے زیادہ لوگ حج پر جائیں اور سنت کے مطابق حج کرنے کا طریقہ سیکھیں۔

چنانچہ 25 ذیقعدہ سنہ دس ہجری ظہر اور عصر کے درمیان آپ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ شمع نبوت کے پروانوں کا ایک جم غفیر آپ کے ساتھ روانہ ہوا جس کی تعداد نوے ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ 4 ذی الحجہ پیر کے روز آپ مکہ میں داخل ہوئے۔ (زرقانی جلد 3 ص 105)

آپ کی ازواج مطہرات' آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہراؓ اور دوسرے خواص بھی آپ کے ہمراہ اور ہم رکاب تھے۔ سیدنا علیؓ جن کو آپ نے رمضان المبارک میں صدقات وصول کرنے کے لیے یمن بھیجا تھا' وہ بھی مکہ میں آپ سے آ ملے۔

Marfat.com

میدان عرفات میں آپ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جو دنیا میں انسانی حقوق کا پہلا چارٹر تصور کیا جاتا ہے اور دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود اس سے بہتر انسانی حقوق کا دستور پیش نہیں کرسکی۔ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد آپ نے موجود لوگوں سے اس بات کی شہادت لی کہ جو الٰہی امانت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد فرمائی تھی وہ میں نے تم لوگوں تک پہنچا دی۔ اس کے بعد آپ نے تین بار انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

اللھم اشھد

اے اللہ! گواہ رہنا۔

پھر فرمایا: ”اے لوگو! جو کچھ میں نے تمہیں کہا ہے۔

فلیبلغ الشاھد الغائب

جو لوگ موجود ہیں وہ آنے والوں کو اس بارہ میں بتا دیں۔“

گویا تبلیغ دین اور تبلیغ احکام کی تعلیم دی اور اس فرض منصبی کے بار دوش سے امت کو سبکدوش ہونے کی تلقین فرمائی۔

بعدازاں سورۂ مائدہ کی وہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکمیل دین کی بشارت دی گئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کیا۔“

10 ذی الحجہ کو آپ منیٰ تشریف لائے اور 63 اونٹ اپنے دست مبارک سے خود قربان کیے جو آپ کی عمر کی طرف بھی ایک اشارہ تھا۔ باقی 37 اونٹ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب نے آپ کی جانب سے ذبح کیے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام جلد 1 ص 173,171 البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 208-109 ' ابن اثیر جلد 2 ص 302 ' زرقانی جلد 3 ص 105 وغیرہ)

واقعہ غدیر خم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجتہ الوداع کی ادائیگی کے بعد جب واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں سیدنا بریدہ اسلمیؓ نے سیدنا علی بن ابی طالبؓ کی شکایت کی۔ (بخاری جلد 2 ص 623) اور یہ شکایت صرف سیدنا بریدہ اسلمیؓ ہی نے نہیں کی تھی بلکہ اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ یہ شکایت کرنے میں شامل تھے۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ (ترمذی جلد 2 ص 212)

شکایت کیا تھی جو لوگوں نے سیدنا علیؓ کی جناب ختمی مرتبتؐ سے کی؟ اس کی طرف امام ترمذیؒ نے اپنے کتاب میں اشارہ فرمایا ہے۔ سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لشکر روانہ فرمائے۔ ایک پر سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو امیر مقرر فرمایا اور دوسرے پر خالد بن ولیدؓ کو' اور فرمایا کہ جنگ کے وقت علیؓ امیر ہوں گے۔ سیدنا علیؓ نے ایک قلعہ فتح فرمایا اور اس قلعے سے ایک باندی لے لی۔ (یعنی اس سے ہمبستری کی)

یہ واقعہ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے لکھ کر میرے ہاتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جس میں سیدنا علیؓ کی شکایت کی گئی تھی۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور وہ خط پیش کیا۔ آپ نے جب وہ خط پڑھا تو آپ کے چہرے کی رنگت تبدیل ہوگئی اور آپ نے فرمایا:

"تو اس شخص کے بارہ میں جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہو' مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

سیدنا براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں تو صرف قاصد ہوں یعنی یہ خط لے کر آیا ہو۔ اس پر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس ایک سند کے علاوہ کسی اور سند سے واقف نہیں۔ (ترمذی جلد 2 ص 213)

اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا عمران بن حصینؓ سے مروی ہے جس سے

Marfat.com

اس شکایت کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے سیدنا علیؓ کے بارہ میں کی۔ اگرچہ روایت میں مختلف راویوں نے بہت کچھ گڈمڈ کر دیا ہے لیکن شکایت کی حد تک روایت سے صداقت ٹپکتی ہے۔

سیدنا عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس پر سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو امیر مقرر فرمایا۔ سیدنا علیؓ اس لشکر کو لے کر گئے۔ انہوں نے ایک باندی (جاریہ) حاصل کی۔ اس بات پر صحابہؓ نے ان پر اعتراض کیا اور صحابہؓ میں سے چار اشخاص نے عہد کیا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں گے تو سیدنا علیؓ نے جو فعل کیا ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کریں گے۔ صحابہ کرامؓ کا دستور اور معمول یہ تھا کہ جب سفر سے واپس لوٹتے تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ آپؐ کو سلام کرتے اور پھر اپنے گھروں کو جاتے۔

جب یہ لشکر واپس آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ ان چاروں اشخاص میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر خدمت اقدس میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ علی بن ابی طالبؓ کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے ایسی ایسی حرکت کی۔ یہ الفاظ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا۔ پھر دوسرا کھڑا ہوا۔ اس نے بھی یہی شکایت پیش کی۔ آپ نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔ پھر تیسرا شخص کھڑا ہوا۔ اس نے بھی وہی بات دہرائی' پھر چوتھے شخص نے کھڑے ہو کر وہی بات عرض کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اس حال میں کہ آپ کے چہرے سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا اور آپ غصہ ہی سے ان سے پوچھ رہے تھے۔ "تم علیؓ سے کیا چاہتے ہو؟ تم علیؓ سے کیا چاہتے ہو؟ تم علیؓ سے کیا چاہتے ہو؟ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد علیؓ ہر مومن کے دل میں ہے۔"

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اسے جعفر بن سلیمان کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔
(ترمذی جلد 2 ص 212)

اس حدیث میں اور ترمذی کی گذشتہ روایت میں ایک بات مشترک ہے کہ سیدنا علیؓ کے خلاف بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور شکایت

Marfat.com

بھی مال غنیمت کی ایک لونڈی کے بارہ میں تھی لیکن جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ مختلف روایات میں مختلف ہے اس لیے ان الفاظ میں ایک خاص گروہ نے حاشیہ آرائی کر کے کچھ کا کچھ بنا دیا ہے اور روایت میں تو جعفر بن سلیمان ضبعی نے اپنی طرف سے الفاظ گھسیڑ دیے ہیں۔ اسی لیے امام ترمذی نے لکھا ہے جعفر بن سلیمان کے علاوہ کوئی اس کو روایت نہیں کرتا۔

اصل بات یہ ہے کہ سیدنا علیؓ خمس لینے کے لیے یمن بھیجے گئے۔ وصولیٔ خمس کے بعد سیدنا علیؓ کی واپسی حجتہ الوداع کے موقع پر ہوئی اور حج کے بعد غدیر خم کے مقام پر شکایت کا دفتر کھلا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی شکایت کے جواب میں فرمایا:

فان له فی الخمس اکثر من ذالک

"علیؓ کا خمس میں اس سے بھی زیادہ حصہ ہے۔"

اور اس واقعہ کی وجہ سے سیدنا بریدہؓ نے جناب ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس امر کا اقرار کیا کہ "میں علیؓ سے بغض رکھتا ہوں" جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بریدہؓ سے یہ الفاظ فرمائے کہ تو اس سے بغض نہ رکھ کیونکہ خمس میں اس کا اس سے بھی زیادہ حصہ ہے۔ (بخاری جلد 2 ص 623)

بات صرف اتنی تھی کہ صحابہ کرامؓ نے سیدنا علیؓ کی بشری کمزوری اور انسانی غلطی کے پیش نظر سیدنا علیؓ سے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش فرمائی تھی لیکن شیعہ ذہن نے اس کو جوں کا توں قبول نہ کیا اور اس موقعہ پر ولایت علیؓ اور خلافت علیؓ کے بے سروپا افسانے گھڑے اور ان افسانوں کی اتنی تشہیر کی کہ اہل سنت بھی ان کو صحیح ماننے لگے اور اہل سنت اور اہل تشیع میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ ان لوگوں نے اس روایت میں ایسے الفاظ داخل کیے جس سے تمام صحابہ کرامؓ پر سیدنا علیؓ کی فضیلت ثابت ہو اور اصل شکایت پر پردہ پڑ جائے۔

اس حدیث کے راوی جعفر بن سلیمان کا حدود اربعہ کیا ہے؟ کیونکہ اس حدیث کی صحت اور عدم صحت کا دار و مدار اس کی ذات پر موقوف ہے۔

جعفر بن سلیمان بنو حارث کا غلام تھا۔ اس نے بنو ضبیعہ خاندان میں سکونت اختیار کی۔ اس وجہ سے ضبعی کہلاتا ہے۔ مذہبا شیعہ تھا لیکن شیعہ ہونے کے باوجود اس کا

Marfat.com

شمار زاہد و متقی لوگوں میں ہوتا ہے۔ بخاری کے علاوہ تمام محدثین ستہ نے اس سے روایت لی ہے۔

احمد بن مقدام کا بیان ہے کہ ہم یزید بن زریع کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا جو شخص جعفر بن سلیمان اور عبدالوارث سے علم حاصل کرتا ہے وہ میرے پاس نہ آئے۔ کیونکہ عبدالوارث معتزلی ہے اور جعفر بن سلیمان رافضی۔

سہیل بن حدویہ کا بیان ہے کہ میں نے جعفر بن سلیمان سے دریافت کیا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تو ابوبکرؓ اور عمرؓ کو گالیاں دیتا ہے۔ اس نے جواب دیا' گالیاں تو خیر نہیں دیتا البتہ ان دونوں سے بغض رکھتا ہوں۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں جریر بن یزید بن ہارون کے ذریعہ اس جعفر کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اس کے بعد جریر بن یزید بن ہارون نے مزید فرمایا یہ جعفر تو گدھے کی طرح رافضی ہے۔

جعفر بن سلیمان نہ صرف خود رافضی تھا بلکہ زہد و تقویٰ کا لبادہ اوڑھ کر دوسروں کو بھی رافضی بناتا تھا حتیٰ کہ عبدالرزاق بن ہمام جیسا محدث بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ جعفر بن سلیمان شیعہ تھا۔ وہ سیدنا علیؓ کے فضائل میں احادیث بیان کرتا تھا' کیونکہ اہل بصرہ سیدنا علیؓ کی مخالفت میں غلو کیا کرتے تھے۔

ساجی کا بیان ہے کہ اس کے پاس دو باندیاں تھیں اور ان کا نام اس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام پر رکھا ہوا تھا اور انہیں ہر وقت اذیت پہنچاتا رہتا تھا۔

(میزان الاعتدال جلد 1 ص 408)

اس سلسلہ میں جو سب سے مشہور حدیث بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے خطبہ میں سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا:

من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ (ترمذی جلد 2 ص 213)

"جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کا مولا ہے۔"

یہ حدیث محدثین کرام کے نزدیک مضطرب ہے اور مضطرب حدیث شدید قسم کی ضعیف اور ناقابل قبول ہوتی ہے۔ خواہ اس کی سند کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔

دوسرے اس حدیث کا ایک راوی میمون ابو عبداللہ ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کی روایت منکر ہوتی ہیں۔ یحییٰ ابن معین کا قول ہے کہ یہ شخص لاشئ ہے خود شیعہ کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک رذیل انسان تھا۔

اسی طرح ایک اور روایت سیدنا براء بن عازبؓ سے ابن ماجہ نے روایت کی ہے جو یوں بیان کی گئی ہے:

''سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج فرمایا اس حج میں ہم شریک تھے۔ آپ نے راستہ میں قیام فرمایا اور لوگوں کو جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ جب تمام لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا 'کیا میں تمام مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ حقدار نہیں؟' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا 'کیوں نہیں۔' آپ نے فرمایا 'پھر یہ علیؓ بھی حقدار ہے' میں جس کا مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے۔ اے اللہ! جو علیؓ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علیؓ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔'' (ابن ماجہ 12)

اس روایت کے راوی بھی شیعہ ہیں۔ جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

پھر اس حدیث کی رو سے سیدنا علیؓ کی خلافت ثابت نہیں ہوتی جس کو شیعہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ''مولیٰ'' کے اگرچہ کئی معنی ہیں' لیکن اس کے معنی خلیفہ کے کبھی نہیں آئے۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں غدیر خم کے مقام پر خلیفہ بنا رہے تھے۔ بلکہ اس سے مقصود صرف سیدنا علیؓ کی محبت کا وجود بیان کرنا تھا' امامت و خلافت علیؓ بیان کرنا نہیں تھا۔ ایک معمولی شدبد رکھنے والا انسان بخوبی سمجھتا ہے کہ محبت اور خلافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلافصل بھی ہو۔ محبت تو دنیا میں کئی انسانوں سے ہوتی ہے۔ کیا یہ سب خلیفہ ہو جائیں گے؟

جس وقت غدیر خم پر آپ نے یہ خطبہ دیا اس وقت صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نبوت بھی وہاں موجود تھے۔ سیدنا عباسؓ وہاں موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی اس حدیث کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سیدنا علیؓ خلیفہ بلافصل ہوں گے۔ پھر وفات نبوی کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت زیر بحث آیا جس میں

Marfat.com

وہ صحابہ کرامؓ بھی شریک تھے جو غدیر خم کے اس خطبہ میں موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو امامت علیؓ کے لیے استدلال میں پیش نہیں کیا۔ اور نہ ہی سیدنا علیؓ نے' نہ ہی سیدنا عباسؓ نے' نہ ہی ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے اور نہ ہی بنو ہاشم کے کسی اور فرد نے کسی وقت بھی سیدنا علیؓ کے استحقاق خلافت کے لیے اس حدیث کو پیش کیا۔

غرض یہ کہ غدیر خم کے خطبہ میں سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نے سیدنا علیؓ، اہل بیت اور عترت رسول کی محبت کا حکم دیا ہے اور ان کی دشمنی سے منع فرمایا نہ کہ خلافت اور ولایت علیؓ کا کوئی اعلان فرمایا۔ جو "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کی شکل میں کہا گیا۔ بلکہ وہاں تو سینکڑوں افراد شاکی کھڑے تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ کرامؓ کے دلوں میں اس واقعہ کی بدولت سیدنا علیؓ کی جانب سے بغض پیدا ہوگیا تھا اور خاص طور پر سیدنا بریدہؓ اس معاملے میں بہت مشہور ہیں۔

اس معاملہ میں جس قدر احادیث کتابوں میں نقل کی گئیں ہیں ان کے راویوں میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ضرور موجود ہے۔ چنانچہ امام زیلعی اپنی شہرہ آفاق کتاب نصب الرایہ میں فرماتے ہیں:

"نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کی روایات اگرچہ کثیر ہیں لیکن وہ سب کی سب ضعیف ہیں اور کتنی ہی روایات ہیں جن کے راوی بہت ہیں اور ان کے طرق متعدد ہیں مگر احادیث ضعیف ہیں جیسے حدیث طیر اور حدیث افطر الحاجم اور حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" بلکہ بعض اوقات کثرت طرق بجائے اس کے کہ ضعف کے نقصان کو پورا کریں اس ضعف کو اور زیادہ ظاہر کر دیتے ہیں۔" (نصب الرایہ جلد 1 ص 360)

اس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس حدیث کے بارہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فلا یصح من طریق الثبوت اصلاً

"یہ روایت معتبر طریقہ سے ہرگز ثابت نہیں۔" (منہاج السنہ جلد 4 ص 86)

اصل بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات غدیر خم کا دن 18 ذی الحجہ کو مناتے ہیں اور اس کو "عید غدیر خم" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ 18 ذی الحجہ کا دن داماد رسول'

Marfat.com

جامع قرآن سیدنا عثمانؓ بن عفانؓ کا یوم شہادت ہے۔ شیعہ حضرات اس روز اصل میں ان کی شہادت کی خوشی مناتے ہیں اور ان کا نام ''عید غدیر'' رکھتے ہیں۔ یہ عید غدیر 18 سے 21 ذی الحجہ تک منائی جاتی ہے وہ اس لیے کہ سیدنا عثمانؓ 18 ذی الحجہ کو شہید ہوئے اور 21 ذی الحجہ کو دفن ہوئے۔ چنانچہ احادیث وضع کی گئیں کہ 18 ذی الحجہ کو روزہ رکھنے کا 60 مہینوں کے برابر روزہ رکھنے کا ثواب ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 ص 350 ' جلد 5 ص 214)

اسی وجہ سے علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حدیث ''من کنت مولاہ' کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔

الاسانید الیھم ضعیفۃ (البدایۃ والنہایۃ جلد 7 ص 351)

علامہ ابن کثیر نے اپنی اس کتاب میں اس حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

خلافت کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ:

اب ہم چاہتے ہیں کہ خلافت کے بارہ میں شیعہ حضرات کا عقیدہ ان کی کتابوں کی روشنی میں اجمالی طور پر بتا دیا جائے تاکہ اہل السنّت والجماعت اس سے واقف و آشنا ہوسکیں۔

شیعہ حضرات کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدنا علیؓ خلیفہ بلافصل تھے۔ ان کی خلافت منصوص من اللہ تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیفہ مقرر کیا تھا لیکن سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ اپنے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے حق خلافت کو غصب کرتے رہے' لہذا ان تینوں حضرات کا زمانہ جور وجفا اور ظلم وستم کا زمانہ تھا۔ سیدنا علیؓ خلیفہ بلافصل ہونے کے ساتھ ساتھ ''امام'' بھی تھے اور شیعہ حضرات کے نزدیک امام وہ ہوتا ہے جس میں تین صفات پائی جائیں۔

1- وہ منصوص من اللہ ہو۔

2- مفترض الاطاعت ہو ــــ اور

3- معصوم ہو۔

Marfat.com

چنانچہ سیدنا علیؓ خلیفہ بلا فصل بھی تھے اور امام بھی تھے۔
سیدنا علیؓ کی ولایت (خلافت) اور امامت کے بارہ میں ملا باقر مجلسی نے ایک روایت نقل کی ہے:
"و دیگر آں بسند معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ اند کہ حق تعالیٰ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را صد و بیست مرتبہ بہ آسمان بُرد و در ہر مرتبہ آنحضرت را در باب ولایت و امامت امیر المومنین و سائر ائمہ طاہرین صلوٰۃ اللہ علیھم اجمعین زیادہ بر سائر فرائض تاکید و مبالغہ نمود۔"
"سیدنا جعفر صادق سند معتبر کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ اللہ جل وعلا شانہ نے ایک سو بیس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر بلایا اور ہر مرتبہ سیدنا علیؓ اور دوسرے تمام ائمہ طاہرین کی ولایت و امامت کی انہیں اتنی تاکید فرمائی کہ دوسرے فرائض دین کی اتنی زیادہ تاکید نہ فرمائی۔"
(حیات القلوب جلد 2 ص 502، باب بست و چہارم)
اس قدر سخت تاکید کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کی ولایت و امامت کے بارہ میں کوئی اعلان نہ فرمایا، یہاں تک کہ قرآن حکیم کی یہ آیات نازل ہوئی "بلغ ما انزل الیک من ربک" پھر رسول ﷺ نے غدیر خم کے موقع پر خلافت و امامت کا اعلان فرمایا، لیکن وہاں اعلان بھی گول مول الفاظ میں فرمایا صاف اور صریح الفاظ میں اعلان نہ فرمایا۔ (معاذ اللہ) اعلان کے الفاظ تھے۔

الا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ.

"لوگو! سن لو، جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کا مولا ہے (اور فرمایا) اے اللہ! جو علیؓ کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو علیؓ کا دشمن ہے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔" (احتجاج طبرسی جلد 1 ص 70)
سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان اگر اتنا ہی ضروری تھا جیسا کہ شیعہ حضرات کہتے ہیں تو رسولؐ کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے صاف لفظوں میں صحابہ کرامؓ کے سامنے اعلان کرنا چاہیے تھا کہ:

Marfat.com

ایھا الناس ! انا رسول اللّٰہ و علی خلیفتی من بعدی بلافصل

"اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں اور علیؓ میرے بعد میرا بلافصل خلیفہ ہے۔"

لیکن اعلان ایسے صریح الفاظ میں نہیں ہوا۔ شاید رسول (معاذاللہ) لوگوں سے باوجود اللہ کے وعدے "واللّٰہ یعصمک من الناس" کے ڈرتا تھا۔ حالانکہ شیعہ حضرات کی کتابوں میں ہی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علیؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ جعفر ابن محمد الفزاری روایت کرتا ہے کہ:

"سیدنا محمد باقر کے سامنے 'لیس لک من الامرشئی' آیت کا حصہ تلاوت کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ 'اے پیغمبر! تمہیں کسی معاملہ میں کوئی اختیار نہیں۔' اس پر سیدنا محمد باقر نے فرمایا ہاں بخدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا۔ سیدنا باقر کے جواب کے بعد میں نے عرض کیا اے امام میرے ماں باپ قربان اگر آپ کا فرمان درست ہے تو پھر 'لیس لک من الامرشی' کا مفہوم کیا ہے؟ سیدنا باقرؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے خواہش مند تھے کہ اللہ تعالیٰ سیدنا علیؓ کے لیے "خلافت بلافصل" کا حکم دے دے، لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول کی اس خواہش کو پورا کرنے سے انکار فرمایا

(ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حرص ان یکون الامر لامیر المومنین من بعدہ فابی اللّٰہ)

(تفسیر فرات الکوفی، نجف 19)

اب جب اللہ تعالیٰ رسول کی اس خواہش کو پورا نہیں کرتا کہ علیؓ اس کے بعد خلیفہ بلافصل ہو تو رسول علیؓ کے بارہ میں کیسے وصیت کر سکتا ہے کہ میرے بعد وہ میرا خلیفہ ہوگا۔ سیدنا علیؓ نے خود اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ رسولؐ نے ان کے بارہ میں کوئی وصیت خلیفہ ہونے کی نہیں فرمائی ہے۔ چنانچہ ابوجعفر طوسی نے نقل کیا ہے کہ:

"سیدنا علیؓ سے روایت ہے کہ جب آپ سے (شہادت کے وقت) کہا گیا کہ آپ خلافت کے بارہ وصیت کیوں نہیں کرتے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی؟ کہ میں وصیت کروں

(ما اوصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوصی) لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو ان کو ان میں سے بہترین شخص پر اکٹھا کر دے گا۔ جیسا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں بہترین شخص پر جمع کر دیا۔" (تلخیص الشافی جلد 1 ص 237)

سیدنا علیؓ کے اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنے بعد کسی کے خلیفہ ہونے کی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ چنانچہ اہل السنّت کی کتابوں میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 14 ' جلد 7 ص 323 ' السنن الکبریٰ ' بیہقی جلد 7 ص 149 اور مروج الذہب جلد 2 ص 43 وغیرہ)

مشہور شیعی عالم شیخ مفید نے بھی لکھا ہے کہ قلم دوات لانے کے بارہ میں جب صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اپنے پاس سے اٹھ جانے کا حکم دیا۔ جب سب حضرات اٹھ کر چلے گئے تو وہاں صرف سیدنا عباسؓ، سیدنا فضل بن عباسؓ، سیدنا علیؓ ابن ابی طالب اور اہل بیت کے خصوصی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ موقع غنیمت جان کر سیدنا عباسؓ نے عرض کی:

"یا رسول اللہ! اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں مستقل طور پر رہے گا تو پھر اس کی بشارت دیجئے اور اگر آپ کے علم میں یہ ہے کہ ہم مغلوب ہو جائیں گے تو ہمارے حق میں فیصلہ فرما دیجئے (فاقض بنا) اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ 'میرے بعد تمہیں بے بس کر دیا جائے گا' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرما کر خاموش ہوگئے اور حالت یہ تھی کہ سیدنا عباسؓ، سیدنا فضل بن عباسؓ، سیدنا علیؓ ابن ابی طالب اور موجود اہل بیت روتے روتے آپ سے ناامید ہو کر اٹھ گئے۔ (قد ئیسوا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(الارشاد شیخ مفید ص ۹۹' اعلام الوریٰ طبرسی ص ۱۴۲ بالفاظ مختلفہ)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسولؐ نے بھی سیدنا علیؓ کی خلافت بلافصل کے بارہ میں کوئی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا علیؓ بھی اپنے لیے خلافت کو کوئی بہتر شے نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

واللہ ! ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ

Marfat.com

ولکنّکم دعوتمونی الیها و حملتمونی علیھا ' فلما افضت الیّ.....

"بخدا! مجھے خلافت کی بالکل کوئی رغبت نہ تھی اور نہ حکومت کی کچھ حاجت بلکہ تم نے ہی مجھے خلافت کی طرف بلایا اور اس پر آمادہ کیا' پھر جب وہ مجھ تک پہنچ گئی۔" (نہج البلاغہ ص 397)

ایک اور موقع پر جب کہ آپ سے شہادت عثمانؓ کے بعد بیعت کی خواہش کی گئی تو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

دعونی والتمسوا غیری فانّا مستقبلون امراًله وجوه و الوان لا تقوم له القلوب ولاتثبت علیه العقول ' ان الآفاق قد اغامت و المحجة قد تنکرت ' و اعلم انی ان احببتکم رکبت بکم ما اعلم ' ولم اصغ الیٰ قول القائل و عتب العاتب ' وان ترکتمونی فانا کا حدکم و لعلّی اسمعکم و اطوعکم لمن ولیّتموه امرکم وانا لکم وزیرا خیر لکم منی امیراً

"مجھے چھوڑ دو اور میرے سوا کسی اور کو تلاش کرو' اس لیے کہ ہم پر ایک ایسا حال پیش آنے والا ہے جس کی مختلف صورتیں اور مختلف رنگ ہوں گے۔ نہ دل اس پر قائم رہیں گے اور نہ عقلیں ثابت رہیں گی۔ بے شک آسمان کے کنارے غبار آلود ہو رہے ہیں اور راہ بے پہچانی ہوئی ہوگئی ہے اور خوب سمجھ لو اگر میں تمہاری درخواست کو قبول کرلوں گا تو تمہارے ساتھ اپنے علم کے موافق برتاؤ کروں گا اور کسی کے قول یا کسی غصہ کرنے والے کی طرف توجہ نہ کروں گا۔ اور اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں تم میں سے ایک شخص کی مثل رہوں گا اور امید ہے کہ میں تم سے زیادہ اس شخص کی اطاعت کروں گا جس کو تم اپنا حاکم بناؤ گے اور میرا وزیر رہنا تمہارے لیے بہ نسبت میرے خلیفہ ہونے کے بہتر ہے۔
(نہج البلاغہ ص 179)

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

اللّھم انّک لتعلم انه لم یکن الّذی کان منّا منافسة فی سلطان ولا التماس شئی من فضول الحطام ولکن لنرد المعالم من دینک و نظفر الاصلاح فی بلادك فیامن المظلومون و تام العطلة من حدودك.

"اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ ہم سے ہوا وہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ ہم کو سلطنت اور حکومت کی کوئی خواہش تھی بلکہ محض اس لیے ہوا کہ تیرے دین کی معلومات حاصل کریں اور تیرے شہروں میں نیکو کاری پھیلائیں تاکہ مظلوم امن میں رہیں اور جو حدود تیرے معطل کر دیے گئے ہیں وہ قائم کر دیے جائیں۔" (نہج البلاغہ ص 268)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ کتب کی رو سے نہ تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنایا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خلیفہ بلافصل بنانے کی وصیت فرمائی اور نہ ہی سیدنا علیؓ کے دل و دماغ میں خلیفہ بننے کی کوئی خواہش تھی' کیونکہ جب سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد انہیں خلیفہ بنایا جا رہا تھا تو وہ اس وقت بھی کہہ رہے تھے کہ:

"مجھے چھوڑ کر کسی اور کو تلاش کرو۔"

وہ اس عقیدہ کے قائل ہی نہیں تھے کہ خلیفہ منصوص من اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بن کر آتا ہے بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا:

انما الشّوری للمهاجرین و الانصار فان اجتمعوا علی رجل وسمّوه اماماً کان ذالک للّه رضی

"بے شک شوریٰ مہاجرین و انصار کی شایان شان ہے۔ جب یہ دونوں گروہ کسی کو متفقہ طور پر اپنا امام بنالیں تو وہ امام اور خلیفہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہوگا۔"

(نہج البلاغہ ص 367)

لہذا یہ بات سراسر غلط ہے کہ رسولؐ نے غدیر خم پر سیدنا علیؓ کو اپنا وصی اور خلیفہ بلا فصل بنایا تھا اور اس بارہ میں جس قدر دلائل شیعہ حضرات پیش کرتے ہیں وہ سب غلط اور بودے ہیں۔

Marfat.com

صدمہ جانکاہ:

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر اخیر ذی الحجہ دس ہجری میں مدینہ منورہ پہنچے' ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ایک روز رات کو اٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لیے استغفار کروں۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعتاً مزاج ناساز ہوگیا۔ سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی۔

چند روز کے بعد مرض میں شدت پیدا ہوگئی۔ آخر ازواج مطہرات سے اجازت لے کر سیدہ عائشہؓ کے ہاں تشریف لے آئے۔

علالت کے دوران آپ کو اسود عنسی' مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی مدعیان نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ آپ نے مرتدین سے جہاد کی وصیت اور تاکید فرمائی اور اسود عنسی کی سرزنش کے لیے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی' آپ کی وفات سے ایک دن قبل اسود عنسی قتل ہوگیا۔ (ابن اثیر جلد 2 ص 153)

وفات سے چار روز قبل (بخاری کی روایت کے مطابق وفات سے پانچ روز قبل کا واقعہ ہے کیونکہ یہ واقعہ یوم الخمیس یعنی جمعرات کے دن کا ہے۔ بخاری جلد 1 ص 429' 449' جلد 2 ص 638' مسلم جلد 2 ص 42' مسند احمد جلد 1 ص 222 وغیرہ) اور آپ کی وفات پیر کے روز ہوئی۔ (بخاری جلد 1 ص 186) اس لحاظ سے پانچ روز بنتے ہیں) جب مرض میں شدت ہوئی تو جو لوگ حجرۂ نبوت میں حاضر تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لے کر آؤ تاکہ تمہارے لیے ایک وصیت نامہ لکھوا دوں' اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے۔ سیدنا عمرؓ نے کہا کہ آپ چونکہ بیمار ہیں اور درد کی شدت ہے لہذا ایسی حالت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں' اللہ کی کتاب گمراہی سے بچانے کے لیے ہمارے لیے کافی ہے۔ بعض حضرات نے سیدنا عمرؓ کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ قلم دوات لا کر لکھوا لینا چاہیے۔ اور یہ کہا (أھجرا استفھموہ) کیا آپ نے بیماری کی شدت اور غفلت اور بے ہوشی کی حالت میں (معاذ اللہ) کوئی لغو اور ہذیان کی بات کی ہے؟ خود آپ سے دریافت کر لو یعنی آپ اللہ کے نبی

اور رسول ہیں آپ کی زبان اور دل خطاء اور غلطی سے معصوم اور مامون ہے۔ معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں جو بیماری کی حالت میں واہی تباہی بولنے لگتے ہیں۔ (أَهَجَرَ کا ترجمہ ہم نے مخالفین کے اعتراض کے پیش نظر ہذیان کیا ہے حالانکہ اس کا ترجمہ اور ہے)
(بخاری جلد 2 ص 638' جلد 1 ص 429' ص 449' مسند احمد جلد 1 ص 222)

اس حدیث کی روشنی میں شیعہ حضرات سیدنا عمرؓ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخر لمحات میں سیدنا علیؓ کی خلافت اور ولایت کے بارہ میں ایک تحریر لکھوانا چاہتے تھے جو سیدنا عمرؓ نے نہ لکھوانے دی۔ یہ بات ایک طرف تو نبوت کی صریح مخالفت تھی اور دوسری طرف سیدنا علیؓ کی خلافت کے راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند روز قبل ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ کے سامنے سیدنا علیؓ کی خلافت بلافصل کا اعلان فرمایا تھا۔ آپ اس تحریر کے ذریعہ اس اعلان کو تکمیلی شکل دینا چاہتے تھے' لیکن سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کارروائی کو ناکام بنا دیا۔

یہ اعتراض بالکل غلط ہے کیونکہ سیدنا عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ م اس وقت مرضِ موت کی حالت میں ہیں اور آپ سخت تکلیف میں مبتلا ہیں' اس شدید تکلیف میں آپ نے جو کاغذ اور قلم منگوانے کا ارشاد فرمایا ہے وہ امت پر محض شفقت کی وجہ سے ہے' لہذا جب آپ کی تعلیمات ہمارے سامنے ہیں اور ان کی تفصیل وتشریح میں آپ نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تو ایسے تکلیف دہ وقت میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ سیدنا عمرؓ کا یہ فرمانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے پیش نظر تھا کیونکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تکلیف میں یہ کام کرنا گوارا نہیں تھا۔ یہ کمال محبت کا مقام تھا۔

اس کے مقابلہ میں بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو عملی جامہ پہنانا چاہیے' کیونکہ "ایتونی بقرطاس" (کاغذ لاؤ) کے الفاظ آپ کی زبان' اقدس سے بطور ہذیان نہیں نکلے' جب آپ کا تکلم عام حالت کی طرح قابل اعتبار و حجت ہے تو اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے اور اس کا اہتمام پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے دوسرے پہلو کو مدنظر رکھا۔ وہ یہ کہ آپ کا ارشاد بہر حال قابل تسلیم ہے' لہذا اس کو چھوڑنا درست نہیں۔

Marfat.com

یہ جملہ (أَھَجَرا استفھموہ) سیدنا عمرؓ کا مقولہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا مقولہ ہے جن کی رائے سیدنا عمرؓ کے خلاف تھی۔ سیدنا عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھوانے کی تکلیف نہ دی جائے اور دوسرے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ کاغذ قلم لا کر لکھوا لیا جائے' ان لوگوں نے سیدنا عمرؓ کے جواب میں یہ کہا "أَھَجَرَ استفھموہ" اور مطلب یہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں تو کیوں نہ لکھوا لیا جائے کیونکہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کسی ہذیان یا لغو بات کا نکلنا ناممکن اور محال ہے۔ (نووی جلد 2 ص 43)

اسی وجہ سے ان لوگوں نے "أَھَجَرا" بطور استفہام انکاری الزاماً کہا' خود وہ لوگ اس کے قائل نہ تھے۔ اور جن روایاتؔ میں یہ جملہ حرف استفہام کے بغیر آیا ہے وہ بھی استفہام پر محمول ہے اور حرف استفہام وہاں مقدر ہے۔ (ھجر کا معنی صرف ہذیان ہی نہیں ہوتے بلکہ ھجر کے معنی جدائی اور فراق کے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس عبارت کے صحیح اور درست معنی یہ ہوتے ہیں کہ "کیا آپ جدائی اور فراق اختیار کر رہے ہیں۔"

(بخاری جلد 1 ص 429 تعلیقہ)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ سیدنا عمرؓ نے ہذیان کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی وہ یا تو جہالت کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں یا پھر ان کے دل خوف اللہ اور فکر آخرت سے عاری اور بغض عمرؓ سے بھرے ہوئے تھے۔

اگر ان لوگوں کی نگاہ میں "ایتونی" یعنی امر کے صیغہ سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور سیدنا عمرؓ نے رسول کے اس واجب حکم کی تعمیل نہ کی جو گناہ ہے' تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حکم صرف سیدنا عمرؓ ہی کے لیے نہ تھا بلکہ تمام حاضرین مجلس کے لیے تھا جن میں سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ بھی شامل تھے۔ ان کو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیے تھی جب کہ بقول ان حضرات کے آپ نے لکھوانا بھی خلافت علیؓ ہی کو تھا۔

پھر سیدنا عمرؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے دور رہتے تھے اور سیدنا علیؓ تو وہیں قریب رہتے تھے۔ اس وجہ سے وہ کاغذ اور قلم دوات جلدی لا سکتے تھے۔ وہ سیدنا عمرؓ کی بات کی طرف بالکل دھیان نہ دیتے اور فوراً اٹھ کر کاغذ اور قلم لے آتے اور خطبہ غدیر خم کے مشن کی تحریری تکمیل کروا لیتے۔

Marfat.com

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ "اَھجر" سیدنا عمرؓ کا مقولہ نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کا مقولہ ہے اور دوسرے لوگوں میں سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ دونوں شامل ہیں' اگر اس کا مفہوم اور مطلب وہی ہے جو شیعہ حضرات بیان کرتے ہیں تو یہ مطلب اور مفہوم بجائے سیدنا عمرؓ کے سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔

سیدنا عمرؓ کا "قد غلب علیه الوجع" کہنا ان کے کمال عشق و محبت کی دلیل ہے اور آپ کے درد کا احساس ہے اور "عند کم القرآن" کہنا دراصل "الیوم اکملت لکم دینکم" کی طرف اشارہ تھا جو اس واقعہ سے 9 روز پہلے نازل ہو چکی تھی۔ گویا دبے لفظوں میں سیدنا عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درد اور تکلیف کے پیش نظر ایک محبت بھرا مشورہ دیا۔ چنانچہ جب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا عمرؓ کے یہ الفاظ سنے تو آپ نے کاغذ اور قلم منگوانے پر اصرار نہیں فرمایا۔ بلکہ خاموش رہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا عمرؓ کے وہ الفاظ "حسبنا کتاب الله" فرمان نبوت کی مخالفت نہ تھی بلکہ مزاج نبوت کی صحیح ترجمانی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب بعض صحابہ کرامؓ نے دوبارہ کاغذ اور قلم پیش کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ سے سیدنا عمرؓ قابل طعن ہیں تو پھر سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ بھی قابل طعن ہیں کہ وہ کیوں کاغذ اور قلم نہ لے آئے؟ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حکم عام تھا۔ سیدنا عمرؓ کے لیے خاص نہ تھا۔ علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا علیؓ کو خاص حکم دیا گیا کہ اس معاہدہ سے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کاٹ کر "محمد بن عبداللہ" کے الفاظ لکھ دو' لیکن سیدنا علیؓ نے "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹنے سے صاف انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹے۔" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم "وجوبی" تھا "استحبابی" نہیں تھا۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی اور شیخ مفید وغیرہ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ:

"گفت یا علی محو کن آنں را و محمد بن عبداللہ بنویس چنانچہ اومی گوید۔ حضرت امیر فرمود کہ من نام ترا از پیغمبری ہرگز محو نخواہم کرد' پس حضرت رسول بدست مبارک خود آں را محو کرد۔"

Marfat.com

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مٹا کر "محمد بن عبداللہ" لکھ دو جس طرح وہ (قریش) کہہ رہے ہیں۔ سیدنا علیؓ نے عرض کی کہ میں آپ کے نام سے پیغمبری کا لفظ بالکل نہیں کاٹوں گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا۔"

(حیات القلوب جلد دوم ص 753، نولکشور، ارشاد شیخ مفید ص 63، قم)

اس عبارت کو پڑھیے تو ظاہری نگاہ میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے حکم پیغمبر کا صاف انکار کیا لیکن یہ انکار نافرمانی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ کمال محبت کی وجہ سے تھا۔ اس انکار کو نافرمانی صرف "یتیم فی العلم" ہی کہہ سکتا ہے بالکل اسی طرح سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے جواب میں کمال محبت کی وجہ سے کہا "قد غلب علیہ وجع" آپ پر اس وقت چونکہ درد کا غلبہ ہے لہذا سرکار کو آرام فرمانے دو۔ "حسبنا کتاب اللہ" ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اور دین بھی مکمل ہو چکا ہے لہذا ابھی سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف نہ دو۔

اور یہ جو شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کی خلافت لکھوانی تھی اور سیدنا عمرؓ اس میں رکاوٹ بنے، یہ بات بھی دلائل کی روشنی میں غلط ہے۔ اگر بقول شیعہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ غدیر خم میں سیدنا علیؓ کی خلافت کا علان ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ میں فرما دیا تھا تو پھر لکھوانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس بات کے گواہ تھے کہ انہوں نے اپنے بعد سیدنا علیؓ کو خلیفہ بلافصل منتخب فرمایا ہے، لیکن کسی نے بھی انتقال پیغمبر کے بعد اس بات کی گواہی نہ دی۔ بقول ملا باقر مجلسی سیدنا علیؓ ایک ایک مہاجر اور انصار کے گھر گئے اور انہیں غدیر خم کی بات یاد دلائی لیکن کسی نے بھی ان کی بات پر کان نہ دھرا۔ چنانچہ لکھا ہے:

"چوں سید اوصیاء از دفن سرور انبیاء فارغ شد، بیوفائی اصحاب وکفر و نفاق ایشاں رامشاہدہ نمود غمگین گردید۔ چوں شب درآمد امام حسن و امام حسین علیہما السلام را باخود برداشتہ بخانہ یک یک مہاجراں و انصار درآمد و ایشاں را از عقوبت الٰہی بترسانید و وصیت رسول خدا را در غدیر برایشاں خواند و از ایشاں نصرت و یاری

Marfat.com

طلبید و ازآں گروہ بے شرم بجز بیست و چہار نفر اجابت نکروند۔ چوں صبح طالع شد ازآں بیست و چہار کس بر بیعت نماندہ بودند بغیر از چہار کس' تاسہ شب آنجناب ایشاں را بہ بیعت دعوت می فرمود و طلب یاری از ایشاں می نمود و بجز چہار کس و بروایتے سہ کس اجابت نمی نمودند"

"جب سیدنا علیؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہوئے اور اصحاب رسول کے کفر اور نفاق کو دیکھا تو بہت غمگین ہوئے۔ جب رات ہوئی تو امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو لے کر ایک ایک مہاجر و انصار کے گھر گئے اور انہیں اللہ کی سزا سے ڈرایا اور انہیں رسولؐ کی وہ وصیت یاد دلائی جو غدیر کے موقعہ پر آپ نے کی تھی اور ان سے امداد طلب کی' لیکن اس بے شرم گروہ سے سوائے چوبیس آدمیوں کے اور کسی نے ان کی دعوت کا جواب نہ دیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ چوبیس اصحاب بھی بیعت پر قائم نہ رہے سوائے چار آدمیوں کے۔ تین رات تک سیدنا علیؓ انہیں بیعت کی دعوت دیتے رہے اور ان سے امداد کے خواہاں رہے لیکن سوائے چار آدمیوں اور ایک روایت کے مطابق سوائے تین آدمیوں کے اور کسی نے آپ کی دعوت کا جواب نہ دیا۔"

(جلاء العیون جلد 1 ص 212 ' تہران)

اور شیعہ کے نزدیک تو پیغمبر کیا امام بھی ماکان وما کون کا علم غیب جانتا ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ بقول شیعہ حضرات میرے صحابہ کرامؓ میری اس وصیت پر بھی عمل نہیں کریں گے جو میں نے غدیر خم کے موقع پر ان سے کی تھی تو پھر وصیت لکھوانے کا کیا فائدہ؟ اور پیغمبر بے فائدہ کوئی کام نہیں کرتا۔

اس سلسلہ میں ایک شے اور ذہن میں رکھیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ غدیر خم میں سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان کیا ہوتا جیسا کہ شیعہ حضرات کہتے ہیں یا مرض الموت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا علیؓ کی خلافت کی تحریر لکھوانی مقصود ہوتی تو سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ سیدنا علیؓ کو کبھی نہ کہتے کہ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ وہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں۔ چنانچہ امام بخاری نے حدیث نقل کی ہے کہ:۔۔۔

Marfat.com

"سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علیؓ باہر آئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اب سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات کا مزاج کیسا ہے؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ اب حالت اطمینان بخش ہے۔ سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، تین دن کے بعد ہم پر کوئی اور حاکم ہوگا۔ بخدا میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارہ میں وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علیؓ نے کہا کہ میں آپ سے اس بارہ میں عرض نہیں کروں گا، بخدا! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔"

(بخاری جلد 1 ص 639، البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 227، ابن ابی الحدید جلد 2 ص 51)

بخاری کی اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ غدیرخم میں سیدنا علیؓ کے بارہ میں کوئی وصیت فرمائی تھی، بلکہ اس بارہ میں تو سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں لیکن سیدنا علیؓ نے اس بارہ میں بھی انکار فرما دیا۔

بخاری اور مسلم میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ قرطاس کے بعد امت کو زبانی تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔

1- مشرکین اور یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔

2- وفود کو رخصت کرتے وقت جائز یعنی ہدیہ اور تحفہ دیا کرو جس طرح میں انہیں ہدیہ اور تحفہ دیا کرتا تھا۔

3- تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا یا راوی (سلیمان احول) بھول گیا۔ (بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا یا جیش اسامہ کو روانہ کرنا یا میرے بعد میری قبر کو بت اور سجدہ گاہ نہ بنانا یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔)

(فتح الباری جلد 8 ص 103، بخاری جلد 1 ص 429، جلد 2 ص 638)

ممکن ہے جن باتوں کی آپ نے زبانی وصیت فرمائی انہی کے لکھوانے کے

Marfat.com

لیے آپ نے کاغذ اور قلم لانے کے لیے کہا ہو۔

حدیث اور تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کاغذ اور قلم منگوانے سے اگر مسئلہ خلافت لکھوانا ہی مقصود تھا تو وہ سیدنا علیؓ کی خلافت لکھوانا مقصود نہیں تھا بلکہ سیدنا ابوبکرؓ کے خلافت لکھوانا تھا۔ جس کی تائید بخاری اور مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بیماری کی حالت میں یہ فرمایا کہ "میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکرؓ اور اس کے فرزند (عبدالرحمنؓ) کو بلانے کے لیے کسی کو بھیج دوں اور ان کو وصیت کردوں اور ان کو اپنا جانشین بنا دوں تاکہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں۔ لیکن پھر میں نے اپنا یہ ارادہ فسخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ ابوبکرؓ کے سوا کوئی اور خلیفہ ہو اور اہل ایمان سوائے ابوبکرؓ اور کسی کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے۔ (بخاری جلد 2 ص 1072)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

معاذ اللّٰہ! ان یختلف الناس علی ابی بکر

"اللہ کی پناہ کہ لوگ ابوبکرؓ کی خلافت میں اختلاف کریں۔

(امام بخاری کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت لکھوانا مراد ہے' اس لیے امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمۃ الباب رکھا وہ ہے "باب الاستخلاف" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے۔) (ملاحظہ ہو قسطلانی جلد 10 ص 260 ' فتح الباری جلد 13 ص 117)

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کے بعد سیدنا ابوبکرؓ خلیفہ ہوں۔ لیکن آپ نے یہ معاملہ قضا وقدر اور اجماع پر چھوڑ دیا اور اس کو لکھوایا نہیں' کیونکہ جب سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ: "حسبنا کتاب اللہ" (ہمارے لیے اللہ کی کتب کافی ہے) تو ہو سکتا ہے کہ نبوت نے سمجھ لیا ہو کہ جب یہ کتاب اللہ کو کافی سمجھ رہے ہیں تو کتاب میں نبی کے بعد صدیق ہی کا درجہ آتا ہے' لہٰذا نبی کا جانشین اور خلیفہ صدیق ہی ہوگا اور کوئی نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا کہ جس عمرؓ نے "حسبنا کتاب اللہ" کہا تھا' اسی

Marfat.com

عمرؓ نے کتاب اللہ کی روشنی میں سقیفہ بنی ساعدہ میں نبی کا جانشین صدیق کو مقرر کیا اور تمام امت نے جن میں سیدنا علیؓ بھی شامل تھے اس بات میں عمرؓ کے ساتھ اتفاق کیا' جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا کہ وفات سے چار روز قبل جمعرات کے دن آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو آپ کا سب سے آخری خطبہ ہے۔ (زرقانی جلد 8 ص 258)

"اے مہاجرین! تم زیادہ ہوگے اور انصار کم ہوں گے۔ دیکھو انصار نے مجھ کو ٹھکانہ دیا۔ ان میں جو کریم اور نیکوکار ہو اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنا اور ان میں جو غلطی کر گزرے اس سے درگزر کرنا۔"

پھر سیدنا ابوبکرؓ کے فضائل و کمالات بیان فرمائے۔ مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دروازے کھلے ہوئے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"یہ سب دروازے بند کر دیے جائیں' صرف ایک ابوبکرؓ کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے۔ جان و مال اور صحبت و رفاقت کے لحاظ سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا مجھ پر ابوبکرؓ ہے۔ ابوبکرؓ سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں۔ جس جس نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دے دیا سوائے ابوبکرؓ کے' اس کے احسانات کا صلہ اور بدلہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے روز اس کو دے گا۔ اگر میں اپنے اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا جانی دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا' لیکن اس سے اسلامی اخوت اور مودّت ہے جس میں وہ سب سے افضل اور برتر ہیں۔"

(البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 229 ' فتح الباری جلد 7 ص 10 ' اتحاف شرح احیاء علوم الدین جلد 10 ص 287)

اس خطبہ میں آپ نے کچھ اور باتیں بھی ارشاد فرمائیں۔ خطبہ کے بعد منبر سے نیچے تشریف لائے اور حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔

وفات سے قبل کچھ نمازیں سیدنا صدیق اکبرؓ نے پڑھائیں اور یہ نمازیں سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پڑھائیں۔ جس کا ذکر بخاری وغیرہ میں آتا ہے۔ بعض کا قول ہے 17 نمازیں پڑھائیں اور بقول بعض 20

(البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 235)

آخر دوشنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کی طرف انتقال فرما گئے۔ تاریخ وفات 12 ربیع الاول 11 ہجری ہے۔ یہ مشہور قول ہے۔ کلبی اور ابومخف نے 2 ربیع الاول بتائی ہے۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری جلد 8 ص 98 ' زرقانی جلد 3 ص 110)

غسل نبوی کے بارہ میں صحابہ کرامؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے ہدایت طلب کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ''آپ ﷺ کو غسل آپ کے نسبی خاندان والے اور اقرباء دیں۔'' (شمائل ترمذی ص 28)

چنانچہ سیدنا علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں قریب ترین عزیز تھے' لہذا تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہیں کے ہاتھوں انجام پائے۔ سیدنا علیؓ غسل دے رہے تھے اور سیدنا عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے سیدنا فضل اور سیدنا قثم کروٹیں بدلتے تھے اور سیدنا اسامہؓ اور سیدنا شقرانؓ پانی ڈال رہے تھے۔

(مستدرک حاکم جلد 3 ص 111 ' البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 260 ' طبری جلد 2 ص 451)

انصار اور مہاجرین حجرۂ نبوی کے دروازے کے باہر کھڑے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

Marfat.com

سیدنا علیؓ وفات نبوی کے بعد

سیدنا علیؓ کی زندگی کا ایک دور جو بعثت نبوی سے شروع ہوا اور وفات نبوی پر ختم ہوگیا' اس 23 سالہ دور میں کچھ عرصہ سیدنا علیؓ کی نابالغیت کا تھا جس میں وہ بچے تھے ہجرت نبوی کے بعد مختلف جنگوں میں انہوں نے کارہائے نمایاں دکھائے اور سیدہ فاطمہؓ سے ان کا نکاح ہوا' اس وقت سے صحیح معنوں میں ان کا ایک مقام صحابہ کرامؓ میں پیدا ہوا۔

وفات نبوی کے بعد سیدنا علیؓ کی زندگی کا ایک نیا دوز شروع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ صرف سیدنا علیؓ بلکہ ہر صحابی رسول کی شخصیت دبی ہوئی تھی۔ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ اگرچہ مشیران رسول میں سے تھے لیکن ان کی ذوات کے جوہر ان کے اپنے زمانہ ہائے خلافت میں کھلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھاری بھرکم شخصیت ہر صحابی کی انفرادی شخصیت پر چھائی ہوئی تھی اور ہر صحابی کی ذاتی خصوصیات اور صفات اس کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔

اس وجہ سے وفات نبوی کے بعد کا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں سیدنا علیؓ کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی اور ان کی علمی' عقلی اور فکری خصوصیات مملکت اسلامیہ اور ملت اسلامیہ کے کام آئیں۔

سیدنا علیؓ عہد صدیقی میں:

12 ربیع الاول 11 ہجری کو جب دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے انتقال کا واقعہ جانکاہ اور حادثہ جانگداز پیش آیا' اس کے تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور خلافت کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مہاجرین کو جونہی انصار کی اس بات کا پتہ چلا انہوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے کہا کہ آپ بھی بنی ساعدہ میں تشریف لے جائیں چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور مہاجرین کی ایک جماعت ان کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں گئی۔

جب یہ لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے تو دیکھا کہ انصار سیدنا سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش یعنی مہاجرین میں سے ہو۔ انصار کا گمان یہ تھا کہ استحقاق خلافت ان کا ہے اس لیے کہ انصار نے دین کی نصرت کی اور اللہ کے رسول کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپؐ کے ساتھ ہو کر اللہ کے دشمنوں سے جہاد و قتال کیا۔ بہرحال وہاں مسئلہ خلافت پر بحث و تکرار ہو رہی تھی۔

سیدنا ابوبکرؓ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سیدنا سعد بن عبادہؓ باوجود مریض ہونے کے وہاں کمبل اوڑھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے:

"ہم انصار اللہ کے دین کے مددگار ہیں اور اے مہاجرین تم اقلیت میں ہو اور ہم اکثریت میں ہیں۔ تم لوگ ہمارے ہاں پناہ گزین ہوئے لیکن اب تم ہمارا حق خلافت ہم سے غصب کرنا چاہتے ہو۔"

اے گروہ انصار! تمہیں اسلام میں ایسی فضیلت اور سبقت حاصل ہے جو عرب میں سوائے تمہارے اور کسی کو حاصل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک اپنی قوم میں دین کی دعوت دیتے رہے لیکن بہت کم لوگ آپ پر ایمان لائے۔ وہ اتنے کمزور تھے کہ نہ وہ اپنی حفاظت کر سکتے تھے اور نہ دین کو سربلند کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فضیلت دینے کے لیے تمہیں ایمان لانے کی توفیق دی اور نبوت اور اس کے اصحاب کی حفاظت تم سے کروائی۔ تم نے خدا کے دشمنوں سے جہاد کیا یہاں تک کہ تمام عرب حکم خداوندی کے سامنے جھک

Marfat.com

گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات دی اور جب آپؐ نے اس دنیا سے انتقال فرمایا تو

وهو عنكم راض قرير العين۔ استبدوا بهذا الامر دون الناس فانه لكم دونهم

"آپؐ تم سے راضی تھے اور آپ کی آنکھیں تم سے ٹھنڈی تھیں۔ پس تم ہی اس منصب خلافت کو حاصل کرو' یہ تمہارا ہی حق ہے اوروں کا نہیں۔"

(ابن اثیر جلد 2 ص 328)

اس تقریر کی بعض حاضرین نے بڑی تحسین کی۔ سیدنا عمرؓ نے چاہا کہ کچھ بولیں لیکن سیدنا ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر "اے عمر ٹھہرو" (علی رسلک) خاموش کر دیا۔

(طبری جلد 2 ص 446)

اب سیدنا ابوبکرؓ نے خود تقریر کی۔ پہلے مہاجرین کے فضائل بیان کیے۔ دین میں ان کی اسبقیت کو اجاگر کیا۔ پھر ان پر جو جو مصائب ڈھائے گئے ان کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ ان مصائب کے باوجود بھی انہوں نے رسول کا ساتھ نہ چھوڑا۔ پھر فرمایا:

وهم اولياء ه وعشيرته واحق الناس بهذا الامر بعده ولا ينازعهم الا ظالم

"یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء اور قرابت دار ہیں اور یہی لوگ آپ کے بعد امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس امر میں سوائے ظالم کے اور کوئی ان سے نہیں جھگڑ سکتا۔"

پھر آپ نے گروہ انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہاری فضیلت اور دین میں تمہاری سبقت کا کسی کو انکار نہیں۔ اللہ نے تمہیں پسند فرمایا اور اپنے رسول اور اپنے دین کا تمہیں معین و مددگار بنایا اور اپنے رسول کو تمہاری طرف ہجرت کروائی۔ لہذا مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تمہارا ہی مرتبہ ہے۔

فنحن الامراء وانتم الوزراء' لا تفاوتون بمشورة ولا تقضى دونكم الامور۔

"پس ہم امیر ہوں گے اور تم ہمارے وزیر ہو گے۔ بغیر تمہارے مشورہ کے امور

Marfat.com

انجام نہیں دیے جائیں گے۔" (ابن اثیر جلد 2 ص 328-329)

مختلف روایات میں کچھ جملے بھی ہیں۔ بہرحال اپنی تقریر کے اختتام پر سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا:

"میری رائے یہ ہے کہ خلافت و امامت کے لیے یہ دو آدمی پسندیدہ اور اہلیت والے ہیں۔ عمرؓ اور ابوعبیدہؓ، ان میں سے جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کرلو گے وہ تمہارا قابل وثوق اور قابل اطمینان امیر ہوگا۔" (کنزالعمال جلد 3 ص 139)

جب سیدنا حباب بن منذر بن الجموحؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی تقریر کے جواب میں کہا کہ: "ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے" تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الائمة من قریش (کنزالعمال جلد 2 ص 319)

"خلفاء اور امراء قریش میں سے ہوں گے۔"

غرض سیدنا ابوبکرؓ نے جب ان دونوں حضرات (عمرؓ اور ابوعبیدہؓ) کا نام خلیفہ کے طور پر پیش کیا تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم یہ معاملہ آپ کے سپرد کرتے ہیں۔

وانت افضل المهاجرین و خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الصلوٰة و هی افضل دین المسلمین

"اس لیے کہ آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں اور نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور نماز مسلمانوں کے دین کا سب سے افضل رکن ہے۔"

آپ ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ جب یہ دونوں حضرات بیعت کرنے کے لیے آگے بڑھے تو سیدنا بشیر بن سعدؓ نے آگے بڑھ کر سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت کرلی۔ (ابن اثیر جلد 2 ص 330 ' طبری جلد 2 ص 458)

ملا علی القاری نے لکھا ہے کہ جب انصار نے یہ کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے تو سیدنا عمرؓ نے کہا اے گروہ قریش! تمہیں پتہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو امامت کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس تم میں سے کون ہے جو ابوبکرؓ پر پیش قدمی کرنا پسند کرے گا۔ انصار نے کہا' اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکرؓ پر پیش قدمی کریں۔"

رواہ النسائی و ابویعلیٰ والحاکم وصححہ (شرح الشمائل جلد 2 ص 219)

Marfat.com

غرض یہ کہ سیدنا عمرؓ اور سیدنا ابوعبیدہؓ ابن الجراح جب ابوبکرؓ کی بیعت کرنے کے لیے آگے بڑھے تو ان سے پہلے سیدنا بشیر بن سعد انصاریؓ نے بیعت ابوبکرؓ میں سبقت کرلی۔ اب اس کے بعد سیدنا عمرؓ اور سیدنا ابوعبیدہؓ نے بیعت کی۔ اس کے بعد چاروں طرف سے لوگ ابوبکرؓ کی بیعت کرنے کے لیے اُمنڈ پڑے۔ اور ابوبکرؓ خلیفہ الرسول منتخب ہوگئے۔

یہ بیعت 13 ربیع الاول 11 ھ کو بوقت شام ہوئی۔ یہ بیعت خاصہ تھی۔ بیعت عامہ وفات کے دوسرے روز مسجد نبوی میں ہوئی۔ پہلے سیدنا عمرؓ نے تقریر فرمائی جس میں سیدنا ابوبکرؓ کے فضائل و مناقب بتائے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 248) جب سیدنا عمرؓ اپنی تقریر سے فارغ ہوئے تو سیدنا ابوبکرؓ سے کہا کہ منبر پر تشریف لائیے۔ جب آپ منبر پر تشریف لے گئے۔

فبایعہ الناس عامۃ

"تو عام لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔" (البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 248)

زہری کا بیان ہے کہ سیدنا علیؓ اور بنو ہاشم اور سیدنا زبیرؓ نے چھ ماہ تک ابوبکرؓ کی بیعت نہ کی۔ پس سیدہ فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ان حضرات نے ابوبکرؓ کی بیعت کی۔

(ابن اثیر جلد 2 ص 331)

طبری نے بھی لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ اور بنو ہاشم نے چھ ماہ تک سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ (طبری جلد 2 ص 248)

ایسا ہی السنن الکبریٰ بیہقی جلد 2 ص 300، مسند ابی عوانہ جلد 4 ص 146، انساب الاشراف جلد 1 ص 586، بخاری جلد 2 ص 609 اور مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔

لیکن ان سب روایات کی اسناد کو دیکھا جائے تو وہی ابن شہاب زہری آپ کو نظر آئیں گے۔ ان حضرات نے احادیث رسول اور واقعات تاریخ میں ادراج کر کے اہل سنت کی کتابوں میں شیعیت داخل کر دی ہے، چنانچہ فدک، حواب کے کتوں کا بھونکنا، سیدنا فاطمہؓ کا سیدنا ابوبکرؓ سے اپنی وفات تک کلام نہ کرنا، عدم اطلاع وفات فاطمہؓ، عبداللہ بن عثمانؓ جو سیدہ رقیہ کے بطن سے تھے ان کا بچپن میں انتقال کرنا ان سب واقعات میں آپ کو ابن شہاب زہری سند میں ضرور ملے گا۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں اگرچہ ہر محدث نے ان کے علم کی تعریف کی ہے' لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی اکثر روایات مرسل ہیں۔ یہ تدلیس بہت کرتا ہے' گویا کہ ابن شہاب زہری ارسال و تدلیس کا امام ہے۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد 11 ص 327' تذکرۃ الحفاظ جلد 1 ص 109' میزان الاعتدال جلد 4 ص 40 وغیرہ)

مرسل اور مدلس احادیث کو محدثین کرام نے ضعیف احادیث میں شمار کیا ہے اور ضعیف حدیث کی تعریف یہ ہے کہ:

لا یجتمع فیه صفات الصحیح ولا صفات الحسن

"ضعیف حدیث وہ ہے جس میں حدیث صحیح اور حسن کی صفات نہ پائی جائیں۔" (التدریب ص 59)

معلوم ہوا کہ مرسل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اتصال نہیں ہوتا۔ حدیث مرسل دین میں حجت نہیں ہوتی۔ محدثین کی آخری اور حتمی رائے یہی ہے چنانچہ امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم کے مقدمہ میں فرمایا ہے:

"امام شافعیؒ' جمہور محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے۔" (مقدمہ صحیح مسلم ص 17)

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مراسیل صحابہ ضعیف نہیں ہیں' اس لیے کہ جو صحابی روایت کرتا ہے اس نے وہ حدیث براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی بلکہ کسی اور صحابی سے سنی اور اس صحابی نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ اس وجہ سے سند حدیث سے ایک صحابی کے ساقط ہو جانے سے حدیث کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ جس طرح صحابی کے مجہول الحال ہونے سے حدیث کی صحت بدستور قائم رہتی ہے' اس لیے کہ صحابی ہونے کے اعتبار سے جو شرف و عظمت اس کو حاصل ہے وہ اس کی تعدیل کے لیے کافی ہے۔ التدریب ص 71)

امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں لکھا ہے:

"مرسلات صحابہ کا معاملہ اور وہ ایسی روایات ہیں جن کا زمانہ اس راوی نے نہ

Marfat.com

پایا ہو یا اگر زمانہ پایا ہو تو اس مجلس میں اس نے حاضری نہ پائی ہو۔ امام شافعیؒ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مرسل روایات حجت ہیں۔ البتہ امام ابو اسحاق اسفرائنی کہتے ہیں کہ اس قسم کی روایت سے استناد صحیح نہیں' لیکن اگر وہ کہے کہ وہ صحابی' صحابی کے علاوہ کسی اور سے روایت نہیں لیتا تو پھر اس روایت کو ان کے نزدیک بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ مرسلات صحابہ علی الاطلاق حجت ہیں۔ (مقدمہ شرح مسلم ص 17)

اسی طرح امام نووی ایک حدیث کی بحث میں فرماتے ہیں:

هذا الحديث من مراسيل الصحابة وهو حجة عند الجماهير

"یہ حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے اور وہ جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے۔" (نووی شرح مسلم جلد 2 ص 284)

خلاصہ یہ کہ مرسل روایات معتبر اور قابل حجت نہیں۔ صحابہؓ کی مرسلات جو جمہور علماء کے نزدیک قابل استناد ہیں وہ صرف اور صرف صحابہ کرامؓ کی عظمت و شرف کی وجہ سے ہیں کہ صحابہؓ قابل اعتماد اور عادل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فتنہ سے قبل صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں سند کے بارہ میں بھی نہیں پوچھا جاتا تھا۔ (صحیح مسلم جلد 1 ص 11)

مثال کے طور پر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی اکثر روایات مرسل ہیں' کیونکہ عہد نبوت میں وہ بچے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر 13 سال سے زیادہ نہ تھی۔ (التوضیح جلد 1 ص 291)

جب مرسل احادیث محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہیں تو مدلس تو بدرجہ اولی حجت نہ ہوں گی۔ اس لیے کہ تدلیس ارسال سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اسی وجہ سے امام شعبہ فرماتے ہیں:

"میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح دیتا ہوں۔"

(التوضیح جلد1 ص 366)

مزید فرمایا:

"تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے۔" (الباعث الحثیث ص 58)

Marfat.com

اسی وجہ سے امام شافعیؒ ہر اس راوی کی حدیث رد کر دیتے تھے جو ایک دفعہ بھی تدلیس کا مرتکب ہوتا تھا۔ (اختصار علوم الحدیث ص 58)

علمائے حدیث کے نزدیک تدلیس کئی قسم کی ہے مثلاً تدلیس الاسناد' تدلیس الشیوخ' تدلیس العطف' تدلیس السکوت اور تدلیس تسویہ وغیرہ لیکن تدلیس کسی قسم کی بھی ہو علمائے حدیث کے نزدیک بری چیز ہے۔ اسی وجہ سے محدثین کرامؒ نے محمد بن اسحاق کو اگرچہ وہ تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے' قابل حجت نہیں سمجھا۔ ائمہ جرح و تعدیل کی اکثریت اس کی روایت کو حجت نہیں سمجھتے۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد 9 ص 41 ' ص 45 ' ص 44 ' جلد 2 ص 306' تذکرۃ الحفاظ جلد 1 ص 163 ' زاد المعاد جلد 1 ص 143 ' فتح المغیث ص 120 ' کتاب الاسماء و الصفات ص 297)

ابن شہاب زہری میں تدلیس و ارسال کے علاوہ ایک خرابی یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات روایات کی وضاحت کے لیے از خود تفسیر کر دیتے ہیں۔ اس طریقہ سے روایت کے اصل الفاظ اور تفسیری الفاظ میں فرق نہیں ہو سکتا بلکہ نفس الامر میں اختلاط ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال کے لیے ملاحظہ ہو بخاری جلد 2 ص 992 کی روایت لانورث ما ترکنا صدقہ۔

چنانچہ امام ربیع بن عبدالرحمٰن زہری کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب آپ لوگوں کو روایت بیان کریں تو اپنی رائے اور روایت میں فرق رکھا کریں تاکہ لوگوں کو آپ کی رائے اور روایت میں فرق معلوم ہو سکے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام ذہبی جلد 5 ص 248)

ابن شہاب زہری کے بارہ میں پیر قمر الدین مرحوم اپنی ایک کتاب میں فرماتے ہیں:

"اہل سنت و الجماعت پر اعتراض کرنے سے پہلے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے متعلق واقفیت ضروری ہے۔ ذاکرین اہل تشیع جب اپنے اصول مذہب سے ناواقف ہیں تو اہل سنت والجماعت کے اصول کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔ میاں! اہل سنت والجماعت کے مذہب کا اصل الاصول یہ ہے کہ حدیث کی صحت یا ضعف راوی کی صحت یا ضعف پر موقوف ہے۔ اگر حدیث کا راوی صحیح العقیدہ' سچا' صحیح حافظہ والا ہے تو اس کی روایت کو صحیح مانا جائے گا ورنہ وہ

روایت ضعیف کہلائے گی۔ اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف روایت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں۔ اور یہ ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔ تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل سنت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر و فکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل سنت کے لیے قابل توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی اس میں کیا فرق تھا؟'' (مذہب شیعہ ص 93 'لاہور)

انہی ابن شہاب زہری نے یہ بات چلائی کہ سیدنا علیؓ بن ابی طالب نے چھ ماہ تک یعنی سیدہ فاطمہؓ کی وفات تک خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بیعت نہیں کی۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے اور اس میں صداقت کا شمہ تک نہیں۔

یہ درست ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا صدیق اکبرؓ کی جو بیعت کی گئی جس کو ''بیعت خاصہ'' کہتے ہیں اس میں نہ تو سیدنا علیؓ شامل تھے اور نہ ہی سیدنا عباسؓ موجود تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو بھی لوگ زبردستی لے کر گئے لیکن دوسرے روز مسجد نبوی میں جو بیعت عامہ ہوئی اس میں سیدنا علیؓ اور تمام افراد بنو ہاشم موجود تھے اور سیدنا علیؓ نے بلا توقف سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ '' پھر مسجد نبوی میں سیدنا ابوبکرؓ تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد حاضرین کو دیکھا تو زبیر بن عوامؓ نظر نہ آئے۔ آپ نے انہیں بلا بھیجا۔ ان کے آنے کے بعد فرمایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہیں۔ کیا مسلمانوں کے اتفاق کی لٹھ کو توڑنا چاہتے ہیں؟ سیدنا زبیرؓ نے جواب میں کہا '' اے خلیفہ رسول! مجھ پر کوئی الزام نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ میں آپ کے ساتھ متفق ہوں پس یہ اٹھے اور ابوبکرؓ کی بیعت کرلی۔ (قام فبایعہ)

سیدنا ابوبکر نے پھر لوگوں کی طرف دیکھا تو وہاں سیدنا علیؓ بن ابی طالبؓ کو موجود نہ پایا۔ آپ نے انہیں بلوایا۔ سیدنا علیؓ کے آنے پر آپ نے انہیں کہا: '' آپ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں آپ مسلمانوں کے اتحاد کی لٹھ کو توڑنا چاہتے ہیں۔ سیدنا علیؓ نے جواب دیا "اے خلیفہ رسول! مجھ پر کوئی الزام نہیں۔ پھر سیدنا علیؓ نے ان کی بیعت کی۔ (فبایعہ)

(البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 249 ' جلد 6 ص 304 ' السنن الکبریٰ جلد 8 ص 143)

یہ روایت نقل کر کے علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

وهذا اسناد صحيح محفوظ من حديث ابى نضرة المنذر بن مالک بن قطعة عن ابى سعيد سعد بن مالک بن سنان الحذر و فيه فائدة جليلة وهى مبايعة على بن ابى طالب امّا فى اوّل يوم او فى اليوم الثانى من الوفاة و هذا حق۔

"یہ اسناد صحیح اور محفوظ ہیں --- اور اس سے بڑی مفید چیز ثابت ہوئی وہ یہ کہ سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلے روز یا دوسرے روز سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت کرلی۔ اور یہی بات حق ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 249)

سیدنا علیؓ نے خلافت صدیق میں جو عملی حصہ لیا وہ بھی اس بات پر دلیل قاطع ہے کہ انہیں سیدنا ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ آپ نے صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا اور کسی موقع پر بھی ان سے علیحدگی اختیار نہیں فرمائی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

فان على بن ابى طالب لم يفارق الصديق فى وقت من الاوقات ولم ينقطع فى صلوٰة من الصلوات خلفه كما سنذكره و خرج معه الى ذى القصة لمّا خرج الصديق شاهراً سيفه يريد قتال اهل الردة۔

"بیشک سیدنا علیؓ سیدنا صدیقؓ سے کسی وقت بھی جدا نہ ہوئے اور نہ ہی کسی ایک نماز میں ان سے پیچھے رہے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ اور سیدنا علیؓ سیدنا صدیق اکبرؓ کے ساتھ اس وقت بھی نکلے جب وہ مرتدین سے قتال

Marfat.com

کے لیے تیغ برہنہ لے کر ذی القصہ کے مقام کی طرف گئے۔
(البدایہ والنہایہ جلد 5 ص 249)

ایسا ہی امام حاکم نے مستدرک جلد 3 ص 76 میں اور صاحب کنزالعمال نے جلد 3 ص 11 پر نقل کیا ہے۔

ابن جریر طبری نے بھی حبیب بن ابی ثابت سے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ اپنے گھر میں تھے کہ انہیں پتہ چلا:

قد جلس ابوبکر للبيعة فخرج فی قميص ما عليه ازار ولا رداء عجلاً كراهيةً ان يبطى عنها حتى بايعه ثم جلس اليهٖ و بعث الى ثوبه فاتاه فتخلله و لزم مجلسه

"ابو بکر بیعت خلافت کے لیے مسجد میں ہیں تو سیدنا علیؓ اپنے گھر سے اس تیزی اور عجلت سے باہر نکلے کہ آپ کے پاس نہ ازار تھا اور نہ چادر۔ اور یہ جلدی اس وجہ سے کی کہ کہیں بیعت میں دیر نہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ آپ نے سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت کی اور ان کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ اور وہاں سے آدمی بھیج کر اپنی چادر منگوائی اور اس مجلس میں شامل رہے۔ (طبری جلد 2 ص 447)

علامہ بلاذری نے بھی اس بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کی بیعت کر لی تو علیؓ اور زبیرؓ بیعت سے الگ رہے اور بیعت کرنے نہ آئے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے ان کی طرف سیدنا عمرؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ کو بھیجا۔ وہ دونوں سیدنا علیؓ کے گھر پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ سیدنا زبیرؓ نے دروازہ کے سوراخ میں سے دیکھا اور پھر سیدنا علیؓ کی طرف لوٹے اور کہا کہ یہ دونوں حضرات اہل جنت میں سے ہیں۔ ان سے ہمارا جھگڑا کرنا درست نہیں۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا ان کے لیے دروازہ کھول دو۔ پھر یہ دونوں حضرات باہر نکلے اور ان کے ساتھ ابوبکرؓ کے پاس آئے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے کہا کہ اے علیؓ! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ اس معاملہ میں اپنے آپ کو زیادہ حق دار خیال کرتے ہیں یا میں زیادہ مستحق ہوں۔

سیدنا علیؓ نے کہا:

لا تثريب يا خليفة رسول الله! ابسط يدك ابايعک فبسط

یده فبایعه۔

"اے خلیفہ رسول! کوئی سرزنش نہیں ہونی چاہیے۔ آپ ہاتھ پھیلائیں میں بیعت کرتا ہوں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ نے ہاتھ پھیلایا اور سیدنا علیؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔"

اسی طرح سیدنا زبیرؓ سے بھی کہا گیا۔ انہوں نے بھی کہا کہ اے خلیفہ رسول! ملامت نہ کیجئے' ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھایا اور سیدنا زبیرؓ نے بیعت کی۔ (انساب الاشراف جلد 1 ص 585 ' مصر)

سیدنا علیؓ نہایت ذہین' فطین اور صاحب علم اصحاب میں سے تھے' لہذا کوئی وجہ نہیں کہ وہ سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت نہ کرتے' کیونکہ وہ سیدنا ابوبکرؓ کے مرتبہ اور مقام سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ابن شہاب زہری جن حضرات (یعنی سیدنا علیؓ اور سیدنا زبیر بن عوامؓ) کے بارہ میں یہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے چھ ماہ بعد ابوبکر صدیق کی بیعت کی' کتابوں میں صاف الفاظ میں ان کا یہ اعتراف منقول ہے کہ:

وانّا نریٰ ان ابابکر احق الناس بھا انه صاحب الغار و ثانی اثنین و انا لنعرف شرفه ' وخیره ولقدامره رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالصلوٰة بالناس وھی حیّ ' اسناده جید

"بے شک ہم ابوبکرؓ کو سب لوگوں سے زیادہ خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں، کیونکہ یہ حضور علیہ والصلواۃ والسلام کے غار کے ساتھی ہیں اور ثانی اثنین ہیں۔ ہم ان کی شرافت اور بزرگی کا بدل و جان اعتراف کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں انہیں لوگوں کی نماز کا امام مقرر فرمایا تھا۔

اس روایت کی سند عمدہ اور جید ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۵۰ ، جلد ۶ ص ۳۰۲ ، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۶، السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۲۵۱)

شیعہ مصنف ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا زبیرؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی فضیلت اور عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

وانا لنرىٰ ابا بكر احق الناس بها، انه صاحب الغار و انا لنعرف له سنه ولقد امره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالصلواة وهو حى،

"ہم ابو بکرؓ کو سب لوگوں سے زیادہ خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں۔ ہم ان کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں اور بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی اس دنیوی زندگی میں لوگوں کی نماز کا امام مقرر فرمایا تھا۔" (ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۵۰)

بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا زبیرؓ نے سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت سے اس لیے اعراض برتا کہ انہیں اس بات کا غصہ تھا کہ جب سیدنا ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا اس وقت ہم سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ چنانچہ امام حاکم نے مستدرک میں، علامہ ابن کثیر اور ابن ابی الحدید نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے۔

ماغضبنا الا لانا اخرنا عن المشورة

"ہمیں شکر رنجی اور غصہ اس بات کا ہے کہ ہمیں مشورہ میں موخر کر دیا گیا یعنی اس بارہ میں ہم سے مشورہ نہیں لیا گیا۔"

ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۵۰)

ان دونوں حضرات کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کن حالات میں ہوئی لہذا یہ دونوں حضرات یہ اعتراض تو نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر اس اعتراض کو صحیح بھی مان لیا جائے تو شکر رنجی ہونا اور بات ہے اور کسی کی فضیلت اور عظمت کا اعتراف اور بات۔ پھر گلہ بھی اپنوں ہی سے ہوتا ہے، غیروں اور بے گانوں سے کوئی گلہ نہیں کرتا۔ اگر ان حضرات نے مشورہ نہ کرنے کا شکوہ کیا تو یہ ان کی سیدنا صدیقؓ سے کمال محبت کی دلیل ہے، نفرت اور غیریت کی دلیل نہیں۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے دوسرے روز مسجد نبوی میں سیدنا ابو بکرؓ کے لئے جو بیعت عامہ ہوئی۔ سیدنا علیؓ، سیدنا زبیر بن عوامؓ، سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب اور دیگر بنو ہاشم نے اس روز سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کر لی تھی۔ چھ ماہ بعد بیعت کرنے والی روایت منقطع بھی ہے اور ابن شہاب زہری کی صرف اپنی رائے ہے جو

Marfat.com

کہ ان کی شیعی فکر کی غمازی کرتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وقد صحح ابن حبان وغیرہ من حدیث ابی سعید الخدری وغیرہ ان علیا بایع ابا بکر فی اول الامر ما وقع فی مسلم عن الزهری ان رجلا قال له لم یبایع علی ابا بکر حتی ماتت فاطمة، قال لا ولا احد من بنی هاشم فقد ضعفه البیهقی بان الزهری لم یسنده و ان الروایة الموصولة اصح۔

"ابن حبان اور دوسرے علماء نے سیدنا ابو سعید خدریؓ وغیرہ سے مروی حدیث کی تصحیح کی ہے کہ سیدنا علیؓ نے پہلے ہی روز سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت کرلی تھی۔ اور یہ جو مسلم میں آتا ہے کہ کسی شخص نے ابن شہاب زہری سے پوچھا کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی وفات فاطمہ تک بیعت نہیں کی تھی اور نہ ہی بنی ہاشم میں سے کسی اور نے۔ زہری کے اس قول کو بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ زہری کا یہ قول متصل نہیں ہے اور سیدنا ابو سعید خدریؓ کی روایت متصل ہے، لہٰذا وہ زیادہ صحیح ہے۔"

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۹، ارشاد الساری جلد ۸ ص ۱۵۸)

(علامہ بیہقی جن کا علامہ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے زہری کے قول کو ضعیف کہا ہے، اس کے لیے ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ جلد ۶ ص ۳۰۰)

یہ تو ایک عام فہم سی بات ہے کہ زہری تابعی ہے اور سیدنا ابو سعید خدریؓ ایک جلیل القدر صحابی۔ زہری کی روایت غیر موصول اور منقطع نیز اس میں ادراج راوی اور سیدنا ابو سعید خدریؓ کی روایت متصل اور مستند، پھر ابو سعید خدریؓ کی روایت کے مقابلہ میں زہری کے قول کو کوئی "یتیم فی العلم" ہی قبول کرسکتا ہے۔

سیدہ فاطمہ کے گھر جلانے کی روایت

بعض حضرات نے اس بارہ میں ایک اور روایت نقل کی ہے اور شیعہ حضرات اس روایت کو سیدنا عمر فاروقؓ کے خلاف بہت اچھالتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب سیدنا ابوبکرؓ کی

Marfat.com

بیعت عامہ ہوئی تو سیدنا زبیرؓ، سیدنا علیؓ اور دوسرے کئی مہاجرین نے ان کی بیعت نہ کی، اور سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کے خلاف سیدہ فاطمہؓ کے گھر میں مشورے ہونے لگے۔ سیدنا عمرؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے سیدہ فاطمہؓ کو اس بات کی دھمکی دی کہ اے فاطمہؓ تو رسولؐ کی صاحبزادی ہے اور ہمیں تم سے بہت محبت ہے لیکن اگر تیرے گھر میں اس قسم کے مشورے ہوتے رہے تو میں تمہارے گھر کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔ ابن ابی الحدید اور دیگر شیعی فکر کے حضرات شیعہ ہیں، کذاب ہیں اور روایات گھڑنے میں لاجواب ہیں، لہذا یہ تمام روایات ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ بیعت صدیق اکبرؓ میں سیدنا علیؓ اور دیگر بنو ہاشم کا کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں جو فیصلہ پہلے روز ہو گیا اس کو انصار اور مہاجرین دونوں نے بخوشی قبول کیا، اور وہ سیدنا ابو بکرؓ سے زیادہ اور کسی شخص کو امر خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، لہذا انہوں نے سیدنا ابو بکرؓ کے ہاتھ پر فوری طور پر بیعت کر لی۔ سیدہ فاطمہؓ کے گھر میں مہاجرین کے اجتماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے بارہ میں سیدنا علیؓ کی بھی وہی رائے تھی جو سیدنا فاروق اعظمؓ کی تھی۔ چنانچہ حسن بصری نے سیدنا علیؓ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

فلما قبض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، نظرت فاذا الصلوٰۃ علم الاسلام و قوام الدین فرضینا لدنیانا من رضی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لدیننا، فبایعنا ابا بکر

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو میں نے غور و فکر کیا کہ نماز اسلام کا علم ہے اور دین کے قیام کا ذریعہ ہے، لہذا دین کے اہم کام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو ہمارے لیے پسند فرمایا ہم نے اپنی دنیا (امور خلافت) کے لیے بھی اسی شخص کو پسند کیا۔ چنانچہ ہم نے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"
(الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۴۲، تذکرہ ابو بکرؓ)

ایک اور موقع پر جب کسی نے آپ سے پوچھا کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کو چھوڑ کر سیدنا ابو بکرؓ کو خلیفہ کیوں مقرر کر لیا۔ تو سیدنا علیؓ نے جواب میں فرمایا:

Marfat.com

"اس وجہ سے کہ ابوبکرؓ چار چیزوں میں مجھ سے سبقت لے گئے ہیں۔ ایک غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت، دوسرے ہجرت میں تقدم اور معیت، تیسرے میں کم سنی میں ایمان لایا جب کہ صدیق اکبرؓ عمر رسیدہ ہو کر ایمان لائے اور چوتھے یہ کہ اقامت صلواۃ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا نائب اور جانشین مقرر فرمایا۔"

(فضائل ابوبکر الصدیق لابی طالب العشاری ص ۴)

جنگ جمل کے موقع پر سیدنا علیؓ نے کچھ لوگوں کو فرمایا:

قال فبایعتم ابابکر و عدلتم عنی فبایعت ابابکر کمابایعتموه وکرهت ان اشق عصا المسلمین و ان افرق جماعتهم

"سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ تم نے ابوبکرؓ کی بیعت کی اور مجھ سے اعراض کیا۔ پس میں نے بھی ابوبکرؓ کی اس طرح بیعت کی جس طرح تم نے ان کی بیعت کی اور میں نے مسلمانوں کے اتفاق کی لاٹھی توڑنے کو ناپسند کیا اور ان کی جماعت میں تفریق ڈالنے کو مکروہ جانا۔" (امالی شیخ طوسی جلد ۲ ص ۱۲۱، عراق)

اسی شے کو سیدنا علیؓ نے عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرۃ کی عیادت کے موقع پر ان سے فرمایا تھا کہ:

توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم فبایع الناس ابا بکر فبایعت ورضیت ثم توفی ابو بکر فاستخلف عمر فبایعت و رضیت ثم توفی عمر فجعلها شوریٰ فبایعوا عثمان فبایعت ورضیت۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو سب لوگوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کی۔ پس میں نے بھی ان کی بیعت کی اور اس پر رضا مند ہوا۔ پھر ابوبکر کا انتقال ہوا اور عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ پس میں نے برضا و رغبت ان کی بھی بیعت کی۔ پھر عمرؓ کا انتقال ہوا اور انہوں نے شوریٰ قائم کی، پس لوگوں نے عثمانؓ کی بیعت کی اور میں نے بھی خوشدلی اور رضا مندی سے عثمانؓ کی بیعت

Marfat.com

کی۔" (فضائل ابی بکر الصدیق طالب العشاری ص ۵)

غرض یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدنا صدیقؓ اکبر خلیفہ رسولؐ منتخب ہوئے تو سیدنا علیؓ نے نہایت خوشدلی اور برضاورغبت ان کے ہاتھ پر بیعت کی، لہذا سیدنا فاروق اعظمؓ کا سیدہ فاطمہؓ کے گھر جا کر ان کے گھر کو جلا دینے کی دھمکی دینا بالکل غلط ہے اور وہ تمام روایات جن میں یہ آتا ہے سنداً منقطع اور متناً منکر ہیں۔ چنانچہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے ان روایات کے بارے میں لکھا ہے۔

قلنا كذب محض (نبراس شرح عقائد نسفی ص ۵۲۹)

"ہم کہتے ہیں کہ یہ کذب محض ہے۔"

مشہور شیعہ مورخ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے

اما ما ذكره من الهجوم على دار فاطمة وجمع الحطب للتحريقها خبر واحد غير موثوق به لامعول عليه فى حق الصحابة بل ولا فى حق احد من المسلمين ممن ظهرت عدالته

"سیدہ فاطمہؓ کے گھر پر لوگوں کا ہجوم کر کے آنا اور اس کو جلانے کے لیے لکڑیوں کا اکٹھا کرنا وغیرہ خبر واحد ہے۔ یہ روایت نہ ہی قابل اعتبار ہے اور نہ ہی قابل اعتماد۔ صحابہ کرامؓ کے حق میں یہ شی جائز نہیں بلکہ دیانت اور امانت رکھنے والے عام مسلمانوں کے حق میں بھی یہ بات جائز نہیں۔"

(ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۶۳۱)

سیدنا ابوبکرؓ کے سیدنا علیؓ سے تعلقات

گزشتہ صفحات میں ہم نے سیدنا علیؓ کی بیعت کے بارہ میں جو بحث کی ہے اس سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا ابوبکرؓ کے تعلقات میں کوئی پرخاش نہیں تھی۔ وہ دونوں ایک اللہ کے ماننے والے، ایک رسول کے صحابی اور مسلمانوں کے ایک کنبہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ سیدنا علیؓ کے ہر لحاظ سے بزرگ تھے، لہذا انہوں نے ہر موقع پر سیدنا علیؓ سے اپنی بزرگانہ شان کا مظاہر کیا اور اس کے مقابلہ

Marfat.com

میں ہر موقع پر سیدنا علیؓ نے سیدنا ابوبکرؓ سے جو معاملہ کیا اس میں انہوں نے سیدنا ابوبکرؓ کی بزرگانہ شان کا لحاظ رکھا اور اپنے چھوٹا ہونے کی حد سے کبھی تجاوز نہیں کیا۔ جو لوگ ان دونوں حضرات کو ایک دوسرے کا مدمقابل اور ہم سر بتاتے اور ظاہر کرتے ہیں وہ ان دونوں کے مقام سے نا آشنا اور ناواقف ہیں۔

سیدنا ابوبکرؓ کی یہی بزرگانہ شان تھی جس کے تحت انہوں نے سیدنا علیؓ کو سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری پر آمادہ کیا تھا تاکہ آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ مصاہرت قائم ہو جائے۔ چنانچہ شیعہ حضرات نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو یہ کہتے سنا کہ

اتانی ابو بکر و عمر فقالا لواتیت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت له فاطمة

"میرے پاس ابوبکرؓ اور عمرؓ آئے اور کہنے لگے کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کے لئے تشریف لے جاتے۔ (الامالی شیخ طوسی جلد ا ص ۳۸)

ملا باقر مجلسی نے اس چیز کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"پس ابو بکر با عمر و سعد بن معاذ گفت کہ برخیزید بنزد علی برویم و اورا تکلیف نمائیم کہ خواستگاری فاطمہ بکند و اگر تنگدستی اورا مانع شدہ باشد ما اورا دریں باب مدد کنیم"

"پس ابوبکرؓ نے عمرؓ اور سعد بن معاذؓ سے فرمایا کہ اٹھو علیؓ کے پاس چلیں اور اس کو سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کے لیے آمادہ کریں اور اگر اس کی تنگدستی اور قلاشی اس معاملہ میں مانع ہو تو اس کی مدد کریں۔"

یہ حضرات جب سیدنا علی کے گھر گئے تو پتہ چلا کہ علیؓ تو گھر پر موجود نہیں ہیں بلکہ ایک انصاری کے باغ میں اجرت پر آب کشی کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ یہ حضرات اس باغ میں گئے۔ سیدنا علیؓ نے پوچھا، کیسے آنا ہوا؟ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا، آپ اچھے خصائل میں دوسروں سے بڑھ کر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نسبی رشتہ بھی نہایت قریب تر ہے۔ رسول کی ہم نشینی بھی آپ کو حاصل ہے۔

پس چہ امر مانع است ترا کہ خواستگاری نمی نمائی اورا؟

پس آپ کو کون سا امر مانع ہے کہ آپ سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری نہیں کررہے؟ (جلاء العیون ص ۱۲۰)

تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدہ فاطمہؓ کا سارا جہیز سیدنا ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جا کر خریدا، اور نکاح فاطمہؓ کے وقت سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ، وغیرہ کو اس نکاح کا گواہ بنایا گیا۔

(کشف الغمہ جلد ۱ ص ۴۷۱، بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۳۷)

اس واقعہ سے قبل جب سیدنا علیؓ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسدؓ کا انتقال ہوا تو قبر کھودنے والوں میں سیدنا عمر بن الخطابؓ بھی تھے اور ان کو قبر میں اتارنے والے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب اور سیدنا ابو بکر صدیقؓ تھے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۵۶ ـ ۲۵۷)

سیدنا ابوبکرؓ کے ان نیک خصائل کی وجہ سے سیدنا علیؓ کے سامنے کبھی ان کا تذکرہ ہوتا تو فرماتے:

السباق یذکرون، السباق یذکرون، والذی نفسی بیده
ماسبقنا الی خیر قط الا سبقنا الیه ا بوبکر

"بہت سبقت لے جانے والے کا ذکر ہو رہا ہے، بہت سبقت لے جانے والے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ہم نے جب بھی کسی نیکی اور خیر کے کام کی طرف سبقت کرنے کا ارادہ کیا تو ابوبکرؓ ہی ہم سے اس معاملہ میں سبقت لے گئے۔"

(کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۸)

اور ایسا ہوتا بھی کیوں نا؟ اس لیے کہ جب کسی کا دل اسلام کی طرف مائل نہ تھا، ابو بکرؓ نے اس وقت اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔ جب اسلام کا نام لینا مکہ میں جرم سمجھا جاتا تھا، ابو بکرؓ اس وقت اسلام کا پرچار کررہے تھے۔ اور جب کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں دے رہا تھا، ابو بکرؓ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گلی گلی اور قریہ

Marfat.com

قریہ پھر رہے تھے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ خود فرماتے ہیں۔

اول امن اسلم من الرجال ابوبکرؓ

''مردوں میں سے جس نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہوا وہ سیدنا ابوبکرؓ تھے۔''

(تاریخ الخلفاء ص ۳۴۔ ۷۷ البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۷)

پھر سیدنا ابوبکرؓ تمام صحابہؓ اور سیدنا علیؓ کے بیان کے مطابق بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق تمام صحابہ کرامؓ میں بہتر اور افضل سمجھے جاتے تھے چنانچہ سیدنا علیؓ بن ابی طالب کے صاحبزادے سیدنا محمد بن الحنفیہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ابا سیدنا علیؓ سے پوچھا:

ای الناس خیر بعد النبی صلی الله علیه وسلم؟ قال ابو بکر، قال قلت ثم من؟ قال عمرؓ۔ وخشیت ان یقول عثمان، قلت ثم انت؟ قال ما انا الا رجل من المسلمین

'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سے سب سے بہتر کون شخص ہے؟ سیدنا علیؓ نے جواب میں فرمایا، ابوبکرؓ سب سے بہتر ہیں۔ میں نے پھر کہا، ان کے بعد کون ہے؟ فرمایا عمرؓ، مجھے گمان ہوا کہ آپ عمرؓ کے بعد عثمانؓ کا نام لیں گے، لہذا میں نے خود پوچھا کہ پھر آپ؟ آپ نے (کسر نفسی کے طور پر) فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام مسلمان ہوں۔''

(بخاری جلد ا ص ۵۱۸، ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۸۸)

سیدنا علیؓ کے ایک شاگرد عبد خیر نے فرمایا کہ ایک روز سیدنا علیؓ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر وعمر

'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس امت میں سب سے بہتر سیدنا ابوبکرؓ ہیں اور پھر سیدنا عمرؓ۔'' (مسند احمد جلد ا ص ۱۱۵)

ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے خطبہ دیا۔ دوران خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

الا اخبر کم بخیر هذه الامة بعد نبیها ابو بکر الصدیق

"سن لو میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر شخص کے بارہ میں بتاتا ہوں، وہ ابو بکر الصدیق ہیں۔"

(مسند احمد جلد ا ص ۱۱۰، ۱۲۷، ۱۰۶)

سیدنا علیؓ سے اس بارہ میں اتنی روایات مختلف کتابوں میں مروی ہیں کہ علامہ جلال الدین السیوطی نے اس بارہ میں علامہ ذہبی کا ایک قول فرمایا ہے:

اخرج احمد وغیره عن علی قال خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر و عمر قال الذهبی هذا متواتر عن علیؓ

"امام احمد وغیرہ نے سیدنا علیؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں یہ بات سیدنا علیؓ سے تواتر سے منقول ہے۔" (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۵)

بعض شیعہ علماء نے سیدنا علیؓ کے بیعت کرنے کا تذکرہ تو اپنی کتابوں میں کیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا:

بایع مکرهاً حیث لم یجد اعواناً

"سیدنا علیؓ نے سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت تو کی لیکن بامر مجبوری جب کہ آپ نے اپنا کوئی ساتھی نہ پایا۔"

(الروضۃ من الکافی جلد ۲ ص ۱۷۹، تہران)

لیکن شیعہ محققین نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا بلکہ لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے خوشی اور مسرت کے ساتھ سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کی تھی۔

(ملاحظہ ہو کتاب الشافی للسید مرتضی ص ۲۰۹، فرق الشیعہ ص ۴۲، عراق)

بلکہ سیدنا علیؓ خود فرماتے ہیں:

فنظرت فی امری فاذا طاعتی سبقت بیعتی و اذا المیثاق فی عنقی لغیری

"پس میں نے اپنے معاملہ خلافت میں غور وفکر کیا تو اس مسئلہ میں میرا تابعداری کرنا میرے بیعت کرنے سے سبقت کر چکا تھا۔ اور میرے غیر یعنی

Marfat.com

ابوبکرؓ کے حق میں میری گردن میں عہدو پیمان لازم ہو چکا تھا۔"

(نہج البلاغہ جلد ا ص ۸۹، خطبہ ص ۳۶)

اسی خوش دلانہ بیعت کا نتیجہ تھا کہ سیدنا علیؓ پانچ وقت سیدنا ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اگر انہیں سیدنا ابو بکرؓ سے کوئی اختلاف ہوتا یا انہوں نے بامر مجبوری ابو بکرؓ کی بیعت کی ہوتی تو وہ کبھی بھی ان کے پیچھے نماز نہ پڑھتے۔ جب آج ایک شیعہ ایک سنی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تو سیدنا علیؓ سیدنا ابو بکرؓ کے پیچھے کیسے نمازیں پڑھ سکتے تھے؟ چنانچہ لکھا ہے:

قام و تهيأ للصلواة و حضر المسجد و صلى خلف ابى بكر

"سیدنا علیؓ کھڑے ہوئے اور نماز کی تیاری کی اور مسجد میں جا کر ابو بکرؓ کے پیچھے نماز ادا کی۔" (احتجاج طبرسی ص ۵۳، تہران)

سلیم بن قیس الہلالی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "سیدنا علیؓ پانچوں وقت کی نماز مسجد نبوی میں ادا فرماتے تھے۔" (کتاب سلیم بن قیس ص ۲۲۴)

سیدنا علیؓ سیدنا ابو بکرؓ جیسی عظیم ہستی کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہ کرتے اور ان کے پیچھے نمازیں کیوں نہ پڑھتے جب کہ وہ ان کو اسلام میں اعلیٰ شان کا حامل سمجھتے تھے۔ چنانہ علامہ ابن میثم البحرانی نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے ایک خط سیدنا معاویہؓ کو لکھا جس میں فرمایا:

وكان افضلهم فى الاسلام كما زعمت و انصحهم لله ولرسوله الخليفة الصديق و خليفة الخليفة الفاروق و لعمرى ان مكانهما فى الاسلام لعظيم و ان المصاب بهما لجرح فى الاسلام شديد يرحمهما الله جزاهما باحسن ماعملا

"اور اسلام میں سب لوگوں سے افضل جیسا کہ تو نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سب سے زیادہ اخلاص رکھنے والے خلیفہ ابوبکر صدیقؓ تھے اور پھر اس خلیفہ کے خلیفہ عمر الفاروقؓ تھے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم ان دونوں کا اسلام میں

Marfat.com

بہت بڑا مقام ہے اور ان کی موت کی مصیبت اسلام کے لیے ایک بہت بڑا زخم تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمتیں فرمائے اور ان کے اعمال کی ان کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔" (شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد۴ ص ۳۶۲، تہران)

ابن اثیر الجزری نے اپنی کتاب میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمر الفاروقؓ کا سیدنا علیؓ کے دل میں کتنا احترام اور مقام تھا۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

ان اللہ جعل ابابکر و عمر حجة علی من بعدھما من الولاة الیٰ یوم القیمة فسبقنا واللہ سبقا بعیداً و اتعبا و اللہ من بعدھما اتعاباً شد یداً

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو حجتہ اور دلیل بنا دیا، بخدا یہ دونوں حضرات سب پر سبقت لے گئے اور بخدا ان دونوں نے بعد میں آنے والوں کو (اخلاص وتقویٰ) کے لحاظ سے مشقت اور مصیبت میں ڈال دیا۔"

(اسدالغابہ جلد۴ ص ۶۸، تہران)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

کانا امامی ھدی راشدین مصلحین منجحین خرجا من الدنیا خمیصین

"(سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) دونوں حضرات ہدایت کے امام تھے، دونوں راشد تھے، اصلاح کرنے والے تھے، نیک مقاصد میں کامیاب و کامران تھے، وہ دونوں اس دنیا سے بھوکے رخصت ہوئے یعنی کوئی مال اکٹھا نہیں کیا۔"

(طبقات ابن سعد جلد۳ ص ۱۴۹)

ایک اور موقع پر آپ نے برسر منبر ارشاد فرمایا:

لا ان ابا بکر اواہ منیب الا ان عمر ناصح اللہ فنصحه

"لوگو! سنو بے شک ابوبکرؓ بڑے نرم دل اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور سنو بے شک عمرؓ اللہ کے دین کی خیر خواہی کرنے والے تھے۔ پس اللہ نے ان کی خیر خواہی کی۔" (طبقات ابن سعد جلد۳ ص ۱۲۱)

Marfat.com

جب سیدنا علیؓ کے نزدیک سیدنا ابو بکرؓ کا یہ مقام تھا جو اوپر بیان ہوا، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سیدنا علیؓ ان کی بیعت سے کترائیں اور بامر مجبوری ان کی بیعت کریں۔

مختصر یہ کہ سیدنا علیؓ نے خلافت صدیقی میں برضا و رغبت سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کی اور ان کے عہد خلافت میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔

(ملاحظہ ہو مسند امام احمد جلد ا ص ۸۴، السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۶ ص ۳۴۳ وغیرہ)

میراث نبوی اور سیدنا علیؓ

سیدنا صدیق اکبرؓ نے جب عنان خلافت سنبھالی تو ایک طرف ازواج مطہرات نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو اپنا سفیر بنا کر امیر المومنین سیدنا ابوبکرؓ کے پاس بھیجا اور متروکات نبوی میں اپنے حصہ کا مطالبہ کیا جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "سیدنا عثمان ــــ شخصیت اور کردار" جلد اول، ۱۶۳، ۱۶۶ پر کر دی ہے۔ دوسری طرف سیدہ فاطمہؓ نے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا عروہ بن زبیرؓ بن عوام اپنی خالہ محترمہ سیدہ عائشہ ام المومنینؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے پاس صدقات مدینہ، فدک اور خمس خیبر کا مطالبہ میراث کے طور پر کیا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے جواب میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا نورث ما ترکنا صدقة

"ہم انبیاء کی وراثت مالی جاری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں وقف اور صدقہ ہوتا ہے۔"

آپ نے مزید فرمایا کہ:

"آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال میں سے کھا سکتی ہے اور جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اپنی آل کے لیے اس مال میں سے خرچ کرتے تھے، ہم بھی اسی طرح اس پر عمل کریں گے اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کریں گے۔"

پھر سیدنا علی ابی طالبؓ تشریف لائے۔ انہوں نے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد کہا:

Marfat.com

انا قد عرفنا یا ابا بکر فضیلتک و ذکر قرابتھم من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و حقھم

''اے ابوبکرؓ ہم آپ کی فضیلت وشرافت کا اعتراف کرتے ہیں اور سیدنا علیؓ نے اس قرابت کا بھی ذکر کیا، جو سیدنا ابوبکرؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور ان کے حقوق کا بھی ذکر کیا''

اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور رشتہ داری مجھے اپنی قرابت اور رشتہ داری سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔'' (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶)

بخاری میں جلد ۲ ص ۵۷۶ پر ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس قسم کا مطالبہ سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ نے بھی کیا۔ امام طحاوی نے بھی یہ روایت جلد ۱ ص ۲۸۹ پر نقل کی ہے۔

فدک اور سیدہ فاطمہؓ

میراث کے بارہ میں اہل سنت اور شیعہ کے مابین شدید اختلاف چلا آ رہا ہے اور اس میراث میں زیادہ تر ''فدک'' کو زیر بحث لایا جاتا ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو میراث نبوی خصوصی طور پر ''فدک'' سے محروم کر دیا۔ شیعہ حضرات کی یہ بحث سراسر زیادتی اور تعصب کا نتیجہ ہے کیونکہ میراث متروکات میں جاری ہوتی ہے، لہذا دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے انتقال فرماتے وقت کیا کچھ چھوڑا۔

ام المومنین سیدہ جویریہ سلام اللہ علیہا کے بھائی سیدنا عمرو بن حارثؓ فرماتے ہیں:

ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درھماً ولا دیناراً و لا عبداً و لا امۃ ولا شیأ الا بغلہ البیضاء وسلاحہ و ارضاً جعلھا صدقۃ

Marfat.com

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ کوئی دینار، نہ کوئی غلام اور نہ باندی اور نہ کوئی اور شی سوائے ایک خچر بیضاء کے اور اپنے ہتھیار اور کچھ زمین جو آپ اپنی زندگی میں صدقہ کر گئے۔"

(بخاری جلد ا ص ۳۸۲)

وہ زمین جس کا ذکر حدیث میں آتا ہے، کون سی تھی؟ علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ اس سے تین جائیدادیں مراد ہیں۔

ا۔ مدینہ طیبہ میں بنو نضیر کی جائداد جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور فئے عطا فرمائی تھی، اس کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ہے۔ یہ زمین برابر آپ کے قبضہ میں رہی۔ اس زمین کی آمدنی سے آپ اہل بیت (ازواج مطہرات) کا سالانہ نان ونفقہ خرید فرماتے اور اس سے جو بچتا اس سے آپ اسلحہ اور دیگر سامان جہاد خرید فرماتے۔

۲۔ خیبر کی زمین جو آپ کو سہم میں ملی۔

۳۔ فدک کی نصف زمین جو فتح خیبر کے بعد اہل خیبر سے صلح کے طور پر حاصل ہوئی۔ خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی آپ کو حاصل ہوتی آپ اس کو وقتی اور ناگہانی ضروریات میں صرف فرماتے۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ حیات میں ان تینوں جائدادوں کی آمدنی مختلف مدوں میں متعین کر دی تھی۔ بنو نضیر کی جائیداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی۔ خیبر کی آمدنی آپ تین حصوں میں تقسیم فرماتے۔ دو حصے عام مسلمانوں کے لیے اور ایک حصہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا۔ اس میں سے جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت میں کام آتا۔"

(سیرت النبی جلد دوم ص ۱۸۶، ۱۸۷)

فدک ہے کیا؟

مسئلہ فدک پر بحث کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ فدک ہے کیا چیز؟ علما

Marfat.com

نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ ”فدک“ مدینہ طیبہ سے دو یا تین دن کے فاصلے پر واقع ایک باغ ہے۔ اس میں چشمے اور کھجور کے درخت تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کے بغیر اس کو فتح کیا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۲ ص ۱۴۰، مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع جلد ۲ ص ۳۳۷، مجالس المومنین جلد ۱ ص ۴۸ معجم البلدان)

لیکن شیعہ حضرات نے اس باغ کی جو حقیقت اور حدود اربعہ بیان کیا ہے، انسانی عقل اس کو سن کر دنگ رہ جاتی ہے، کیونکہ انہوں نے اس کا جو حدود اربعہ بیان کیا ہے اس میں تقریباً نصف کرہ ارض آ جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور شیعہ عالم ملا باقر مجلسی نے مناقب ابن شہر آشوب سے بڑی ثقاہت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے سیدنا موسیٰ کاظمؒ سے کہا کہ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ وہ ”فدک“ لے لیجئے (جس کے لیے آپ اور آپ کے باپ دادا کہتے آئے ہیں کہ وہ ہم سے غصب کر لیا گیا) آپ نے ہاروان الرشید کی اس استدعا کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ہارون الرشید نے کئی دفعہ موسیٰ کاظمؒ سے اس بارہ مین کہا لیکن آپ نے مثبت اور منفی میں اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر جب خلیفہ نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے ہرگز لینے کے لیے تیار نہیں ہوں جب تک کہ وہ مجھے صحیح حدود کے ساتھ نہ دیا جائے۔ ہارون الرشید نے حلفاً کہا کہ آپ مجھے اس کا حدود اربعہ بتایئے؟ سیدنا موسیٰ کاظمؒ نے کہا کہ اگر میں نے اس کے حدود بتلائے تو پھر آپ مجھے وہ ہرگز دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ خلیفہ کے اس اقرار پر سیدنا موسیٰ کاظمؒ نے اس کے حدود بیان کیے کہ اس کی ایک حد عدن ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشد کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر دوسری حد بتلائی کہ وہ سمرقند ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید کا چہرہ ٹمٹمانے لگا۔ پھر سیدنا موسیٰ کاظمؒ نے کہا کہ اس کی تیسری حد افریقہ ہے۔ موسیٰ کاظمؒ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر ہارون کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ پھر موسیٰ کاظم نے کہا کہ اس کی چوتھی حد سمندر کا وہ کنارہ ہے جو آرمینیہ سے ملا ہوا ہے۔ تب ہارون الرشید نے کہا کہ حضرت آپ نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ سیدنا موسیٰ کاظمؒ نے کہا کہ میں تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر میں تمہیں فدک کے حدود بتاؤں گا تو تم وہ مجھے ہرگز نہیں دو گے۔ اس پر خلیفہ ہارون الرشید نے سیدنا موسیٰ کاظمؒ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔“

ملا باقر مجلسی ہی نے لکھا ہے کہ ابن ساباط نے لکھا ہے کہ فدک کی پہلی حد عریش مصر، دوسری دومتہ الجندل، تیسری احد اور چوتھی سمندر ہے۔

(بحار الانوار جلد ص ۱۰۱، اصول کافی جلد ا ص ۵۴۳، تہران)

شیعہ حضرات کی یہ روایت نہایت مضحکہ خیز ہے، کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اقدس میں اتنا علاقہ فتح ہی نہیں ہوا تھا کہ اس کو مال فئے شمار کر کے سیدہ فاطمہؓ کو دے دیا جاتا۔ یہ سارا علاقہ تو سیدنا صدیقؓ اکبر کے زمانہ میں فتح ہوا تھا۔ اس سارے علاقے کا مطالبہ کرنا دوسرے معنوں میں یہی تھا کہ سیدنا موسیٰ کاظمؒ ہارون الرشید سے اس کی پوری سلطنت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

یہ باغ فدک اصل میں مال فئے میں سے تھا، اور مال فئے کیا ہوتا ہے؟

صاحب لسان العرب نے لکھا ہے:

الفئ الغنيمة و الخراج و هو ما حصل للمسلمين من اموال الكفار من غير حرب و لا جهاد و اصل الفئ الرجوع كانه كان فى الاصل لهم فرجع اليهم و منه قيل للظل الذى يكون بعد الزوال فئ لانه يرجع من جانب الغرب الى جانب الشرق

"فئے اس غنیمت اور خراج کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ اور جہاد کے بغیر حاصل ہو۔ فئے کے حقیقی معنی رجوع کے ہیں۔ گویا دراصل یہ مال مسلمانوں ہی کا تھا اور انہیں کی طرف لوٹ آیا۔ اسی وجہ سے فئے اس سائے کو بھی کہتے ہیں جو زوال کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ وہ بھی مغرب کی طرف سے مشرق کی طرف لوٹتا ہے۔" (لسان العرب زیر لفظ فئے)

فئے کے یہی معنی فقہائے اسلام نے ذکر کیے ہیں، چنانچہ کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۹، کتاب الخراج یحیٰی بن آدم ۲۷، ۲۸، اور امام ابی یوسف کی کتاب الخراج ص ۱۸ پر اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ امام ابو عبید نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

مانيل من اهل الشرك عنوة فسراً و الحرب قائمة فهو الغنيمة ومانيل منهم بعد ما تصنع العرب اوزارها

Marfat.com

تصیر الدار دار الاسلام فهو فی یکون للناس عاما و لا خمس فیه

''جو مال مشرکین و کفار سے بزور شمشیر حاصل ہو جب کہ ابھی جنگ ہو رہی ہو تو وہ مال ''مال غنیمت'' ہے اور جب جنگ کے ختم ہونے اور اس ملک کے دارالاسلام بننے کے بعد حاصل ہو تو وہ مال فئے ہے جو ایک ملک کے عوام کے لیے ہوتا ہے اور اس میں خمس نہیں ہوتا۔'' (کتاب الاموال ص ۲۵۴)

قرآن حکیم میں بھی مال فئے کا ذکر آیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس مال کا مصرف کیا ہے؟ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما افاء اللّٰه علٰی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل و لا رکاب ولکن اللّٰه یسلط رسوله علی من یشاء، واللّٰه علی کل شی قدیر، وما افاء اللّٰه علٰی رسوله من اهل القری فللّٰه و للرسول و لذی القربٰی والیتمٰی والمساکین و ابن السبیل

''اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے سو تم نے ان پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، لیکن اللہ تعالیٰ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے، سو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور محتاجوں کے لیے اور مسافر کے لیے ہے۔''

(الحشر ۶۔۷)

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں بہت کچھ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ آپ نے جس طرح مال غنیمت ہم لوگوں میں تقسیم کر دیا، اسی طرح فئے بھی ہم میں تقسیم فرما دیجیے۔ اس درخواست کے جواب میں اللہ جل شانہ نے مال غنیمت اور مال فئے میں فرق بیان فرما دیا کہ مال غنیمت تو وہ ہے جس کے حصول کے لیے تم لوگوں نے محنت اور جدوجہد کی ــــ اور گھوڑوں اور اونٹوں سے حملہ کر کے اس کو حاصل کیا، اور فئے کا مال

Marfat.com

اس کے برعکس ہے۔ اس کے حصول میں تمہیں کوئی جدوجہد نہیں کرنا پڑی اور نہ تمہیں اونٹوں اور گھوڑوں سے چڑھائی کرنا پڑی ہے، لہذا یہ مال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سپردگی اور تولیت میں رہے گا یعنی آپ اس مال کے کسٹوڈین ہیں۔ آپ جہاں چاہیں اسے خرچ کریں۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ ص)

اس آیت کریمہ میں "للّٰہ وللرسول" کے جو الفاظ آئے ہیں اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ نصف مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور نصف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور رسول اس کا امین اور تقسیم کرنے والا ہے اور یہ رسول کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ اس کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آگے اس کا مصرف بیان فرمایا کو وہ مال ذوالقربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کی ضرورت پورا کرنے کے لیے ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اس مال پر متولیانہ ہے مالکانہ نہیں۔

یہاں ایک بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ اس آیت میں "رسول" کا لفظ استعمال فرمایا "محمد بن عبداللہ" کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں، ایک "رسول اللہ" کی حیثیت اور دوسری "محمد بن عبداللہ" کی حیثیت۔ اعلان نبوت تک آپ "محمد بن عبداللہ" تھے، لیکن جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ کی پہلی حیثیت دوسری حیثیت کے ماتحت ہو گئی۔ اب اگر کوئی "محمد بن عبداللہ" سے تعلق رکھتا ہے تو وہ تعلق قابل قبول نہیں، بلکہ تعلق وہی قابل قبول ہے جو "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے ہو۔ لہذا اب بارگاہ ایزدی میں وہی نسبت قبول ہو گی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گی اور جو نسبتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر ابولہب کی طرح صرف "محمد بن عبداللہ" سے ہوں گی وہ مفید بارگاہ ایزدی نہ ہوں گی۔ اس لیے یہاں لفظ رسول استعمال فرما کر یہ بتا دیا کہ وہ مال "محمد بن عبداللہ" کی ملکیت نہیں بلکہ "رسول اللہ" کی ملکیت ہے اور ملکیت بھی نہیں بلکہ متولیانہ تصرف کا حق اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اور آپ اس کو اللہ کے حکم سے استعمال فرماتے ہیں:

وما أعطيكم شيئاً ولا امنعكم انما انا خازن اصنع حيث

امرت

"میں نہ تو تمہیں کچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں بلکہ میری حیثیت تو صرف ایک خازن کی ہے۔ جہاں حق تعالیٰ حکم دیتے ہیں وہاں خرچ کرتا ہوں۔"

جب مال فئے کا یہ حکم ہے اور فدک بھی چونکہ مال فئے میں سے تھا، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت میں نہ تھا کہ اس میں آپ کے نسبی اور دیگر رشتہ داروں میں وراثت جاری ہوتی، کیونکہ وراثت جاری ہونے کے لیے ملک شرط ہے، لیکن آپ اس کے صرف کسٹوڈین اور متولی تھے۔ اور آپ حق تعالیٰ کے حکم سے اسے وہیں صرف کرتے جہاں صرف کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ حکم فرماتے۔ آپ کے انتقال کے بعد جو شخص آپ کا جانشین بنتا شرعی طور پر اس کے ذمہ لازم تھا کہ وہ اموال فئے کو وہیں صرف کرے جہاں اللہ کا رسول صرف کیا کرتا تھا۔ چنانچہ سیدنا جعفر صادقؒ سے اس سلسلہ میں ایک روایت منقول ہے کہ:

الانفال كل ما اخذ من دار الحرب بغير قتال وكل ارض انجلى اهلها عنها بغير قتال وسماها الفقهاء فئياً والارضون الموات والاجام و بطون الاودية وقطائع الملوك و ميراث من لاوارث له وهى لله وللرسول و لمن قام مقامه بعده

"انفال میں ہر وہ مال داخل ہے جو بغیر لڑائی کے دارالحرب سے حاصل ہو اور ہر وہ زمین جس کے رہنے والے جلا وطن کر دیے گئے ہوں، اور بغیر جنگ وقتال کے ہاتھ آئی ہو۔ اور زمین اور جنگل اور بادشاہوں کی جاگیریں اور لاوارث کا مال یہ سب فئے میں داخل ہیں اور خدا اور اس کے رسول کے ہیں، اور رسول کے انتقال کے بعد جو اس کا قائم مقام ہو۔" (تفسیر صافی جلد ٦ ص ٣٧٧)

اسی طرح کے اور بہت سے اقوال تفاسیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔ چنانچہ شیعہ حضرات کی مشہور تفسیر منہج الصادقین میں ہے:

"سوم فئے است و آں مالے است کہ از کفار بمسلمانان منتقل شود بدون قتال و ایجاف خیل و رکاب و آں رسول را باشد در حیات وے و بعد از وی کسی را کہ قائم

Marfat.com

مقام دی باشد از ائمہ دین وایشاں بہ ہر کس کہ خواہند دہند و بہر چہ صلاح باشد صرف نمائند و ایں قول امیر المومنین است صلواۃ اللہ وسلامہ علیہ۔"

"تیسرا مال فئے ہے اور وہ مال ہے جو کافروں سے مسلمانوں کو بغیر جنگ و قتال کیے اور اونٹ اور گھوڑے دوڑائے حاصل ہو، اور وہ مال صرف رسول کا ہوتا ہے اس کی اس حیات دنیوی میں۔ اور اس کے انتقال کے بعد ائمہ دین میں جو اس کا قائم مقام ہو اس کو اس کے متصرفانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اور جس کو وہ چاہے دے اور جس جگہ بہتر سمجھے اسے صرف کرے اور یہ قول امیر المومنین علی بن ابی طالب صلواۃ اللہ وسلامہ علیہ کا ہے۔"

(منہج الصادقین جلد ۹ ص ۶۸۴)

یہی وجہ ہے کہ آیت میں جہاں مال فئے کا مصرف بیان کیا وہاں کسی نسبی تعلق کا ذکر نہیں کیا بلکہ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کا ذکر کیا تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہیں کہ اس میں وراثت جاری ہو بلکہ اس کے خرچ کی تمام مدات حق تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمادیں ہیں۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"خدا تعالی در نص قرآن چیزے را کہ بہ فئے حاصل شد یعنی بغیر ایجاف خیل و رکاب وبدون مباشرت قتال معین می گرداند برائے مصارف مذکورہ کہ خدا و رسول و ذوقرابت رسول ویتامیٰ ومساکین و ابن سبیل باشند۔ بعدازاں می فرماید، للفقراء یعنی آن فئے برائے فقرائے مہاجرین است و برائے انصار و برائے تابعان ایشان باحسان کہ بوصف نصیحت و خیر خواہی و دعائے خیر برائے پیشینان متصف اند"

"چوں فئے برائے جماعت غیر محصورین مقرر شد ملک یمین کسے نباشد بلکہ یک راقدر ما یحتاج او باید داد۔ ومعنی خلیفہ نیست الاآ نکہ تصرف کند در بیت المال مسلمین بموافقت سنت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نیابت او علیہ الصلوۃ والسلام۔ پس خلیفہ متصرف در فئے ملک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبود تا مبحث میراث در آں جاری باشد ونیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شخصے خاص را از

Marfat.com

اقارب خود ہبہ او نتواند کرد“

”اللہ رب العزت نص قرآن میں اس مال کو جو بطور فئے کے حاصل ہو یعنی اونٹ گھوڑے دوڑائے بغیر اور بغیر جنگ و قتال کے حاصل ہو، ان مصارف کے لیے متعین فرماتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ اور وہ مصارف یہ ہیں:

”خدا اور اس کا رسول، رسول کے قرابت دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافر۔ اس کے بعد فرمایا ”للفقراء“ یعنی وہ مال فقراء مہاجرین و انصار اور جو ان کی اتباع کرتے ہیں احسان کے ساتھ، اور گزشتہ لوگوں کے لیے خلوص، خیر خواہی اور دعائے خیر کرتے ہیں۔ جب مال فئے ایک محدود جماعت کے لیے قرار پایا تو معلوم ہوا کہ یہ مال کسی کی ملک نہیں ہوتا بلکہ اس کو مسلمانوں کے بیت المال میں رکھنا چاہیے اور اس میں سے ہر مسلمان کو اس کی ضرورت کے مطابق دینا چاہیے۔ اور یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ خلیفہ کا بڑا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق آپ کا نائب ہونے کی حیثیت سے تصرف کرے گا یعنی اس کو اپنی صوابدید سے صرف کرے گا۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مال فئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک نہ تھا کہ اس میں وارثت کی بحث پیدا ہوتی اور جب ملک نہ تھا تو آپ اپنے قرابت داروں میں سے کسی کو ہبہ بھی نہ کر سکتے تھے۔“

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مقصد اول فصل ششم)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیغمبر کی کوئی ذاتی ملکیت ہو بھی تو کیا اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے یا نہیں؟ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلے میں ہم جو دلائل پیش کر رہے ہیں وہ شیعہ حضرات کی کتابوں سے ہیں کیونکہ تمام اہل السنّت اس بات پر متفق ہیں کہ اموال پیغمبر میں میراث جاری نہیں ہوتی، لیکن شیعہ حضرات اس متفقہ مسئلہ سے انکار کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ہم دلائل بھی زیادہ تر انہی کی کتابوں سے دیں گے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ شیعہ حضرات کی کتابیں بھی وہی کچھ کہتی ہیں جو اہل السنّت کہتے ہیں۔

دلیل اول

سیدنا جعفر صادق فرماتے ہیں:

ان العلماء ورثة الانبياء و ذالك ان الانبياء لم يورثوا درهماً ولا ديناراً وانما اورثوا احاديث من احاديثهم فمن اخذ بشی منها فقد اخذ حظاً وافراً فانظروا علمكم هذا ممن تاخذ ونه فان فينا اهل البيت فی كل خلف عدولاً ينفون عنه تحريف الغاليين و انتحال لمبطلين و تاويل الجاهلين۔

''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء درہم و دینار کے وارث نہیں ہوتے بلکہ وہ وارث ہوتے ہیں اپنی احادیث کے (یعنی علم کے) پس جس نے ان احادیث سے کچھ لے لیا اس نے کافی حصہ پالیا، پس تم اس بات پر غور فکر کرو کہ تم اس علم کو کن (کن راویوں سے) لیتے ہو۔ یہ علم ہم اہل بیت کا ہے، کیونکہ جو علم پیغمبر نے امت کے لیے چھوڑا ہے اس کے وارث اہل بیت رسول ہیں، جو عادل ہیں اور جو رد کرتے ہیں غالیین کی تحریف، اور اہل باطل کے تغیرات اور جاہلوں کی تاویلات کو۔''

(اصول کافی جلد ا ص ۳۲، کتاب فضل العلم، تہران)

دلیل دوم

ایک اور حدیث میں سیدنا جعفر صادق فرماتے ہیں کہ:

ان العلماء ورثة الانبياء وذالك ان الانبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهماً ولكن ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر۔

''علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی کسی کو دینار اور درھم میں اپنا وارث نہیں بنایا بلکہ انہوں نے احادیث (علم شریعت) میں وارث بنایا ہے۔ جس نے وہ تھوڑا سا بھی حاصل

Marfat.com

کر لیا اس نے بہت کچھ حاصل کر لیا۔"

(اصول کافی جلد ا ص ۳۴، تہران، قرب الاسناد ص ۴۴، تہران)

سیدنا جعفر صادقؓ نے ان دونوں اقوال میں یہ واضح طور پر بیان فرما دیا کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں سونے چاندی یا اور کسی قسم کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ انبیاء علیہم السلام اللہ رب العزت کی طرف سے ایک علم لے کر آتے ہیں جو ان کے اس دنیا سے انتقال کے بعد وراثت کے طور پر امت میں پہنچتا ہے۔ حدیث کا لفظ "لکن" استدراک کے لیے آتا ہے اور اس وہم کو رفع کرتا ہے کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث بالکل ہی نہیں ہوتی۔ لہذا بتا دیا کہ وراثت تو ہوتی ہے، لیکن اموال منقولہ وغیر منقولہ کی شکل میں نہیں ہوتی بلکہ علم الٰہی کی صورت میں ہوتی ہے جو نبی کے انتقال کے بعد امت کے صاحب علم حضرات میں منتقل ہوتا ہے۔

دلیل سوم

سیدنا علیؓ اپنے فرزند ارجمند سیدنا محمدؓ بن الحنفیہ کو وصیت فرماتے ہیں:

وتفقه فی الدین فان الفقهاء ورثة الانبیاء و ان الانبیا لم یورثوا دیناراً ولا درهماً ولکنهم ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر۔

"اے بیٹے دین میں سمجھ حاصل کر کیونکہ فقہاء (علمائے دین) ہی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی درہم و دینار میں کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا بلکہ وہ علم دین میں وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے علم دین حاصل کیا اس نے ایک بہت بڑی شئی حاصل کر لی۔"

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲ ص ۲۴۶)

ان دلائل کے علاوہ اہل سنت اور شیعہ حضرات کی کتابوں میں اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اموال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر اس حدیث کو نقل فرمایا ہے کہ:

Marfat.com

لا نورث ماترکنا صدقة

"ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ (عام مسلمانوں کا حق) ہوتا ہے۔"

(بخاری جلد ۱ (۵۲۶، شرح معانی الآ ثار جلد ا ص ۲۹۸)

شیعہ حضرات کو جب وراثت نبوی کے بارہ میں کوئی دلیل میسر نہ آئی تو انہوں نے ایک نئی بات ایجاد کر لی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیھا کو ہبہ فرما دیا تھا۔ چنانچہ شیعہ حضرات کی مشہور کتاب اصول کافی میں سیدنا موسیٰ کاظمؒ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ "جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فدک اور اس کے گردونواح کو فتح کرا دیا حالانکہ آپ نے نہ تو اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ پس اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ آیت نازل فرمائی "وات ذاالقربیٰ حقہ" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کا مطلب نہ سمجھے کہ "ذوالقربیٰ" کون ہیں؟ چنانچہ آپ نے جبریل امین سے اس بارہ میں پوچھا۔ جبریل نے اللہ رب العزت سے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اے محمد فدک فاطمہ کو دے دیں۔ (ان ادفع فدک الیٰ فاطمہ) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ ؓ کو بلایا اور فرمایا:

ان اللّٰہ امرنی ان ادفع الیک فدك

"اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فدک تمہیں دے دوں۔"

سیدہ فاطمہ نے کہا:

قد قبلت یا رسول الله من الله و منک

"یا رسول اللہ میں نے فدک آپ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبول کیا۔"

اس سلسلہ میں ایک اور روایت تفسیر مجمع البیان میں عطیہ عوفی کے حوالے سے اس کے استاد ابوسعید الخدری سے منقول ہے کہ:

لما نزلت قوله "وات ذا القربی حقه" اعطی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاطمة فدکا

"جب یہ آیت "وات ذا القربیٰ حقہ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فاطمہ کو فدک عطا فرمایا" (مجمع البیان جلد ۳ ص ۴۱۱، تہران)
اسی ابو سعید الخدری سے امام سیوطی نے بھی اسی طرح کی ایک روایت نقل کی ہے۔ (ملاحظہ ہو درمنشور جلد ۴ ص ۱۷۷ تہران)

یہ ابو سعید الخدری کون ہے؟ ایک عام ذہن میں یہ شک گزرتا ہے کہ شاید یہ صحابی رسول سیدنا ابو سعید الخدریؓ ہیں۔ حالانکہ یہ محمد بن سائب کلبی ہے جو کہ کذاب اور پکا شیعہ تھا اور یہ کبھی کبھی اس نام کے ساتھ بھی روایت کرتا ہے تاکہ لوگوں کو صحابی رسول سیدنا ابو سعید الخدریؓ کا وہم گزرے۔ چنانچہ علامہ سخاوی نے اپنے منظوم رسالہ "جزری" میں باب من لہ اسماء مختلفۃ ونعوت متعددۃ میں کلبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وهو ابو سعيد الذى روى عنه عطية العوفى موهماً انه الخدرى

"یہ وہی ابو سعید ہے جس سے عطیہ عوفی روایت کرتا ہے۔ یہ ابو سعید کی کنیت اس لیے استعمال کرتا ہے تاکہ ابو سعید الخدری (صحابی رسول) کا وہم ہو۔"

ایسا ہی میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۰۱، تذکرہ عطاء البصری عطاء بن سفیان میں لکھا ہے۔

یہ محمد بن سائب الکلبی اور اس کا بیٹا ہشام بن محمد بن سائب دونوں کذاب تھے اور سبائی تھے۔ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۶۲، ۲۵۶، لسان المیزان جلد ۲ ص ۱۹۶، ۱۹۷، تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۷۸، تذکرہ محمد بن سائب الکلبی۔

چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ یزید بن زریع نے کہا

رايته يضرب صدره و يقول انا سبائى

"کلبی سینہ پر ہاتھ مار کر یہ کہتا ہے کہ میں سبائی ہوں۔"

یہ سبائی کون ہیں؟ یہ رافضیوں کی ایک شاخ ہے۔ (صنف من الرافضۃ اصحاب عبداللہ بن سباء)

اس وجہ سے تمام محدثین نے اس کو ناقابل احتجاج اور کذاب لکھا ہے۔ لہذا اس کی یہ بات قابل اعتبار نہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۷۸)

اور ان حضرت کا شاگرد عطیہ عوفی یہ بھی شیعہ تھا اور کلبی کی کنیت ابو سعید الخدری

Marfat.com

استعمال کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتا تھا۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے سیدہ فاطمہؓ کو فدک دینے والی روایت کے بارہ میں لکھا ہے۔

....حدثنا علی بن عباس عن فضیل بن مرزوق عن عطیة عن ابی سعید قال لما نزلت وات ذاالقربی حقه، دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمة فاعطاها فدك قلت هذا باطل ولو کان وقع ذالک لما جات فاطمة رضی الله عنها تطلب شیئاً هوفی حرزها وملکها ومنه غیر علی من الضعفاء

"علی بن عباس روایت کرتا ہے کہ فضیل بن مرزوق نے عطیہ اور عطیہ نے ابو سعید سے روایت کی کہ جب آیت "وات ذاالقربیٰ حقہ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کو بلایا اور انہیں فدک عطاء فرما دیا۔ میں کہتا ہوں یہ باطل ہے کیونکہ اگر آپ نے واقعی فدک سیدہ فاطمہؓ کو دے دیا ہوتا تو پھر وہ اس چیز کو مانگنے نہ آتیں۔ جو ان کے قبضہ اور ملک میں پہلے ہی تھی۔ اور اس حدیث میں "علی بن عباس" کے علاوہ اور بھی ضیعف راوی ہیں۔" (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۲۸، تذکرہ علی بن عباس)

اس مضمون کی ایک روایت بشر بن الولید اور واقدی کے حوالے سے طرائف ص ۶۸ پر بھی نقل کی گئی ہے، لیکن اس قسم کی سب روایات روایت اور درایت کے لحاظ سے غلط ہیں، کیونکہ آیت "وات ذاالقربیٰ حقہ" سورہ بنی اسرائیل کی آیت ہے اور شیعہ اور اہل سنت کے مفسرین بالاتفاق اسے مکی قرار دیتے ہیں۔ اور فدک مدینہ منورہ میں ۷ھ میں حاصل ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ حکم دس پندرہ سال پہلے نازل ہوا اور جس شی کے بارہ میں حکم ہوا وہ بعد میں حاصل ہوئی۔

اس سورۃ کے مکی ہونے کے بارہ میں شیعہ حضرات کی سب سے معتبر کتاب اصول کافی میں سیدنا محمد باقرؒ کا ایک قول بھی نقل کیا گیا ہے۔

ان الله عزوجل انزل علیه فی سورة بنی اسرائیل بمکة وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاه و بالوالدین احساناً

Marfat.com

الی قولہ تعالی انہ کان بعبادہ خبیراً بصیراً

"بے شک اللہ تعالی نے سورہ بنی اسرائیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں نازل کی۔" (اصول کافی جلد اص ۱۵۰)

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ "ذوالقربیٰ" میں صرف سیدہ فاطمہؓ کو مخصوص کرنا عقل ونقل کے خلاف ہے۔

تیسری بات یہ کہ آیت میں "وات ذا القربیٰ حقہ" میں ضمیر مئونث کی نہیں ہے بلکہ مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے جس سے کسی صورت میں بھی سیدہ فاطمہؓ مراد نہیں لی جا سکتیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فدک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

1- ملکیت نہ تھا۔۔۔۔ بلکہ
2- آپ کی تولیت میں تھا۔
3- نہ اس میں میراث جاری ہو سکتی تھی کیونکہ میراث کے لیے ذاتی ملکیت ہونا ضروری ہے۔
4- اور نہ ہی اس کا ہبہ ہو سکتا تھا کیونکہ ہبہ بھی اپنی ملکیت میں ہو سکتا ہے۔
5- ہبہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کیا تھا تو پھر سیدہ فاطمہؓ نے دوبارہ سیدنا صدیق اکبرؓ سے فدک کا کیوں مطالبہ کیا تھا؟ کیونکہ ہبہ نامہ تو پہلے ہی آپ کے پاس موجود تھا۔
6- اگر فدک ہبہ میں یا میراث میں سیدہ فاطمہؓ کو ملتا تھا اور خلفاء راشدین نے وہ روک لیا تو سیدنا علیؓ نے اپنے دور خلافت میں کیوں نہ سیدہ فاطمہؓ کی اولاد کو وہ دے دیا؟

حقیقت یہ ہے کہ سیدہ فاطمہؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے امہات المومنین کی طرح میراث نبوی کا مطالبہ کیا تھا، لیکن صدیق اکبرؓ سے امہات المومنین کی طرح میراث نبوی کا مطالبہ کیا تھا لیکن صدیق اکبرؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ "ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔" نیز فرمایا کہ: "میں

Marfat.com

اس کی آمدنی اسی طرح خرچ کروں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے، اور آل رسول اللہ اس مال میں سے اسی طرح کھائے گی جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھاتی تھی۔ اور بخدا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان مجھے اپنی قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔"

(بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶، جلد ۲ ص ۵۷۶، شرح معانی الآثار جلد ۱ ص ۲۹۸، ابن میثم جلد ۵ ص ۱۰۷)

یہ ایک نہایت معقول جواب تھا۔ سیدہ فاطمہؓ خاموش ہو گئیں اور پھر اس کے بعد انہوں نے میراث رسول کا کبھی مطالبہ نہ کیا بلکہ اپنے پہلے مطالبہ پر افسوس کرنے لگیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس بارہ میں کوئی زیادتی نہیں فرمائی اور نہ سیدہ فاطمہؓ کا کوئی حق مارا۔ انہوں نے سیدہؓ کو صرف فرمان رسول سنایا جس کو سن کر وہ خاموش ہو گئیں۔ زیادتی کا شکوہ اس صورت میں ہو سکتا تھا اگر وہ اپنی بیٹی سیدہ عائشہؓ کو یا سیدنا فاروق اعظمؓ کی بیٹی سیدہ حفصہؓ کو میراث نبوی سے حصہ دیتے اور سیدہ فاطمہؓ کو محروم رکھتے، لیکن انہوں نے نہ اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ ام المومنینؓ کو حصہ دیا، اور نہ سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانہ میں سیدہ حفصہؓ کو میراث رسول میں سے حصہ دیا۔ لہذا شیعہ حضرات کا سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ پر فدک کے بارہ میں اعتراض کرنا بالکل غلط اور تعصب پر مبنی ہے۔

سیدہ فاطمہؓ کی صدیق اکبرؓ سے ناراضی کی حقیقت

شیعہ حضرات اس سلسلہ میں ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہؓ باغ فدک سے محرومی کی وجہ سے سیدنا صدیق اکبرؓ سے ناراض ہو گئیں۔ ناراضی کی یہ کہانی کسی کتاب میں ان الفاظ میں نہیں ہے کہ سیدہ فاطمہؓ نے یہ فرمایا ہو کہ "میرا حق غصب ہوا، لہذا میں ابو بکرؓ سے ناراض ہوں کیونکہ انہوں نے مجھ پر زیادتی کی چنانچہ میں ان سے کبھی بات نہیں کروں گی۔" البتہ روایات میں یہ آیا ہے کہ:

فغضبت فاطمة فهجرته (ابابكر) فلم تكلمه

Marfat.com

''سیدہ فاطمہؓ غصہ ہو گئیں اور ابو بکرؓ سے گفتگو ترک کر دی۔''
(السنن الکبریٰ جلد ۶ ص ۳۰۰)

سیدنا صدیق اکبرؓ سے سیدہ فاطمہؓ کے مطالبہ میراث کی روایات ۳۶ جگہ پر ہے۔ ان میں ۱۱ روایات کی سند میں ابن شہاب زہری نہیں۔ ان روایات میں کسی ایک مقام پر بھی سیدہؓ کی رنجیدگی کا کوئی لفظ منقول نہیں۔ ان گیارہ روایات کے علاوہ ۲۵ روایات کی سند میں ابن شہاب زہری موجود ہے۔ ان میں اگرچہ بعض روایات میں زہری موجود ہے لیکن رنجیدگی اور کشیدگی کے کوئی الفاظ سیدہ فاطمہؓ کے بارہ میں منقول نہیں۔ ان روایات کی تعداد ۹ ہے۔ ان کے علاوہ ۱۶ روایات ایسی ہیں جن میں عدم تکلم اور وجد وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں اور ان روایات کی سند میں ابن شہاب زہری ضرور موجود ہے۔ ان روایات میں سیدہ فاطمہؓ کے عدم تکلم اور رنجیدگی اور کشیدگی کے الفاظ ابن شہاب زہری نے اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں جو کہ ان کا ادراج ہے۔ اور زہری کی یہ عادت ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن اگر اس بات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی سیدہ فاطمہؓ کا غصے ہونا سیدنا صدیق اکبرؓ کے لیے مضر نہیں، کیونکہ '' غضب اور اغضاب'' میں فرق ہے۔ غضب کے معنی غصہ ہونے کے ہیں اور اغضاب کے معنی دوسرے کو جان بوجھ کر ناراض کرنے کے اور سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو ناراض نہیں کیا بلکہ ارشاد نبوی یعنی ان کے ابا کے ارشاد کی تعمیل کی۔

سیدہ فاطمہؓ کی ناراضی کے بارہ روایات میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مختلف ہیں۔ بعض روایات میں ''فغضبت فاطمہؓ '' آیا ہے ''فوجدت فاطمہؓ '' آیا ہے (بخاری جلد ۲ ص ۶۰۹) اور لفظ وجدت جس طرح غضبت کے معنی میں آتا ہے جو غصہ پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح '' حزنت '' کے معنی میں بھی آتا ہے جو حزن وملال پر دلالت کرتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ سیدہ فاطمہؓ نے جب مطالبہ میراث کیا تو اس کے جواب میں سیدنا ابو بکرؓ نے انہیں ارشاد نبوی سنایا تو سیدہؓ کو ایک گونہ ندامت اور رنج ہوا کہ میں نے لاعلمی میں کیوں میراث کا مطالبہ کیا۔ پھر اسی ندامت اور خجالت کی وجہ سے سیدہؓ کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا اور اپنی وفات تک پھر سیدہ فاطمہؓ نے صدیق اکبرؓ سے میراث کا مطالبہ

Marfat.com

نہ کیا۔

اگر کوئی حضرت زیادہ ہی مصر ہوں کہ نہیں سیدہ فاطمہؓ تو سیدنا صدیق اکبرؓ سے ناراض ہوگئی تھیں، پھر بھی سیدنا صدیق اکبر قصور وار نہیں ٹھہرتے، کیونکہ سیدہ فاطمہؓ تو سیدنا علیؓ پر بھی کئی دفعہ ناراض ہوئیں۔ اس لیے اگر سیدہؓ کے ناراض ہونے سے سیدنا ابوبکرؓ مورد الزام ٹھہرتے ہیں تو سیدنا علیؓ بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ روایات میں ایسے کئی واقعات منقول ہیں جن میں سیدہ فاطمہؓ سیدنا علیؓ سے ناراض ہوئی تھیں۔

اس سلسلہ میں ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ نہایت غم ناک تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ گھر کے دروازہ کے سامنے سیدنا علی ابن ابی طالبؓ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے سیدنا علیؓ کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرماتے جا رہے تھے "قم یا ابا تراب" (اے ابوتراب اٹھیے) پھر یہ دونوں حضرات (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علیؓ) سیدہ فاطمہؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ ہم کچھ دیر دروازہ پر کھڑے رہے۔ کچھ دیر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مسرت چہرہ سے سیدہ فاطمہؓ کے گھر سے باہر تشریف لائے ۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خوشی کی وجہ دریافت کی آپؐ نے فرمایا:

کیف لا افرح و قد اصلحت بین اثنین احب اهل الارض الی اهل السماء

"میں کیوں خوش نہ ہوں جب کہ میں نے ایسے دو افراد کے درمیان صلح کروا دی ہے جو آسمان والوں کے ہاں زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔"

(بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۴۳)

اس سے زیادہ سیدہ فاطمہؓ کے لیے تکلیف دہ بات، جس سے آپ نہایت غمزدہ اور رنجیدہ ہوئیں، وہ ہے جب سیدنا علی ابن ابی طالبؓ نے سیدہ فاطمہؓ کے ہوتے ہوئے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا۔ اس بات سے نہ صرف سیدہ فاطمہؓ رنجیدہ ہوئی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہایت تکلیف پہنچی۔ چنانچہ آپ نے برسر منبر تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے اس کا اظہار بھی فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے اس بات کو محسوس کیا کہ واقعی

Marfat.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غمزدہ ہیں۔

ان علیاً علیه السلام یرید یتزوج ابنة عدو اللّٰه علی ابنة نبی اللّٰه

"علیؓ چاہتا ہے کہ اللہ کے نبی کی بیٹی کے ہوتے ہوئے اللہ کے دشمن (ابو جہل) کی بیٹی سے شادی کرے۔"

یہ بات بیان فرماتے ہوئے آپ نے مزید فرمایا:

ان فاطمةؓ بضعة منی فمن اذاها فقد اذانی و من سرها فقد سرنی و من غاظها فقد غاظنی

"بے شک فاطمہؓ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی، اور جس نے اسے خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔"

(امالی شیخ صدوق ص ۶۴، جلاء العیون جلد ا ص ۲۲۷، انوار النعمانیہ جلد ا ص ۷۳، ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہؓ ص ۲۰۶، علل الشرائع باب ۱۴۸، ص ۱۸۵، بخاری جلد ا ص ۵۲۸ جلد ۲ ص ۷۸۷)

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی نہایت توجہ طلب ہے۔ اس واقعہ میں نہ صرف سیدہؓ کا ناراض ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ غضبناک ہو کر سیدنا علیؓ کا دامن پکڑنا اور ان کو جھنجھوڑنا بھی ہے۔ شیخ صدوق نے نقل کیا ہے کہ "حدیث میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے ایک روز سیدنا سلمان فارسیؓ کو بلایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ کو فروخت کر دو۔ سیدنا سلمان فارسیؓ نے اس باغ کو ۱۲ ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ جب یہ رقم سیدنا علیؓ کو ملی تو ساتھ ہی ایک اعرابی نے آ کر سوال کر دیا۔ سیدنا علیؓ نے اس رقم سے چار ہزار درہم اس اعرابی کو دے دیے۔ یہ خبر مدینہ طیبہ میں پھیل گئی۔ ایک انصاری سیدہ فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو یہ واقعہ بتایا۔ بقایا تمام رقم بھی وہیں بیٹھے بیٹھے سیدنا علیؓ نے لوگوں میں تقسیم کر دی یہاں تک کہ ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔ سیدنا علیؓ سے سیدہ فاطمہؓ نے پوچھا کہ آپ نے میرے باپ کے باغ کو فروخت کر دیا ہے۔ سیدنا علیؓ نے اثبات میں جواب دیا۔ سیدہؓ نے پوچھا کہ رقم کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ

کے راستہ میں تقسیم کر دی۔ سیدہؓ نے کہا "میں بھوکی ہوں، میرے بیٹے بھوکے ہیں اور آپ بھی ہماری طرح بھوکے ہیں اور ہمارے پاس ایک درہم بھی نہیں" یہ کہہ کر سیدہ فاطمہؓ نے سیدنا علیؓ کا دامن پکڑ لیا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا "فاطمہؓ مجھے چھوڑ دے۔" سیدہؓ نے جواب دیا بخدا میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گی یہاں تک کہ میرے اور آپ کے درمیان میرے ابا فیصلہ فرمائیں" سیدہؓ کا یہ کہنا تھا کہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا "اے محمدؐ اللہ تعالیٰ آپ کو اور علیؓ کو سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے

قل لفاطمة ليس لك ان تضربي على يديه و تلزمي بثوبه.

"فاطمہؓ کو کہہ دیجئے کہ تیرے لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ تو علیؓ کے ہاتھوں پر مارے اور اس کے دامن کو نہ چھوڑے"

اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ کے گھر آئے اور دیکھا کہ سیدہؓ نے سیدنا علیؓ کا دامن پکڑا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کو اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام پہنچایا جو جبرئیل لے کر آئے تھے۔ یہ پیغام سن کر سیدہ نے سیدنا علیؓ کا دامن چھوڑ دیا اور معافی مانگی

(امالی شیخ صدوق ص ۲۸۱، مجلس ۷۱، انوار النعمانیہ جلد ۱ ص ۵۸، جلاء العیون جلد ۱ ص ۱۹۴)

اسی طرح کے کئی واقعات شیعہ حضرات کی کتابوں میں درج ہیں کہ سیدہ فاطمہؓ سیدنا علیؓ سے ناراض ہوگئیں۔ تو کیا سیدنا علیؓ کے لیے بھی وہی سزا یہ لوگ تجویز کرتے ہیں جس سزا کا مستحق وہ سیدنا ابوبکرؓ کو ٹھہراتے ہیں؟ بلکہ ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کلمات کہ:

فاطمه مضعة مني من اذاها فقد اذاني ... الخ

"فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔"

نہایت رنجیدہ خاطر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے بارہ میں فرمائے تھے جن کو شیعہ حضرات سیدنا ابوبکرؓ پر چسپاں کرتے ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ سیدنا ابوبکرؓ سے کیسے ناراض ہو سکتیں ہیں جب کہ سیدنا علیؓ کے حبالہ عقد میں سیدہؓ کو لانے والے سیدنا ابوبکرؓ ہی تو تھے۔ سیدہ فاطمہؓ ان کے لیے بمنزلہ بیٹی کے تھیں۔ بیوی

Marfat.com

شوہر سے ناراض ہوسکتی ہے لیکن والد سے کبھی ناراض نہیں ہوسکتی۔ یہ "غضبت" کا لفظ ادراج راوی ہے اور شیعہ حضرات کی اندرون خانہ سازشوں کا نتیجہ ہے۔

پھر اس مسئلہ میں سیدہ فاطمہؓ کے غصہ وغضبناک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ سیدنا ابوبکرؓ نے سیدہ کو جو جواب دیا وہ نہایت معقول اور دلائل پر مبنی تھا۔

الف: کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مال میں سے حسب سابق اخراجات زندگی لیتی رہے گی۔ (انمایا کل آل محمد من ہذاالمال)

ب: میں اس مال کے خرچ کرنے میں وہی کچھ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے (لاعملن فیھا بما فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ج: سیدہؓ کو مزید یقین دلانے کے لیے سیدنا ابوبکرؓ نے حلفاً فرمایا اے فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور رشتہ داری مجھے اپنی قرابت اور رشتہ داری سے زیادہ عزیز ہے۔ (واللہ لقرابتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی من قرابتی)

یہ تین باتیں جو خلیفۃ المسلمین سیدنا ابوبکرؓ نے بنت رسولؐ کو کہیں اس سے سیدہؓ ناراض نہیں ہوئی بلکہ نادم ہوئیں کہ میں نے وراثت کے عمومی مسئلہ کے تحت اپنے ابا کی وراثت کے بارہ میں پوچھا اور سیدنا ابوبکرؓ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وراثت کے اس عمومی مسئلہ سے خارج ہیں، اور یہی جواب سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور دیگر امہات المومنینؓ کو بھی دیا تھا جب انہوں نے اپنے حصہ وراثت کا مطالبہ کیا۔ اس وجہ سے سیدہ فاطمہؓ اپنے سوال سے نادم ہوئیں کہ مجھے سیدنا ابوبکرؓ سے ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے تھا، کیونکہ وہ تو آل محمد کے لیے اسی طرح شفیق و کریم ہیں جس طرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہربان اور کریم تھے۔ اور انہوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اس کی آمدنی کو انہی مدات میں خرچ کریں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے:

وقد روینا ان فاطمۃ رضی اللہ عنہا احتجت اولاً بالقیاس وبالعموم فی الایۃ فاجابھا الصدیق بالنص علی الخصوص بالمنع فی حق النبی و انھا سلمت لہ ما قال و ھذا المظنون بھا رضی اللہ عنھا

Marfat.com

"جو کچھ ہم نے روایت کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ نے پہلے قیاس اور آیت کریمہ کے عموم سے احتجاج اور استدلال کیا۔ پس صدیق اکبرؓ نے نص سے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عموم سے خارج ہیں اور ان کے لیے ایک مخصوص حکم ہے۔ سیدہ فاطمہؓ نے اس جواب کوتسلیم کر لیا اور یہی ہمارا حسن ظن ہے۔"
(البدایہ والنہایہ جلد۵ ۲۸۹)

روایات میں یہ بھی مرقوم ہے کہ اموال فیئ جن میں باغ فدک بھی شامل تھا، ان کا انتظام سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ان کے بعد سیدنا حسنؓ، ان کے بعد سیدنا حسینؓ، پھر سیدنا علی بن حسینؓ اور حسن بن حسنؓ، پھر زید بن حسنؓ کے ہاتھوں میں انتظام رہا۔

(ملاحظہ ہو بخاری جلد۲ ص ۵۷۶، السنن الکبریٰ جلد ۶ ص ۲۹۹ ابن ابی الحدید جلد۴ ص ۱۱۸)

چنانچہ اس حسن سلوک کی وجہ سے سیدہ فاطمہؓ بھی خوش رہیں اور ان کی اولاد بھی بعد میں خوش وخرم رہی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک مرتبہ کسی پوچھنے والے نے سیدنا محمد باقر بن علی بن الحسینؓ سے پوچھا

أرایت ابا بکر و عمر هل ظلما کم من حقکم شیأ

"کیا تم سمجھتے ہو کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ نے تمہارے حق میں کسی بارہ میں کسی قسم کی کوئی زیادتی یا ظلم کیا؟"

آپ نے جواب میں فرمایا:

لا والذی انزل القران علی عبده لیکون للعالمین نذیراً ما ظلمنا من حقنا مثقال حبة من خردل

"بالکل نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر قرآن حکیم کو اتارا، ہمارے حق میں رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوا۔"

پوچھنے والے نے پھر پوچھا کہ کیا میں ان سے دوستی اور محبت رکھوں؟ آپ نے جواب میں فرمایا "ہاں" پھر فرمایا "تو ان دونوں کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں میں محبت رکھ اور اگر کوئی وبال پیش آئے تو میری گردن پر ہوگا۔"

(ابن ابی الحدید جلد۴ ص ۱۱۳، وفاء الوفاء ص ۱۰۰، فضائل ابی بکر ص ۵)

Marfat.com

بعض روایات میں آتا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے عہد خلافت میں بعض حضرات نے باغ فدک اولاد فاطمہؓ کو واپس کرنے کے لیے کہا تو سیدنا علیؓ نے بڑا خوبصورت اور عمدہ جواب فرمایا:

انی لاستحیی من اللہ ان ارد شیأ منع منه ابو بکر و امضاہ عمر۔

"مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس شی کو لوٹا دوں جس کو ابو بکرؓ نے منع کیا اور عمرؓ نے ان کے اس حکم کو جاری رکھا۔" (ان ابی الحدید جلد۴ ص۱۳۰)

اسی وجہ سے سیدنا زین العابدینؓ کے صاحبزادے اور سیدنا محمد باقرؓ کے بھائی سیدنا زید بن علی بن الحسینؓ فرماتے ہیں:

لو کنت مکان ابو بکر لحکمت بمثل ماحکم به ابی بکر فی فدك۔

"اگر ابو بکرؓ کی جگہ میں ہوتا تو میں فدک کے معاملہ میں وہی کچھ کرتا جو ابو بکرؓ نے کیا تھا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد۵ ص۲۹۰، السنن الکبریٰ جلد۶ ص۳۰۲، ابن ابی الحدید جلد۴ ص۱۱۳)

اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ سیدہ فاطمہؓ نے جب فدک کا مطالبہ کیا اور سیدنا ابو بکرؓ کے انکار پر وہ ناراض ہو گئیں جیسا کہ ابن شہاب الزہری کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن کئی ایک روایات میں آتا ہے کہ وہ ناراضگی وقتی تھی دائمی نہ تھی۔ اور وقتی طور پر تو سیدہ فاطمہؓ سیدنا علیؓ سے بھی کئی دفعہ ناراض ہوئیں۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے امام شعبیؒ سے روایت نقل کی ہے کہ جب فاطمہؓ بیمار ہوئیں تو سیدنا ابو بکرؓ ان کے گھر پر تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدہ فاطمہؓ نے اجازت دے دی۔ سیدنا ابو بکرؓ نے معذرت کی تو سیدہ فاطمہؓ ان سے راضی ہو گئیں۔ (فرضیت عنہ)

(طبقات ابن سعد جلد۸ ص۱۷، لسنن الکبریٰ جلد۶ ص۳۰۱، درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص۳۳۱،۳۳۲)

شاید یہی وجہ تھی کہ سیدہ فاطمہؓ کی تیمارداری سیدنا ابو بکرؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ

Marfat.com

اسماءؓ بنت عمیس نے کی اور پھر سیدہؓ کی نماز جنازہ بھی سیدنا ابو بکرؓ صدیق نے پڑھائی۔
(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۶، ۱۹، السنن الکبریٰ جلد ۴ ص ۲۹، حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۹۶)
تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''اہل بیت نبوت اور صحابہ کرامؓ کے تعلقات اور رشتہ داریاں''

خلاصہ یہ کہ سیدنا علیؓ نے نہایت خوشی دلی اور رضا و رغبت کے ساتھ سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت کی، اور سیدہ فاطمہؓ نے سیدنا ابو بکرؓ سے جو باغ فدک مانگا تھا اس میں وہ سیدنا ابوبکرؓ کے جواب سے مطمئن ہوگئی تھیں اور سیدنا ابو بکرؓ سے اپنی وفات تک راضی رہیں۔ ناراضی کی روایات یار لوگوں کے وضع کردہ ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے اِن کے عہد خلافت میں ہر معاملہ میں پورا پورا تعاون فرمایا۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی کی قیادت میں جب بنو حنیفہ اور بنو اسد اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو یہ خطرہ پیدا ہوگیا کہ یہ باطل قوتیں کہیں مرکز اسلام پر یورش نہ کر دیں۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لیے کچھ حفاظتی تدابیر اختیار کیں اور مدینہ طیبہ کے اہم مقامات اور شاہراہوں پر حفاظتی دستے مقرر فرمائے جو صبح و شام نگرانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ان حفاظتی دستوں کے امراء میں جہاں سیدنا زبیر بن العوام' سیدنا طلحہؓ بن عبیداللہؓ، سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف' سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہؓ بن مسعود تھے وہاں سیدنا علیؓ بن ابی طالب بھی تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۳۱۱' ابن خلدون جلد ۲ ص ۸۵۸' ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۲۸۸
مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب سیرت صدیق اکبرؓ)

پھر سیدنا صدیق اکبرؓ نے جب وادی ذو القصہ کی طرف قتال کے لیے اقدام فرمایا اور صحابہ کرامؓ کی معیت میں بنفس نفیس اپنی ناقہ پر سوار ہو کر تیغ برہنہ لیے ہوئے نکل پڑے تو تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے ان کی سواری کی باگ پکڑ لی اور کہا:
''اے خلیفہ رسول! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ میں آپ کو وہی بات یاد دلاتا ہوں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کے روز فرمائی تھی۔ آپ اپنی تلوار کو نیام میں کریں اور اپنی ذات کے بارہ میں ہمیں پریشانی میں نہ ڈالیں۔ بخدا اگر ہمیں آپ

Marfat.com

کی ذات کے بارہ میں کوئی پریشانی اور مصیبت لاحق ہوئی تو آپ کے بعد اسلام کے لیے کوئی صحیح نظم ونسق اور شیرازہ قائم نہیں رہ سکے گا۔'' (لایکون الاسلام بعدک ابداً)

سیدنا علیؓ کی اس بات سے متاثر ہو کر سیدنا صدیق اکبرؓ واپس لوٹ آئے اور دوسرے لوگوں کو ذوالقصہ کی طرف روانہ فرما دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۳۱۵ الصواعق المحرقہ ص ۱۵)

یہ الفاظ سیدنا صدیق اکبرؓ کو وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کے دل میں ان کا احترام اور ان کی محبت ہو۔ ایک مخالف شخص ایسے الفاظ ہرگز نہیں کہہ سکتا۔

اسی باہمی بے پناہ محبت و آشتی کی وجہ سے سیدنا صدیق اکبرؓ دینی مسائل اور امور میں سیدنا علیؓ سے مشاورت فرماتے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مجلس مشاورت بھی قائم تھی جس میں اکابر اور صاحب الرائے صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ ان میں مہاجرین میں سے سیدنا فاروق اعظمؓ سیدنا عثمان غنیؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ اور انصار میں سے سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ وغیرھم شامل تھے۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں اور یعقوبی نے اپنی تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۹' تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۳۸)

تمام انتظامی امور میں بھی سیدنا ابوبکرؓ سیدنا علیؓ سے مشورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ روم کے بارہ میں آپ سے مشورہ کیا گیا اور سیدنا علیؓ کے مشورہ پر عمل بھی کیا گیا۔

(یعقوبی جلد ۲ ص ۱۳۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن حکیم چھوٹے چھوٹے صحیفوں میں مرقوم تھا۔ جب جنگ یمامہ میں قاری صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد شہید ہوئی تو اکابر صحابہ کرامؓ کو تدوین قرآن کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ اس بارہ میں خلیفہ مسلمین سیدنا ابوبکرؓ سے کہا گیا۔ آپ نے اس کو مدون فرمایا۔ اس کام کے انچارج سیدنا زید بن ثابت انصاریؓ کو مقرر کیا گیا۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰)

مختلف کتابوں میں مرقوم ہے کہ مختلف مواقع پر سیدنا علیؓ سیدنا ابوبکرؓ کو دعائیں دیتے کہ اسلام کا یہ اہم کارنامہ انہوں نے سرانجام دیا۔

(ملاحظہ ہو المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۴ ص ۵۶۷' کتاب المصاحف لابن ابی داؤد ص ۵'

Marfat.com

فتح الباری جلد ۹ ص ۹)

سیدنا ابوبکرؓ نے مختلف مواقع پر سیدنا علیؓ کو کنیزیں بھی عطا فرمائیں۔ چنانچہ ام حبیب بنت ربیعہ ایک کنیز خلیفہ اول نے آپ کو مرحمت فرمائی جو "الصہبا" کے نام سے مشہور تھی۔ اس سے آپ کا بیٹا عمر بن علیؓ اور ایک لڑکی رقیہ بنت علیؓ پیدا ہوئیں۔ یہ دونوں توام (جوڑے) تھے۔ یہ کنیز قبائل بنی تغلب میں سے تھی۔

(کتاب نسب قریش ص ۴۳، طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۸۶، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۷۱۸)

سیدنا علیؓ کے ایک صاحبزادے محمد بن حنفیہ تھے۔ یہ بنو حنیفہ کی ایک قیدی عورت خولہؓ بنت جعفر بن قیس کے بطن سے تھے۔ یہ بھی سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا علیؓ کو عطاء کی تھی۔ جن کو سیدنا علیؓ نے بعد میں ام ولد قرار دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۳۱ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۵۲، حق الیقین، ملاباقر مجلسی طعن ششم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کا جو خمس میں حصہ تھا اس کی تقسیم کا متولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کو بنایا تھا۔ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ نے بھی انہیں کو متولی رکھا اور سیدنا علیؓ ان دونوں حضرات کی خلافتوں کے دوران نہایت خوش اسلوبی سے تولیت کے اس کام کو سرانجام دیتے رہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

ولانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس الخمس فوضعتہ مواضعہ حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و حیاۃ ابی بکرؓ و عمرؓ

(السنن الکبریٰ جلد ۶ ص ۳۴۳، مسند احمد جلد ۱ ص ۸۴)

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خمس الخمس کا اپنے زمانہ میں متولی بنایا اور میں نے جہاں جہاں مناسب تھا وہاں وہاں اسے تقسیم کیا۔ پھر ابو بکرؓ اور عمرؓ کی خلافتوں میں اس مال کا متولی رہا۔"

سیدنا علیؓ عہد فاروقی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے دو برس تین ماہ گیارہ دن بعد سیدنا

صدیق اکبرؓ بھی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی وفات ۲۲ جمادی الاخرۃ ۱۳ھ بروز دوشنبہ (سوموار) مغرب اور عشاء کے مابین ہوئی۔ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ اسما بنت عمیسؓ نے غسل دیا اور سیدنا عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے قبر میں اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد انور کے پہلو میں اس طرح لٹا دیا کہ آپ کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک تک آتا تھا۔ گویا ہم دوش ہونے کے بجائے زیر سایہ دوش ہو کر رہے۔

خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صحابہ کرامؓ کیا پوری مملکت اسلامیہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان غمزدوں میں ایک سیدنا علی ابن ابی طالبؓ بھی تھے۔ آپ کو بھی سیدنا ابو بکرؓ کی وفات سے سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ کو جب خلیفہ رسول کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور اپنے مکان سے فوری طور پر باہر نکل کر فرمایا:

اليوم انقطعت خلافة النبوة

"آج خلافت نبوت منقطع ہو گئی ہے۔"

پھر آپ اس مکان پر تشریف لائے جہاں سیدنا ابو بکرؓ کی نعش پڑی تھی۔ اس مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سیدنا ابو بکرؓ کے مناقب وفضائل بیان فرمائے۔

آپ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے فرمایا:

يرحمك الله يا ابابكر! كنت الف رسول الله صلى الله عليه وسلم وانسه ومستراحه وثقته وموضع سره ومشاورته، كنت اول القوم اسلاماً واخلصهم ايماناً واشدهم يقيناً واخوفهم لله واعظمهم غناء فى دين الله واحوطهم على رسول الله صلى الله عليه وسلم واحدبهم على الاسلام ايمنهم على اصحابه واحسنهم صحبة واكثرهم مناقباً وافضلهم سوابق وارفعهم درجةً واقربهم وسيلةً واشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم هدياً وسمتاً ورافة وفضلاً واشرفهم منزلة واكرمهم

Marfat.com

علیه واوثقهم عنده فجزاك الله عن الاسلام و عن رسوله خيراً، كنت عنده بمنزلة السمع و البصر صدّقت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين كذّبه الناس فسماك الله عزوجل فى تنزيله صديقاً فقال والذى جاء بالصدق و صدق به ۔ الذى جاء بالصدق محمد وصدق به ابو بكر واسيته حين بخلوا وقمت به عند المكاره حين عنه قعدوا و صحبه فى الغار و المنزل عليه السكينة ورفيقه فى الهجرة وخلفته فى دين الله وامته احسن الخلافة حين ارتد الناس وقمت بالامر مالم يقم به خليفة نبى فنهضت حين وهن اصحابک و برزت حين استكانوا و قويت حين ضعفوا لزمت منهاج رسول الله صلى الله عليه وسلم اذ هووا۔ كنت خليفته حقاً مالم تنازع ولم تصدع برغم المنافقين و كبت الكافرين و كره الحاسدين وغيظ الباغين۔ وقمت بالامر حين فشلوا وثبت اذ تضعفوا ومضيت بنور الله اذوقفوا فاتبعوك فهدوا وكنت اخفضهم صوماً واعلاهم فوقاً و امثلهم كلاماً و اصوبهم منطقاً واطولهم صمتاً وابلغهم قولاً واشجعهم نفساً واعرفهم بالامور واشرفهم عملاً كنت والله للدين يعسوباً اولاً حين نفر عنه الناس واخراً حين اقبلوا كنت للمومنين اباً رحيماً حتى صاروا عليک عيالاً فحملت اثقال ما ضعفوا وعيت ما اهملوا وحفظت ما اضاعوا و علمت ماجهلوا وشمرت اذ خضعوا وصبرت اذ جزعوا فادركت اوتار ماطلبوا وراجعوا برشدهم برايک فظفروا و نالوا بک مالم يحتسبوا ۔ كنت على الكافرين عذاباً صباً و لهباً و للمومنين رحمة وانساً وحصناً۔ فطرت و الله بغضائها و فزت بحبائها و ذهبت بفضائلها و ادركت سوابقها لم تفلل حجتک و لم تضعف بضيرتک ولم تجبن نفسک ولم يرع قلبک و لم يخر۔ كنت كالجبل الذى لا

Marfat.com

تحرکه العواصف و کنت کما قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امن الناس علینا فی صحبتک و ذات یدك و کنت کما قال ضعیفاً فی بدنک قویاً فی امر اللّٰه متواضعاً فی نفسک عظیماً عنداللّٰه جلیلاً فی اعین الناس کبیراً فی انفسهم لم یکن لاحد فیک مغمز ولا لقائل فیک مهمز ولا لاحد فیک مطمع ولالمخلوق عند هوادة الضعیف الذلیل عندك قوی عزیز حتی تاخذ بحقه والقوی عندك ضعیف ذلیل حتی تاخذ منه الحق والقریب والبعید عند و فی ذالک سواء اقرب الناس الیک اطوعهم للّٰه واتقاهم له ۔ شانک الحق والصدق والرفق قولک حکم حتم وامرك حلم وحزم و رایک علم وعزم ۔ فاقلعت وقد نهج السبیل و سهل العسیر و اطفیت النیران واعتدل بک الدین و قوی بک الایمان وثبت الاسلام و المسلمون و ظهر امر اللّٰه ولو کره الکافرون۔ فسبقت واللّٰه سبقاً بعیداً واتعبت من بعدك اتعاباً شد یداً وفزت لخیر فوزاً منیباً فجللت عن البکاء و عظمت رزقک فی السماء وهدت مصیبتک الانام فانا للّٰه وانا الیه را جعون ۔ ورضینا عن اللّٰه قضاه وسلمنا له امره' فواللّٰه لن یصاب المسلمون بعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بمثلک ابداً ۔ کنت للدین عزاً و حرزاً وکهفاً وللمومنین فئة و حصناً وغیثاً وعلی المنافقین غلظة وغیظاً فالحقک اللّٰه نبیک صلی اللّٰه علیه وسلم ولا حرمنا اجرك ولا اضلنا بعدك فا نا للّٰه و انا الیه راجعون

''اے ابو بکرؓ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مونس و غمخوار، راحت جان، معتمد، محرم راز اور مشیر تھے۔ آپ اسلام لانے والوں میں اول تھے اور آپ سب سے زیادہ مخلص و مومن تھے۔ آپ کا یقین سب سے زیادہ محکم، آپ سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والے، اللہ

Marfat.com

کے دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ بے نیاز اور دوسری چیزوں کی پروا نہ کرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے معتبر، اسلام پر سب سے زیادہ مہربان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے سب سے زیادہ بابرکت، رفاقت و دوستی میں ان سب سے بہتر، مناقب وفضائل میں ان سب سے بڑھ چڑھ کر، پیش قدمیوں میں سب سے افضل و برتر، درجہ میں سب سے بلند، وسیلہ کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سب سے زیادہ قریب اور سیرت، عادت، بزرگی اور فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ۔ صحابہ کرامؓ میں مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بلند تر، حضور علیہ اسلام کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ومحترم اور معتمد۔ پس اللہ تعالیٰ اسلام اور اپنے رسول کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بمنزلہ گوش و چشم تھے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت تصدیق کی جب دوسرے لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن حکیم میں صدیق کے لقب سے یاد فرمایا: ”والذی جاء بالصدق و صدق به“ سچائی لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی تصدیق کرنے والے ابوبکرؓ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت غم خواری اور مواسات کی جب دوسرے لوگوں نے بخل کیا۔ اور آپ مکروہات اور ناگوار حالات میں آپ کے ساتھ اس وقت بھی کھڑے رہے جب کہ دوسرے لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ آپ نے مصائب اور تکالیف میں بھی آپ کی صحبت و رفاقت کا حق بوجوہ احسن ادا کیا۔ آپ ثانی اثنین اور یار غار تھے۔ اور آپ پر سکون نازل ہوا تھا۔ آپ ہجرت میں بھی آپؐ کے رفیق تھے اور اللہ کے دین میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے خلیفہ بنے جس نے اس وقت خلافت کا حق ادا کیا جب کہ لوگ مرتد ہو گئے تھے اور آپ نے خلافت کا وہ حق ادا کیا جو کسی دوسرے پیغمبر کے

Marfat.com

خلیفہ نے ادا نہیں کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس وقت مستعدی دکھائی جب کہ آپ کے ساتھی سست ہو گئے تھے اور آپ نے اس وقت جنگ کی جب کہ وہ عاجز ہو گئے تھے۔ جب وہ کمزور اور ناتواں تھے تو آپ قوی اور مضبوط رہے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کو اس وقت تھامے رکھا جب کہ لوگ پست ہو گئے تھے۔ آپ بلا نزاع وتفرقہ خلیفہ برحق تھے اگرچہ اس سے منافقوں کو غصہ، کفار کو رنج، حاسدوں کو کراہیت اور باغیوں کو غیظ تھا۔ آپ حق بات پر ڈٹے رہے جب کہ لوگ بزدل ہو گئے۔ اور آپ ثابت قدم رہے جب کہ دوسرے ڈگمگا گئے۔ آپ اللہ کے نور کے لیے بڑھتے رہے جب کہ لوگ کھڑے منہ دیکھ رہے تھے۔ آخر کار انہوں نے آپ کی پیروی کی اور ہدایت پائی۔ آپ کی آواز ان سب سے زیادہ پست تھی مگر آپ کا مرتبہ ان سب سے زیادہ بلند تھا۔ آپ کا کلام سب سے زیادہ سنجیدہ تھا اور سب سے زیادہ آپ کی گفتگو درست تھی۔ آپ سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے لیکن جب بولتے تو آپ سب سے زیادہ بلیغ تھے۔ شجاعت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ نہایت معاملہ فہم اور عمل کے اعتبار سے سب سے اشرف تھے۔ بخدا آپ دین کے یعسوب (سردار) تھے۔ جب لوگ دین سے ہٹے تو آپ آخری سردار تھے اور رحم دل باپ کی حیثیت رکھتے تھے یہاں تک کہ وہ آپ کی اولاد کی طرح ہو گئے جس بھاری بوجھوں کے لیے وہ اپنے آپ کو کمزور سمجھتے تھے آپ نے انہیں اٹھا لیا۔ جس چیز کو انہوں نے چھوڑ دیا آپ نے اس کی نگرانی او رحفاظت کی اور جس شی کو وہ نہیں جانتے تھے آپ نے وہ انہیں سکھائی۔ جب وہ درماندہ و عاجز ہوئے تو آپ نے مستعدی دکھائی۔ جب وہ گھبرائے تو آپ نے صبر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی آپ نے دادرسی کی اور وہ اپنی ہدایت کی خاطر آپ کی راہ کی طرف لوٹے اور وہ کامیاب ہوئے اور جس شے کا اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ پالیں گے وہ انہوں نے پالی۔ آپ کافروں کے لیے عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے اور اس کے مقابلہ میں مومنین کے لیے رحمت، انسیت اور پناہ تھے۔ آپ نے اوصاف وکمالات کی

فضا میں پرواز کی۔ آپ نے ان کا عطیہ پایا۔ اسی کی اچھائیاں لے لیں۔ آپ کی حجت کو شکست نہیں ہوئی، آپ کی بصیرت کمزور نہیں ہوئی۔ آپ کا نفس بزدل نہیں ہوا اور نہ ہی آپ کے دل میں خوف پیدا ہوا اور نہ ہی وہ کمزور ہوا۔ آپ اس پہاڑ کی مانند تھے جس کو آندھیاں اور ہواؤں کے تندوتیز جھکڑ ہلا نہیں سکتے تھے۔ اور جیسا کہ آپ کے اور میرے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آپ رفاقت اور مالی خدمت دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے۔ اور فرمان نبوی کے مطابق جسمانی لحاظ سے اگرچہ کمزور لیکن اللہ کے معاملہ میں قوی اور طاقتور تھے۔ اپنے نفس کے اعتبار سے متواضع تھے۔ حق تعالیٰ کے نزدیک آپ عظیم تھے اور لوگوں کی آنکھوں اور ان کے دلوں میں بھاری بھرکم اور جلیل القدر تھے۔ آپ کی نسبت نہ کوئی طنز کرتا تھا اور نہ کوئی حرف گیری۔ آپ میں نہ کسی کو کوئی طمع تھی اور نہ آپ کسی کی کوئی رو و رعایت کرتے تھے۔ ضعیف و ناتواں آدمی آپ کے نزدیک قوی تھا کہ آپ اس کو حق دلاتے تھے اور قوی اور طاقتور آپ کے نزدیک ضعیف اور ذلیل تھا کہ آپ اس سے حق لیتے تھے۔ دور و نزدیک دونوں قسم کے لوگ آپ کی نگاہ میں یکساں اور برابر تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ فرمانبردار اور متقی ہوتا وہی آپ کا سب سے زیادہ مقرب تھا۔ آپ کی شان حق، صداقت اور نرمی تھی، لہذا آپ کا قول حکم قطعی اور آپ کا معاملہ بردباری اور دور اندیشی تھا اور آپ کی رائے علم اور عزم تھی۔ آپ اس وقت دنیا سے رخصت ہوئے جبکہ راستہ ہموار اور مشکل آسان ہو گئی۔ فتنہ وفساد کی آگ بجھ گئی اور دین آپ کی وجہ سے معتدل اور ایمان قوی ہو گیا۔ اسلام اور مسلمان ثابت قدم ہو گئے۔ اللہ کا امر غالب آ گیا اگرچہ کافروں کو اس سے تکلیف ہوتی تھی۔

آپ نے سخت پیش قدمی کی اور اپنے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا۔ آپ خیر سے کامیاب ہوئے اور آپ اس بات سے اعلیٰ اور بلند و بالا ہیں کہ آپ پر آہ و بکا اور گریہ و زاری کی جائے۔ آپ کی موت کی مصیبت تو آسمانوں میں

Marfat.com

بھی بری طرح محسوس کی جارہی ہے اور ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہیں اور ہم نے اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیا ہے۔

بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی وفات جیسا جانگداز حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ آپ دین کی عزت، جائے پناہ اور حفاظت گاہ تھے۔ مومنوں کے لیے ایک گروہ، قلعہ اور دارالامن تھے۔ منافقوں کے لیے غلظت اور غضب تھے۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے نبی سے ملا دے اور ہم کو آپ کے بعد آپ کے اجر سے محروم اور آپ کے راستہ سے گمراہ نہ کرے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ جلد ۱ ص ۱۸۳، ۱۸۴)

کچھ الفاظ کی تبدیلی اور اختصار کے ساتھ سیدنا علیؓ کے اس خطبہ کو محمد ابن ابی بکر بن عبداللہ بن موسیٰ التلمسانی نے اپنی کتاب الجوھرۃ فی نسب النبی و اصحابہ العشرۃ جلد ۲ ص ۱۶۲ پر اور منتخب کنز العمال جلد ۴ ص ۳۶۶ پر بھی نقل کیا ہے۔

سیدنا علیؓ کے اس خطبہ کے دوران تمام موجود لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ اس خطبہ کو سنتے رہے لیکن جونہی آپ نے یہ خطبہ ختم فرمایا تو سب لوگوں کی بے تحاشہ چیخیں نکل گئیں اور سب لوگوں نے باآواز بلند کہا:

"اے رسول اللہ کے داماد بے شک آپ نے سچ فرمایا۔"

Marfat.com

سیدنا فاروق اعظمؓ کی نامزدگی :

سیدنا ابو بکر صدیقؓ اپنے ایام خلافت میں اکابر صحابہؓ سے ہر کام میں برابر مشورہ کرتے رہے۔ آخری ایام میں جب آپ کا مرض روز بروز بڑھ رہا تھا اور افاقہ سے مایوسی ہو گئی تو آپ نے مختلف صحابہ کرامؓ کو بلا کر اپنی جانشینی کے بارہ میں ان سے مشورہ کیا اور سیدنا فاروق اعظمؓ کا نام پیش فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کی اکثریت سیدنا عمرؓ کے جانشین بننے کے حق میں نہ تھی حتی کہ جلیل القدر صحابہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا طلحہؓ نے بھی سیدنا عمرؓ کی سختی کی وجہ سے ان کے حق میں رائے نہ دی، لیکن سیدنا ابو بکرؓ کی بصیرت یہ سمجھتی تھی کہ جو شخص دنیا کے معاملات میں سخت ہے وہ دین کے معاملہ میں بھی یقیناً سخت ہو گا جو امت مسلمہ کے لیے مفید ہو گا۔ ان کے ذہن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی تھا------ واشدھم فی امر اللہ عمر------ (عمر اللہ کے معاملہ میں تمام صحابہؓ میں سخت ہیں) چنانچہ سیدنا طلحہؓ نے یہ کہا کہ "اے ابو بکرؓ آپ کو معلوم ہے کہ عمرؓ کے مزاج میں کس قدر تشدد اور سختی ہے، اس کے باوجود آپ ان کو اپنا جانشین نامزد کر رہے ہیں تو کل اپنے پروردگار کو جب وہ آپ سے باز پرس کرے گا کیا جواب دیں گے؟"

سیدنا ابو بکرؓ لیٹے ہوئے تھے۔ سیدنا طلحہؓ کی زبان سے یہ بات سن کر آپ کو طیش آ گیا۔ آپ نے فرمایا "ذرا مجھ کو بٹھا دو" صحابہ کرامؓ نے بٹھا دیا تو فرمایا "کیا تم مجھ کو میرے پروردگار سے ڈراتے ہو؟ میں جب اپنے رب سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا کہ اے اللہ میں نے ترے بندوں پر ایک تیرے بہترین بندہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔" (استخلف علی اھلک خیر اھلک) (ابن اثیر جلد۲ ص ۴۲۵)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اعتراض کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ عمرؓ اس لیے سخت ہے کہ میں نرم تھا۔ جب خلافت کا بار ان کے کاندھوں پر پڑے گا تو وہ خود بخود نرم اور حلیم ہو جائیں گے۔"

سیدنا عثمانؓ بن عفان سے آپ نے اپنا جانشین مقرر کرنے کے بارہ میں مشورہ طلب کیا تو آپ نے کہا کہ عمرؓ سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے

Marfat.com

بہت اچھا ہے اور ان جیسا ہم میں سے کوئی نہیں ہے۔" (تاریخ الخلفاء ص ۸۲)

سیدنا عثمانؓ کے جواب سے سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کرنے کے لیے قطعی فیصلہ کر لیا لیکن کسی پر اپنے اس نظریہ کو ظاہر نہ فرمایا۔

جب بیماری نے زیادہ شدت اختیار کر لی تو آپ نے سیدنا عثمانؓ کو طلب فرمایا تا کو وصیت نامہ انہیں سے لکھوایا جائے۔ چنانچہ قلم اور دوات منگوا کر سیدنا عثمانؓ سے فرمایا کہ میری طرف سے وصیت لکھو:

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا ماعهد ابو بکر بن ابی قحافة امابعد

ابھی اتنی ہی املاء کروائی تھی کہ آپ پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔ سیدنا عثمانؓ کو پہلے معلوم تھا ہی، انہوں نے اس خیال سے کہ اگر بے ہوشی کے عالم میں سیدنا ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا اور یہ وصیت نامہ یوں ہی نامکمل رہ گیا تو کہیں سلطنت میں کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو جائے، اس وصیت نامہ میں اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیے:

فانی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب و لم آل لکم خیراً

"یعنی میں تم پر عمرؓ بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں نے اس معاملہ میں تمہاری خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی۔"

تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کو غشی سے افاقہ ہوا تو آپ نے سیدنا عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے کیا لکھا؟ آپ نے جو کچھ لکھا تھا وہ پڑھ کر سنایا۔ جب سیدنا عثمانؓ نے سیدنا عمرؓ کا نام پڑھا تو سیدنا ابو بکرؓ کے منہ سے نکلا "اللہ اکبر" اور فرمایا: "عثمانؓ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔"

(الامامۃ والسیاستہ جلد ا ص ۱۹، العواصم من القواصم ۵۱، ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۲۵، عثمانؓ بن عفان للعقاد ص ۱۵۰، تاریخ الخلفاء ص ۸۲)

غرض کہ سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمرؓ کو اپنا قائم مقام اور جانشین تجویز فرما کر مسلمانوں کے سامنے ایک تحریر پیش کی۔ روایات میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ بالاخانے پر تشریف لائے اور لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا اے لوگو! خلافت کے بارہ

Marfat.com

میں نے ایک عہد کیا ہے۔ کیا تم اس پر رضا مند ہو؟ سب لوگوں نے جواب دیا ''اے خلیفہ رسول ہم اس بات پر راضی ہیں۔'' لیکن سیدنا علیؓ نے کہا:

لانرضی الاان یکون عمر بن الخطاب

''عمر بن الخطابؓ کے سوا ہم کسی دوسرے شخص پر راضی نہیں ہوں گے۔''

(اسد الغابہ جلد۴ ص ۷۰، تاریخ الخلفاء ص ۸۲، الصواعق المحرقہ ص ۵۴)

علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے حکم سے وصیت نامہ کو سیدنا عثمانؓ سربمہر کر کے آپ کے دولت کدہ سے باہر آئے۔ سیدنا عثمانؓ نے لوگوں کو صدیق اکبرؓ کی طرف سے کہا کہ اس کاغذ پر جس شخص کی تجویز ہو چکی ہے کیا آپ اس کے حق میں بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں؟ سب حضرات نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم بیعت کے لیے بالکل تیار ہیں۔ سیدنا علیؓ نے کہا کہ وہ شخص ہمیں معلوم ہو گیا ہے:

وھو عمر فاقروا بذالک جمیعاً و رضوا و بایعوا

''اور وہ عمرؓ ہیں۔ پس سب لوگوں نے اس کو تسلیم کر لیا اور اس پر رضا مند ہو گئے اور سب نے عمرؓ کی بیعت کر لی۔'' (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کو سیدنا عمرؓ سے ایک خاص قسم کی دلی محبت تھی اور سیدنا عمرؓ کے مناقب سے بخوبی آشنا تھے۔ اسی وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا ابوبکرؓ کے بعد کشتی امت کا اگر کوئی ناخدا ہو سکتا ہے تو وہ صرف سیدنا عمرؓ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے برملا کہا کہ ''ہم سوائے عمرؓ کے اور کسی پر راضی نہ ہوں گے۔

کیونکہ سیدنا عمرؓ سیدنا علیؓ کے نزدیک نجیب امت، القوی الامین، خلیل و صدیق امام ہدایت، راشد و مرشد غرض کہ کئی قسم کی عظمتوں کے مستحق تھے۔

(ملاحظہ ہو مسند احمد جلد ا ص ۱۴۲، عمر بن خطاب لابن الجوزی ص ۱۶، کتاب الخراج یحیٰ ابن آدم ص ۲۳، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۹، تاریخ کبیر جلد ۳ ص ۱۴۵)

سیدنا علیؓ کی خود اپنی سیرت سیدنا عمرؓ کے مشابہ تھی چنانچہ یحیٰ ابن آدم نے نقل کیا ہے:

کان علی یشبہ بعمر یعنی فی السیرۃ (کتاب الخراج ص ۲۴)

''سیدنا علیؓ کی سیرت سیدنا عمرؓ کی سیرت سے مشابہ تھی۔''

Marfat.com

جو شخص سیدنا علیؓ کے نزدیک لاتعداد فضیلتوں کا حامل تھا، بے حد تعریفوں کے لائق اور گوناگوں فضائل ومناقب کا مستحق تھا۔ بھلا کیسے ہوسکتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے اس کی بیعت نہ کی ہو۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے اس وقت فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔

فبايع الناس ابابكر فبايعت ورضيت، ثم توفي ابو بكر فاستخلف عمر فبايعت ورضيت، ثم توفي عمر فجعلها شوریٰ فبايعوا عثمان فبايعت و رضيت۔

"تو لوگوں نے ابو بکرؓ کی بیعت کی، پس میں نے بھی ان کی بیعت کی اور رضا مندی کا اظہار کیا۔ پھر ابو بکرؓ کا انتقال ہوا اور عمرؓ خلیفہ بنائے گئے۔ پس میں نے بھی ان کی بیعت کی اور رضا مندی کا اظہار کیا۔ پھر عمرؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک مجلس شوریٰ بنا دی۔ پھر اہل مشورہ نے عثمان کی بیعت کی تو میں نے بھی رضا مندی سے عثمان کی بیعت کی۔"

(فضائل ابی بکر الصدیق لابیطالب العشاری ص ۵)

شیخ ابو جعفر طوسی کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے کہ جنگ جمل کے بعد ایک جماعت سیدنا علیؓ کے پاس آ کر اپنے بعض اعمال کی معذرت کرنے لگے تو سیدنا علیؓ نے ان سے فرمایا

فبايعتم ابابكر وعدلتم عني، فبايعت ابا بكر كما بايعتموه ...... فبايعت عمر كما با يعتموه

"پس تم نے ابو بکر کی بیعت کی اور مجھ سے اعراض کیا، تو میں نے بھی ابو بکرؓ کی بیعت کی جس طرح تم نے ان کی بیعت کی ۔۔۔ پس میں نے بھی عمرؓ کی اسی طرح بیعت کی جس طرح تم نے ان کی بیعت کی۔"

(امالی شیخ طوسی جلد ۲ ص ۱۲۱، عراق)

تاریخ کے اوراق اس بات کی کھلی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نہ تو خلافت کے حریص تھے اور نہ ہی انہوں نے سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں میں

Marfat.com

عدم تعاون کا رویہ اختیار کیا، بلکہ انہوں نے تمام امور مملکت میں ان حضرات کے ساتھ تعاون اور معاونت کی، کیونکہ سیدنا علیؓ ان حضرات کے مقام کو پہچانتے تھے اور انہیں دینی طور پر اپنے سے بہتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہؒ نے آپ سے پوچھا:

ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے بہتر شخص کون تھا؟"

تو سیدنا علیؓ نے بلاخوف وخطر اور بلا تامل یہ جواب دیا:

ابو بکر، قال ثم من ؟ قال عمر، وخشیت ان فقول عثمان

"کہ امت مسلمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ابو بکرؓ تھے، میں نے پوچھا کہ ان کے بعد کون؟ فرمایا عمر مجھے خیال آیا کہ پھر آپ عثمانؓ کا نام لیں گے۔ لہذا میں نے خود ہی کہا کہ کیا عمرؓ کے بعد پھر آپ کا نمبر ہے لیکن علیؓ نے جواب میں فرمایا"

ما انا الا رجل من المسلمین

"میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام مسلمان ہوں۔"

(بخاری جلد ۱ ص ۵۱۸، ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۸۸)

اس روایت سے اور اس قسم کی دوسری کئی روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ سیدنا عمرؓ کو خلیفہ رسول سیدنا ابو بکرؓ کے بعد امت میں سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ لہذا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ ان کے ہاتھ پر بیعت نہ فرماتے؟

سیدنا علیؓ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ جو حضرات حسنینؓ کی سگی ہمشیرہ اور سیدہ فاطمہؓ کی بطن سے تھیں، سیدنا عمرؓ کے نکاح میں دے کر ان کو جو اپنے حلقہ دامادی میں لیا تھا، اس کی وجہ بھی سیدنا عمرؓ کا خیر امت ہونا تھا۔ چنانچہ اس نکاح کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "صحابہ کرام اور اہل بیت نبوت کی رشتہ داریاں" میں بیان کی ہے۔

سیدنا عمرؓ کے سیدنا ابوبکرؓ کے بعد خیر امت ہونے کے بارہ میں ملاحظہ ہو مسند احمد جلد ۱ ص ۱۰۶، ۱۵۵، ۱۲۸، ابن ماجہ ۱۱، باب فضائل عمرؓ، حلیۃ الاولیاء جلد ۷ ص ۱۹۹، التاریخ الکبیر، بخاری جلد ۲ ص ۲۸، کتاب الآثار، امام ابو یوسف ص ۲۰۷، الاستیعاب جلد

Marfat.com

۲،ص ۲۴۴، ص ۴۵۶ وغیرہ۔

سیدنا علیؓ کا سیدنا فاروق اعظمؓ کے ساتھ تعاون

جہاں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا علیؓ نے نہایت خوش دلی اور رضا و رغبت سے امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ کی بیعت کی تھی وہاں اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ سیدنا علیؓ امور مملکت میں سیدنا عمرؓ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون فرماتے تھے اور سیدنا عمرؓ ان سے اکثر معاملات میں مشورہ بھی کرتے تھے۔ بلکہ روایات میں تو یہاں تک آتا ہے کہ سیدنا عمرؓ جب بھی مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے تو سیدنا علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر گئے۔ چنانچہ چودہ ہجری میں مدینہ طیبہ سے باہر پانی کے ایک چشمہ پر تشریف لائے تو تاریخ میں مرقوم ہے کہ:

استخلف علی المدينة علی ابن ابی طالب

"انہوں نے مدینہ طیبہ میں علیؓ ابن ابی طالب کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ص ۳۵)

اسی طرح پندرہ ہجری میں فتح بیت المقدس کے موقع پر بھی سیدنا عمرؓ جب بیت المقدس میں تشریف لے گئے تو علامہ ابن کثیر ہی نے لکھا ہے کہ:

استخلف علی المدينة علی ابن ابی طالب

"انہوں نے مدینہ طیبہ میں علیؓ ابن ابی طالب کو اپنا قائم مقام اور نائب مقرر فرمایا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ص ۵۵، ابن اثیر جلد ۲ص ۵۰۰، ابن خلدون جلد ۲ص ۱۰۶)

سترہ ہجری میں بھی جب سیدنا عمرؓ مقام ایلہ تشریف لے گئے تو:

خلف عليا علی المدينة

"سیدنا علیؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔"

(طبری جلد ۴ص ۲۰۳، واقعات ۱۷ھ)

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے مابین محبت و مودت کے گہرے اور مضبوط رشتے تھے اور وہ آپس میں رحیم و کریم تھے۔ ان کے بارہ میں

Marfat.com

دشمنان صحابہ نے جو عداوت اور دشمنی اور تشتت وافتراق بلکہ انتشار و اختلاف کی روایات وضع کر کے مشہور کر رکھی ہیں وہ سب ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں۔

چودہ ہجری میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے رمضان المبارک میں نماز تراویح کا ایک جماعت کے ساتھ پڑھنا تجویز فرمایا تھا بلکہ اس کا اہتمام بھی فرمایا (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ا ص ۹۸) ۱۴ھ کے بعد تراویح کا یہ اہتمام ہر سال چلتا رہا یہاں تک کہ سیدنا عثمانؓ بن عفان کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ سیدنا علیؓ نماز عشاء کے لیے مسجد تشریف لائے۔ دیکھا کہ مسجد میں روشنی کا اچھا خاصا انتظام ہے اور تراویح میں لوگ قرآن سن رہے ہیں۔ یہ روح پرور منظر دیکھ کر سیدنا علیؓ نے فرمایا:

نور اللہ علی عمر قبرہ کما نور علینا مساجدنا

"اللہ تعالیٰ عمرؓ کی قبر کو منور فرمائے جس طرح انہوں نے ہماری مساجد کو منور فرمایا"

(قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۶، تاریخ الخلفاء ص ۹۷، الریاض النضرۃ جلد ا ص ۲۷۰)

کسی کے بارہ میں یہ الفاظ اسی شخص کی زبان سے نکل سکتے ہیں جس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اس کی محبت جاگزیں ہوں۔ منافقت اور تقیہ سے ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے۔ اور ان الفاظ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ کے مابین محبت و مودت کا رشتہ اخلاص اور نیکی کی بنیادوں پر استوار تھا اور وہ اپنا ہر کام باہمی مشورہ اور خیر خواہی سے کرتے تھے۔ نافع العیشی کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ میں سیدنا علیؓ ابن ابی طالب اور سیدنا عمرؓ بن الخطاب کے ساتھ اس جگہ داخل ہوا جہاں صدقے کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔ سیدنا عثمانؓ بن عفان تو سایہ میں بیٹھ کر لکھ رہے تھے اور سیدنا علیؓ ان کے ساتھ کھڑے جو کچھ سیدنا عمرؓ کہتے اس کو املاء کراتے جاتے تھے، اور سیدنا عمرؓ کی حالت یہ تھی کہ وہ سخت دھوپ میں کھڑے صدقہ میں آئے ہوئے اونٹوں کو گن رہے تھے۔ اس حال میں کہ ان کے جسم پر صرف دو چادریں تھیں، ایک چادر سے اپنا جسم لپیٹے ہوئے تھے اور دوسری چادر سر پر اوڑھے ہوئے تھے۔ اس قدر سخت گرمی اور اس حالت میں ان اونٹوں کے رنگ اور ان کے دانت لکھوا رہے تھے"

Marfat.com

اس صورت حال کو دیکھ کر سیدنا علیؓ نے سیدنا عثمانؓ سے کہا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ:

یابت استاجره ان خیر من استاجرت القوی الامین۔

''پھر سیدنا فاروق اعظمؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا''

هذا القوی الامین

''یہ ہیں وہ قوی اور امین۔'' (ابن اثیر جلد ۳ ص ۵۵)

سیدنا علیؓ کی سیدنا عمرؓ سے دوستی، یگانگت اور محبت و مودت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے بچوں کے نام سیدنا عمرؓ کے نام پر رکھے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کی ایک زوجہ محترمہ ام حبیب بنت ربیعہ البکر یہ کے بطن سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام ''عمر'' تھا۔

(تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۲۱۳)

یعقوبی کے علاوہ دوسرے شیعہ مورخین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سیدنا علیؓ اور ان کی اولاد نے اپنے لڑکوں کے نام سیدنا عمرؓ کے نام پر ''عمر'' رکھے۔

(ملاحظہ ہو جلا العیون ص ۴۶۴، منتہی الآمال، عباس قمی ص ۱۸۷، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۱ ص ۵۹، عمدۃ الطالب ص ۳۶۱ وغیرہ)

شہادت عمرؓ

ذوالحجہ ۲۳ ھ کے آخری ہفتے میں ایک روز سیدنا عمرؓ نماز صبح کے لیے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ ابولولو فیروز نامی ایک شخص جو ایرانی الاصل اور مجوسی المذہب تھا، ایک دو دھارا خنجر لے کر مسجد میں پہلی صف میں بیٹھا ہوا تھا۔ جونہی سیدنا عمرؓ نے تکبیر تحریمہ کہہ کر قرآت شروع کی' اس بدبخت نے اچانک صف سے نکل کر اس دو دھارا خنجر سے امیر المومنین پر چھے وار کئے۔ (۱) جن میں سے ایک سب سے کاری تھا اور ناف کے نیچے لگا تھا۔ امیر المومنینؓ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف آگے بڑھے اور دو چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نماز مکمل کی اور فرش مسجد پر دیکھا کہ امیر

(۱) بخاری وغیرہ میں ہے کہ اس نے ۱۳ اور حضرات کو بھی زخمی کیا جن میں سات حضرات داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس پر برنس (ایک لمبے قسم کی پوشاک) ڈال دی جس سے وہ الجھ گیا

Marfat.com

اور وہیں گرفتار ہو گیا۔ جب رہائی کا کوئی راستہ نہ پایا تو اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ (بخاری جلد ا ص ۵۲۳)
المومنینؓ زخمی حالت میں بے ہوش پڑے ہیں۔

(طبری جلد ۳ ص ۲۶۴، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۱)

امیر المومنین کو گھر لایا گیا۔ آپ کو جب ہوش آیا تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے ابھی نماز نہیں پڑھی۔ یہ سن کر امیر المومنینؓ نے فرمایا

"اسلام میں اس شخص کا کوئی حصہ نہیں جو نماز نہیں پڑھتا"

چنانچہ آپ نے اسی حالت میں نماز فجر ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا کہ ذرا باہر نکل کر دیکھنا کہ میرا قاتل کون ہے؟ انہوں نے کہا امیر المومنین آپ کا قاتل مغیرہؓ بن شعبہ کا غلام ابولولو فیروز ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

الحمد للّٰہ الذی لم یجعل منیتی بید رجل یدعی الاسلام

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے کسی ایسے شخص کے ہاتھ موت نہیں دی جو اسلام کا مدعی ہو۔" (بخاری جلد ا ص ۵۲۳، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۷)

زخم چونکہ کاری تھا لہٰذا اصحابہ کرامؓ کو صحت کے بارہ میں مایوسی ہو گئی۔ اس لیے آپ سے درخواست کی کہ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اپنا کوئی جانشین مقرر فرما جائیں۔ پاس بیٹھے کسی شخص نے کہا کہ آپ اپنے فرزند ارجمند سیدنا عبداللہؓ کو اپنا جانشین نامزد فرما دیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

"خلافت اگر کوئی بہتر شی تھی تو ہم نے اس میں سے اپنا حصہ لے لیا۔ اور اگر یہ کوئی بری شی تھی تو اب وہ ہم سے پھر گئی۔ خطاب کی اولاد کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے صرف ایک آدمی ہی سے امر خلافت کے بارہ میں محاسبہ اور امت محمدیہ کے بارہ میں سوال ہو۔ میں نے اپنی اہل کو خلافت کے فوائد سے محروم کر رکھا تھا۔ پھر بھی میں اگر برابر برابر چھوٹ جاؤں تو بہت کامیاب ہوں گا۔" (عثمان بن عفان للعقاد ص ۱۵۱، طبری جلد ۳ ص ۲۹۲)

دوسری بار پھر آپ سے کہا گیا کہ اپنا کوئی جانشین مقرر فرما جائیں۔
آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

Marfat.com

"تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں، اور وہ علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، زبیر بن العوام اور طلحہؓ بن عبید اللہ ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کو خلیفہ منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں سے ایک کو خلیفہ بنا لیں تو پھر اس کی اعانت کرو۔" (طبری جلد ۳ ص ۲۹۳، عثمان بن عفان ص ۱۵۲)

اس وقت سیدنا طلحہؓ مدینہ طیبہ میں موجود نہ تھے کہ بلکہ کسی کام کے سلسلہ میں شام گئے ہوئے تھے' لہذا آپ نے باقی پانچ حضرات کو بلایا اور انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"میں نے بہت غور و خوض کیا اور تم لوگ مسلمانوں کے سردار اور قائد ہو۔ امر خلافت تم ہی سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اپنی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے راضی تھے۔ اگر تم درست اور متحد رہے تو مجھے مسلمانوں کے بارہ میں کوئی خوف اور ڈر نہیں، لیکن اگر تم میں اختلاف واقع ہو گیا تو مسلمانوں میں بھی اختلاف کی خلیج پیدا ہو جائے گی۔" (عثمان بن عفان عباس محمود ص ۱۵۲)

اس کے بعد آپ نے مہاجرین، انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور آخر میں اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہؓ کو فرمایا کہ مجھ پر جس قدر قرض ہے اگر وہ میرے مال متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر ان سے بھی ادا نہ ہو سکے تو کل خاندان قریش کو کہنا لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔

غرض یہ نابغہ روزگار اور عبقرئی اسلام تین روز صاحب فراش رہ کر یکم محرم بروز ہفتہ ۲۳ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے یار غار کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سیدنا علیؓ کو سیدنا عمرؓ کی شہادت کا بہت صدمہ ہوا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ سیدنا علیؓ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہؓ بیوہ ہو گئیں کیونکہ سیدنا عمرؓ سیدنا علیؓ کے داماد تھے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ سیدنا عمرؓ کی شہادت اسلام کے لیے ایک عظیم حادثہ تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"سیدنا علیؓ سیدنا عمرؓ کی وفات پر رو رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا عمرؓ کی موت پر رو رہا ہوں۔ عمرؓ کی موت اسلام میں ایک ایسا شگاف ہے جو قیامت تک کبھی پر نہ ہو سکے گا۔"

(الفتوحات الاسلامیہ جلد۲ ص ۴۲۹)

اسی طرح مسند احمد میں ابو جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کی شہادت کے وقت میں ان کے پاس تھا اور ان کا جسد مبارک ایک چادر میں ڈھکا ہوا تھا۔ اتنے میں سیدنا علیؓ ابن ابی طالب تشریف لائے۔ سیدنا عمرؓ کے چہرہ سے ہٹایا اور کہا:

رحمة اللّٰه عليك ابا حفص فواللّٰه مابقي بعد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم احد احب الى ان القى اللّٰه تعالىٰ بصحيفته منك

"اے ابو حفص (سیدنا عمرؓ کی کنیت ہے) اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔ بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے جس کے نامہ اعمال کے ساتھ میں اللہ سے ملنا پسند کروں۔"

(مسند احمد، جلد ۱ ص ۱۰۹)

سیدنا علیؓ عہد عثمانی میں

سیدنا عمرؓ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور لوگوں نے جن میں سیدنا علیؓ بھی شامل تھے غمناک اور نمناک آنکھوں کے ساتھ حجرہ عائشہ صدیقہؓ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے جوار میں دفن کر دیا۔ مجلس مشاورت کے یہ اراکین خلافت کی گتھی سلجھانے کے لئے جمع ہوئے۔

مورخین نے اس مجلس مشاورت کے اراکین کے بارہ میں عجیب و غریب قسم کی روایات اپنی کتابوں میں جمع کر دی ہیں کہ انتخاب خلیفہ کے وقت مجلس مشاورت میں بہت اختلاف ہو گیا تھا اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ اسے خلیفہ بنایا جائے۔ بعض سیدنا علیؓ کا نام لیتے اور بعض سیدنا عثمانؓ کا اور بعض دوسرے حضرات کا، لیکن اس قسم کی سب روایات خلاف حقیقت اور دشمنان صحابہ کی وضع کردہ ہیں۔ اور ان روایات میں صحابہ کرامؓ کا جو

Marfat.com

کردار پیش کیا گیا ہے وہ آج کل کے عام آدمی سے بلند نظر نہیں آتا۔ حالانکہ حضرات صحابہ مجسم اخلاق تھے۔ بداخلاقی اور بد کرداری کی دنیا میں روشنی کا مینار تھے جن کو دیکھ کر لوگ اپنے کردار کی سمت سیدھی کیا کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اخلاص کامل ان کے رگ و پے میں بھرا ہوا تھا۔ ان سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے بارہ میں اس قدر خود غرضی سے کام لیں۔ پھر ان کے سامنے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا نمونہ موجود تھا کہ جب ان کے کاندھوں پر خلافت کا بوجھ ڈالا گیا تو بجائے اس بات کے کہ وہ خلافت کے اس منصب سے اپنا کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرتے، انہوں نے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کو بھی جائز تمتع سے یک قلم محروم کر دیا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے اس دنیا سے انتقال فرماتے وقت جہاں عشرہ مبشرہ کے چھ صحابہ کی ایک مجلس مشاورت قائم فرمائی وہاں اپنے بہنوئی اور نہایت قریبی عزیز سیدنا سعید بن زید کو اس مجلس مشاورت کا رکن مقرر نہ فرمایا حالانکہ وہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے تھے، ان سے بھی اللہ کا رسول اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھا اور حق تعالیٰ نے ان کو بھی بہت سی فکری اور عملی صلاحیتوں سے نوازا ہوا تھا۔ اور وہ بھی کاروبار خلافت نہایت احسن طریق سے چلا سکتے تھے۔ اسی طرح آپ نے اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہؓ کو اس مجلس مشاورت میں رکن تو مقرر فرما دیا، لیکن صرف آبزرور (OBSER VER) کے طور پر، اور وہ بھی دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ اگر سیدنا طلحہؓ نہ آئیں تو ان کو شامل کر لینا اور دوسرے وہ صرف مشورہ دے سکتے ہیں امیدوار خلافت نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے سیدنا سعید بن زیدؓ کے بارہ میں لکھا ہے:

ولم یذکر سعید بن زید بن عمرو بن نفیل العدی یتهم لکونه من قبیلته خشیة ان یراعی فی الامارة بسببه

"سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے مجلس مشاورت کے اراکین میں سیدنا سعید بن زیدؓ کا نام نہ لیا کیونکہ وہ ان کے رشتہ دار تھے، اور اس اندیشے کی وجہ سے بھی کہ کہیں میری قرابت داری کی وجہ سے انتخاب خلیفہ میں ان کی رعایت نہ کر دی جائے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۴۸)

اس کے علاوہ بھی سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافتوں میں آپ کو ایسے

Marfat.com

واقعات ہزاروں کی تعداد میں ملیں گے جن سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ان کے لیے کسی منصب میں کوئی لالچ یا طمع نہ تھی بلکہ وہ اس کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک بار امانت کے طور پر اٹھائے ہوئے تھے۔ خلافت کے بار دوش سے قبل ان کی انفرادی زندگی میں پھر بھی خوشی و مسرت کے کچھ واقعات ملتے ہیں، لیکن خلافت حاصل ہونے کے بعد ان کو ایک لمحہ بھی آرام میسر نہیں آیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:

كان متواضعاً في الله، خشن العيش، خشن المطعم، شديداً في ذات الله، يرقع الثوب بالاديم، يحمل القربة على كتفيه مع عظم هيبته و يركب الحمار عرياً والبعير مخطوماً بالليف، وكان قليل الضحك لا يمازح احداً و كان نقش خاتمه كفى بالموت واعظا يا عمر

"سیدنا عمرؓ متواضع فی اللہ تھے، زندگی نہایت سادہ گزارتے تھے، کھانا بھی موٹا جھوٹا ہوتا تھا، لیکن اللہ کی ذات کے بارہ میں نہایت سخت تھے۔ لباس کو چمڑے کے پیوند بھی لگا لیتے تھے، اور اس ہیبت اور جلال کے ساتھ اپنے کندھوں پر پانی کی مشک اٹھایا کرتے تھے اور بغیر زین وغیرہ کے گدھے کی سواری فرماتے تھے اور ایک ایسے اونٹ پر سواری فرماتے تھے جس کی مہار اونٹ کی اون کی ہوتی تھی۔ آپ بہت کم ہنستے تھے اور کبھی کسی سے مزاح نہیں فرماتے تھے اور آپ کی انگوٹھی کا نقش تھا "اے عمرؓ موت بہترین واعظ ہے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۴)

بلکہ علامہ ابن کثیرؒ نے سیدنا عمرؓ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"اللہ کے مال میں سے میرے لیے سوائے دو حلوں کے اور کچھ جائز نہیں ہے۔ ایک حلہ سردیوں کے لیے اور دوسرا گرمیوں کے لیے، اور پھر اپنے اہل و عیال کے لیے کھانا جتنا کہ قریش کے ایک متوسط آدمی کو درکار ہوتا ہے، کیونکہ میں مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۴)

سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ عام الرمادۃ (جب کہ مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا تھا)

میں سیدنا عمرؓ سوائے روٹی اور تیل کے اور کچھ نہیں کھایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی جلد سیاہ ہوگئی اور آپ فرماتے تھے:

بئس الوالی انا ان شبعت والناس جیاع

''میں بدترین حکمران ہوں گا اگر لوگوں کو بھوکا رکھوں اور خود پیٹ بھر کر کھاؤں۔'' (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۵)

حق تعالیٰ کا خوف دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اس قدر جاگزین تھا کہ سیدنا انسؓ ہی کا بیان ہے کہ:

کان فی وجهه خطان اسودان من البکاء

''رونے کی وجہ سے آپ کے گالوں پر دو کالی لکیریں پڑ گئی تھیں۔''

یہی حال تاریخ کی کتابوں میں سیدنا ابوبکرؓ کا مذکور ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اب اندازہ فرمائیے کہ ایسے لوگوں کو حکومت اور خلافت میں کیا طمع اور لالچ ہو سکتا تھا؟ وہ تو اس بوجھ کو اٹھانے سے کوسوں دور بھاگتے تھے پھر ان کے بارہ میں ایسی روایات کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے جن میں صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں خلافت کی طمع تھی اور اس کے حصول کے لیے وہ ہر جائز و ناجائز حربہ اختیار کرنے کے لیے تیار تھے۔

مجلس مشاورت کے اراکین

پینل کے یہ چھ ارکان کوئی معمولی قسم کے لوگ نہ تھے بلکہ ملت اسلامیہ اور دین اسلام میں ان کا ایک نہایت بلند مقام تھا۔

مجلس کے پہلے رکن سیدنا عثمانؓ تھے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور آپ کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے ان کے حبالہ عقد میں آئی تھیں۔ یہ عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے اور ایک ایسے باحیا انسان کہ بقول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ بھی ان سے حیا کرتے تھے۔ قریش میں مقبول ترین انسان یہاں تک کہ لوگ دعا کے طور پر کہا کرتے تھے ''احبک الرحمٰن حب قریش لعثمان'' (تم اللہ کے ایسے محبوب ہو جیسے قریش کو عثمانؓ ہیں) اس وقت ان کی عمر ستر سال

Marfat.com

کے لگ بھگ تھی جب کہ ایک عام آدمی بھی دنیا کی خواہش اپنے دل سے نکال دیتا ہے۔

مجلس مشاورت کے دوسرے رکن سیدنا زبیر بن العوامؓ تھے۔ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور آپ کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے حقیقی بھتیجے تھے۔ سیدنا ابو بکرؓ کے داماد ہونے کے ناطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف بھی تھے۔ اس طرح ذات نبوی کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔ ان کی عمر اس وقت ۴۲ سال کے لگ بھگ تھی۔

مجلس کے تیسرے رکن سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز اور ہم زلف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ زینب بنت جحش ام المومنینؓ کی ہمشیرہ سیدہ حمنہؓ بنت جحش ان کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے بھی داماد تھے اور ام کلثوم بنت ابی بکرؓ آپ کے حبالہ عقد میں تھیں۔ اس ناطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے۔ صدیق اکبرؓ کے چچا زاد بھائی بھی تھے۔ متمول اس قدر تھے کہ روزانہ آمدنی اوسطاً ایک ہزار دینا رتھی۔ تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت اور ثروت کا مالک بنا دیا تھا۔ چنانچہ لاکھوں دینار و درہم راہ خدا میں لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لیے ایک بہت بڑی دولت چھوڑ گئے۔ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ نے ان کے صاحبزادے موسیٰ بن طلحہؓ سے پوچھا کہ آپ کے والد نے کس قدر دولت چھوڑی انہوں نے جواب دیا:

”بائیس لاکھ درہم، دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی۔“

یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائیداد غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کلی قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد۳ ص ۱۵۸)

ان کی عمر اس وقت ۴۰ سال سے کچھ اوپر تھی۔ (کتاب المجر ص ۵۴)

اس مجلس مشاورت کے چوتھے رکن سیدنا علیؓ ابن ابی طالب تھے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور چچا زاد بھائی تھے۔ بلکہ آپ ہی نے ان کی پرورش کی ہوئی تھی۔ اسلام کی ابتدائی جنگوں میں ان کا ایک نمایاں کردار تھا۔ ان کی عمر اس وقت ۴۲ سال کے قریب تھی۔ ان کے بارہ میں ہمارے راویوں نے کچھ عجیب و غریب روایات

بتائی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی حکومت پر قابض ہونے کا داعیہ رکھتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ لوگ انہیں خلیفہ منتخب کرلیں، لیکن لوگوں نے سیدنا ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کرلیا۔ بعد میں سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمر فاروقؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا جس سے انہیں اور مایوسی اور دلی صدمہ ہوا۔ پھر روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد وہ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور اپنے دونوں بیٹوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو ساتھ لے کر رات کو مہاجرین اور انصار کے گھروں میں جاتے اور اپنی بیعت کے لیے کنویسنگ کرتے۔ لیکن اکثریت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ صرف چند انصار اور مہاجرین ان کے حامی ہو گئے اور ان کو خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا لیکن وہ بھی اپنے وعدے کو ایفا نہ کرسکے۔ ان کے بارہ میں ایسی سب روایات غلط ہیں۔

پانچویں رکن سیدنا سعد ابن ابی وقاصؓ تھے۔ رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات نے خود بھی کئی مرتبہ اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا۔ (اسد الغابہ جلد۲ ص ۲۹۱)

بخاری میں سیدنا سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا اور ایک دوسری روایت میں اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں لیکن محدثین کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا اعزاز حاصل ہو چکا تھا۔

انہوں نے جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ترکش سے انہیں تیر دیتے اور فرماتے

یا سعد! ارم فداك ابی و امی (بخاری غزوہ احد)

"اے سعد تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔"

فاتح فارس وعجم، جن کی بہادری کی داستانیں آج تک تاریخ کے اوراق کی زینت ہیں۔ بانی کوفہ، اسلام کے بہترین جرنیل اور منتظم، زہد وتقوی کے پہاڑ اور ہمیشہ حکومت کے جھمیلوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ چنانچہ فتنہ کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے رہے۔ انکی عمر اس وقت ۴۳ سال کے قریب تھی۔

چھٹے رکن سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف تھے۔ یہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے جن کے

Marfat.com

بارہ میں سیدنا علیؓ نے ان کے جنازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا

اذھب یا ابن عوف فقد ادرکت صفوھا وسبقت رنقھا

"اے ابن عوفؓ جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جو شخص میرے بعد میری ازواج کی نگرانی اور حفاظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ فرض سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے پورا کیا۔ آپ سفر اور حج کے موقعوں پر ازواج مطہرات کے ساتھ جاتے اور ان کے لیے سواری اور پردے کا خاص اہتمام فرماتے۔ یہ اعزاز انہیں اپنی سلامتی طبع اور عفت و عصمت کی وجہ سے نصیب ہوا تھا۔

(الاصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷)

نہایت متمول انسان تھے اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ان کی عام عادت تھی۔ وفات کے وقت ۵۰ ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے اللہ کے راستہ میں وقف کیے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال تھی۔

اراکین کے بارہ میں سیدنا عمرؓ کی رائے

ایسے نیک سیرت لوگوں کے بارہ میں اس قسم کی واہی تباہی روایات کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتیں۔ ان کے ذوات ستودہ صفات للّٰہیت اور خلوص کا مرقع تھیں اور ان کے دل میں از خود خلیفہ بننے کی کوئی خواہش نہ تھی۔

ابن جریر طبری نے سیدنا عمرؓ کی جانشینی کے بارہ میں ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا

"میرا گمان ہے کہ تم علیؓ یا عثمانؓ میں سے کسی ایک کو والی بناؤ گے۔ پس اگر عثمانؓ کو خلیفہ مقرر کرو گے تو وہ ایک نرم دل اور نیک دل انسان ہیں۔ اگر علیؓ کو خلیفہ مقرر کرو گے تو ان میں مزاح اور مذاق کی عادت ہے۔ لیکن اس لائق ہیں کہ لوگوں کو حق و صدق کی راہ پر چلائیں۔ اور اگر سعد بن ابی وقاصؓ کو خلیفہ مقرر کرو گے تو وہ اس کے اہل ہیں۔ اور اگر وہ خلیفہ مقرر نہ ہوں تو جو شخص خلیفہ مقرر ہوا امور مملکت میں ضرور ان سے مدد لے اور میں نے انہیں (کوفہ

Marfat.com

کی گورنری سے) جو معزول کیا تھا وہ کسی خیانت یا کمزوری کی وجہ سے نہیں کیا تھا اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ تم میں نہایت صاحب الرائے اور صائب الرائے شخص ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے حافظ (حفاظت کرنے والا) ہے، لہذا (انتخاب خلیفہ کے بارہ میں) ان کی رائے پر عمل کرنا۔"

(طبری جلد۳ ص ۲۹۵)

اس روایت کے مطابق آپ نے پینل کے متعدد ارکان کی کچھ صفات کا ذکر فرمایا تاکہ خلیفہ کے انتخاب میں کچھ اشارے مل جائیں۔ لیکن مورخین نے یہاں بھی بڑی عجیب وغریب قسم کی روایات نقل کی ہیں جو نقلاً اور عقلاً صحیح معلوم نہیں ہوتیں۔ ان روایات کا خلاصہ یہ کہ مجلس مشاورت کا ہر رکن اس بات کا خواہش مند تھا کہ اسے خلیفہ منتخب کیا جائے اور ہر رکن کے پیچھے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ خصوصاً سیدنا علیؓ کے بارہ میں تو اکثر مورخین یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے، چنانچہ سیدنا عمرؓ نے اپنی جانشینی کے لئے چھ آدمیوں کا پینل مقرر فرمایا تو ان ناموں کا اعلان سن کر سیدنا علیؓ اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنے چچا عباسؓ اور خاندان کے دوسرے لوگوں سے کہا کہ "عمرؓ نے ایسا پلان بنایا ہے کہ میں اس بار بھی خلیفہ مقرر نہیں ہوسکتا"۔ سیدنا عباسؓ نے پوچھا وہ کیسے؟ آپ نے جواب دیا وہ اس طرح کہ اس وقت خلافت کے بارگراں کو اٹھانے کے لیے ایک میں ہوں اور دوسرا عثمانؓ تیسرے سعد بن ابی وقاصؓ اور چوتھے عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمٰنؓ کے چچا زاد بھائی ہیں اور عبدالرحمٰنؓ عثمانؓ کے سمدھی، لہذا یہ دونوں عثمانؓ کے طرف دار ہوں گے اور مجلس کے دوسرے دو ارکان زبیر بن عوامؓ اور طلحہ بن عبید اللہؓ میرے ساتھ ہو بھی جائیں تب بھی اکثریت دوسری پارٹی کے ساتھ ہے۔ پھر عمرؓ نے وصیت کر دی ہے کہ جس فریق کو عبدالرحمٰنؓ کی تائید حاصل ہوگی وہ خلیفہ ہوگا۔

(طبری جلد۳ ص ۲۹۴، انساب الاشراف جلد۵ ص ۲۰)

اس قسم کی روایات دوسرے اراکین مجلس کے بارہ میں بھی ذکر کی گئی ہیں لیکن یہ سب روایات غلط ہیں۔ صحابہ کرامؓ اس قسم کے تمام اختلافات سے بالاتر تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ خلافت کوئی لذیذ شی نہیں بلکہ وہ خلافت کے بار کو گراں سمجھتے تھے۔ پھر ابو بکرؓ

Marfat.com

صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی زندگیاں بھی ان کے سامنے تھیں کہ انہوں نے کاروبار خلافت کو کس قدر روکھا پھیکا بنا دیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ نے کہا تھا کہ اگر آپ لوگ اختلاف سے بچنا چاہتے ہیں تو علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لو اور مقداد بن الاسودؓ نے اس کی تصدیق کی۔ یا عبداللہ بن سعد ابی سرحؓ کا یہ کہنا کہ اگر آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ قریش میں پھوٹ نہ پڑے تو عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لو اور عبداللہ بن ابی ربیعہؓ نے اس کی تائید کی۔

(طبری جلد ۳ ص ۹۲۷)

یہ سب باتیں بعد کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس وقت مجلس میں کوئی اختلاف نہ ہوا تھا اور نہ آج کل کی طرح مختلف لوگوں نے مختلف ارکان مجلس کے حق میں نعرے لگائے تھے۔

غرضکہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد مجلس مشاورت کا اجلاس منعقد ہوا۔ سیدنا طلحہؓ اس وقت تک مدینہ طیبہ تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لیے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو مجلس میں مشورہ کے لیے بٹھایا گیا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ امور زیر بحث آئے۔ جن کی وجہ سے خطرہ تھا کہ معاملہ طول نہ پکڑ جائے۔ لہذا سیدنا عمرؓ کی وصیت پر عمل پیرا ہونے کے لیے کہ:

لایات یوم الرابع الا وعلیکم امیر منکم

"اور چوتھا دن ایسا نہ آنا چاہیے کہ تمہارے اوپر تم میں سے کوئی امیر نہ ہو۔"

(طبری جلد ۳ ص ۲۹۳)

تمام اراکین مجلس کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو مختصر کیا جائے۔ کیونکہ سیدنا عمرؓ کی فتح کردہ اتنی طویل و عریض سلطنت کو کسی خلیفہ کے بغیر زیادہ دن تک نہیں رکھا جا سکتا تھا، لہذا معاملہ کو جلد نمٹانے کے لیے اہل مجلس نے سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ کو اس بات کا اختیار دے دیا کہ وہ خلیفہ کے انتخاب کو تحقیق و تفتیش کے بعد جس مناسب طریقے سے چاہیں حل کریں۔

اسی بارہ میں علامہ ابن کثیر نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدنا طلحہؓ سفر سے واپس تشریف لے آئے اور سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ نے اہل مجلس کے سامنے یہ تحریک پیش کی کہ چھے میں سے تین حضرات دوسرے تین افراد کے حق میں دستبردار ہو

Marfat.com

جائیں تا کہ اس معاملہ کو جلدی نمٹایا جا سکے۔ چنانچہ سیدنا زبیرؓ، سیدنا علیؓ کے حق میں، سیدنا طلحہؓ سیدنا عثمانؓ کی حق میں اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سیدنا عبدالرحمٰنؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ بعد میں سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ میں سیدنا علیؓ اور عثمانؓ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ اب صرف دو رکن باقی تھے۔ ایک سیدنا عثمانؓ اور دوسرے سیدنا علیؓ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے ان دونوں سے یہ عہد لیا کہ:

لئن ولاہ لیعدلن ولئن ولی علیہ لیسمعن ولیطیعن

"اگر اسے خلیفہ بنایا گیا تو وہ عدل کرے گا اور اگر دوسرے کو اس پر خلیفہ بنایا گیا تو وہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے گا۔"

دونوں نے اس کا اقرار کیا۔ بعد میں سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۴۵)

اب سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے یہ جاننے کے لیے کہ ان دونوں میں افضل کون ہے اور لوگوں کے دل کس کی طرف زیادہ مائل ہیں، مختلف لوگوں سے صلاح ومشورہ شروع کیا اور رائے عامہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں وہ مختلف لوگوں کے پاس گئے اور جلوت وخلوت میں ان سے ملے۔ عورتوں سے بھی ان کے گھروں میں پردہ کی اوٹ میں پوچھا۔ بچوں کے پاس ان کے مدارس میں گئے، یہاں تک کہ دیہات وغیرہ سے جو لوگ مدینہ طیبہ آئے ہوئے تھے ان سے بھی ان دونوں حضرات کے بارہ میں رائے لی۔ تین دن شب و روز آپ نے اس معاملہ میں زندگی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ان دونوں حضرات کے بارہ میں پوچھا۔ علامہ ابن کثیر کا بیان ہے:

فلم یجد اثنین یختلفین فی تقدم عثمان بن عفان

"انہیں دو آدمی بھی ایسے نہ ملے جو سیدنا عثمان بن عفانؓ کو دوسروں پر فضیلت اور ترجیح دینے میں مختلف ہوں۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۴۶)

ابن کثیر ہی کی ایک روایت میں ہے کہ اہل شوریٰ نے سیدنا عبدالرحمٰنؓ کو یہ اختیار دے دیا کہ افضل ترین شخص کو مسلمانوں کا خلیفہ بنائیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ

انہ سال من یمکنہ سوال من اھل الشوری و غیر ھم فلا یشیر الا بعثمان بن عفان

Marfat.com

"انہوں نے اہل شوریٰ اور ان کے ماسویٰ جس کسی سے سوال ممکن تھا، پوچھا تو ہر ایک نے عثمانؓ بن عفانؓ کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا۔"

یہاں تک کے سیدنا علیؓ سے پوچھا کہ اگر آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو آپ کس کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیتے ہیں تو سیدنا علیؓ نے فرمایا:

عثمان بن عفان (البدایہ والنہاتیہ جلد ۷ ص ۱۴۵۔ ۱۴۶)

ان تین دن رات میں سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے حالات کا جائزہ لینے کی از حد کوشش کی اور ان دونوں میں انہوں نے نیند کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا، صرف نماز، دعا، استخارہ اور صاحب الرائے لوگوں کی رائے معلوم کرتے رہے، لیکن تین دن کی شبانہ روز کوشش سے انہیں پتہ چلا کہ کوئی شخص سیدنا عثمانؓ کے پایہ کا اور کسی کو نہیں سمجھتا۔ آخر سیدنا عمرؓ کی وفات کے چوتھے روز صبح آپ اپنے بھانجے سیدنا مسور بن مخرمہؓ کے گھر گئے اور فرمایا "مسورؓ تم سو رہے ہو، بخدا میں تین روز سے نہیں سویا۔" پھر فرمایا "جاؤ علیؓ اور عثمانؓ کو بلا لاؤ" سیدنا مسورؓ نے پوچھا کہ "پہلے کس کے پاس جاؤں؟ فرمایا "جس کے پاس تمہارا جی چاہے جاؤ۔" مسورؓ پہلے سیدنا علیؓ کے پاس گئے اور کہا کہ "میرے ماموں آپ کو بلا رہے ہیں۔" سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ "میری طرح کسی اور کو بھی بلا بھیجا ہے؟ مسورؓ نے کہا کہ "ہاں عثمان بن عفانؓ کو" پوچھا" کس سے ابتدا کی؟ کہا کہ "مجھے اول و آخر کا ان کی طرف سے کوئی حکم نہیں" بلکہ یہ فرمایا تھا کہ دونوں کو بلاؤ۔ سیدنا علیؓ مسورؓ کے ساتھ ہو لیے۔ جب ہم سیدنا عثمانؓ کے مکان کے پاس سے گذرے تو میں ان کے مکان کے اندر گیا اور انہیں بھی وہی کچھ کہا جو سیدنا علیؓ سے کہا تھا اور انہوں نے بھی وہی کچھ پوچھا جو سیدنا علیؓ نے پوچھا۔ سیدنا مسورؓ فرماتے ہیں کہ میں ان دونوں حضرات کو لے کر اپنے ماموں سیدنا عبدالرحمٰنؓ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے ان دونوں حضرات کو دیکھ کر فرمایا۔ میں نے آپ دونوں حضرات کے بارہ میں لوگوں کی رائے معلوم کی تو

فلم اجد احداً یعدل بکما احداً

"میں نے کوئی شخص نہیں پایا جو آپ دونوں حضرات کے برابر کسی اور کو سمجھتا ہو۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۴۶)

Marfat.com

لیکن اب دونوں میں سے افضل ترین کا انتخاب کرنا تھا، لہٰذا اس کے لیے جب آپ نے ارکان شوریٰ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے سیدنا عثمانؓ کا نام لیا، لیکن سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے اس پر بس نہ کی بلکہ طبری کے الفاظ کے مطابق

''سیدنا عبدالرحمٰنؓ راتوں کو پھر پھر کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور مدینہ طیبہ میں موجود امراء لشکر اور معززین شہر سے ملاقات کرتے رہے اور آپ جس شخص کو بھی ملتے وہ سیدنا عثمانؓ ہی کو خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا۔'' (طبری جلد ۳ ص ۲۹۵)

پھر جب نماز صبح سے فارغ ہوئے تو آپ نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین و انصار میں سے افضل اور اسبق لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا یہاں تک کہ مسجد بھر گئی اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے سیدنا عثمانؓ کی بیعت یہ کہہ کر کی کہ

انی قد نظرت و شاورت الناس فاذا هم لا يعدلون بعثمان

''میں نے خود بھی غور و خوض کیا اور لوگوں سے بھی مشورہ کیا تو معلوم ہوا کہ لوگ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔'' (طبری جلد ۳ ص ۲۹۵)

طبری نے ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ آپ نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ اگر میں آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کروں تو پھر آپ کے نزدیک خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ''عثمان''۔ پھر سیدنا عثمانؓ سے پوچھا کہ ''اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو پھر آپ کی رائے میں منصب خلافت کے لیے سب سے زیادہ موزوں کون ہے؟ انہوں نے کہا ''علیؓ ابن ابی طالب''۔ پھر ان دونوں کو رخصت کر دیا اور سیدنا زبیرؓ کو بلا کر پوچھا کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو پھر آپ کے نزدیک خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ انہوں نے کہا ''عثمانؓ'' پھر سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا کہ آپ اور میں خلافت کے خواہش مند ہی نہیں، لیکن آپ اپنی رائے میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کس کو سمجھتے ہیں؟ انہوں نے بھی سیدنا عثمانؓ ہی کا نام لیا۔ آپ نے ان کو بھی رخصت فرما دیا۔ (طبری جلد ۳ ص ۳۰۰۔۳۰۱)

اس کے بعد سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے وہ عمامہ باندھا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے ان کو پہنایا تھا، اور تلوار حمائل کی اور مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ منبر نبوی پر تشریف فرما ہوئے اور کافی دیر تک چپ کھڑے رہے اور دعا مانگتے رہے۔ مسجد نبوی مہاجرین و انصار سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ہجوم اس قدر تھا کہ مسجد اپنی وسعت کے باوجود تنگ تھی، کیونکہ لوگ خلافت کے بارہ میں فیصلہ سننے کے لیے جوق در جوق آئے ہوئے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے کافی دیر دعا مانگنے کے بعد ارشاد فرمایا

ایھا الناس انی سألتکم سراً و جھراً بامانیکم فلم اجدکم تعدلون باحد ھذین الرجلین اما علی و اما عثمان

"حضرات! میں نے آپ لوگوں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر تمہارے امیر کے بارہ میں دریافت کیا تو مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کوئی بھی علیؓ اور عثمانؓ سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتا۔"
(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۴۶)

بعض روایات میں آتا ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے پھر سیدنا علیؓ سے کہا کہ اٹھیئے۔ سیدنا علیؓ اٹھ کر منبر کے پاس کھڑے ہو گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ:

"کیا آپ اقرار کرتے ہیں کہ خلافت ملنے کی صورت میں آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے اعمال کی روشنی میں کاروبار خلافت چلائیں گے؟"

سیدنا علیؓ نے جواب میں کہا کہ:

"میں اپنی کوشش اور طاقت کے مطابق ایسا کروں گا۔"

یہ جواب چونکہ حتمی نہ تھا اور اس میں تردد کی پرچھائیاں تھیں لہذا آپ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور سیدنا عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"اگر آپ کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے تو کیا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے اعمال کی روشنی میں امور خلافت سرانجام دیں گے؟"

سیدنا عثمانؓ نے جواب دیا "ضرور"

سیدنا عثمانؓ کا جواب چونکہ قطعی اور حتمی تھا، لہذا سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے ان کا ہاتھ اوپر اٹھایا

Marfat.com

اورفرمایا:

اللھم اسمع واشھد اللھم اسمع و اشھد اللھم اسمع واشھد ، اللھم انی قد خلعت رقبتی من ذالک رقبة عثمان

"بار الہا! سن لے اور اس بات کا گواہ رہنا (تین دفعہ فرمایا) کہ جو کچھ میری گردن پر تھا، میں نے اتار کر عثمانؓ کی گردن میں ڈال دیا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ص ۱۴۷،طبری جلد ۳ص ۳۰۱)

سیدنا عبدالرحمٰنؓ اس وقت منبر کی اس سیڑھی پر تھے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمایا کرتے تھے اور عثمانؓ اس سے نچلے درجے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ کے منہ سے یہ بات سن کر لوگوں کے ایک ازدحام نے سیدنا عثمانؓ کو گھیر لیا اور باری باری ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے لگے۔ سب سے پہلے جس شخص نے سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ سیدنا علیؓ بن ابی طالب تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے

وجاء الیه الناس یبایعونه و بایعه علي بن ابی طالب اولاً

"اور لوگ آپ کی طرف بیعت کی غرض سے بڑھنے لگے اور سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر سیدنا علیؓ بن ابی طالب نے بیعت کی۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ص ۱۴۷)

یہ سیدنا علیؓ کا خلوص نیت تھا کیونکہ ان کا مقصد صرف اور صرف خدمت دین تھا۔ وہ خواہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر ہو یا حکومت کی کرسی کے بغیر ہو۔ وہ ہر حال میں خوش تھے۔ بلکہ اس وقت تمام صحابہ کرامؓ کی حالت یہ تھی کہ کسی ذمہ داری کو قبول کرنا ایک بار گراں سمجھتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ سیدنا علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا:

انا لک وزیراً خیر لکم منی امیراً

"میں تمہارا امیر بننے کی بجائے وزیر بنا بہتر سمجھتا ہوں۔"

(نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۱۷۹)

لیکن طبری وغیرہ نے یہاں سیدنا علیؓ کی طرف بڑی غلط قسم کی روایات منسوب

Marfat.com

کر دی ہیں کہ جب سیدنا عثمانؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو سیدنا علیؓ نے سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہا کہ آپ نے میرے ساتھ مکاری اور حیلہ بازی سے کام لیا ہے۔ اس طرح انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی خلافت پر ناراضی کا اظہار فرمایا، لیکن اس قسم کی سب روایات غلط اور یار لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں اور حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ سیدنا علیؓ کی ذات ان سب چیزوں سے پاک ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اس قسم کی سب روایات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اور وہ سب روایات جو بیشتر مورخین جیسے ابن جریر طبری وغیرہ نے ذکر کی ہیں وہ ایسے راویوں سے مروی ہیں جن کا کتب رجال میں کچھ اتا پتا نہیں، مثال کے طور پر سیدنا علیؓ نے سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ سے کہا کہ تو نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور تو نے عثمانؓ کو اس وجہ سے خلیفہ مقرر کیا ہے کہ وہ تمہارے سمدھی ہیں۔

"اس قسم کی جو خبریں بھی صحیح روایات کے خلاف پائی جاتی ہیں وہ سب ان روایات کے نقل کرنے والوں پر رد کر دینے کے قابل ہیں اور مردود ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہمارے حسن ظن کا تقاضا ان تمام اوہام اور تخیلات کے خلاف ہے جو بہت سے رافضیوں اور غبی الذہن قصہ گو لوگوں نے نقل کر دیے ہیں جن کو صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف اور درست اور سقیم میں کوئی تمیز نہیں"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۴۷)

روایات پر بحث

بعض حضرات اس روایت پر یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب سیدنا علیؓ سے کہا کہ:

"کیا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اگر آپ کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے تو کیا آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین (ابو بکرؓ اور عمرؓ) کے اعمال کی روشنی میں کاروبار خلافت چلائیں گے؟" تو آپ نے کوئی حتمی اور قطعی جواب نہ دیا بلکہ جواب میں کہا کہ: "میں اپنی طاقت کے مطابق

Marfat.com

ایسا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے قلب میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی عظمت و محبت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے غیر حتمی جواب دیا۔

یہ اعتراض اور شبہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔

(1) اگر آپ کے جواب سے یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے دل میں شیخین کی عظمت و محبت نہیں تھی تو یہ شبہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت و عظمت بھی نہیں تھی، کیونکہ اس اقرار میں جہاں شیخین کا نام تھا وہیں اللہ اور اس کے رسول کا نام بھی تو موجود تھا۔

(2) روایات اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں افضل سمجھتے تھے اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ مفضول کے دل میں افضل کی عظمت و محبت نہ ہو۔ چنانچہ مسند امام احمد میں روایت ہے کہ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر فرمایا:

خیر هذه الامة بعد نبیها ابو بکر و عمر و انا قد احدثنا بعد هم احداثاً یقضی اللّٰہ تعالی فیها ماشاء

"نبی اکرم علیہ الصلواۃ السلام کے بعد تمام امت میں سب سے بہترین ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے۔ اور ان کے بعد ہم سے کئی نئی نئی چیزیں ظہور میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔" (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۱۵)

اسی طرح کی ایک اور روایت مسند امام احمد جلد ۱ ص ۱۰۶ پر بھی موجود ہے۔ ایک اور روایت میں سیدنا علیؓ نے شیخین کی شخصیت کے بارہ میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

قبض النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علی خیر ما قبض علیه نبی من الانبیا و اثنی علیه صلی اللّٰہ علیه وسلم ثم استخلف ابو بکر فعمل بعمل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وسنته، ثم قبض ابو بکر علی خیر ما قبض علیه احد کان خیر هذه الامة بعد نبیها، ثم استخلف

Marfat.com

عمر فعمل بعملهما و بسنتهما ثم قبض علی خیر ما قبض علیه احد فکان خیر هذه الامة بعد نبیها و بعد ابی بکر۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال خیر کی حالت میں ہوا جیسے کہ ایک نبی کا انتقال خیر اور بہتر حالت میں ہوتا ہے۔ پھر ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے جناب رسول ﷺ کے عمل اور سنت کے مطابق عمل کیا۔ پھر ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا جس بہترین حالت میں کسی کا انتقال ہوتا ہے۔ وہ امت کے نبی کے بعد تمام امت میں بہترین شخص تھے۔ پھر عمرؓ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے ا ن دونوں کی سنت اور عمل کے مطابق عمل کیا پھر یہ بہترین حالت میں انتقال کر گئے۔ وہ اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کے بعد سب سے بہترین تھے۔"

(کنزالعمال جلد۶ ص ۳۲۹، مصنف ابن ابی شیبہ جلد۴ ص ۸۸۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب علیؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الا اخبرکم بخیر الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ابو بکر ثم عمر

"کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین شخص کے بارہ میں نہ بتاؤں؟ سنو وہ ابو بکرؓ تھے اور ان کے بعد عمرؓ تھے۔"

(ابن ماجہ ص ۱۱، التاریخ الکبیر للبخاری جلد۲ ص ۲۸۰، الاستیعاب جلد۲ ص ۴۵۶، حلیۃ الاولیا جلد۷ ص ۱۹۹، تذکرۃ الحفاظ جلد۳ ص ۳۰۱)

ابن اثیر جزری نے اس بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ نے فرمایا:

ان اللّٰه جعل ابابکر و عمر حجة علی من بعد هما من الولاة الی یوم القیامة فسبقا واللّٰه سبقاً بعیداً واتعبا واللّٰه من بعد هما اتعاباً شدیداً

"بے شک اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام حکام اور امراء پر ابو بکرؓ اور

Marfat.com

عمرؓ کو حجت و برہان بنایا۔ بخدا یہ دونوں سب پر گوئے سبقت لے گئے اور ان دونوں نے بعد میں آنے والے لوگوں کو اپنے اخلاص و تقوی کی وجہ سے سخت مشقت میں ڈال دیا۔" (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۶۸)

سیدنا علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ "سب سے پہلے جو جنت میں جائیں گے وہ ابو بکرؓ اور عمرؓ ہوں گے۔" چنانچہ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے:

"سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ اس امت میں سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوں گے وہ ابو بکرؓ اور عمرؓ ہوں گے۔ اس پر ایک شخص نے پوچھا امیر المومنین آپ سے بھی پہلے؟ فرمایا ہاں قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پیدا کیا اور روح کی تخلیق فرمائی، یقیناً ابو بکرؓ اور عمرؓ مجھ سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔" (ازالۃ اخفاء عن خلافۃ الخفاء جلد ۱ ص ۶۸ ۔ ۳۱۷)

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہؒ نے سیدنا علیؓ سے پوچھا:

ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؟ قال ابو بکرؓ قال قلت ثم من ؟ قال عمرؓ ۔ فخشیت ان یقول عثمانؓ قلت ثم انت ؟ قال ما انا الا رجل من المسلمین

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے بہتر کون تھے؟ آپ نے فرمایا ابو بکرؓ۔ میں نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا عمرؓ۔ میں ڈرا کہ آپ عمرؓ کے بعد عثمانؓ کا نام لیں گے، لہذا میں نے کہا کہ پھر آپ؟ فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں ایک فرد ہوں۔"

(بخاری جلد ۱ ص ۵۱۸، ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۸۸، کنز العمال جلد ۶ ص ۳۶۶)

جب سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا انتقال ہو گیا تو ایک مرتبہ ان دونوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے سیدنا علیؓ نے فرمایا:

من لکم مثلهما ؟ رزقنی اللہ الضئ علی سبیلهما فانه لا یبلغ مبلغهما الا باتباع آثارهما والحب لهما فمن احبنی فلیحبهما و من لم یحبنی فقد ابغضهما و انا منه بریء

Marfat.com

" اے لوگوں تم میں سے ان دونوں (سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ) جیسا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، کیونکہ کوئی شخص بھی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا، مگر ان کے ساتھ محبت رکھنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے سے۔ جو شخص مجھ سے محبت کا دم بھرتا ہے اسے ان دونوں سے محبت رکھنی چاہئے اور جو میرے ساتھ دوستی اور محبت نہیں رکھتا وہ ان دونوں سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور میں ایسے شخص سے بری الذمہ ہوں۔"

(فضائل ابی بکر لابی طالب العشاری ص ۷)

ایک موقع پر سیدنا علیؓ نے ان لوگوں کو متنبہ کیا جو انہیں حضرات شیخین پر ترجیح اور فضیلت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

لا یفضلنی احد علی ابی بکر وعمر الا جلدته حد المفتری

"مجھے کوئی بھی ابو بکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت نہ دے (جو فضیلت دے گا) میں اسے سزا مفتری کی حد کی دوں گا۔" (مفتری کی حد ۸۰ درے ہے)

(کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۱، استیعاب جلد ۲ ص ۲۴۴)

اس مضمون کی ایک روایت شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان جلد ۳ ص پر بھی نقل کی ہے۔

سیدنا علیؓ کی زبان سے شیخین کی فضیلت اور ان کے اعلیٰ مقام کے بارہ میں حدیث و تاریخ کی کتابوں میں بے شمار روایات موجود ہیں جن کو طوالت کے خوف سے یہاں نقل نہیں کیا جا رہا ہے۔ البتہ اہل علم حضرت ان روایات کو مندرجہ ذیل کتابوں میں ملاحظہ فرمالیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۱ ص ۱۴۹، جلد ۶ ص ۸۹
۲۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۱۴۲، ۱۴۷، ص ۱۲۸، ص ۱۱۵، ص ۱۰۶
۳۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۶۸، جلد ۱ ص ۹۰، جلد ۳ ص ۲۱۶، ۲۲۱
۴۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۸، ۳۱۹، ۲۶۶، ۳۲۵، ۳۶۹، جلد ۸ ص ۳۳۱
۵۔ التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۲ ص ۲۸۰، جلد ۴ ص ۱۷۳
۶۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۴۷، جلد ۷ ص ۱۹۹، ۲۰۰، ص ۲۲۴

Marfat.com

۷۔ تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۲۶، ص ۴۴، ص ۸۴

۸۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵، ص ۶۸، ص ۷۹

۹۔ الاستیعاب جلد ا ص ۴۲، جلد ۲ ص ۲۴۳

۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۰۱

۱۱۔ ابن ابی الحدید جلد ا ص ۲۹۵، جلد ۴ ص ۱۳۰

۱۲۔ ناسخ التواریخ جلد ۳ ص ۲۴۱

روایات کی اس کثرت کی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا تمام امت سے بہتر اور افضل ہونا سیدنا علیؓ کی زبان سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر سیدنا علیؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

وقد ثبت عنه بالتواتر انه خطب بالكوفة فى ايام خلافته و دار امارته فقال ايها الناس ان خير هذه الامة بعد نبيها ابو بكر ثم عمر و لو شئت ان اسمى الثالث لسميت

"سیدنا علیؓ سے یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے ایام خلافت میں کوفہ کے دارالامارت میں اپنے خطابات میں فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے بہتر ابو بکرؓ تھے اور ان کے بعد عمرؓ اور اگر میں تیسرے بہتر آدمی کا نام لینا چاہوں تو لے سکتا ہے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳)

علامہ ابن کثیر کی تائید کرتے ہوئے علامہ سیوطی نے بھی لکھا ہے:

قال الذهبى هذا متواتر عن على

"امام ذہبی فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ سے یہ بات تواتر سے ثابت ہے۔"

(تاریخ الخلفاء ص ۴۵)

جب سیدنا علیؓ ان دونوں حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں سب سے بہتر اور افضل سمجھتے تھے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ان کی اقتداء اور

Marfat.com

اتباع کا اقرار نہ کرتے۔ یہ سب دشمنان صحابہ کی اڑائی ہوئی باتیں ہیں جن کو ہمارے مورخین نے زیب داستان کے لیے اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے، حالانکہ یہ روایتاً اور درایتاً دونوں لحاظ سے غلط ہیں اور صحابہ کرامؓ کا دامن ان سب خرافات سے بالکل پاک ہے۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۴۱۰)

اور سیدنا عثمانؓ کے خلیفہ ہو جانے پر ان کی پارٹی کے ایک رکن سیدنا عمار بن یاسرؓ کو بہت غصہ آیا اور مدینہ طیبہ کی گلیوں میں یہ آواز لگاتے پھرتے تھے کہ:

"لوگو تم اسلام کا ماتم کرو۔ آج معروف کا جنازہ اٹھتا ہے اور منکر کا بول بالا ہوتا ہے۔ واللہ اگر مجھے کچھ رضا کار مل جائیں تو میں عثمانؓ کو خلیفہ بنانے والوں سے جہاد کروں۔" (شرح نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۴۱۱)

چنانچہ صاحب العقد الفرید نے سیدنا سعد ابن وقاصؓ کے حوالے سے یہاں تک لکھ دیا کہ ایک شخص نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ عثمانؓ کے قتل کی ذمہ داری کس پر ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"عثمانؓ ایک ایسی تلوار سے قتل ہوئے جس کو عائشہ نے نیام سے نکالا' طلحہؓ نے تیز کیا' علیؓ نے زہر پلایا اور زبیر نے ہاتھ کے اشارہ سے حملہ کروایا۔"

(العقد الفرید جلد ۳ ص ۸۴)

یہ سب روایات لوگوں کے اعتقادات کو صحابہ کرامؓ کے بارہ میں خراب اور گندہ کرنے کے لیے اس گروہ نے وضع کی ہوئی ہیں جو یہودیوں اور ایرانیوں کی سازش سے پروان چڑھا اور اس نے سب سے پہلے سیدنا عمرؓ کو شہید کیا، پھر سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کو اپنی سازش سے قتل کیا اور پھر بعد میں سیدنا حسین بن علیؓ کی شہادت کا باعث بنا۔

سیدنا علیؓ اگر سیدنا عثمانؓ کی خلافت سے ناراض ہوتے تو وہ کبھی بھی سب سے پہلے سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ فرماتے، جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

وبايعه علی بن ابی طالب اولاً

"اور سب سے پہلے علی ابن ابی طالبؓ نے عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۴۷، التمہید والبیان ص ۱۱)

ایک اور روایت میں ہے:

Marfat.com

فرجع علی یشق الناس حتی بایع

''لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے سیدنا علیؓ واپس آئے یہاں تک کہ سیدنا عثمانؓ کی بیعت کی۔''

تاریخ کے رپورٹر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ سیدنا عثمانؓ کے ایام خلافت میں ان کے مشیر خاص اور ایام فتنہ میں ان کے مددگار خاص تھے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ یہ سب کچھ منافقت سے کر رہے ہوں کیونکہ آپ تو للّٰہیت اور خلوص کا ایک مینار تھے۔

اور خوف اور ڈر کی وجہ سے بھی آپ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ آپ ''اسد اللہ'' (اللہ کے شیر) تھے اور اللہ کا شیر کبھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور تقیہ کی وجہ سے بھی آپ ایسا نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی منافقت ہے اور جو لوگ سیدنا علیؓ کے اعمال اور افعال پر تقیہ کا لیبل لگاتے ہیں ان کے نزدیک تو وہ امام منصوص من اللہ تھے اور منصوص من اللہ امام کبھی کسی سے تقیہ نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر ''منصوص من اللہ'' شخصیت کے لیے تقیہ جائز ہوتا ہے تو انبیاء علیھم السلام سب سے پہلے تقیہ کرتے۔ اور اگر وہ تقیہ کرتے تو ان کی نبوت ہی مشکوک ہو کر رہ جاتی کیونکہ اس بات کا بالکل پتہ نہ چلتا کہ وہ کون سی بات تقیہ سے کہہ رہے ہیں اور کون سی بغیر تقیہ کے۔

پھر تقیہ اگر اسلام میں کسی صورت جائز مان بھی لیا جائے تو وہ ایک رخصت ہے، عزیمت نہیں۔ اس بارہ میں رخصت پر عمل کرنا سیدنا علیؓ جیسے بہادر اور جانباز کے شایان شان نہیں، کیونکہ جب بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ، خبیبؓ، زیدؓ اور آل یاسرؓ کفار مکہ کی اتنی تکالیف برداشت کرنے کے بعد تقیہ نہیں کرتے اور اللہ العزت کی توحید کا راگ احد، احد کی صورت میں الاپتے رہتے ہیں تو کیا سیدنا علیؓ ان حضرات سے ایمانی لحاظ سے کمزور تھے؟

سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کو کیسے ناپسند کر سکتے تھے جب کہ وہ ان کو سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے بعد سب سے افضل سمجھتے تھے جو ان کا اپنا اقرار ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بعد عثمانؓ افضل تھے، چنانچہ عمر بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علیؓ کو منبر رسول پر یہ کہتے سنا کہ:

Marfat.com

خیر ھذہ لامۃ بعد نبیھا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل اور بہتر ابو بکرؓ تھے، پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ تھے۔"

(فضائل ابی بکر لابی طالب العشاری ص ۱۰)

بخاری کی روایات

یہ ساری بحث ان روایات کی روشنی میں ہے جو طبری، ابن کثیر اور ابن اثیر و غیرہ مورخین نے مختلف راویوں سے روایت کی ہیں ان روایات میں کچھ باتیں تو صحیح ہیں، لیکن کچھ باتیں الحاقی ہیں جن کو شیعہ راویوں نے اپنی طرف سے ان روایات میں گھسیڑ دیا ہے۔ چنانچہ ان الحاقی باتوں کی وجہ سے کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

1۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دونوں امیدواروں (سیدنا علیؓ اور سیدنا عثمانؓ) کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ آپ اس بات کا اقرار کریں کہ اگر آپ کو خلافت حاصل ہوگئی تو آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے طریقہ کے مطابق کاروبار خلافت چلائیں گے۔ پہلے یہ شرط سیدنا علیؓ کے سامنے پیش کی گئی۔ انہوں نے غیر حتمی اور غیر قطعی جواب دیا۔ پھر یہ شرط سیدنا عثمانؓ کے سامنے پیش کی گئی۔ ان کا جواب اس بارہ میں حتمی اور قطعی تھا، لہذا وہ خلیفہ نامزد ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر سیدنا علیؓ اس شرط کو منظور کر لیتے تو وہ خلیفہ نامزد ہو جاتے۔ پھر سیدنا عثمانؓ کی کوئی فضیلت تو نہ رہی حالانکہ تمام امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سیدنا عثمانؓ سیدنا علیؓ سے افضل ہیں۔

2۔ دوسرا اعتراض اس بارہ میں یہ وارد ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ کسی عہدہ کی تقرری کے وقت جو حلف یا عہد لیا جاتا ہے اس کا جواب قطعی ہاں یا نہ میں ہوتا ہے۔ کاروبار حکومت میں غیر قطعی جواب کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس غیر قطعی جواب سے بعض حضرات یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سیدنا علیؓ کے دل میں شیخین کی محبت اور عظمت نہیں تھی یا وہ انہیں وہ مقام نہیں دیتے تھے جس سے ان کی اتباع لازم آئے۔

اگر چہ یہ اعتراض عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط ہے جس کے کئی جوابات ہم نے گذشتہ صفحات پر تفصیل سے دیے ہیں، لیکن اعتراض کرنے والے پھر بھی ایسا اعتراض کرتے ہیں خواہ اپنی غباوت اور کند ذہنی کی وجہ سے اور خواہ اپنے عقیدے اور نیت کے فتور کے سبب سے۔ لہذا ہمارے نزدیک بخاری کی روایات اس بارہ میں سب سے زیادہ صحیح ہیں اور مورخین کی بیان کردہ روایات سے ان کی تائید بھی ہوتی ہے علاوہ ازیں جو مقام اہل علم اور محدثین کے نزدیک بخاری کا ہے وہ کسی مورخ کی کسی بھی کتاب کا نہیں، لہذا ہم بخاری کی وہ روایات نقل کرتے ہیں جن سے ان اعتراضات کے پیدا ہونے کی گنجائش نہیں نکلتی۔

بخاری نے اس بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

سیدنا عمرؓ کی سیدہ عائشہ سلام اللہ علیھا کے حجرہ مطہرہ میں تدفین کے بعد اس مجلس مشاورت کا اجتماع ہوا۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے اس معاملہ کو جلد از جلد نمٹانے کے لیے فرمایا:

اجعلوا امرکم الی ثلاثۃ منکم

"تم اپنی یہ بات اپنے میں سے تین حضرات کے سپرد کر دو۔"

مقصد یہ تھا کہ اختلافات کم سے کم پیدا ہوں، کیونکہ خطرہ تھا کہ کوئی سازش ان میں اختلاف پیدا نہ کر دے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اس تجویز پر سیدنا زبیرؓ نے کہا کہ میں اپنا حق خلافت سیدنا علیؓ کے سپرد کرتا ہوں۔ سیدنا طلحہؓ نے سیدنا عثمانؓ کو اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا حق خلافت سیدنا عبدالرحمٰنؓ کو دے دیا۔ اب صرف تین آدمی باقی رہ گئے۔ ایک سیدنا عبدالرحمٰنؓ، دوسرے سیدنا عثمانؓ اور تیسرے سیدنا علیؓ۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے ان دونوں حضرات کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں میں سے کون خلافت سے دستبردار ہوتا ہے تا کہ ہم خلافت کے انتخاب کا مسئلہ اس کے سپرد کر دیں اور وہ اللہ رب العزت کے احکام کی حفاظت اور دین اسلام کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر اپنے میں سے بہترین شخص کو انتخاب کرے۔ یہ سن کر سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ دونوں خاموش رہے۔ یہ دیکھ کر سیدنا عبدالرحمٰنؓ بولے "اگر آپ میں سے کوئی شخص یہ اختیار نہیں لینا چاہتا تو پھر آپ دونوں حضرات یہ اختیار مجھے دے دیں اور خدا گواہ ہے کہ میں تم میں سے افضل شخص

Marfat.com

کے انتخاب میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔" یہ دونوں حضرات اس بات پر متفق ہو گئے اور دونوں نے یہ اختیار سیدنا عبدالرحمٰنؓ کو تفویض کر دیا۔ یہ اختیار حاصل کر کے سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے سیدنا علی کا ہاتھ پکڑا اور ان کو کہا کہ "آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کو اللہ کی قسم اگر میں آپ کو مسلمانوں کا امیر بناؤں تو آپ عدل کریں گے اور اگر میں عثمانؓ کو امیر بناؤں تو آپ ان کی اطاعت کریں گے۔" پھر یہی باتیں آپ نے سیدنا عثمانؓ سے کہیں۔ جب آپ نے ان دونوں سے پختہ عہد لے لیا تو سیدنا عثمانؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

ارفع يدك يا عثمان فبايعه فبايع له علي و ولج اهل الدار فبايعوه

"عثمانؓ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ پس سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے ان کی بیعت کی۔ پھر سیدنا علیؓ نے ان کی بیعت کی۔ پھر مدینہ کے لوگ اندر داخل ہوئے اور باری باری سب نے سیدنا عثمانؓ کی بیعت کی۔" (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۴ ـ ۵۲۵)

اسی سلسلہ میں دوسری روایت امام بخاری نے مسور بن مخرمہؓ سے نقل فرمائی ہے۔ سیدنا مسور بن مخرمہؓ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بھانجے تھے اور مجلس مشاورت کی میٹنگ بھی ایک روایت کے مطابق انہی کے مکان پر ہوئی اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ مختلف حضرات کے بلانے کے لیے انہی کو بطور قاصد استعمال کرتے رہے۔ اس وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ مجلس مشاورت کی کارروائی کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں جانتا۔

(فتح الباری جلد ۳ ص ۱۶۸)

مسورہ بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ:

"چھ صحابہ کی جس جماعت کو سیدنا عمرؓ نے انتخاب خلیفہ کا اختیار دیا تھا۔ آپ کی تدفین کے بعد وہ باہم مل کر مشورہ کرنے لگی۔ ان چھ حضرات میں سے سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ میں اس امر خلافت کے بارہ میں تم سے کوئی جھگڑا نہیں کروں گا۔ لیکن اگر تم چاہو تو میں تم میں سے ایک شخص کا انتخاب کر دوں۔ ان سب نے اس بارہ میں سیدنا عبدالرحمٰنؓ کو یہ اختیار دے دیا جب انتخاب خلیفہ کا اختیار سیدنا عبدالرحمٰن کو مل گیا تو لوگوں کی نگاہیں سیدنا عبدالرحمٰنؓ کی

Marfat.com

طرف تھیں اور ان لوگوں کے پیچھے اب ایک شخص بھی نظر نہیں آتا تھا۔ لوگ سیدنا عبدالرحمٰنؓ کو برابر مشورے دیتے رہے یہاں تک کہ وہ رات آئی جس رات کی اگلی صبح ہم نے سیدنا عثمانؓ کی بیعت کی۔ اس رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد سیدنا عبدالرحمٰنؓ میرے مکان پر تشریف لائے، دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب میں بیدار ہوا تو مجھے فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ تم سوئے ہوئے تھے۔ بخدا میں تین راتیں پوری نیند نہیں سویا۔" پھر فرمایا" جاؤ زبیرؓ اور سعدؓ کو بلا لاؤ۔" میں نے تعمیل حکم کی۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے خلوت میں ان سے کچھ مشورہ کیا۔ پھر مجھے بلایا اور فرمایا" جاؤ علیؓ کو بلا لاؤ۔" میں سیدنا علیؓ کو بلایا۔ انہوں نے آدھی رات تک آہستہ آواز سے انؓ سے کچھ باتیں کیں۔ (یہ باتیں سیدنا مسورؓ شاید نہیں سن سکے اس وجہ سے بیان نہیں کیں کہ سیدنا علی سے کیا باتیں ہوئیں) پھر سیدنا علیؓ اٹھ کر چلے گئے۔ سیدنا مسورؓ کا خیال ہے کہ ان کے دل میں خلافت کی کچھ طمع تھی (کہ شاید انہیں مل جائے) اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ کو سیدنا علیؓ سے کچھ خوف تھا۔ پھر مجھے فرمایا" اب عثمانؓ کو بلا لاؤ۔" میں ان کو بلا لایا۔ ان سے بھی سیدنا عبدالرحمٰنؓ کافی دیر تک آہستہ آہستہ کچھ باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ صبح کی اذان دینے والوں نے ان کے درمیان تفریق کی یعنی صبح کی اذان تک باتیں کرتے رہے۔ جب لوگ صبح کی نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ جماعت منبر کے پاس جمع ہو گئی۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین اور انصار کو بلا بھیجا اور ان سرادارانِ لشکر کو بھی بلا بھیجا جنہوں نے سیدنا عمرؓ کے ساتھ حج کیا تھا۔ جب یہ سب حضرات جمع ہو گئے تو سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے تشہد پڑھا اور فرمایا اے علیؓ میں نے لوگوں کے معاملہ میں کافی غور وخوض کیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، لہذا تم اپنے نفس پر مخالفت یا ملامت کا کوئی راستہ نہ نکالنا۔ پھر سیدنا عثمانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا میں سنت اللہ، سنت رسول اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کی سنت پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ پس عبدالرحمٰنؓ نے سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے بعد دوسرے لوگوں نے، مہاجرین وانصار نے اور لشکروں کے امراء (سیدنا

Marfat.com

معاویہؓ گورنر شام، سیدنا عمرو بن سعدؓ گورنر حمص، سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ گورنر کوفہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ گورنر بصرہ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ گورنر مصر وغیرھم) اور دوسرے مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

(بخاری جلد۲ ص ۱۰۶۹، ۱۰۷۰)

بخاری کی ان دونوں روایات سے کئی ایک شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے، مثلاً

1۔ امر خلافت کے طے کرنے میں آپس میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا تھا جیسا کہ مورخین نے اپنی کتابوں میں کئی ایک روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو حکم صرف اس لیے بنایا گیا تھا تا کہ معاملہ جلد نمٹایا جا سکے، کیونکہ سیدنا عمرؓ نے اپنی بصیرت کی بنا پر یہ تاکید فرمائی تھی کہ امر خلافت کو جلد از جلد نمٹانا اور اس معاملہ کے طے کرنے میں تین دن سے زیادہ وقت صرف نہ کرنا کیونکہ اس قدر وسیع وعریض مملکت کو تین دن سے زائد عرصے تک بغیر کسی خلیفہ کے رکھ چھوڑنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ملک میں مختلف قسم کی شورشیں اٹھنے کا خطرہ تھا اور یہ بھی خطرہ لاحق تھا کہ اندرون ملک سازشی گروہ مملکت اسلامیہ کو بے یارو مددگار سمجھ کر کہیں سازشوں کا جال نہ بچھا دے، لہذا یہ نہایت ضروری تھا کہ اس معاملہ کو جلداز جلد طے کیا جائے۔ جس کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ میں اپنا نام واپس لیتا ہوں اور دوسرے حضرات بھی جو اپنا نام واپس لینا چاہیں وہ اپنے حقوق خلافت دوسرے حضرات کو دے دیں۔ اس طریق سے صرف دو امیدوار خلافت باقی رہ گئے۔ ایک سیدنا عثمان بن عفانؓ اور دوسرے سیدنا علی بن ابی طالبؓ۔ ان دونوں امیدواروں کے بارہ میں جب استصواب رائے لی گئی تو مدینہ کے مردوں، عورتوں، بچوں، امراء اور خواص یہاں تک کہ باہر سے آنے والے وفود نے بھی سیدنا عثمانؓ کو سیدنا علیؓ پر ترجیح دی اور یوں یہ معاملہ تین روز کے اندر نمٹ گیا۔

2۔ سیدنا علیؓ کو اس بات پر کوئی اصرار نہ تھا کہ خلافت ان کو ضرور ملے۔ وہ صرف خلافت کے امیدوار تھے۔ جب استصواب رائے سے سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے سیدنا

Marfat.com

عثمانؓ کو خلیفہ نامزد فرمادیا تو بغیر کسی پس وپیش کے سیدنا علیؓ نے سیدنا عثمانؓ کی بیعت فرمائی۔ بلکہ بخاری، ابن کثیر اور دوسرے کئی ایک مورخین کی روایات کے مطابق سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے سب سے پہلے سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تو دوسرے نمبر پر سیدنا علیؓ نے بیعت فرمائی۔ بخاری کے الفاظ ہیں کہ:

قال ارفع یدك یا عثمان فبایعه فبایع له علی و ولج اهل الدار فبایعوه

''سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے کہا عثمانؓ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ پس انہوں نے عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اس کے بعد سیدنا علیؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ اندر داخل ہوئے اور انہوں نے باری باری ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔''

(بخاری جلد ا ص ۵۲۵، السنن الکبری جلد ۸ ص ۱۵۱)

علامہ ابن کثیر کی روایت کے الفاظ ہیں

وجاء الیه الناس یبا یعونه و بایعه علی بن ا بی طالب اولاً

''لوگ سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آئے اور سب سے پہلے سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۴۷، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۳)

یہ بیعت خوشی اور مسرت کے ساتھ تھی جبر و اکراہ سے نہ تھی۔ تبھی تو انہوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔ جو آدمی بادل نخواستہ بیعت کرتا ہے وہ سب سے پہلے بیعت نہیں کرتا۔ کیونکہ جب اس کو کسی بات پر دلی صدمہ ہوتا ہے تو نفسیاتی طور پر وہ اس کام کے کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ لہذا وہ سب روایات اس روایت کے سامنے یک قلم غلط ثابت ہو جاتی ہیں جن میں سیدنا علیؓ، سیدنا مقداد بن الاسودؓ اور سیدنا عمار بن یاسرؓ کا اس خلافت پر رنجیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر وہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت پر رنجیدہ ہوتے تو وہ ان کے ہاتھ پر کبھی بھی بیعت نہ کرتے۔ جب اس زمانہ میں حزب اختلاف ہو سکتی ہے تو اس زمانہ میں کیونکر نہیں ہو سکتی تھی؟ حالانکہ اس زمانہ میں حزب اختلاف کو طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ان کے راہنماؤں پر مختلف قسم کے غلط

Marfat.com

مقدمات بنائے جاتے ہیں ، لیکن وہ زمانہ ان تمام تعصبات اور دلی رنجشوں سے پاک اور مبرا تھا ، بلکہ خلافت راشدہ کے دور میں تنقید کو جس قدر سراہا گیا اتنا کسی دور میں نہیں سراہا گیا۔ سیدنا عمرؓ سیدنا عثمانؓ اور سیدنا معاویہؓ کے ادوار میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ خلیفہ وقت کو بر سر عام ایک عام آدمی ٹوکتا لیکن بجائے اس بات کے کہ وہ اس کو سزا دیتے الٹا اس کی تحسین کرتے اور اس کے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیتے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ 32 لاکھ مربع میل کی سلطنت کے خلیفہ ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے نام سے ڈرتی ہیں۔ ایک مرتبہ جر بن قیس اور عینیہؓ بن حصن نے خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ " آپ انصاف نہیں کرتے " اس بات پر آپ انہیں کچھ بھی نہیں کہتے۔ (کنزالعمال جلد ۶ ص ۳۵۲)

ایک مرتبہ ایک شخص نے کئی بار سیدنا عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا:

اتق اللّٰہ یا عمر

"اے عمر اللہ سے ڈرو"

حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا۔ آپؓ نے فرمایا "نہیں ، اسے کہنے دو ، اگر یہ لوگ نہیں کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور اگر ہم نہ مانیں تو ہم بے مصرف ہیں"

(کتاب الخراج ص ۷)

سیدنا معاویہؓ جن کے بارہ میں آج طرح طرح کی روایات گھڑ لی گئی ہیں ، ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ سیدنا ابو مسلم اخوالائیؓ نے کھڑے ہو کر تمام لوگوں کے سامنے سیدنا معاویہؓ کو مخاطب کر کے کہا:

" اے معاویہؓ یہ مال نہ تیرا ہے ، نہ تیرے باپ کا اور نہ ہی تیری ماں کا"

واقعہ یہ تھا کہ سیدنا معاویہؓ نے بعض حالات کے پیش نظر سرکاری ملازمین کو دو تین ماہ کی تنخواہیں نہیں دی تھیں۔ سیدنا ابو مسلم الخوالائی کی بات سن کر سیدنا معاویہؓ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ خود گھر تشریف لے گئے اور غسل فرمایا اور تھوڑی دیر بعد آ کر فرمایا

"لوگو ابو مسلمؓ نے کہا کہ یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں کا۔ ابو مسلمؓ نے سچ کہا اور میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثرات کے باعث ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا

ہوا ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چاہیے کہ فوراً غسل کرلے۔ اب تم سب اپنی تنخواہیں وصول کرلو۔ اللہ رب العزت برکت دے۔" (حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۲۸)

یہ صرف چند مثالیں تھیں وگرنہ خلافت راشدہ کی پوری تاریخ اس قسم کے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے کہ خلیفہ وقت پر تنقید کرنے والوں کی ستائش و تحسین کی گئی۔ اگر سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کو جائز اور اچھا نہیں سمجھتے تھے تو آخر بیعت کرنے کی کیا وجہ تھی؟ اور ڈر کس بات کا تھا؟ صاف کہہ دیتے کہ میں آپ کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتا۔ آخر "اسد اللہ" (اللہ کے شیر) تھے، لیکن حقیقت یہ نہیں۔ وہ اخلاص اور للّٰہیت کے مجسمہ تھے۔ وہ امیر کی بجائے وزیر رہنا پسند کرتے تھے (نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۱۷۹) کیونکہ امارت وخلافت کا بار بہت گراں ہے جس کو بار دوش بنانا وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر وہ بار گراں ان کے بار دوش ہو بھی جاتا تو وہ اس سے سبکدوش ہونے کی مکمل صلاحیت بھی رکھتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی سب روایات رنگ صداقت سے خالی اور لباس حقیقت سے عاری ہیں اور یہ صرف صحابہ کرامؓ کے بارہ میں لوگوں کو بدعقیدہ بنانے کے لیے گھڑی گئی ہیں۔

بخاری کی ان روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے خلافت کے ان دو امیدواروں کے سامنے کسی اقرار اور حلف کی کوئی شرط نہیں رکھی تھی جس کے انکار سے سیدنا علیؓ خلیفہ نہ ہو سکے۔ اور جس کے اقرار سے سیدنا عثمانؓ خلیفہ ہو گئے، بلکہ یہ بات سراسر الحاقی اور وضعی ہے اور صرف اس لیے کی گئی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ خلافت کے اصل حقدار تو سیدنا علیؓ تھے اور سیدنا عثمانؓ تو صرف حادثہ کے طور پر خلیفہ المسلمین ہو گئے جب کہ سیدنا علیؓ نے اس اقرار سے انکار کیا جس کو بطور شرط سیدنا عبدالرحمٰن نے سیدنا علیؓ کے سامنے پیش کیا۔

بخاری کی اس روایت نے ثابت کر دیا کہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے خلافت کے دونوں امیدواروں کے سامنے اس قسم کی کوئی شرط پیش نہیں کی تھی بلکہ خود سیدنا عثمانؓ کی بیعت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

Marfat.com

ا بایعک علی سنة الله و رسوله والخلیفتین من بعده

"میں اللہ، اس کے رسول اور ان کے بعد والے دو خلیفہ (سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کی سنت پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔" (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۷۰)

یہ بات اقرار یا حلف کے طور پر ان دونوں حضرات سے نہیں کہی گئی تھی جیسا کہ طبری، ابن کثیر، ابن اثیر اور دوسرے مورخین نے اپنی تاریخوں میں نقل کیا ہے۔

بخاری کی اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مبارک زمانہ میں سنت شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کی بہت عظمت تھی۔ اسی وجہ سے سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے سیدنا عثمانؓ کی بیعت کرتے وقت ان الفاظ کو خاص طور پر ذکر فرمایا کہ۔

ا بایعک علی سنة الله و رسوله و الخلیفتین من بعده

"میں سنت اللہ، سنت رسول اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سنت پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔"

اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کی سنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بعد ذکر کر کے ان دونوں کے مقام کو بھی واضح فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں سب سے بلند مقام ابو بکرؓ اور عمرؓ کا ہے۔ اور یہ دراصل تعمیل تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا:

فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوابها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة

"جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا سو تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوطی سے پکڑے رکھو، اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

(ترمذی جلد ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۷۹، مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۹۵، مسند دارمی ص ۲۶، مسند احمد جلد ۴ ص ۲۷)

Marfat.com

خلفائے راشدینؓ کے بارہ میں یہ عہد نہ صرف اس زمانہ میں لیا گیا بلکہ اس زمانہ کے بعد بھی کئی دفعہ اس عہد کی تکرار کی گئی۔ چنانچہ جب سیدنا حسنؓ نے خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کی تو وہاں اور شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ

"سیدنا معاویہؓ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرت خلفائے صالحین کے مطابق امور خلافت کو سرانجام دیں گے۔"

چنانچہ مشہور شیعہ محدث ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں:

صالحه على ان يسلم ولاية امر المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله و سنة رسول الله وسيرة الخلفاء الصالحين

"سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ کو اس شرط پر خلافت سپرد کی کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ خلفائے صالحین کے مطابق امور خلافت چلائیں گے۔" (بحار الانور جلد ۱۰ ص ۵۴)

یہی چیز ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہو کتاب جلاء العیون ص ۳۱۵ پر بھی نقل کی ہے لیکن وہاں خلفائے صالحین کا ترجمہ "سیرۃ خلفائے شائستہ کیا ہے لیکن دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ اور کشف الغمہ میں "خلفائے راشدین" کے الفاظ منقول ہیں (کشف الغمہ جلد ۲ ص ۱۹۶)

کتب شیعہ سے بیعت علیؓ کے دلائل

یہ تھی مختصر بحث اس بارہ میں کہ سیدنا علیؓ نے خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ پر برضا و رغبت بیعت فرمائی تھی۔ اس بارہ میں شیعہ حضرات نے بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ طوسی نے لکھا ہے:

لما قتل جعلنى سادس ستة فدخلت حيث ادخلنى و كرهت ان افرق جماعة المسلمين واشق عصاهم فبايعتم عثمان فبايعته

"(سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ) جب عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے اس چھ رکنی مجلس کا مجھے چھٹا رکن مقرر کیا۔ تو میں ان کے شامل کرنے پر اس مجلس میں

Marfat.com

شریک ہو گیا۔ اور میں نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق اور اتفاق کی لاٹھی کو توڑنا مکروہ جانا، تم لوگوں نے عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی پس میں نے بھی عثمانؓ کی بیعت کر لی۔" (الامالی ، طوسی مجلد ثانی ص ۱۲۱، عراق)

اور سیدنا علیؓ بیعت کیسے نہ کرتے جب کہ ان کے ہاں انتخاب خلیفہ کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ:

انما الشوری للمهاجرین و الانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموه اماماً کان ذالک لله رضی

"خلافت کے مشورہ کا اختیار مہاجرین اور انصار کو ہے اگر یہ دونوں گروہ ایک شخص پر مجتمع ہو کر اسے امام نامزد کر دیں تو وہ خدا کے نزدیک پسندیدہ امام ہو گا۔" (نہج البلاغہ جلد۲ ص ۷)

مہاجرین وانصار کا سیدنا عثمانؓ بن عفان کی بیعت کے بارہ میں کیسا اجتماع ہوا اس بارہ میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے:

قال الامام احمد بن حنبل لم یتفق الناس علی بیعة کما اتفقوا علی بیعة عثمان ، ولاه المسلمون بعد تشاورهم ثلاثة ایام و هم مؤتلفون متفقون متحابون متوادون معتصمون بحبل الله جمیعاً ... فلم یعدلوا بعثمان غیره کما اخبر بذالک عبدالرحمن بن عوف

"امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ لوگ (مہاجرین و انصار) جیسے سیدنا عثمانؓ کی بیعت پر متفق ہوئے ایسے کسی اور کی بیعت پر متفق نہیں ہوئے۔ مسلمانوں نے تین دن کی باہمی مشاورت سے انہیں خلیفہ مقرر کیا اس حالت میں کہ انہوں نے باہم خوش وخرم متفق و متحد اور آپس میں محبت و موءت کے ساتھ حق تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیا۔۔۔۔۔ اور انہوں نے کسی دوسرے شخص کو عثمانؓ کے برابر نہ جانا جیسا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنے فیصلہ میں اس بارہ میں خبر دی تھی۔" (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۲۳۳)

Marfat.com

خلافت عثمانی میں سیدنا علیؓ کا تعاون

اگر سیدنا علیؓ نے سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہوتی اور ان کو دل و جان سے خلیفۃ المسلمین تسلیم نہ کیا ہوتا تو وہ کبھی بھی ان کی خلافت کے دوران ان سے عملی تعاون نہ کرتے۔ تاریخ کے اوراق اور تاریخ کے رپورٹر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں سیدنا علیؓ نے ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ ان کو ہر معاملہ میں مشورے دیے اور ایام شورش میں ان کی حفاظت اور باغیوں کی مخالفت میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا بلکہ شیعہ اور سنی حضرات دونوں کی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ سیدنا عثمانؓ کے بارہ میں فرمایا تھا:

كان عثمان خيرنا واوصلنا للرحم و اشدنا حياء و احسننا طهوراً و اتقانا للرب عزوجل

"عثمانؓ ہم سب سے بہتر تھے، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے، سب سے زیادہ باحیاء تھے اور سب سے زیادہ پاکیزہ تھے اور اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۴)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی الاصابہ جلد ۲ ص ۴۵۵ پر ایسا ہی لکھا ہے۔

ابن حجر عسقلانیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ سے سیدنا عثمانؓ کے فضائل کے بارہ میں پوچھا گیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

ذاك امرء يدعى فى الملاء الاعلى ذالنورين

"یہ وہ شخص ہے جو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔"

(الاصابہ جلد ۲ ص ۴۵۵، تاریخ الخلفاء ص ۱۰۵)

صاحب کنز العمال نے ابن عساکر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ سے سیدنا عثمانؓ کے بارہ میں پوچھا گیا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

۱۔ نعم يسمى فى اسماء الرابعة ذا النورين

۲۔ وزوجه رسول الله صلى الله عليه وسلم واحدة بعد واحدة

۳۔ ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يشترى بيتاً يزيده فى المسجد غفر الله له فاشتراه عثمان فزاده

Marfat.com

فی المسجد

۴۔ فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من یبتاع مربد بنی فلان فیجعله صدقة للمسلمین غفراللّٰه له فاشتراه عثمان فجعله صدقة علی المسلمین

۵۔ فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من یجهز هذا الجیش یعنی جیش العسرة غفراللّٰه له فجهزهم عثمان حتی لم یتقدوا عقالاً

۱۔ عثمانؓ بہترین شخص تھے اور چوتھے آسمان پر ان کو ''ذوالنورین'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

۲۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دیں۔

۳۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایک مکان خرید کی مسجد میں اضافہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیں گے۔ عثمانؓ نے وہ مکان خرید کر مسجد میں اضافہ کر دیا۔

۴۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فلاں قبیلہ کا باڑہ خرید کی عام مسلمانوں کے لیے صدقہ اور وقف کر دے، حق تعالیٰ شانہ اس کی مغفرت فرما دیں گے۔ عثمانؓ نے وہ مکان خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

۵۔ پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جیش عسرت کے لیے سامان پیش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے تو عثمانؓ نے پالان کسنے کی رسی تک وہ سامان جیش عسرت کو مہیا کیا۔

(کنزالعمال جلد ۶ ص ۳۷۹)

حدیث کی بعض کتابوں میں ہے کہ خلافت عثمانی میں سیدنا علیؓ بعض دفعہ رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن حکیم سنایا کرتے تھے چنانچہ امام محمد بن نصر المروزی نے نقل کیا کے کہ سیدنا حسنؓ سے قتادہ نقل کرتے ہیں کہ

امنا علی ابن ابی طالب فی زمن عثمان عشرین لیلة

Marfat.com

"سیدنا علیؓ نے سیدنا عثمانؓ کی خلافت کی زمانہ میں ہمیں بیس راتیں تراویح کی امامت کرائی۔" (قیام اللیل ص ۱۵۵)

امام بیہقی نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمانؓ اپنے زمانہ خلافت میں جب لوگوں کے مقدمات کے فیصلوں کے لیے تشریف فرما ہوتے اور ان کی خدمت میں مدعی اور مدعی علیہ آتے تو آپ ایک کو فرماتے کہ علیؓ ابن ابی طالب کو بلا لاؤ اور دوسرے کو فرماتے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو بلا لاؤ۔ اس کے بعد آپ فریقین کو اپنے بیانات کا حکم دیتے۔ فریقین کے بیانات سننے کے بعد آپ صحابہ کرامؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، اور علیؓ ابن ابی طالب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ اس مقدمہ کے بارہ میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ چنانچہ ان حضرات کی رائے اگر سیدنا عثمانؓ کی رائے کے موافق ہوتی تو فوراً فیصلہ فرما دیتے، لیکن اگر ان کی رائے میں اختلاف ہوتا تو بعد میں غور و فکر کرتے اور فیصلہ فرماتے، درآں حالیکہ فریقین اپنے فیصلہ کے بارہ راضی ہو چکے ہوتے۔

(السنن الکبری جلد ۱ ص ۱۱۲)

شیعہ حضرات کی کتابوں میں تو یہاں تک آتا ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ حدود جاری کرنے کے مقدمات سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کے سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا جعفر صادقؓ اپنے آباؤ اجداد سے نقل فرماتے ہیں۔

ان ابابکر وعمر وعثمان کانوا یرفعون الحدود الی علی بن ابی طالب

"بے شک سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ مقدمات حدود کو سیدنا علیؓ ابن طالب کے سپرد فرماتے تھے۔" (قرب الاسناد ص ۱۳۳، طہران)

چنانچہ امام بخاری لکھتے ہیں:

ان عثمان دعا علیا فامرہ ان یجلدہ فجلدہ ثمانین

"سیدنا عثمانؓ نے سیدنا علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ ولیدؓ کو کوڑے ماریئے تو سیدنا علیؓ نے ولیدؓ کو ۸۰ کوڑے لگائے۔" (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۲)

شیعہ حضرات کی کتابیں بھی اس واقعہ کی تائید کرتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو فروع کافی جلد ۳ ص ۱۱۷، لکھنو، ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۲۶۷، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۵)

Marfat.com

مختلف مقدمات میں سیدنا علیؓ کے فیصلے کتابوں میں منقول ہیں جو اس بات کی بین دلیل ہیں کہ سیدنا علیؓ خلافت عثمانیؓ کو درست اور صحیح سمجھتے تھے اور انہوں نے خود بھی سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی ہوئی تھی۔

سیدنا علیؓ کے صاحبزادوں کا شریک جہاد ہونا

سیدنا علیؓ ابن ابی طالب نے اگر سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ پر برضا اور رغبت بیعت خلافت نہ کی ہوتی تو وہ اپنے صاحبزادوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو بھی خلافت عثمانی میں مختلف غزوات میں شریک جہاد ہونے کی اجازت نہ دیتے۔ کیونکہ جب ایک شخص کی خلافت ہی ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے تو اس میں جہاد کیسا اور شہادت کیسی؟ لیکن تاریخ کی کتابیں بتاتی ہیں کہ حضرات حسنینؓ اور دیگر ہاشمی حضرات سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں مختلف شہروں میں شریک جہاد ہوئے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

"جب سیدنا عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح مصر کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے سیدنا عثمانؓ سے افریقہ پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ سے اس بارہ میں مشورہ کے بعد مدینہ طیبہ سے جہاد کے لیے ایک لشکر ترتیب دیا، جس میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بھی شامل تھی، جن میں سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ، اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ شامل تھے۔ یہ لشکر ۲۶ ھ میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی زیر قیادت جہاد کے لیے روانہ ہوا اور اس کی برقہ کے مقام پر سیدنا عقبہؓ بن نافع سے ملاقات ہوئی۔ پھر یہ لشکر طرابلس کی طرف روانہ ہوا اور روم کو فتح کر کے بہت سامال غنیمت حاصل کیا۔ پھر یہ لشکر افریقہ کی مہم کی طرف روانہ ہوا اور ملک کے مختلف علاقوں کی طرف اس نے اپنے مجاہدین پھیلا دیئے"

(تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۰۰۳)

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا سعید بن العاصؓ گورنر کوفہ کی زیر قیادت جرجان، خراسان اور طبرستان وغیرہ کی طرف جو لشکر روانہ ہوئے ان میں سیدنا حسن بن علیؓ سیدنا حسین بن علیؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ جیسے صحابہ شامل تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۵۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۵۴)

Marfat.com

ابن جریر طبریؒ نے بھی ۳۰ھ میں جو لشکر سیدنا سعید بن العاصؓ گورنر کوفہ کی زیر قیادت ان شہروں کی طرف روانہ ہوا اس میں ان حضرات کی خصوصی طور پر سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی شمولیت کا ذکر کیا ہے۔ (طبری جلد ۳ ص)

شیعہ حضرات کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ جو سیدنا عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی بھی تھے خراسان کی فتح کی مہم پر گئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے خراسان کو فتح کیا تو انہیں مال غنیمت میں دو عورتیں ملیں جو یزدجرد بن شہریار شاہ ایران کی لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے ان دونوں لڑکیوں کو خلیفہ المسلمین سیدنا عثمانؓ بن عفانؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ شیعہ مصنف نے لکھا ہے:

فوهب احدهما للحسن والاخرى للحسين فماتتا عندهما نفساوين وكانت صاحبة الحسين نفست بعلى بن الحسين عليها السلام

''سیدنا عثمانؓ نے ایک لڑکی سیدنا حسن بن علیؓ کو دے دی اور دوسری سیدنا حسینؓ بن علیؓ کو عطا فرما دی۔ یہ دونوں لڑکیاں ان دونوں حضرات کے ہاں صاحب اولاد ہو کر فوت ہوئیں، اور جو لڑکی سیدنا حسین بن علیؓ کو عطا کی گئی ان سے سیدنا علی بن حسینؓ پیدا ہوئے۔'' (تنقیح المقال للمامقانی جلد ۳ ص ۸۰)

بعض شیعہ حضرات کے ہاں یہ لڑکیاں سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں آئیں اور ان دونوں حضرات کو عطا کی گئیں۔ بہرحال اس سے ہمارے استدلال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

محاصرہ عثمانی اور سیدنا علیؓ

سیدہ عثمانؓ کی شہادت سے قبل کچھ باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا تھا اور مدینہ طیبہ میں ایک طوفان بدتمیزی برپا کیا تھا۔ اس زمانہ میں سیدنا علیؓ نے خلیفہ المسلمین سیدنا عثمانؓ کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمایا اور ہر مرحلہ پر باغیوں کو گھناؤنی حرکات کرنے سے روکا۔ چنانچہ مدینہ طیبہ پر باغیوں نے جب پہلی مرتبہ یورش کی اور چھ سو شورش پسندوں نے عمرہ کے بہانے جب مدینہ طیبہ کا رخ کیا تو شورش پسندوں کے مدینہ کے قریب پہنچنے پر سیدنا عثمانؓ نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ ان کو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا جائے۔ ان چھ سو شورش پسندوں میں

Marfat.com

عبدالرحمٰن بن عدیس، کنانہ بن بشر اور سودان بن حمران قائدین تحریک بھی تھے۔ سیدنا علیؓ نے تیس صحابہؓ کی معیت میں ان کے پاس جا کر انہیں سمجھایا اور انہیں واپس بھیج دیا اور جو کچھ ان لوگوں نے سیدنا عثمانؓ پر اعتراضات کیے ان کے شافی جوابات دیے۔ بعد میں آپ نے امیر المومنین کو اس کی اطلاع دی اور کہا کہ آپ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیں۔ اس سے ان حالات میں بہت فائدہ ہو گا۔ چنانچہ آپ کے کہنے پر سیدنا عثمانؓ نے مسجد نبوی میں بڑی موثر تقریر کی جس کے متعلق علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے

وارسل عینیه فبکی المسلمون اجمعون

”آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور سب مسلمان بھی زاروقطار رو رہے تھے۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۲)

دوسری مرتبہ پھر ان باغیوں نے مدینہ طیبہ پر یورش کی۔ یہ دو تین ماہ بعد کی بات ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ شوال ۳۵ھ میں مصری مفسدین چار امراء کی سرکردگی میں چار گروہوں میں نکلے۔ ان چار گروہوں کے سردار عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر اللیثی، سودان بن حمران اور قتیرہ بن فلان تھے اور چاروں گروہوں کی قیادت غافقی بن حرب کر رہا تھا۔ اسی طرح کوفہ اور بصرہ سے بھی چار چار گروہوں میں اتنی ہی تعداد میں یہ لوگ آئے اور مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلہ پر پہنچ کر رک گئے۔ اہل بصرہ نے ذاخشب، اہل کوفہ نے اعوص اور اہل مصر نے ذی المروہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے اور کچھ لوگوں کو مدینہ طیبہ میں حالات کے مطالعہ کے لیے بھیجا۔ انہوں نے مدینہ میں سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ اور دوسرے لوگوں سے مل کر انہیں اصل مقصد سے مطلع کیا اور کہا کہ ہم امیر المومنین اور ان کے گورنروں کی معزولی کے لیے آئے ہیں، لہذا آپ لوگ ہمیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں لیکن

فکل الناس ابی دخولهم ونهی عنه

”سب لوگوں نے ان کے داخلہ سے انکار کر دیا اور اس سے منع کیا۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۴)

سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ کے پاس جب یہ لوگ گئے اور انہیں اپنے مقصد سے آگاہ کیا تو مورخین نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ

"ان تینوں حضرات نے باآواز بلند انہیں اپنے پاس سے دھتکار دیا اور فرمایا نیک اور صالح لوگوں کو یقین ہے کہ ذی المروہ اور ذی خشب کا لشکر جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملعون ہے۔ تم واپس چلے جاؤ خدا تمہارا ساتھی اور حامی نہ ہو۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۰)

چنانچہ یہ لوگ اہل مدینہ اور حضرات صحابہؓ سے مایوس ہو کر واپس اپنے لشکروں میں چلے گئے اور انہیں تمام حالات سے آگاہ کیا۔

مدینہ طیبہ میں جو لوگ حالات کے مطالعہ کے لیے گئے تھے واپسی پر انہوں نے

اظهروا للناس انهم راجعون الى بلد انهم

"لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ واپس اپنے اپنے شہروں کو جا رہے ہیں۔"

لیکن ایک روز یکا یک اہل مدینہ نے مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور تکبیر کے نعروں کا شور سنا اور دیکھا کہ باغیوں کی ایک کثیر تعداد مدینہ کی گلیوں میں دوڑ رہی ہے۔ ان میں سے اکثر تو سیدنا عثمانؓ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کر دیا:

من كف يده فهو آمن

"جو اپنے ہاتھ کو روک لے گا اس کو امان دی جائے گی۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۰)

سیدنا علیؓ اور دوسرے چند ایک صحابہ کرامؓ نے مفسدین سے ان کے واپس آنے کا سبب پوچھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے ان باغیوں سے پوچھا

ماردكم بعد ذهابكم و رجوعكم عن رائكم

"تمہارے جانے کے بعد پھر واپس آنے اور تمہارا اپنی رائے سے رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے؟" (طبری جلد ۳ ص ۳۹۱)

انہوں نے جواب دیا:

اخذ نامع بريد كتابا بقتلنا

"ہم نے ایک قاصد سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمارے قتل کا حکم ہے۔"

سیدنا علیؓ نے ان سے سوال کیا

Marfat.com

"اے اہل کوفہ اور اے اہل بصرہ! اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا ہے کہ انہوں نے ایک قاصد کو پکڑ کر اس سے ایک خط حاصل کیا، اس واقعہ کا تمہیں کیسے علم ہو گیا جب کہ تم کئی منزلیں طے کر چکے تھے۔ پھر تم اکٹھے ہو کر یہاں آ گئے؟ بخدا یہ تو مدینہ ہی میں کی گئی سازش ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ اس کو جس پر چاہیں محمول کر لیں۔ ہمیں تو اس شخص (سیدنا عثمانؓ) کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم تو اس کو معزول کر کے ہی دم لیں گے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۰، طبری جلد ۳ ص ۳۸۷)

علامہ ابن جریر طبری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب مصریوں کا لشکر راضی ہو کر اور سیدنا علیؓ اور دیگر صحابہ کرام کے سمجھانے پر واپس لوٹا تو وہ لوگ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ انہیں ایک قاصد ملا۔ مشکوک سمجھتے ہوئے انہوں نے اس کی تفتیش حال کی۔ اس نے کہا کہ "میں امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کا قاصد ہوں اور گورنر مصر کے پاس جا رہا ہوں۔" یہ سن کر انہیں کچھ اور شک ہوا۔ تلاشی لینے پر اس سے ایک خط برآمد ہوا جس پر باقاعدہ امیر المومنین کی سرکاری مہر بھی ثبت تھی اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ ان لوگوں کو یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا ان کے ساتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں۔ وہ اس قاصد کو پکڑ کر مدینہ طیبہ لے آئے اور سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا کہ (معاذاللہ) "اس دشمن خدا (سیدنا عثمانؓ) کا حال ملاحظہ فرمایئے کہ اس نے اس خط میں ہمارے بارہ میں یہ لکھا ہے۔ اللہ نے ہمارے لئے اس کا خون حلال کر دیا ہے لہذا آپ ہمارے ساتھ ان کے پاس چلئے۔ آپ نے فرمایا" واللہ میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گا۔" اس پر باغیوں نے سیدنا علیؓ سے کہا

فلم کتبت الینا؟

پھر آپ نے ہمیں خط کیوں لکھا؟

سیدنا علیؓ نے ان کے جواب میں فرمایا:

واللہ ما کتبت الیکم کتاباً قط

"بخدا میں نے کبھی بھی تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا۔

سیدنا علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور ایک

Marfat.com

دوسرے سے کہنے لگے

الھذا تقتلون أ ولھذا تغضبون ؟

کیا تم اس کے لیے لڑتے ہو اور اس کے لیے غضبناک ہوتے ہو؟

سیدنا علیؓ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ نے مدینہ طیبہ کو چھوڑ دیا اور ایک بستی کی طرف تشریف لے گئے۔ (طبری جلد ۳ ص ۳۹۱)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "سیدنا عثمانؓ۔ شخصیت اور کردار جلد اول)

ایک اور روایت میں ہے کہ باغی سیدنا علیؓ اور سیدنا محمد بن مسلمہؓ کو سیدنا عثمانؓ کے پاس لے گئے اور ان دونوں حضرات کی موجودگی میں باغیوں نے اس خط کا افسانہ سنایا اور اصرار کیا یہ خط واقعی آپ نے لکھا ہے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

واللّٰہ ما کتبت ولا امرت ولا شورت و لا علمت

"بخدا نہ تو میں نے یہ خط لکھا ہے نہ لکھنے کا حکم دیا ہے اور نہ میرے مشورے سے لکھا گیا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے۔"

سیدنا محمد بن مسلمہؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے اور سیدنا علیؓ نے کہا کہ سیدنا عثمانؓ واقعی سچ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد میں اور سیدنا علیؓ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔" (طبری جلد ۳ ص ۴۰۷)

محاصرہ کے آخری دنوں میں شورش پسندوں نے محاصرہ میں شدت پیدا کر دی اور امیر المومنینؓ کا پانی تک بند کر دیا۔ سیدنا عثمانؓ نے سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور ازواج مطہرات رسولؐ کو پیغام بھجوایا کہ

"باغیوں نے ہمارا پانی وغیرہ بند کر دیا ہے، لہذا اگر آپ تھوڑا سا پانی ہمارے لیے بھیج سکیں تو بھیج دیں۔" (طبری جلد ۳ ص ۴۱۷)

سیدنا علیؓ کو سیدنا عثمانؓ کا پانی کے بارہ میں جب یہ پیغام ملا تو آپ ان باغیوں کے پاس اندھیرے منہ آئے اور انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا

"اے لوگو جو کچھ تم کر رہے ہو یہ نہ تو مسلمانوں والا کام ہے اور نہ کافروں والا۔ تم امیر المومنین سے کھانے پینے کی ان اشیاء کو نہ روکو روم اور ایران کے لوگ اگر کسی کو قید کرتے ہیں تو اسے بھی وہ کھانے پینے کی چیزیں دیتے ہیں۔

Marfat.com

سیدنا عثمانؓ نے تمہارے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا۔ پھر تم کس وجہ سے ان کا محاصرہ اور قتل جائز قرار دیتے ہو۔"

سیدنا علیؓ کی یہ باتیں سن کر باغیوں نے کہا:

والله ولا نعمة عين لانتركه ياكل ولا يشرب

"بخدا جب تک ہمارے بدن میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی ہے ہم عثمانؓ کو پانی کا ایک گھونٹ اور خوراک کے ایک لقمے سے بھی بہرہ ور نہیں ہونے دیں گے۔" (طبری جلد ۳ ص ۴۱۷)

سیدنا علیؓ کے یہ الفاظ اگرچہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلے تھے اور انہوں نے نہایت دردمندی سے باغیوں سے یہ اپیل کی تھی تا کہ مملکت اسلامیہ تشتت و افتراق سے بچ جائے، لیکن ان کی یہ پندو موعظت ان پتھر دل انسانوں پر کارگر نہ ہوئی اور ان کے وطیرہ میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ وہ اپنی ہٹ پر اڑے رہے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کو ان کے اس فعل اور اپنی ناکامی سے بہت صدمہ ہوا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ

باغیوں نے جب لوگوں کی امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کے پاس آمدورفت بند کر دی اور آپ کا محاصرہ نہایت سخت کر دیا' نہ تو باہر سے امیر المومنین کے پاس کوئی آ سکتا تھا اور نہ امیر المومنین باہر کسی کو ملنے کے لیے جا سکتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاس جو پانی تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔

فاستغاث بالمسلمين في ذالك

"آپ نے پانی کے بارہ میں مسلمانوں سے مدد طلب کی۔"

سیدنا علیؓ بہ نفس نفیس پانی کی مشکیں ایک جانور پر رکھ کر قصر خلافت کی طرف سیدنا عثمانؓ کو پانی پہنچانے کے لیے آئے۔ ان جاہلوں نے آپ کے ساتھ نہایت بدکلامی کی۔ آپ کی اس سواری کو جس پر پانی کی مشکیں لادی ہوئی تھیں، بھگانے کی کوشش کی۔ ان مشکوں کو پھاڑنے کی پوری پوری کوشش کی تا کہ پانی گر جائے۔ ان طریقوں سے آپ کو خوف زدہ کیا، لیکن آپ یہ پانی امیر المومنینؓ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد میں آپ نے ان شقی القلب لوگوں کو نہایت سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

Marfat.com

"بخدا فارس اور روم کی حکومتیں بھی یہ کچھ نہیں کرتیں جو تم لوگ اس شخص یعنی سیدنا عثمانؓ کے ساتھ کر رہے ہو۔ بخدا وہ بھی جب کسی شخص کو گرفتار کرتے ہیں تو اسے بھی کھلاتے ہیں اور پلاتے ہیں یعنی اس کا آب ودانہ نہیں روکتے۔"

سیدنا علیؓ کی بات حقائق پر مبنی تھی اور ہر عام ذہن میں اترنے والی تھی، لیکن باغیوں نے سیدنا علیؓ کی اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

سیدنا علیؓ اپنی اس پند و موعظت کے قبول نہ ہونے سے سخت مایوس ہوئے، چنانچہ انہوں نے علامت کے طور پر اپنا عمامہ قصر خلافت کے درمیان میں پھینک دیا۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۷)

صحابہ کرامؓ نے متعدد موقعوں پر امیر المومنین سیدنا عثمانؓ سے درخواست کی تھی کہ ہمیں اس معاملہ میں مداخلت کی اجازت دی جائے اور ان بلوائیوں سے نمٹنے کے لیے ہمیں بھی موقع دیا جائے۔ لیکن امیر المومنین نے ان کی اس درخواست کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور مجھے بذات خود ان سے نمٹنے دیں۔
چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ

وامر اهل المدينة بالرجوع و اقسم عليهم فرجعوا

"سیدنا عثمانؓ نے اہل مدینہ کو حکم دیا کہ وہ واپس چلے جائیں اور انہیں قسم دی، چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔" (ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۶)

لیکن ابن اثیر ہی کا بیان ہے

الا الحسن بن علی وابن عباس و محمد بن طلحة و عبدالله بن زبير و اشباهاً لهم

"سوائے حسن بن علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن طلحہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور ان جیسے کئی صحابہ زادوں کے جو امیر المومنین عثمانؓ کی حفاظت کے لیے موجود رہے۔" (ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۷)

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ بلوائیوں نے سیدنا عثمانؓ کو قصر خلافت میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا اور ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ان کا شدید محاصرہ کیا

ولزم كثير من الصحابة بيوتهم وسار اليه جماعة من ابناء الصحابة عن امر آبائهم منهم الحسن و الحسين و

عبداللہ بن ازبیر وکان امیر الدار وعبداللہ بن عمر

''صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد خانہ نشین ہو گئی اور صحابہؓ کے صاحبزادوں کی ایک جماعت اپنے باپوں کے حکم سے امیر المومنینؓ کے پاس حفاظت کے لیے پہنچی جن میں سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ جو گھر میں مقیم لوگوں کے امیر تھے، اور عبداللہ بن عمرؓ کے نام خاص طور قابل ذکر ہیں۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۶)

علامہ ابن کثیرؒ نے ایک اور مقام پر لکھا ہے:

''اواخر ذیقعدہ سے لے کر ۱۸ ذی الحجہ بروز جمعہ ۳۵ھ تک قصر خلافت کا محاصرہ برابر جاری رہا، اور مہاجرین و انصار میں سے جو ان کی حفاظت کے لیے موجود تھے ان میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا حسن بن علیؓ، سیدنا مروانؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ اور ان کے خدام کی کثیر تعداد تھی۔ اگر سیدنا عثمانؓ ان لوگوں کو نہ روکتے تو وہ باغیوں کو سیدنا عثمانؓ کو شہید کرنے سے روک سکتے تھے۔ سیدنا عثمانؓ نے ان لوگوں کو قسم دے کر کہا کہ جس شخص پر میرا کوئی حق ہے وہ باغیوں کے مقابلہ سے اپنا ہاتھ روک لے اور وہ اپنے گھر چلا جائے حالانکہ اکابر صحابہؓ اور ان کی اولاد کا ایک جم غفیر سیدنا عثمانؓ کے ہاں موجود تھا۔ علاوہ ازیں سیدنا عثمانؓ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ جس نے تلوار کو نیام میں کر لیا وہ آزاد ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۱)

امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرات حسنؓ، حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور مروانؓ سب اسلحہ سے لیس ہو کر قصر خلافت پہنچے۔ سیدنا عثمانؓ نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں اور اپنا اسلحہ رکھ دیں اور اپنے اپنے گھروں میں جا کر بیٹھ جائیں۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۵۱)

علامہ بلاذری نے بھی صحابہ کرامؓ کے صاحبزادوں میں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

وقال للحسن والحسین اذھبا بسیفکما حتی تقوما علی باب عثمان فلا تدعا احداً یصل الیه

''سیدنا علیؓ نے اپنے صاحبزادوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو فرمایا کہ سیدنا عثمانؓ کے قصر خلافت کے دروازہ پر تلواریں سونت کر کھڑے ہو جاؤ تا کہ باغیوں میں سے کوئی شخص اندر نہ جا سکے۔'' (انساب الاشراف جلد ۵ ص ۶۸)

شیعہ حضرات نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا عثمانؓ کے محاصرہ کے دوران باغیوں کو متعدد بار خود بھی منع کیا اور اپنے صاحبزادوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو قصر خلافت کی حفاظت کے لیے متعین فرمایا۔ ملاحظہ ہو ابن ابی الحدید جلد ا ص ۱۹۷، جلد ۱۰ ص ۵۸۱، جلد ۱۴ ص ۱۶۱ وغیرہ۔

علامہ بلاذری نے سیدنا عثمانؓ کے صاحبزادے سیدنا ابانؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم پر باغیوں کی جانب سے سنگباری زیادہ ہوگئی۔

اتیت علیاً فقلت یاعم قد کثرت علینا الحجارة فمشی معی فرماهم حتی فترت یده، ثم قال یا بن اخی اجمع موالیکم و من کان منکم بسبیل ثم لتکن هذا حالکم

''میں سیدنا علیؓ کے پاس آیا اور عرض کیا چچا جان ہم پر تو بہت پتھر برسائے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا علیؓ میرے ساتھ چل پڑے اور باغیوں کی طرف جوابی طور پر سنگباری کرنے لگے یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ تھک گئے۔ آپ نے مجھے پھر فرمایا بھتیجے اپنے خدام اور جو لوگ آپ کی جماعت میں ہیں ان کو جمع کر لو، پھر تم اس طرح اجتماعی طور پر رہو۔'' (انساب الاشراف جلد ۵ ص ۷۸)

حضرات حسنینؓ اپنے باپ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کے حکم سے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے امیرالمومنین سیدنا عثمانؓ کی حفاظت کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ دوران مدافعت تیراندازی اور سنگباری سے کئی بار زخمی بھی ہوئے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

وجرح عبدالله بن الزبير جراحات كثيرة و كذالك جرح حسن بن علی و مروان ابن الحكم

''اور عبداللہ بن زبیرؓ شدید زخمی ہو گئے اور اسی طرح سیدنا حسن بن علیؓ اور سیدنا مروان بن حکمؓ بھی شدید زخمی ہوئے۔'' (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۸)

علامہ بلاذری نے بھی انساب الاشراف جلد ۵ ص ۶۹، ص ۹۵ پر سیدنا حسنؓ کے

Marfat.com

مجروح ہونے کا ذکر کیا ہے۔

جب سیدنا عثمانؓ کو باغیوں نے قصر خلافت کی دیوار پھاند کر شہید کر دیا تو آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ نے چھت پر چڑھ کر کہا:

ان امیر المومنین قد قتل

"لوگو! امیرالمومنینؓ شہید کر دیے گئے۔"

یہ سن کر سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ اور جو حضرات ان کے ساتھ تھے، قصر خلافت میں داخل ہوئے۔ ان حضرات نے دیکھا کہ سیدنا عثمانؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ یہ حضرات غم و اندوہ کی وجہ سے سیدنا عثمانؓ پر گر گئے اور رونے لگے۔ پھر باقی لوگوں نے بھی اندر آ کر دیکھا کہ سیدنا عثمانؓ شہید ہو گئے ہیں۔ پھر یہ خبر سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا سعدؓ اور جو مسلمان بھی مدینہ میں موجود تھے، ان تک پہنچی۔ سب لوگ حیرانی کے عالم میں اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ ان کے ہوش اڑے ہوئے تھے اور سب کی زبان پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" تھا اور سیدنا عثمانؓ مذبوح حالت میں ان کے سامنے موجود تھے۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے:

قال علی لابنیه کیف قتل امیرالمومنین وانتما علی الباب؟ و رفع یده فلطم الحسن و ضرب صدر الحسین وشتم محمد بن طلحة و عبدالله بن الزبیر وخرج علی وهو غضبان حتی اتی منزله

"سیدنا علیؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں سے فرمایا کہ امیر المومنینؓ کیسے شہید ہو گئے جب کہ آپ لوگ قصر خلافت کے دروازہ پر موجود تھے؟ انہوں نے سیدنا حسنؓ کو فرائض سے غفلت کی وجہ سے تھپڑ مارا، سیدنا حسینؓ کے سینہ پر دو ہتڑ مارا، محمد بن طلحہؓ اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کو سخت سست کہا اور اسی غضبناک حالت میں آپ سیدنا عثمانؓ کے مکان سے باہر نکل کر اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔" (انساب الاشراف جلد ۵ ص ۷۰، تاریخ الخلفاء ۲۶۵-۲۶۴)

سیدنا علیؓ کو امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ روتے ہوئے سیدنا عثمانؓ کی لاش پر بے ساختہ گر گئے۔

Marfat.com

حتی ظنوا انه سیلحق به

''دیکھنے والے ان کی وارفتگی کی اس حالت سے یہ گمان کرنے لگے کہ ان کا دم نکل جائے گا۔ اور یہ بھی سیدنا عثمانؓ سے جاملیں گے۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ص ۱۹۳)

شہادت عثمانؓ کے بعد سیدنا عثمانؓ کے جنازہ میں بھی سیدنا علیؓ اور ان کے صاحبزادے سیدنا حسن بن علیؓ نے شرکت فرمائی۔ طبری کے بیان کے مطابق سیدنا عثمانؓ کے داماد سیدنا مروانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری جلد ۳ ص ۴۳۸، التمہید والبیان ص ۱۴۲، البدیہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۱، ابن ابی الحدید جلد ا ص ۱۹۸، وغیرہ۔ نیز اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو احقر کی کتاب سیدنا عثمانؓ ۔۔۔ شخصیت اور کردار جلد ا عنوان ''محاصرہ کے دوران سیدنا علیؓ کا کردار۔''

سیدنا علیؓ کے اس کردار کی رو سے جو انہوں نے خلافت عثمانی میں ادا کیا اور جس کے چند واقعات ہم نے بیان کیے ہیں، صاف پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے برضا و رغبت سیدنا عثمانؓ کی بیعت کی تھی اور ان کے پورے عہد خلافت میں ان سے ہر معاملہ میں پورا پورا تعاون کیا تھا، اور کوئی دن ایسا نہیں گذرا جس میں انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی خلافت سے اظہار ناراضگی کیا ہو۔ سیدنا علیؓ کا یہ کردار دشمنان صحابہ کی ان تمام روایات کی تکذیب کرتا ہے جن میں یہ بتانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے کہ سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ کی خلافت سے خوش نہیں تھے۔

شہادت عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کے تاثرات

سیدنا علیؓ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے سخت صدمہ ہوا۔ آپ کو جب پتہ چلا کہ امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کو باغیوں نے نہایت مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا:

اللھم انی ابراء الیک من دم عثمان

''اے اللہ میں تیرے حضور عثمانؓ کے خون سے اپنے آپ کو بری قرار دیتا ہوں۔''

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شہادت عثمانؓ کے بارہ میں سن کر سیدنا

Marfat.com

علیؓ نے فرمایا:

"اگر لوگ چاہیں تو میں مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر یہ قسم کھانے کو تیار ہوں کہ نہ تو میں نے خود عثمانؓ کو قتل کیا نہ اس قتل کا کسی کو حکم دیا بلکہ میں نے باغیوں کو ان کے قتل سے روکا، لیکن انہوں نے میری نافرمانی کی۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علیؓ کو سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے روز اپنے کانوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

واللّٰہ ماقتلت ولا امرت ولکنی غلبت

"بخدا نہ تو میں نے عثمانؓ کو قتل کیا اور نہ ہی میں نے قتل کا حکم دیا بلکہ میں باغیوں سے مغلوب ہو گیا۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۸۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۳، المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۴۵۰)

ابوجعفر انصاریؓ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عثمانؓ شہید ہو گئے تو میں سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ آپ صحن مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ نے سر پر سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ میں نے آپ کو بتایا کہ سیدنا عثمانؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

تباً لهم آخر الدهر (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۳)

"ہمیشہ ہمیشہ تک قاتلوں پر ہلاکت ہو"

قیس بن عباد فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ جمل کے روز سیدنا علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ لوگ میری بیعت کرنے کے لیے آئے لیکن میرا نفس اس سے ابا کرتا تھا۔

"بخدا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اس قوم سے بیعت لوں جو ایک ایسے شخص کے قتل کی مرتکب ہوئی ہے جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس سے حیاء کرتا ہوں جس سے اللہ کے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں ـــــ اور مجھے اللہ سے حیاء آتی ہے کہ میں اس حالت میں بیعت لوں جب کہ عثمانؓ زمین میں دفن ہوئے بغیر شہید ہوئے پڑے ہوں۔"

Marfat.com

باغی آپ کے یہ تاثرات اور جذبات سن کر لوٹ گئے۔ جب سیدنا عثمانؓ کو دفن کر دیا گیا تو لوگ پھر میرے پاس واپس آئے اور انہوں نے مجھے پھر بیعت لینے کے لیے کہا۔ میں نے جواب دیا:

اللهم انی اشفق مما اقدم علیه

"اے اللہ میں ایسا اقدام کرنے سے ڈرتا ہوں۔"

پھر وہ عزم لے کر آئے اور بیعت کے لیے اصرار کیا۔ پس میں نے بیعت لے لی، لیکن

فلما قالوا امیر المومنین کان صدع قلبی واسکت

"لیکن جب انہوں نے مجھے "امیر المومنین" کہا تو میرا دل پھٹ گیا اور میں خاموش ہو گیا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۶، تاریخ الخلفاء ۲۴۹)

سیوطی اور حاکم نے اس روایت میں ایک جملہ اور بھی نقل کیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے فرمایا:

"میں نے دعا کی، اے اللہ مجھے عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کا حوصلہ عطا فرما تاکہ عثمانؓ مجھ سے راضی ہو جائیں۔" (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۹)

ابن عساکر نے ابو خلدہ حنفی سے بیان کیا ہے کہ میں نے خود سیدنا علیؓ کو یہ فرماتے سنا:

"بنو امیہ کا یہ خیال ہے کہ میں نے عثمانؓ کو قتل کر دیا۔ میں حق تعالیٰ کی الوہیت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے انھیں قتل کرایا اور نہ ہی قتل کی سازش میں کوئی تعاون کیا بلکہ میں نے تو ہر طرح سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن لوگوں نے میرا کہا نہ مانا۔" (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۹)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے اس روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

"بخدا نہ میں نے انہیں قتل کیا اور نہ قتل کرنے کا کسی کو حکم دیا اور میں امید کرتا ہوں کہ میں اور عثمانؓ ان لوگوں میں سے ہوں گے، جن کے بارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں سے بغض و کینہ نکال دیا ہے۔"

(المطالب العالیہ جلد ۴ ص ۲۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ فرمایا:

Marfat.com

"عثمانؓ ہم میں سب سے بہتر تھے اور صلہ رحمی میں بھی ہم سب سے زیادہ تھے۔ حیاء میں سب سے زیادہ شدید، طہارت کے لحاظ سے سب سے اچھے اور اللہ عزوجل کے حضور میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۴)

ایک مرتبہ سیدنا علیؓ نے ارشاد فرمایا:

"میری اور عثمانؓ کی مثال تین بیلوں کی سی ہے۔ جو ایک جنگل میں رہتے تھے۔ ان میں سے ایک سفید تھا، دوسرا سیاہ اور تیسرے کا رنگ سرخ تھا۔ اس جنگل میں ایک شیر بھی رہتا تھا۔ شیر نے بہت حیلے اور جتن کیے کہ کسی طرح ان کو اپنا لقمہ بنائے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ جب کبھی وہ ان کو اپنا لقمہ بنانے کے لیے ان پر حملہ کرتا تینوں بیل مل کر اس کا مقابلہ کرتے اور زور سے پچھاڑ دیتے۔ شیر نے ان تینوں کے مابین تفریق ڈالنے کا منصوبہ بنایا تاکہ انہیں الگ الگ کر کے اپنا نوالہ بنا سکے۔ ایک مرتبہ اس نے سیاہ اور سرخ رنگ کے بیلوں سے کہا کہ سفید بیل کا رنگ ایسا ہے کہ جو دور سے دکھائی دیتا ہے اور شکاری لوگ جب جنگل میں شکار کے لیے آتے ہیں تو اس کا رنگ ہم سب کی جاسوسی کرتا ہے۔ اگر صرف ہم تینوں جن کا رنگ آپس میں ملتا ہے اس جنگل میں رہیں تو کوئی شکاری ہمیں معلوم نہ کر سکے۔ اس سفید بیل کی وجہ سے ہم تینوں کی زندگیاں نہایت خطرے میں رہتی ہیں۔ اس لیے اگر تم دونوں مجھے اجازت دو تو میں اس کا کام تمام کر دوں تاکہ یہ جنگل ہم سب کے لیے محفوظ ہو جائے اور ہم نہایت آرام اور مسرت کی زندگی بسر کر سکیں۔ ان دونوں نے شیر کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اسے سفید بیل کو کھانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ شیر نے ایک ہی حملہ میں اسے اپنا لقمہ بنا لیا۔ اب صرف دو بیل باقی رہ گئے۔ ایک دفعہ پھر اس شیر نے سرخ رنگ کے بیل سے کہا کہ یاد رکھو میرا اور تمہارا رنگ تو آپس میں ملتا ہے لیکن سیاہ بیل اپنی رنگت کے اعتبار سے ہم دونوں سے اجنبی اور غیر محسوس ہوتا ہے۔ اس غیریت سے مجھے نفرت ہے، لہٰذا اگر تم مجھے اجازت دو تو میں اس کو اپنی غذا بنا کر اس غیریت اور اجنبیت کی

Marfat.com

خلیج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاٹ دوں، پھر ہم دونوں اس جنگل میں بھائیوں کی طرح اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن گزاریں گے۔ کیونکہ ہم رنگت کے اعتبار سے دونوں ایک جیسے ہیں۔ سرخ رنگ کا بیل اپنی حماقت کی وجہ سے شیر کی باتوں میں آ گیا اور اس نے شیر کو اس کے کھانے کی اجازت دے دی۔ شیر نے ایک ہی جست میں اس کو بھی اپنی غذا بنا لیا۔ اب سرخ رنگ کا بیل اکیلا رہ گیا۔ چند روز کے بعد شیر اس بیل کو اکیلا دیکھ کر کہنے لگا کہ اب میں تم کو بھی اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کھانا چاہتا ہوں۔ سرخ بیل اب اکیلا تھا اور وہ تنہا شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو اپنی حماقت کی وجہ سے شیر کا لقمہ بنا دیا تھا۔ اس لیے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر اس نے شیر سے درخواست کی کہ مجھے تین مرتبہ بلند آواز سے فریاد کرنے کی اجازت دو۔ شیر نے اس کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اس بیل نے جنگل میں تین دفعہ بلند آواز سے کہا کہ "لوگو سُن لو میں تو اسی روز ہی شیر کے ہاتھوں کھایا گیا تھا جس روز شیر نے سفید بیل کو کھا لیا تھا۔"

یہ مثال بیان کر کے سیدنا علیؓ نے نہایت بلند آواز سے کہا کہ:

انما انا وهنت يوم قتل عثمان

"لوگو جس روز عثمانؓ شہید کر دیے گئے میں تو اسی روز ہی غیر وقیع ہو گیا تھا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۴)

یہ تھے وہ تاثرات جو سیدنا علیؓ نے امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر بیان کیے۔ آپ کو سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا نہایت صدمہ تھا۔ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق

يبكون و يعولون حتى غشي على علي

"سب صحابہؓ رو رہے تھے حتیٰ کہ سیدنا علیؓ پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔"

اور ایک دوسری روایت کے مطابق:

و خرج علي وقد سلب عقله

"اور سیدنا علیؓ قصر خلافت سے اس حالت میں باہر نکلے کہ آپ کے ہوش و حواس گم تھے۔" (الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۴۲)

سیدنا علیؓ

خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے

معتبر روایت کے مطابق سیدنا عثمانؓ کی شہادت ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ھ بروز جمعہ نماز عصر کے وقت ہوئی (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۰، ابن اثیر جلد ۳ ص ۹۰) بعض روایات میں ۳۵ ھ کی بجائے ۳۶ ھ آیا ہے۔ (طبری جلد ۳ ص ۴۴۱، ابن اثیر جلد ۳ ص ۹۰ التمہید و البیان ص ۱۴۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۰) اور ہفتہ کی رات یعنی ۱۹ ذی الحجہ کو مغرب اور عشاء کے درمیان بقیع میں حش کوکب کے مقام پر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ کی شہادت کے بعد تین روز تک اور بعض روایات کے مطابق پانچ روز تک مسند خلافت خالی رہی اور مدینہ طیبہ پر غافقی ابن حرب کی حکومت تھی جو سبائیوں اور شورش پسندوں کا سرغنہ تھا۔ سبائیوں کو پورا احساس تھا کہ وہ خلافت کے اس بوجھ کو ہرگز نہیں اٹھا سکتے، لہذا تین روز کے بعد انہوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی۔ اہل مصر سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، کیونکہ سیدنا علیؓ کے ربیب محمد ابن ابی بکر ان کے ساتھ تھے۔ کوفی سیدنا زبیرؓ کو اور اہل بصرہ سیدنا طلحہؓ کو مسند خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا۔ ان تینوں حضرات کے انکار پر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا، لیکن ان دونوں حضرات نے بھی انکار کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۷، طبری جلد ۳ ص ۴۵۴)

طبری نے شعبی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ شہادت عثمانؓ کے تیسرے

Marfat.com

روز باغی سیدنا علیؓ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے۔ آتے ہی کہنے لگے:

ابسط یدك نبایعک

"ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔"

سیدنا علیؓ نے فرمایا:

"جلدی نہ کرو سیدنا عمرؓ بڑے مبارک آدمی تھے۔ انہوں نے شوریٰ کو وصیت فرمائی تھی، لہذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو۔ وہ مشورہ کریں کو کس کہ خلیفہ بنایا جائے۔"

یہ بات سن کر وہ واپس چلے گئے۔ پھر ان میں سے بعض نے کہا کہ اگر یہ (بلوائی) اس معاملہ کو سلجھائے بغیر واپس چلے گئے تو فساد امت اور لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے ہم محفوظ نہیں رہیں گے۔ چنانچہ وہ پھر سیدنا علیؓ کے پاس واپس آئے اس دفعہ مالک الاشتر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے آپ کی بیعت کرلی۔ (طبری جلد ۳ ص ۴۵۵) بعد میں اہل کوفہ اور دوسرے سبائی فخر سے یہ کہا کرتے تھے کہ سیدنا علیؓ کی بیعت سب سے پہلے اشتر نے کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۷، طبری جلد ۳ ص ۴۵۵)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاشتر (جو کہ سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے جب آپ کی بیعت کرنا چاہی تو ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو بیعت لینے سے بشدت منع کیا اور کہا کہ آپ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ:

فانک واللہ لئن نہضت مع ہولاء الیوم یحملنک الناس دم عثمان غداً

"بخدا اگر آج آپ ان باغیوں کے ساتھ خلافت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو کل لوگ آپ پر قتل عثمان کا الزام لگا دیں گے۔"

لیکن سیدنا علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی بات نہ مانی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۰۱، طبری جلد ۳ ص ۴۶۱)

Marfat.com

بہر حال ۲۵ ذی الحجہ کو سیدنا علیؓ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے اور ان ہی لوگوں نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو قتل عثمانؓ میں پیش پیش تھے۔ لہذا تاریخ کے رپورٹر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کا انتخاب آزادانہ نہ ہوا، کیونکہ مدینہ طیبہ میں دہشت گردی اور انارکی کا دور دورہ تھا۔ سبائی اور باغی ہر طرف دندنا رہے تھے۔ ایک مارشل لاء کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس وجہ سے آزادانہ انتخاب کا امکان بھی نہ تھا۔

یہ درست ہے کہ آپ خلیفہ بننا ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے اور بار بار یہی فرماتے تھے:

دعونی و التمسوا غیری (ابن اثیر جلد۳ ص، طبری جلد۳ ص ۴۵۶)

"مجھ کو چھوڑ دو اور کسی اور تلاش کرو"

لیکن جس طرح سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اپنے عزم پر قائم رہے، سیدنا علیؓ اس عزم پر قائم نہ رہ سکے چونکہ باغی آپ کی بیعت میں پیش پیش تھے، لہذا کئی جلیل القدر صحابہ نے جن میں کئی عشرہ مبشرہ کے حضرات بھی شامل تھے آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ (خطط الشام جلد ا ص ۱۳۶، کرد علی)

ان میں سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا ابوسعید الخذریؓ، سیدنا قدامہ بن مظعونؓ، سیدنا صہیبؓ سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا محمد بن مسلمہؓ، سیدنا حسان بن ثابتؓ شاعر رسول، سیدنا کعب بن مالکؓ، سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا طلحہؓ سیدنا زبیرؓ، سیدنا نعمان بن ثابتؓ، سیدنا فضالہ بن عبیدؓ، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ، سیدنا رافع بن خدیجؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ وغیرھم مشہور ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری جلد۳ ص ۴۵۲، البدایہ والنہایہ جلد۷ ص ۲۲۷، المحاضرات للخضری جلد۲ ص ۳۲۷، خطط الشام جلد ا ص ۱۳۶ وغیرہ)

اسی وجہ سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فان اکثر من المسلمین اما النصف و اما اقل او اکثر لم یبایعوہ لم یبایعوا سعد بن ابی وقاص و لا ابن عمر ولا غیرھما

Marfat.com

"مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے سیدنا علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور نہ ہی کئی ایک دوسرے صحابہؓ نے آپ کی بیعت کی۔" (منہاج السنہ جلد۲ ص ۲۳۷)

مولانا مودودی نے بھی ایک مقام پر لکھا ہے:

"حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے میں وہ لوگ شریک تھے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لئے باہر سے آئے ہوئے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بالفعل جرم قتل کا ارتکاب کیا اور وہ بھی جو قتل کے محرک اور اس میں اعانت کے مرتکب ہوئے۔ اور ویسے مجموعی طور پر اس فساد کی ذمہ داری ان سب پر عائد ہوتی ہے۔ خلافت کے کام میں ان کی شرکت ایک بہت بڑے فتنے کی موجب بن گئی" (خلافت وملوکیت ص ۱۲۳)

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے خلافت کے انعقاد میں صحابہ کرامؓ کا ہاتھ کم اور قاتلان عثمانؓ اور سبائیوں کا ہاتھ زیادہ تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے لوگ سیدنا علیؓ کی خلافت کو متفقہ طور پر قبول نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے بعض اکابر صحابہ کرامؓ بھی آپ کی بیعت سے الگ رہے۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"بعض اکابر صحابہؓ حضرت علیؓ کی بیعت سے الگ رہے------وہ امت کے نہایت بااثر لوگ تھے۔ ان میں ہر ایک ایسا تھا جس پر ہزاروں مسلمانوں کو اعتماد تھا۔ ان کی علیحدگی نے دلوں میں شک ڈال دیے۔"

(خلافت وملوکیت ص ۱۲۳)

اس سے بات معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے خلافت اہل شوریٰ اور مہاجرین و انصار کے اتفاق سے نہیں ہوئی بلکہ اس کے بغیر ہی سیدنا علیؓ چن لیے گئے۔ چنانچہ طبری نے نقل کیا ہے کہ "مالک الاشتر اور اس کے ساتھی سیدنا علیؓ کی بیعت کر کے سیدنا طلحہؓ کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا کہ "بیعت کیجئے"۔ انہوں نے کہا "کس کی؟" کہنے لگے "علیؓ کی۔" سیدنا طلحہؓ نے فرمایا کہ کیا شوریٰ نے جمع ہو کر اس کا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور کہنے لگے کہ بس چل کر بیعت کیجئے۔ انہوں نے پھر انکار کیا لیکن وہ بالجبر ان کو وہاں لے گئے۔" (طبری جلد۳ ص ۴۷۵)

اسی وجہ سے سیدنا علیؓ کی خلافت کی متفقہ حیثیت نہ رہی اور کئی مقامات کے لوگ سیدنا علیؓ کی بیعت سے کنارہ کش رہے۔ مدینہ طیبہ سے بہت سے حضرات سیدنا علیؓ کی بیعت سے بچنے کے لیے شام چلے گئے۔ کچھ حضرات مکہ بھاگ گئے۔ شام تو کلیتہً سیدنا علیؓ کی بیعت سے الگ رہا۔ کوفہ، بصرہ اور مصر کے صوبوں میں بھی ایک گروہ ان کی بیعت سے کنارہ کش رہا۔ طبری نے مصر کے ایک شہر ''خربتا'' کے افراد کی تعداد دس ہزار بتلائی ہے۔ جنہوں نے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی (طبری جلد ۳ ص ۵۵۳) خود مدینہ منورہ کے کئی لوگوں نے آپ کی بیعت نہیں کی جن میں کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی تھے۔ چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

''شہادت عثمانؓ کے وقت لوگ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ سب سیدنا علیؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر نہ ہو سکے۔ اور جو حاضر تھے ان میں سے بھی سب نے بیعت نہیں کی۔ بعض حضرات نے کی اور بعض حضرات نے اس وقت تک توقف کی روش اختیار کی جب تک لوگ ایک امام پر جمع نہ ہو جائیں۔ (کیونکہ سیدنا علیؓ کی خلافت ان کے نزدیک اتفاقی اور اجماعی نہ تھی) ان حضرات میں سعدؓ، سعیدؓ، ابن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، حسان بن ثابتؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، فضالہ بن عبیدؓ اور ان جیسے دیگر کئی اکابر صحابہ کرامؓ تھے۔ جو لوگ مدینہ طیبہ کے علاوہ دیگر شہروں میں رہتے تھے انہوں نے بھی بیعت کرنے سے اس وقت تک توقف کیا جب تک سیدنا عثمانؓ کے خون کا مطالبہ پورا نہ ہو جائے اور جب تک مجلس شوریٰ خود کسی شخص کو خلیفہ منتخب نہ کر لے۔ سیدنا علیؓ کے بارہ میں یہ لوگ اگرچہ یہ خیال تو نہیں رکھتے تھے کہ وہ بھی قتل عثمانؓ میں شریک ہیں تاہم قاتلین عثمانؓ کے بارہ میں ان کی خاموشی کو انہوں نے ان کی کمزوری اور سستی پر محمول کیا۔ سیدنا معاویہؓ بھی اس بارہ میں سیدنا علیؓ کو جو کچھ کہتے تھے اس کی بنیاد بھی سیدنا علیؓ کی یہی خاموشی تھی''۔

''سیدنا علیؓ کی خلافت جس طرح بھی منعقد ہوئی، لیکن منعقد ہو جانے کے بعد بھی اس کے بارہ میں اتفاق کی صورت پیدا نہ ہو سکی بلکہ اختلاف موجود رہا۔ سیدنا علیؓ کا خیال تھا کہ ان کی خلافت منعقد ہو گئی ہے اور مدینہ منورہ جو شہر

Marfat.com

رسول ﷺ اور مسکن صحابہ کرامؓ ہے وہاں کے باشندے ان پر مجتمع اور متفق ہو چکے ہیں، اس لیے بیعت سے کنارہ کش رہنے والوں کے لئے اب بیعت کرنا ضروری ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی مطالبہ قصاص کے متعلق ان کا کہنا تھا کہ اسے اس وقت تک ملتوی رکھا جائے جب تک ایک کلمہ پر لوگوں کا اتفاق و اجتماع نہ ہو جائے، کیونکہ اس کی بغیر وہ طاقت ممکن نہیں جو اس کام کے لیے ضروری ہے۔"

"دوسرے حضرات کا خیال تھا کہ جو صحابہ کرامؓ اہل الحل والعقد ہیں وہ سیدنا علیؓ کی بیعت کے وقت مدینہ طیبہ میں موجود نہ تھے یا ان کی تعداد بہت کم تھی۔ وہ اس وقت دوسرے شہروں میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے بغیر یا ان کی قلیل تعداد کے ساتھ بیعت منعقد نہیں ہو سکتی۔ لہذا بیعت ہی سرے سے منعقد نہیں ہوئی۔ مسلمان انتشار کے لحہ میں ہیں، اس وجہ سے ان کا کہنا یہ تھا کہ پہلے خون عثمانؓ کا مطالبہ پورا کیا جائے۔ کسی امام پر مجتمع ہونے کا مرحلہ دوسرے نمبر پر ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ، سیدنا زبیرؓ، ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا محمد بن طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعیدؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ، سیدنا معاویہؓ بن خدیجؓ اور ان کے علاوہ ان کے ہم رائے وہ اکابر صحابہ کرامؓ تھے جو مدینہ طیبہ میں بیعت علیؓ سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔"

(مقدمہ ابن خلدون، فصل ولایت عہد ۳۷۸۔۳۷۹)

غرض کہ آپ کی بیعت خلافت ان حالات میں ہوئی جب کہ باغی اور شورش پسند مدینہ طیبہ پر چھائے ہوئے تھے۔ عام صحابہ کرامؓ بددل ہو کر گوشہ گیر ہو چکے تھے اور اکثر حضرات اس المناک حادثہ کے پس منظر، پیش منظر اور تہ منظر میں غلطاں و پیچاں تھے اور کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا جو انہیں امن و سلامتی کی طرف لے جائے۔

بہر حال آپ کی بیعت کی گئی، کچھ نے رضا و رغبت سے کی اور کچھ نے بالجبر اور کچھ کنارہ کش رہے۔ کچھ حضرات مدینہ طیبہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ، شام اور دوسرے شہروں کو چلے گئے۔ سیدنا علیؓ مسجد میں تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے جسم پر

Marfat.com

ایک چادر اور خز (بھیڑ کی اون کا بنا ہوا کپڑا) کا عمامہ تھا۔ ہاتھ میں اپنے جوتے لیے اور اپنی کمان پر ٹیک لگائے منبر پر تشریف فرما ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۶، طبری جلد ۳ ص ۴۵۱)

سیدنا قیس بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ جمل کے روز سیدنا علیؓ کو یہ فرماتے سنا:

"اے اللہ میں تیرے ہاں خون عثمانؓ سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں۔ قتل عثمانؓ کے روز میری عقل جاتی رہی تھی اور حزن و ملال کی وجہ سے مجھے اپنی زندگی بری معلوم ہونے لگی۔ لوگ میرے پاس بیعت کرنے کے لیے آئے۔ میں نے ان سے کہا" بخدا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی قوم سے بیعت لوں جنہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں اس سے حیا کرتا ہوں جس سے فرشتے حیاء کرتے ہیں" اور بلا شک وشبہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں لوگوں سے اس حال میں بیعت لوں کہ عثمانؓ فرش خاک پر خون سے لت پت ہیں اور ابھی تک دفن نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ لوگ واپس چلے گئے۔ جب عثمانؓ دفن ہو گئے تو لوگ پھر میرے پاس آئے اور مجھے بیعت لینے کی درخواست کی میں نے کہا اے اللہ میں اس اقدام سے ڈرتا ہوں۔ لوگ پھر آئے اور اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی، لیکن جب انہوں نے مجھے "امیر المومنین" کہا تو میرا دل پھٹ گیا اور میں دم بخود رہ گیا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۳)

سیدنا علیؓ کا پہلا خطبہ

مسند خلافت پر تشریف فرما ہونے کے بعد جمعہ کا دن آیا۔ سیدنا علیؓ منبر پر تشریف لے گئے یہ ماہ ذالحجہ کے اختتام سے ۵ روز قبل کا واقعہ ہے۔ خلیفہ ہونے کے بعد یہ آپ کا سب سے پہلا خطبہ تھا۔ حمد وثنا کے بعد آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم کو ہادی بنا کر نازل کیا اور اس میں خیر و شر کو واضح طور پر بیان فرمایا۔ پس تم لوگ خیر کو اختیار کرو اور شر سے بچو۔ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے بہت سی اشیاء کو حرمت کا درجہ دیا اور اس میں سے بڑی حرمت ایک مسلمان کی ہے اور توحید اور اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کو مضبوطی سے باندھا۔ چنانچہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے تمام مسلمان محفوظ رہیں مگر یہ کہ احکام شریعت ہی کا تقاضا ہو۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو اذیت دے مگر یہ کہ ایسا کرنا واجب اور ضروری ہو۔ عوام اور خواص کے حقوق کی ادائیگی میں عجلت سے کام لو کیونکہ موت سر پر کھڑی ہے۔ پس لوگ آپ کے سامنے ہیں اور پیچھے قیامت ہے جو آگے بڑھ رہی ہے۔ اپنے آپ کو علائق دنیا سے ہلکا پھلکا رکھیئے تاکہ منزل تک آسانی سے پہنچ سکیں۔ آخرت لوگوں کے لیے چشم براہ ہے۔ اے اللہ کے بندو! اللہ کے بندوں اور ان کی سرزمین کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تم سے قیامت میں ہر چیز کے بارہ میں سوال ہو گا حتی کہ بہائم (چوپائیوں) اور زمین کے بارہ میں بھی۔ میں تم سے پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ جب تم خیر کا کام دیکھو تو اس کو فوراً اختیار کر لو اور جب شر اور معصیت کا کام دیکھو تو اس سے فوراً کنارہ کش ہو جاؤ۔''

اس کے بعد آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاوکم وایدکم بنصرہ و رزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون

''اور تم اس وقت کو یاد کرو جب تم زمین (مکہ معظمہ) میں تھوڑے تھے اور کمزور اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک کر نہ لے جائیں۔ پس اس نے تم کو پناہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ اور طیب اشیاء تمہیں کھانے کو دیں تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۲۲۷، طبری جلد ۳ ص ۴۵۷)

Marfat.com

خلافت علیؓ اور مدینہ کی حالت

مدینہ طیبہ کی اس شورش اور امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کے اس سفاکانہ قتل پر سارا مدینہ مضطرب اور ایک عجیب بحرانی کیفیت میں تھا۔ سیدنا علیؓ کے خلیفۃ المسلمین ہونے پر اہل مدینہ نے جب دیکھا کہ وہی مالک الاشتر، وہی عبداللہ بن سباء، وہی محمد ابن ابی بکر، وہی کنانہ بن بشر اور وہی غافقی بن حرب وغیرھم جو کل تک قاتلان عثمانؓ میں سے تھے آج سیدنا علیؓ کے گرد وپیش پھر رہے ہیں اور خلیفۃ المسلمین سیدنا علیؓ کے کاروبار خلافت کے ہر مشورہ میں شریک ہیں، تو صحابہ کرامؓ کے ایک وفد نے سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "ہم نے اسلامی حدود کے تحفظ اور نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی، لیکن آپ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے رہے ہیں اور وہ آپ کے گرد وپیش پھر رہے ہیں۔ نیز ان سے ہر معاملہ حکومت میں امداد اور اعانت حاصل کر رہے ہیں، حالانکہ یہ لوگ عنداللہ اور عندالناس قابل مواخذہ ہیں لہذا شریعت اسلامیہ کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں سزا دی جائے اور ان سے قتل عثمانؓ کا قصاص اور انتقام لیا جائے۔"

(محاضرات الخضری جلد۳ ص ۴۰۲، ابن اثیر جلد۳ ص ۱۰۰)

لیکن امیر المومنین سیدنا علیؓ نے فرمایا:

انی لست اجهل ماتعلمون ولكن كيف اصنع بقوم يملكوننا ولا نملكهم

"جس چیز کو تم جانتے ہو میں بھی اس سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن میں اس قوم سے کیسے نمٹ سکتا ہوں جس کو ہم پر قابو ہے اور ہمیں اس پر قابو نہیں۔"

(ابن اثیر جلد۳ ص ۱۰۰ ایام العرب ص ۳۲۲)

لیکن صحابہ کرامؓ سے باغیوں کی یہ بے راہ روی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ مدینہ طیبہ میں وہ دندناتے پھرتے تھے اور مسلمانوں کی سیاست پر ان کا پورا پورا کنٹرول تھا اور ہر ایک کو یہ فکر لاحق تھی کہ حالات اب کیا کروٹ بدلتے ہیں۔ مدینہ میں امن وسکون مفقود تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے تو اپنے کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے مدینہ چھوڑ کر مکہ کی راہ لی تھی۔ ان کے علاوہ ولید بن عقبہؓ اور سعید بن العاصؓ اور بنو امیہ کی ایک کثیر تعداد مکہ

مکرمہ بھاگ گئی تھی۔

سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے مدینہ طیبہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر فیصلہ فرمایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر قومی محاذ قائم کیا جائے اور اس طریقہ سے باغیوں کی سرکوبی کی جائے اور سیدنا عثمانؓ کے قتل کا قصاص لیا جائے۔ چنانچہ وہ چند صحابہؓ کی معیت میں مکہ مکرمہ کی طرف چل دیے۔

سیدہ عائشہ ام المومنین سلام اللہ علیہا ہر سال حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ مکرمہ ہی میں تھیں، لیکن واپسی پر ان کے ایک قریبی عزیز عبید بن ابی سلمہؓ نے انہیں اطلاع دی کہ "امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے اور مدینہ میں باغیوں کا دور دورہ ہے" اور ساتھ ہی یہ کہا:

اخذوا اهل المدينة بالاجتماع على علی والقوم غالبون على المدينة

"باغیوں نے اہل مدینہ پر زور دے کر سیدنا علیؓ کی بیعت پر مجتمع کر لیا ہے اور باغی مدینہ طیبہ پر مسلط ہیں۔" (طبری جلد۳ ص)

یہ اطلاع پا کر سیدہ عائشہؓ مکہ مکرمہ لوٹ آئیں اور فرمایا:

واللہ قتل عثمانؓ مظلوماً، واللہ لاطلبن بدمه

"بخدا عثمانؓ مظلوم قتل کیے گئے اور اللہ کی قسم میں ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ ضرور کروں گی۔"

اتنے میں سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ اور بہت سے دوسرے اکابر صحابہ اور تابعین بھی مدینہ طیبہ سے وہاں پہنچ گئے، اور انہوں نے سیدہ عائشہ ام المومنینؓ سے عرض کیا:

"ہم لوگ اپنی قلت کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے بھاگ آئے ہیں اور ایسی لوگوں کو چھوڑ آئے ہیں جو متحیر ہیں، نہ حق کو پہچانتے ہیں نہ باطل کا انکار کرتے ہیں اور نہ اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔" (طبری جلد۳ ص ۴۶۹)

یہ حضرات مدینہ طیبہ سے کیوں بھاگ آئے؟ اس کی وجہ علامہ ابن کثیر سے سنیئے، فرماتے ہیں:

"جب سیدنا علیؓ کے دست مبارک پر بیعت ہو گئی اور حالات کے تقاضے کی و

جہ سے قاتلین عثمانؓ کو اقتدار حاصل ہوا، حالانکہ سیدنا علیؓ ان کے اقتدار کو نہیں چاہتے تھے بلکہ ان سے نفرت کرتے تھے، ان کے ادبار کے منتظر اور اس بات کے خواہش مند تھے کہ ان سے حق اللہ لینے پر قدرت حاصل ہو جائے۔ جب حالات ایسے ہو گئے اور وہ لوگ اس قدر حاوی ہو گئے کہ سیدنا علیؓ کے پاس اکابر صحابہؓ کی آمدورفت بھی انہوں نے روک دی، تو بنوامیہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی ایک جماعت یہ رنگ دیکھ کر مکہ مکرمہ چلی گئی۔ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے بھی سیدنا علیؓ سے عمرہ کی اجازت چاہی اور مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد مکہ مکرمہ چلی گئی۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)

ان حضرات کے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے پہلے ان کے ہم رائے بہت سے لوگ اور اکابر صحابہؓ کی ایک بہت بڑی تعداد سیدہ عائشہؓ کی قیادت میں وہاں موجود تھی۔ علامہ ابن کثیر کے الفاظ ہیں:

فاجتمع فيها خلق سادات الصحابة و امهات المومنين

"اکابر صحابہ کی بہت بڑی تعداد اور امہات المومنینؓ مکہ مکرمہ میں جمع ہو گئیں۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۰)

سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ نے مکہ مکرمہ آنے سے قبل دوسرے صحابہ کرامؓ کی معیت میں سیدنا علیؓ سے کہا کہ:

"ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے۔ اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجئے جو سیدنا عثمانؓ کے قتل میں شریک ہیں۔ سیدنا علیؓ نے جواب دیا، بھائیو جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی واقف ہوں، مگر میں ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں، نہ کہ ہم ان پر۔ کیا آپ حضرات اس کام کی کوئی گنجائش کہیں دیکھ رہے ہیں جسے آپ کرنا چاہتے ہیں۔ سب نے کہا نہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا کی قسم، میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تاکہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں۔ خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق کا حصول

Marfat.com

ممکن ہو جائے۔"

سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کو مکمل حالات سے مطلع کیا اور بتایا کہ:

"ہم لوگ بدوؤں اور باغیوں کے ہاتھوں بھاگے چلے آرہے ہیں۔ مدینہ طیبہ میں لوگ نہایت پریشانی اور اضطراب کی حالت میں ہیں اور ان کی حالت یہاں تک پراگندہ ہو چکی ہے کہ نہ وہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں اپنی حفاظت کی سکت ہے۔" (طبری جلد ۳ ص ۴۶۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۶)

خون عثمانؓ کے قصاص کی تحریک

امیر المومنین سیدنا عثمانؓ (جن کو نہایت مظلومی کی حالت میں گھر کی چار دیواری میں دن دہاڑے شہید کیا گیا تھا) کے قصاص کی دعوت پر رائے عامہ نے لبیک کہا۔ ہزاروں مسلمان جان تک دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ مکہ کے ایک رئیس اعلیٰ یعلی ابن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم بطور چندہ پیش کئے۔ سیدنا عبداللہ بن عامی الحضرمی گورنر مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص اس لشکر میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زاد راہ نہ ہو تو اس کی سب ذمہ داری برداشت کی جائے گی۔ اس طریقہ سے تین ہزار آدمی اس دعوت میں شریک ہو گئے۔ اس سال چونکہ تمام امہات المومنین سلام اللہ علیھن فتنہ کے ڈر سے حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہ بھی ساتھ جانے کے لیے آمادہ ہو گئیں۔

سیدنا عثمانؓ کی بے دردانہ شہادت نے پوری مملکت اسلامیہ میں آگ سی لگا دی۔ اور مملکت اسلامیہ کے ہر صوبہ سے بیک وقت یہ آواز اٹھی کہ قاتلین عثمانؓ کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، حالانکہ ان کی باہم کوئی مشاورت یا بات چیت نہیں ہوئی تھی، بلکہ از خود ہر صوبے سے بالاتفاق یہ آواز اٹھی۔ مصر کے دس ہزار باشندوں نے صاف طور پر سیدنا علیؓ کے مقرر کردہ گورنر قیس بن سعد کو یہ یادداشت پیش کی کہ اگر قاتلین عثمانؓ کیفر کردار تک پہنچا دیے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں وگرنہ ہم سیدنا علیؓ کی بیعت نہیں کریں گے۔

(طبری جلد ۳ ص ۴۶۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹، ۲۵۱، ۳۱۳، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۱)

Marfat.com

اہل حجاز غیر جانبدار ہو گئے۔ (طبری جلد ۳ ص ۵۰۱ ، البدایہ و النہایہ جلد ۷ ص ۲۳۶، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۳۰) سیدنا علیؓ نے گورنر کوفہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ: "کوفہ سے میری حمایت کے لیے فوجی امداد روانہ کرو۔" جواب میں ابو موسیٰ نے قاصدین کو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ "میری اور تمہارے خلیفہ دونوں کی گردن میں خلیفہ عثمانؓ کی بیعت موجود ہے۔ اگر کسی سے جنگ ناگزیر ہے تو وہ قاتلان عثمانؓ ہیں۔ جب تک ان سے نمٹ نہ لیں ہم کسی کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کو تیار نہیں"۔

(طبری جلد ۳ ص ۴۹۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۵، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۷)

غرض کہ بغیر کسی مشاورت کے ایک قومی محاذ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص کے لئے تیار ہو گیا۔ شروع میں قصاص کا مطالبہ کرنے والوں نے سیدنا علی کے اس عذر کو قبول کیا کہ حالات کے پیچ وخم درست ہونے پر قصاص لیا جائے گا۔ لیکن مدعیان قصاص اپنے مشاہدات کی بنا پر یہ سمجھنے لگے کہ اس طرح اس مطالبہ کی افادیت روز بروز کم اور اس کے پورے ہونے کی امید بالکل ختم ہو جائے گی۔ لہذا انہوں نے اب مزید تاخیر کو مناسب نہ سمجھا (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۷) چنانچہ اب طلب قصاص کے لئے قومی محاذ نے اپنی کارروائی شروع کی۔ سیدنا زبیرؓ سے کسی نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"امیرالمومنین سیدنا عثمانؓ کو بلا سبب شہروں اور دیہاتوں کے شر پسند عناصر نے قتل کر دیا ہے۔ ہمارا مقصد ان قاتلوں کے خلاف کوئی متحدہ عمل کرنا ہے تاکہ ان سے سیدنا عثمانؓ کے خون کا قصاص لیا جائے۔ کیونکہ ان کو اگر یوں ہی چھوڑ دیا گیا تو اس طرح ہمیشہ خلفاء کی توہین ہوتی رہے گی اور کوئی امام اور خلیفہ اس انجام سے محفوظ نہ سمجھا جائے گا۔" (طبری جلد ۳ ص ۴۷۸)

اسی طرح ایک اور موقع پر سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مختلف شہروں اور دیہاتوں کے فسادی لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ انہوں نے عثمانؓ کے نوعمروں اور نوجوانوں کو گورنر بنانے پر اعتراض کیا حالانکہ ان جیسے لوگوں کو اس سے پہلے بھی حکومت کے منصبوں پر فائز کیا جاتا رہا ہے۔ چراگاہوں پر اعتراض کیا، حالانکہ اس میں کوئی معقولیت نہ تھی۔ ان

Marfat.com

کے لیے جب کوئی بہانہ اور عذر نہ رہا تو انہوں نے اخلاق و شریعت کی تمام حدود کو توڑ کر ایک حرام خون نیز بلد حرام، شہر حرام اور مال حرام کو بھی اپنے لیے حلال کر لیا۔ بخدا عثمانؓ کی ایک انگلی روئے زمین کے ان جیسے لوگوں سے بہتر ہے۔ پس ان لوگوں کے خلاف جمع ہو جاؤ تاکہ انہیں ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے عبرت ہو اور آئندہ کسی کو اسی طرح کی دیدہ دلیری کرنے کی جرأت نہ ہو۔"

(طبری جلد ۳ ص ۴۶۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۷)

سیدہ عائشہؓ کی رائے سیدھا مدینہ طیبہ جانے کی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ پہلے شام چلا جائے اور وہاں سے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کو ساتھ لے کر پھر مدینہ آیا جائے۔ کچھ حضرات کا خیال تھا کہ پہلے بصرہ جایا جائے اور وہاں سے کچھ گھوڑے اور سپاہی حاصل کیے جائیں۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ پہلے بصرہ جایا جائے۔ مدینہ جانے میں تو امہات المومنینؓ بھی شریک سفر ہونے کو تیار تھیں۔ لیکن جب فیصلہ بصرہ جانے کا ہوا تو امہات المومنینؓ کٹ گئیں سوائے سیدہ حفصہؓ اور سیدہ عائشہؓ کے، لیکن سیدہ حفصہؓ کے بھائی سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کو روک لیا اور صرف سیدہ عائشہؓ ایک ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ جانب بصرہ روانہ ہوئیں اور بصرہ تک پہنچتے پہنچتے لشکر کی تعداد تین ہزار ہو گئی۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کو اونٹ پر رکھے ہوئے ایک ہودج میں بٹھایا گیا جس کا نام "عسکر" تھا۔ امہات المومنینؓ بھی اس لشکر کے ساتھ "ذات عرق" تک گئیں اور وہاں سے وہ مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے گئیں۔ اس لشکر کو الوداع کہتے امہات المومنینؓ رو پڑیں۔ ان کو روتا دیکھ کر دوسرے لوگ بھی بہت روئے۔ چنانچہ وہ دن "یوم النحیب" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۱، ابن اثیر ۳ ص ۱۰۷۔ ۱۰۸)

ایک غلط روایات

طبری اور اس کی پیروی کرتے ہوئے دوسرے مورخین نے بھی اس کی روایت نقل کی ہے کہ بصرہ جاتے ہوئے جب یہ لوگ ایک بستی یا چشمہ کے قریب سے گزرے جس کا نام "حواب" تھا تو وہاں کے کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ کتوں کے بھونکنے کی

Marfat.com

آواز سن کر سیدہ عائشہؓ نے پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ اس کا نام "حواب" ہے۔ یہ نام سن کر سیدہ عائشہؓ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور واپس جانے کا ارادہ فرمایا۔ آپ سے واپسی کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج سے یہ فرماتے سنا ہے کہ "نہ معلوم تم میں سے کون ہو گی جس پر "حواب" کے کتے بھونکیں گے۔"

(طبری جلد۳ ص ۴۷۵، ابن اثیر جلد۳ ص ۲۱۰، مناقب آل ابی طالب جلد۳ ص ۱۴۹، مروج الذہب جلد۲ ص ۳۵۷)

یہ روایت سراسر غلط اور موضوع ہے اور سیدہ عائشہؓ کو اقدام قصاص میں مطعون کرنے کے لیے اس کو وضع کیا گیا۔ طبری نے اس کے جن راویوں کا ذکر کیا وہ سارے کے سارے مجہول ہیں۔ اور ان میں بیشتر ان لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کا کام ہی ازواج مطہراتؓ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کرنا ہے۔ مکہ مکرمہ سے بصرہ تک راستہ میں ۲۱ منزلیں ہیں لیکن ان میں کسی منزل کا نام "حواب" نہیں ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ "حواب" میں قافلہ سیدہ عائشہؓ پر کتے بھونکے تھے، سراسر غلط ہے اور روایت و درایت کی رو سے یہ روایت بالکل وضعی ہے۔

گورنر بصرہ سے بات چیت

بصرہ کے قریب پہنچ کر ان سب نے اہل بصرہ اور وہاں کے گورنر کے نام خطوط لکھ کر ان کو اپنے مقصد سے آگاہ کیا۔ گورنر بصرہ عثمانؓ بن حنیف (جو سیدنا علیؓ کی طرف سے وہاں کے گورنر مقرر تھے) نے بھی ان کی طرف قاصد بھیج کر ان کے آنے کا مقصد پوچھا اور صورت حال کی وضاحت چاہی۔ سیدہ عائشہؓ نے قاصدین کے سامنے اپنے آنے کا مقصد یوں بیان فرمایا:

"مختلف شہروں اور قبائل کے نانجار اور شر پسند لوگوں نے حرم رسول ﷺ کی توہین اور بے حرمتی کی اور اس میں بدعتوں کا ارتکاب کیا (و احدثوا فیہ الاحداث) اور وہ انہی لوگوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے وہاں ایسی حرکات کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی لعنت ان پر واجب ہو گئی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے امام المسلمین کو کسی سبب اور وجہ

کے بغیر شہید کر کے اس کی جان اور مال کو اپنے لیے حلال کر لیا۔ نیز بلد حرام، شہر حرام اور شہر کے باسیوں کی بے حرمتی اور توہین کی۔ پھر وہ شورش پسند وہاں ایسے جم کر بیٹھ گئے ہیں جو وہاں کے باشندوں کے لیے مختلف مصائب کا باعث اور نقصان دہ ہیں۔ وہ ان سے نہ بے خوف ہیں اور نہ اپنے کو ان سے بچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ میرا یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ میں ان کے کرتوتوں، مدینہ طیبہ کے رہنے والوں کی حالت اور اصلاح کے طریقوں سے اہل اسلام کو آگاہ کروں ــــ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مرد و عورت، چھوٹے اور بڑے کو جو اصلاح کا حکم دیا ہے اسی کے لیے ہم اٹھے ہیں۔ معروف کا حکم اور اس پر لوگوں کو آمادہ عمل کرنا، منکر کا انکار اور اس کو بدلنے کے لیے لوگوں کے جذبات عمل کو ابھارنا، ہمارا تمام تر مقصد آمد یہی ہے۔"

(طبری جلد ۳ ص ۴۷۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۱۱)

سیدہ عائشہؓ نے قاصدوں کو اپنے آنے کا جو مقصد بیان فرمایا تھا وہ انہوں نے من وعن گورنر بصرہ عثمانؓ بن حنیف کے سامنے بیان کر دیا۔ ساتھ ہی اپنی طرف سے گورنر بصرہ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ اس بارہ میں خاموش اور غیر جانبدار ہیں، لیکن گورنر بصرہ نے اس مشورہ کو تسلیم نہ کیا اور ایک اجتماع عام طلب کر لیا۔ اس اجتماع عام کے لیے ایک شخص کو خاص طور پر تیار کیا گیا کہ وہ سیدہ عائشہؓ اور ان کے لشکر کے موقف اور مقصد کو غلط رنگ میں پیش کرے تاکہ اہل بصرہ ان کے ساتھ تعاون سے باز رہیں۔ اس شخص نے اجتماع عام میں کھڑے ہو کر کہا:

"یہ لوگ جو آپ کے پاس مدینہ طیبہ سے آئے ہیں، یہ اگر ڈر کر آپ لوگوں کے پاس پناہ لینے کے لیے آئے ہیں تو یہ کوئی معقول وجہ ان کے آنے کی نہیں ہے، کیونکہ مدینہ طیبہ تو ایسا شہر ہے جہاں انسان تو کیا پرندوں کو بھی پوری طرح امن حاصل ہے۔ اور اگر یہ لوگ سیدنا عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ہیں تو ان حضرات کے آنے کا یہاں کیا مقصد؟ ہم تو قاتلان عثمانؓ نہیں ہیں"۔

یہ بات سن کر ایک شخص نے اس اجتماع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ:

"وہ حضرات کب یہ سمجھتے ہیں کہ ہم قاتلان عثمانؓ ہیں۔ وہ تو یہاں صرف اس

Marfat.com

لیے آئے ہیں کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کے لیے ہماری امداد حاصل کریں۔"

اس کے بعد سیدہ عائشہؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کی گورنر بصرہ عثمانؓ بن حنیف اور ان کے ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ مقام "مربد" پر ملاقات ہوئی۔ یہاں سیدہ عائشہ نے باغیوں کے متعلق فرمایا:

"یہ باغی لوگ خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمانؓ کے گورنروں کی عیب گیری کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ میں یہ لوگ بعض دفعہ ہمارے پاس آ کر اس قسم کی باتیں کرتے تھے، لیکن ان باتوں پر جب ہم غور و فکر کرتے تو عثمانؓ کو ان تمام باتوں سے بری اور اعتراض کرنے والوں کو فاسق و فاجر، دھوکے باز اور کذاب و دروغ گو پاتے۔ جن باتوں کا یہ اظہار کرتے تھے اس سے ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا تھا بلکہ در پردہ کچھ اور ہوتا تھا۔ جب ان لوگوں کو کچھ قوت حاصل ہو گئی تو یہ سرکشی تمرد اور زیادتی پر اتر آئے اور بغیر کسی معقول اور صحیح وجہ کے خون حرام شہر حرام اور بلد حرام کو اپنے لیے حلال کر لیا۔ اس وقت ہمارے پیش نظر جو کام ہے وہ قاتلان عثمانؓ کا مواخذہ کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم کا نفاذ ہے۔ لہٰذا تمہارے نزدیک بھی اس کے سوا کوئی اور مقصد نہ ہونا چاہیے۔"

(طبری جلد ۳ ص ۹۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۱، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۱۱)

ادھر بصرہ میں یہ کچھ ہو رہا تھا ادھر مدینہ میں سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے اور مدینہ کے لوگوں کو ان کے غلبہ و تسلط سے نجات دلانے کی بجائے، اہل شام یعنی سیدنا معاویہؓ کے خلاف جنگ و حرب کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ان کے ساتھیوں میں سے اہل الرائے حضرات نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ ان کارروائیوں سے رک جائیں۔ خود آپ کے بڑے صاحبزادے سیدنا حسن بن علیؓ نے بھی آپ کو اس بات سے منع کیا۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حسنؓ نے سیدنا علیؓ سے کہا:

یا ابتی! دع ھذا فان فیہ سفک دماء المسلمین ووقوع الاختلاف بینھم

"ابا جان ایسا نہ کیجیے، اس میں خواہ مخواہ مسلمانوں کی خونریزی ہو گی اور باہمی

Marfat.com

اختلاف میں اضافہ ہوگا۔"

لیکن سیدنا علیؓ نے سیدنا حسنؓ کے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور جنگ پر اصرار کیا۔ مدینہ میں رہنے والے لوگوں کو جب سیدنا حسنؓ کے اس مشورہ کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اس کی تحسین کی ۔ ان لوگوں نے بعد میں اپنے طور پر بھی سیدنا علیؓ سے اس بارہ میں کہ معاویہؓ اور اہل قبلہ سے قتال جائز ہے یا نہیں؟ رائے معلوم کی۔ سیدنا علیؓ نے ان کو بھی جنگ ہی کا حکم دیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۴)

اسی اثناء میں سیدنا علیؓ کو اطلاع ملی کہ سیدہ عائشہؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ بصرہ میں اس مقصد کے لئے پہنچ گئے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی آپ نے شام کی بجائے بصرہ کی طرف جانے کا مصمم ارادہ فرمایا اور اس سلسلہ میں اہل مدینہ کو اپنے ساتھ تعاون کے لیے کہا لیکن مدینہ والوں کی طرف سے اس بارہ میں انہیں خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ طبری نے لکھا ہے کہ انصار میں سے صرف دو بزرگوں نے تعاون کا یقین دلایا۔ (فاجابہ رجلان من اعلام الانصار) اور صرف ۶ بدری اصحاب نے تعاون کا اظہار کیا۔ علامہ ابن کثیر نے کبار صحابہ کرامؓ میں سے صرف چار حضرات کا نام ذکر کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر اہل مدینہ پر سیدنا علیؓ کا یہ حکم گراں گزرا۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو یہ کہہ کر جنگ سے روکنے کی کوشش کی کہ:

انت رجل شجاع لست صاحب رائی فی الحرب

"آپ اگرچہ بہادر آدمی ہیں لیکن فن حرب سے ناآشنا ہیں۔"

(طبری جلد ۳ ص، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۸)

مناسب یہ تھا کہ اگر یہ حضرات ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی معیت میں بصرہ پہنچ ہی گئے تھے تو سیدنا علیؓ مدینہ طیبہ ہی میں رہ کر کسی وفد کو بصرہ بھیج کر ان حضرات سے مفاہمت کی راہ تلاش کراتے یا اکابر صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے کوئی ایسا قدم اٹھاتے جو مصالحت پر منتج ہوتا، خونریزی پر منتج نہ ہوتا۔ باہمی مشورہ سے اگر کوئی قدم اٹھایا جاتا تو اہل مدینہ ضرور اس میں تعاون کرتے، لیکن سیدنا علیؓ کے مشیر وہ شورش پسند سبائی تھے جنہوں نے انہیں مدینہ طیبہ سے باہر نکلنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ربیع الاول ۳۶ھ میں جب سیدنا علیؓ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ سے جانب بصرہ روانہ ہوئے تو ربذہ کے مقام

پر سیدنا عبداللہ بن سلامؓ صحابی رسولؐ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سیدنا علیؓ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا:

يا امير المومنين! لاتخرج منها ، فوالله لئن خرجت منها لا يعود اليها سلطان المسلمين ابداً

''امیر المومنین آپ مدینہ طیبہ سے ہرگز باہر نہ جائیں۔ بخدا اگر آپ یہاں سے چلے گئے تو پھر مسلمانوں کی حکومت مدینہ طیبہ میں کبھی نہ آئے گی۔''

سیدنا عبد اللہ بن سلامؓ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر بعض سبائیوں نے انہیں سب وشتم کیا، لیکن سیدنا علیؓ نے فرمایا:

''ان کو چھوڑ دو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بہت اچھے آدمی ہیں۔'' (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۴، طبری جلد ۳ ص ۴۷۴)

آپ جب مدینہ طیبہ سے بصرہ جا رہے تھے تو آپ کے صاحبزادے سیدنا حسن بن علیؓ نے راستہ میں جا کر آپ سے عرض کیا'' ابا جان! میں نے پہلے بھی آپ کو کئی مشورے دیے، لیکن آپ نے انہیں درخود اعتناء نہ سمجھا۔،، آپ نے پوچھا'' وہ کون کون سے مشورے تھے؟'' سیدنا حسنؓ نے جواب دیا'' ابا جان! کیا میں نے آپ سے سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ وقتی طور پر مدینہ طیبہ چھوڑ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہید کر دیے جائیں اور آپ کے مدینہ میں موجود ہونے کی وجہ سے آپ پر کوئی الزام آئے، لیکن آپ نے میری بات نہ مانی۔''

پھر میں نے آپ سے کہا کہ:

''آپ اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک کل شہروں کے ارباب حل وعقد آپ سے بیعت لینے کی استدعا نہ کریں لیکن آپ نے میری وہ بات بھی نہ مانی۔'' پھر میں نے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ'' جب سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ خون عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ کے لیے نکلے ہیں تو آپ گھر میں بیٹھے رہیں، یہاں تک کہ آپس میں مصالحت ہو جائے لیکن آپ نے میرا وہ مشورہ بھی قبول نہ کیا۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۴، ۲۳۵، طبری جلد ۳ ص ۴۷۴، اخبار اطوال ص ۱۴۳)

سیدنا علیؓ جب مدینہ طیبہ سے بصرہ جانے کے لے نکلے تھے علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

خطب الناس و حثهم على المسيرة الى البصرة

''آپ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اور انہیں بصرہ جانے کی ترغیب دی۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۴)

صحابہ کرامؓ چونکہ مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، لہذا ان کی اکثریت نے اس معاملہ میں سیدنا علیؓ کا ساتھ نہ دیا۔ طبری نے لکھا ہے:

فاشتد على اهل المدينة الامر فتثاقلوا

''اہل مدینہ کے لیے یہ مسئلہ نہایت مشکل ہو گیا اور انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے اپنا پہلو بچایا۔'' (طبری جلد ۳ ص ۴۶۶، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۴)

سیدنا علیؓ نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو بصرہ جانے کے لیے کہا اور اس مقصد کے لیے کمیل النخعی کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں کیونکہ میں انہی میں سے ہوں۔ اگر وہ اس میں شریک ہوں گے۔ تو میں بھی ہوں گا اور اگر وہ الگ رہے تو میں بھی الگ رہوں گا۔ بعد میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اہل مدینہ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

واللہ لا ندری کیف نصنع' فان هذا المر مشتبه علينا و نحن مقيمون حتى يضئ لنا ويسفر

''بخدا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس وقت تک اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔'' (طبری جلد ۳ ص ۴۲۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۵)

یہی حال دوسرے صحابہ کرامؓ کا تھا۔ وہ بھی اپنے آپ کو اس خانہ جنگی کی آگ میں جھونکنا نہیں چاہتے تھے، لہذا انہوں نے سیدنا علیؓ کا ساتھ دینے سے گریز کیا۔

بہر حال سیدنا علیؓ اپنے ایک بڑے لشکر کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ فریقین کا مقصد نیک تھا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ صلح

Marfat.com

کی جو بات چیت مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر ہونی چاہئے تھی اس کی سلسلہ جنباتی کا آغاز میدان کارزار میں ہوا۔

دونوں فوجیں آمنے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں اور خطرہ تھا کہ میدان کارزار گرم نہ ہو جائے۔ اس لیے سیدنا علیؓ کی یہ خواہش تھی کہ گفت وشنید کے ذریعہ کوئی صلح کی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے سیدنا علیؓ نے کوفہ کے ایک بزرگ صحابی سیدنا قعقاع بن عمروؓ کو اہل جمل کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ اصلی حالات کا پتہ چلائیں اور معلوم کریں کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں اور کس ارادے سے بصرہ آئے ہیں؟ سیدنا قعقاعؓ سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بصرہ تشریف لانے کا مقصد دریافت کیا۔ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد "اصلاح بین المسلمین" ہے۔ سیدنا قعقاعؓ نے کہا "کیا ہی اچھا ہو اگر آپ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ کو بھی بلا لیں تاکہ اس بارہ میں ان سے بھی بات ہو جائے۔" سیدہ عائشہؓ نے ان دونوں کو بلایا۔ سیدنا قعقاع نے ان سے کہا کہ "میں نے ام المومنینؓ سے یہاں تشریف لانے کی غرض پوچھی ہے، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ "اصلاح بین المسلمین"، یعنی لوگوں کے درمیان اصلاح کے لیے۔ آپ دونوں حضرات کو اس سے اتفاق ہے یا اختلاف؟ ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہمیں اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔" سیدنا قعقاعؓ نے کہا کہ "فرمایئے وہ اصلاح کیا ہے جو آپ حضرات چاہتے ہیں، کیونکہ اگر وہ اچھی بات ہے تو ہم بھی اس سے اتفاق کریں گے اور اگر بری بات ہے تو اس سے بچیں۔" ان حضرات نے کہا کہ "سیدنا عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے ہیں، لہذا جب تک ان کے قاتلوں کو سزا نہیں دی جائے گی، ملک میں نہ تو امن ہوسکتا ہے اور نہ ہی معاملات درست ہو سکتے ہیں۔"

سیدنا قعقاعؓ نے کہا کہ:

"آپ حضرات کا مطالبہ بالکل درست ہے، لیکن اس کے لیے سکون واطمینان کی ضرورت ہے۔ جب فضا سازگار ہو جائے گی اور اشتعال و ہیجان کی کیفیت میں اصلاح بین المسلمین ممکن نہیں"۔

اہل جمل نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر سیدنا قعقاعؓ کی اس تجویز کو پسند کیا بلکہ قبول کرلیا۔ ان کا مقصد جدال وقتال نہیں تھا بلکہ اصلاح تھا لہذا انہوں نے فوری

Marfat.com

قصاص پر اصرار نہ کیا۔ سیدنا قعقاع ؓ کو ان حضرات نے کہا کہ ہم آپ کی تجویز کو قبول کرتے ہیں۔ سیدنا علیؓ بھی اگر اس سے متفق ہوں تو ٹھیک ہے۔" سیدنا قعقاع ؓ نے واپس آ کر سیدنا علیؓ کو ان تمام باتوں سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ حضرات اس تجویز سے متفق ہو گئے ہیں۔ سیدنا علیؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ دونوں گروہ اتفاق و اتحاد کی اس صورت سے بہت خوش ہوئے۔ (ففرح هؤلاء وهؤلاء)

سیدنا علیؓ نے اس موقع پر ایک تقریر کی جس میں جاہلیت کی زندگی اور اس کی شقاوت کا تذکرہ فرمایا اور اسلامی زندگی اور اس کے ماننے والوں کی الفت و جمعیت کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا:

و ان اللّٰه جمعهم بعد نبيه على الخليفة ابى بكر الصديق، ثم بعده على عمر بن الخطاب، ثم على عثمان ثم حدث هذا الحديث الذى جرى على الامة، اقوام طلبوا الدنيا و حسدوا من انعم اللّٰه عليه بها و على الفضيلة التى من اللّٰه بها، و ارادو رد الاسلام و الا شياء على ادبارها، واللّٰه بالغ امره

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو نبی اکرم ﷺ کے بعد ان کے جانشین ابوبکر صدیق ؓ پر جمع فرمایا، ان کے بعد عمر بن خطابؓ اور پھر عثمان بن عفانؓ پر۔ پھر عثمانؓ کے عہد خلافت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو دنیا کے طالب تھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اہل فضل و کرم پر کڑھنے والے تھے۔ ان کا مقصد وحید یہ تھا کہ اسلام کو ختم کر کے اسلام سے پہلے والے حالات پیدا کر دیے جائیں۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۷، ۲۳۸، طبری جلد ۳ ص)

غرض کہ فریقین نے سیدنا قعقاع بن عمروؓ کی اس تجویز کو پسند کیا اور سیدنا علیؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدہ عائشہؓ سب صلح پر متفق ہو گئے۔ اسی اثناء میں سبائی پارٹی کے سرغنوں مالک الاشتر، خالد بن ملجم، عبداللہ بن سباء، شریح ابی اوفی اور علیا بن ہیثم وغیرھم نے مل کر یہ مشورہ کیا اور کہنے لگے:

رای الناس فينا واحد و ان يصطلحوا مع على فعلى

دمائنا

"ہمارے بارے میں ان کی رائے ایک ہے۔ ان کی اگر آپس میں صلح ہو گئی تو ہمارے خون پر ہو گی۔"

مختلف سبائی سرغنوں نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ بعض نے کہا کہ سب مل کر علیؓ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں۔ کسی نے کہا کہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ لیکن ان سب تجاویز پر اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ آخر میں اس گروہ کے بانی عبداللہ بن سباء نے کہا کہ قبل اس کے علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ سر جوڑ کر مزید غور و فکر کریں تم لوگ جنگ چھیڑ دو اور جب جنگ کا شعلہ بھڑک اٹھے گا تو پھر دونوں پارٹیاں اپنے اپنے دفاع کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گی۔ اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا، لیکن دوسرے تمام لوگ اس سازش سے بے خبر تھے۔ (وتفرقوا علیه والناس لایشعرون)

سیدنا علیؓ اپنا لشکر لے کر سیدہ عائشہ کے لشکر کے قریب چلے گئے۔ باغی پہلے ہی سے آپ کے لشکر میں موجود تھے۔ دونوں طرف سے نمائندے سر جوڑ کر بیٹھے۔ فضا پوری طرح صلح کے لیے ہموار تھی۔ کسی کے دل میں صلح کے بارہ میں ذرہ برابر شک نہیں تھا۔ (وھم لایشکون فی الصلح) غرض کہ ہر شخص کے نزدیک صلح یقینی تھی۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے:

وعولوا جمیعاً علی الصلح فباتوا بخیر لیلة لم یبیتوا بمثلها للعافیة من الذی اشرفوا علیه وبات الذین آثاروا امر عثمان بشر لیلة مابا توها قط

"سب حضرات صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسے چین اور اطمینان کی نیند سوئے کہ اس سے قبل کبھی ایسے اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے، لیکن وہ لوگ جنہوں نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی اور ان کو شہید کیا تھا انہوں نے اس سے زیادہ بدترین رات کبھی نہیں گزاری تھی۔"

ساری رات بے آرامی میں وہ کیا کرتے رہے؟ ساری رات باہم مشورہ کرتے رہے (وجعلوا یتشاورون لیلتھم کلھا) اس باہمی مشورہ سے انہوں نے یہ پلان بنایا کہ صبح اندھیرے منہ جنگ چھیڑ دی جائے اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھا

Marfat.com

جائے کہ یہ پلان صیغہ راز میں رہے۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ظلمت شب نے ابھی اپنے کاکل سیاہ سمیٹے نہیں تھے اور رات کی تاریکی ابھی چھٹنے نہ پائی تھی کہ ان فتنہ پردازوں اور شورش پسندوں نے اپنے خفیہ پلان کے مطابق اہل جمل پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے اہل جمل نے یہ سمجھا کہ سیدنا علیؓ کے لشکر نے شرائط سے اتفاق کرنے کے باوجود دھوکہ سے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ یہی خیال سیدنا علیؓ کے لشکر کے لوگ اصحاب جمل کے متعلق کرنے لگے۔ اصلی صورت حال کیا ہوئی دونوں گروہ اس سے بے خبر تھے۔ (ولا یشعر احد منھم بما وقع الامر فی نفس الامر) چنانچہ دونوں طرف کے لوگ اپنی اپنی مدافعت میں لڑنے لگے اور صلح کا میدان میدان کارزار میں تبدیل ہو گیا۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۲ ص ۳۱۸، روضۃ الصفاء جلد ۲ ص ۲۸۴ — ۲۸۵)

سیدہ عائشہؓ پر ایک اعتراض کا جواب:

بعض حضرات نے سیدہ عائشہؓ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ان کے لیے بصرہ کا یہ سفر جائز نہ تھا کیونکہ قرآن کا حکم ہے:

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ

"یعنی اے نبی کی بیبیو! اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جیسا کہ زمانہء جاہلیت میں اپنے گھروں سے نکلتی تھیں اس طرح نہ نکلو۔"

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے لیے جاہلیت کی زیب و زینت کر کے بے حجابانہ گھروں سے نکلنا منع ہے' مطلق نکلنا منع نہیں ہے۔ چنانچہ وہ حج و عمرہ کے لیے تشریف لے جاتی تھیں۔ اپنے والدین کے گھر جاتی تھیں۔ آپ کی بیماری کے وقت وہ اپنے حجرات سے نکل کر سیدہ عائشہؓ کے حجرہ میں جاتی تھیں۔ عیادت مریض کے لیے جاتیں وغیرہ وغیرہ۔ اس سے پتہ چلا کہ ان کا مطلقاً گھر سے نکلنا منع نہیں اور شرعی معاملہ اور دینی مصلحت کے لیے حجاب اور ستر کے ساتھ گھر سے نکلنا جائز ہے۔ چنانچہ اس بصرہ کے سفر میں بھی سیدہ عائشہؓ دینی مصلحت کی خاطر یعنی اصلاح بین المسلمین اور خلیفہ راشد کے قصاص کے مطالبہ کے لیے بصرہ گئی تھیں' لہذا یہ سفر ان کے لیے کسی

Marfat.com

صورت منع نہ تھا۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدثؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

(روح المعانی جلد ۲۲ ص ۹۔۱۰' تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۳۰ جواب مطاعن صدیقہؓ)

چنانچہ سیدہ عائشہؓ نے کئی مواقع پر فرمایا کہ میں'' اصلاح بین المسلمین'' کے جذبہ کے تحت آئی ہوں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الثقات لابن حبان جلد ۲ ص ۲۸۰' المنتقی للذھبی ص ۲۲۲)

حافظ عبدالرزاق نے'' المصنف'' میں سیدہؓ کا قول نقل فرمایا ہے۔ فرماتی ہیں :

'' میرا خیال یہ تھا کہ میں اپنے مقام و مرتبہ کی وجہ سے لوگوں کے مابین جنگ و قتال سے مانع ہوں گی لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ لوگوں کے درمیان قتال واقع ہوگا' اگر مجھے اس سے قبل یہ بات معلوم ہو جاتی تو میں یہاں ہرگز نہ آتی۔ فرماتی تھیں : لوگوں نے میری بات نہ سنی اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور قتال واقع ہوگیا۔'' (المصنف جلد ۵ ص ۴۵۷)

مشہور صحابی سیدنا ابوبکرہؓ کی رائے بھی وہی تھی جو سیدہ عائشہؓ کی تھی' لیکن فرماتے ہیں کہ جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تو اب دفاع کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۴)

پھر ان کا یہ سفر شرعی محرم کے بغیر نہیں تھا بلکہ ان کے ساتھ دو ان کے بہنوئی (سیدنا زبیرؓ بن العوام شوہر سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ اور دوسرے سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ، شوہر ام کلثوم بنت ابی بکرؓ) اور ایک ان کا خواہر زادہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ ان دونوں بہنویوں کی اور اولادیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی جلد ۲۲ ص ۱۰' تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۳۰)

لہذا سیدہ عائشہؓ پر یہ اعتراض سراسر غلط ہے۔ وہ اصلاح بین الناس کے جذبہ کے تحت نکلی تھیں لیکن پھر بھی جنگ برپا ہوگئی جس کا سیدہ کو ساری زندگی افسوس رہا۔ دوران جنگ وہ لوگوں کو قتال سے روکتی رہیں لیکن سبائیوں نے جنگ کے شعلے اتنے بھڑکا دیے تھے کہ ان کا ٹھنڈا کرنا مشکل ہوگیا تھا۔

ہماری اس بات کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں مرقوم ہے کہ

Marfat.com

سیدہؓ جنگ جمل کے اختتام کے بعد نہ صرف سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جیسے حضرات کے لیے رحمت خداوندی کی طلب گار رہیں بلکہ سیدنا علیؓ کے لشکر کے نیک دل شہداء کی مغفرت کے لیے بھی دعا گو رہیں۔ (ملاحظہ ہو دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ ص ۴۱۶، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ ص ۱۷۴، المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۲۸۹، الاصابہ جلد ۱ ص ۵۶۶ ترجمہ زید بن صوحان) کیونکہ یہ جنگ نہ سیدنا علیؓ کی خواہش کے مطابق تھی اور نہ سیدہ عائشہؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جنگ کے خواہاں تھے بلکہ یہ جنگ مفسدین اور سبائیوں نے دونوں فریقوں کی رضامندی کے برعکس بھڑکائی تھی۔ (ملاحظہ ہو شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۴۳۱)

ایک وضعی روایت

حاکم نے مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جنگ کے دوران سیدنا علیؓ اپنے گھوڑے پر میدان کارزار میں آئے اور سیدنا زبیرؓ کو بلا کہ کہا "ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسولؐ نے تم سے پوچھا تھا کہ "کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا" ہاں، یارسول اللہ۔" یاد کرو اس دن تم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

"ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔" سیدنا زبیرؓ نے کہا کہ "ہاں اب مجھے بھی یاد آیا۔"

(مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۲۲)

شاید اسی روایت کے سہارے کئی ایک مورخین نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ کے یاد دلانے پر سیدنا زبیرؓ میدان جنگ سے ہٹ کر چلے گے اور سیدنا طلحہؓ آگے کی صفوں سے ہٹ کر پیچھے کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ یہ روایت بالکل وضعی ہے جس کی کئی وجوہات ہیں:

1- غور و فکر کی بات ہے کہ سیدنا علیؓ نے عین اس وقت جب دونوں لشکر آپس میں برسرِ پیکار تھے سیدنا زبیرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی یہ بات کیوں یاد دلائی؟ اس سے قبل کیوں یاد نہ دلائی؟ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں اس وقت سیدنا قعقاعؓ کو صلح کی شرائط کے لیے تو اصحاب جمل کے پاس بھیج دیا۔ کم از کم انہی سے کہہ دیتے کہ زبیرؓ کو یہ واقعہ یاد دلانا اور کہنا کہ تم غلط ہو اور میں صحیح راستہ پر ہوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا، لیکن اس وقت ان کو یہ بات یاد نہ دلائی گئی بلکہ اس وقت یاد دلائی گئی جب میدان کارزار گرم ہو گیا۔

شاید سیدنا علیؓ کو پہلے خود بھی یہ بات یاد نہ تھی۔

2- دوسری بات یہ ہے کہ اگر عین میدان کارزار میں سیدنا زبیرؓ کو یہ بات یاد دلائی گئی تھی اور اس واقعہ کے یاد آنے پر سیدنا زبیرؓ میدان جنگ سے ہٹ گئے تھے۔ اگر واقعی وہ غلطی پر تھے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ فوراً اس لشکر سے الگ ہو کر سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ اور اگر وہ کسی وجہ سے شامل نہیں ہوئے تو کم از کم اپنے ماتحت لڑنے والوں کو اس بات سے آگاہ کرتے کہ وہ غلطی پر ہیں اور سیدنا علیؓ حق پر، لہذا یا تو تم لوگ سیدنا علیؓ کا ساتھ دو یا پھر اصحاب جمل کی امداد اور نصرت سے کنارہ کش ہو جاؤ، لیکن تاریخ میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ پوری فوج کے کمانڈر تھے۔ اگر انہیں اپنی غلط روش کا احساس ہو گیا تھا تو انہیں پوری فوج کو لڑنے سے منع کرنا چاہیے تھا۔

روایات میں یہ تو لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ کے یاد دلانے پر سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ ہٹ گئے۔ غلطی کے احساس کا یہ کون سا انداز ہے کہ کمانڈر تو پیچھے ہٹ جائیں لیکن فوج لڑتی رہے۔ لہذا اصول درایت کی رو سے روایت بالکل غلط ہے۔ اور اصول روایت کے تحت بھی اس کے راوی مجروح اور غیر ثقہ ہیں۔

3- اس بارہ میں تیسری بات یہ ہے کہ مختلف روایات سے یہ ثابت ہے کہ سیدنا زبیرؓ میدان جنگ سے ہٹ کر الگ نہیں ہوئے، بلکہ برابر لڑتے رہے جس طرح کہ سیدہ عائشہؓ کے لشکر کے دوسرے افراد لڑتے رہے۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے:

كان القتال يومئذ فى صدر النهار مع طلحة و الزبير فانهزم الناس و عائشة توقع الصلح

"دن کے اول حصہ میں سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ سے جنگ ہوتی رہی۔ پس لوگ شکست کھا گئے اور سیدہ عائشہؓ صلح کی توقع کر رہی تھیں۔"

(طبری جلد ۳ ص ۵۲۹، دار المعارف)

Marfat.com

ایسی ہی ایک اور روایت طبری نے جلد۴ ص ۵۱۴ پر نقل کی ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر طبری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ جنگ جمل میں باقاعدہ لڑتے رہے اور پیچھے نہیں ہٹے بلکہ شہید ہو گئے۔ چنانچہ طبری نے محمد اور طلحہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ دونوں فرماتے ہیں:

لما انهزم الناس فی صدر النهار نادی الزبیر انا الزبیر الیّ ایها الناس!

"جب دن کے اول حصہ میں لوگ پیچھے ہٹے تو سیدنا زبیرؓ نے آواز دی۔ میں زبیرؓ ہوں۔ اے لوگو میری طرف آؤ"

ام المومنینؓ کے وفادار بیٹے:

میدان جنگ میں سیدہ عائشہؓ ایک مقام پر زرہ پوش ہودج میں تشریف فرما تھیں۔ نا مرتبہ شناس اور دین دشمن سبائی آپ کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھے اور آپ کو محبوس کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بنوضبہ کے بہادر جوان اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے۔

بکر بن وائل، ازد اور بنوضبہ سیدہ عائشہؓ کے اونٹ کے گرد ہالہ بنے ہوئے تھے اور اس وارفتگی اور ثبات کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ خود سیدنا علیؓ بھی ان کی بہادری سے حیرت واستعجاب میں تھے۔ سیدنا زبیرؓ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہؓ سیدہؓ کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے تھے۔ وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ وہ گرا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے سیدہ عائشہؓ کے اونٹ کی حفاظت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ (طبری جلد۴ ص ۵۰۹، مستدرک جلد۳ ص ۳۶۶)

بصرہ کا مشہور شہسوار عمرو بن بجرہ اس جوش وخروش سے لڑ رہا تھا کہ سیدنا علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے آجاتا بچ کر نہ جاتا۔

اونٹ کے سامنے بنوضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سد سکندری بنے دشمنوں

کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اس نے پشت نہیں پھیری اور یہ اشعار ان کی زبان پر تھے:

نحن بنو ضبة اصحاب جمل
ننعی ابن عفان باطراف الاسل
والموت احلی عندنا من العسل
ردوا علینا شیخنا ثم بجل

''ہم بنو ضبہ ہیں اور اصحاب جمل میں سے ہیں۔ ہم عثمان بن عفانؓ کی موت کی خبر نیزوں سے پھیلا رہے ہیں۔''

''موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ ہمارے سردار کو ہمیں واپس کر دو تو پھر کچھ نہیں۔''

یہ رجز پڑھتے ہوئے وہ اپنی جانیں قربان کر رہے تھے۔ جب سیدنا علیؓ کے کسی شخص کا ہاتھ اونٹ کی نکیل تک پہنچتا وہ قتل کر دیا جاتا۔ سیدنا علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا یہ خونریزی رک نہیں سکتی، لہذا سیدنا علیؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: ''اونٹ کو ذبح کر دو، اس کی بقا میں مسلمانوں کی فنا ہے۔'' چنانچہ ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری۔ اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے بیٹھتے ہی سیدہ عائشہؓ کے لشکر کی ہمت ٹوٹ گئی۔ سیدنا علیؓ نے سیدہ عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو جو سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ ام المومنینؓ کی خبر گیری کریں۔ پھر خود ام المومنینؓ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند روز آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکر کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس معزز اور شریف خواتین کو سیدہؓ کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لیے چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشایعت کے لیے بھیجا۔

سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ کی شہادت:

اسی جنگ جمل میں اسلام کے دو نامور سپوتوں اور عشرہ مبشرہ کے دو صحابیوں

Marfat.com

سیدنا زبیر بن العوامؓ اور سیدنا طلحہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ سیدنا زبیرؓ کو روایات کے مطابق عمرو بن جرموز نے نماز میں شہید کیا۔ ابن جرموز حواری رسول سیدنا زبیرؓ کو شہید کرنے کے بعد ان کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور نہایت فخر کے ساتھ اپنا یہ کارنامہ بیان کیا۔ سیدنا علیؓ نے سیدنا زبیرؓ کی تلوار پر حسرت کی نظر ڈالتے ہوئے فرمایا:

"اس نے بارہا رسول ﷺ کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں۔ اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے خوشخبری ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔"

(مسند احمد جلد ا ص ۸۹)

اسی طرح سیدنا طلحہؓ کو عین معرکہ جنگ میں ایک نا معلوم تیر انداز کا تیر آ کر لگا۔ وہ ان کے لیے تیر قضا ثابت ہوا۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا: "چھوڑ دو۔ یہ تیر نہیں پیام خداوندی ہے۔" چنانچہ وہ اس تیر سے جاں بحق ہو گئے۔

سیدنا مروانؓ پر قتل طلحہؓ کا الزام:

بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ یہ تیر سیدنا مروانؓ نے چلایا تھا اور وہی قاتل طلحہؓ ہیں۔ یہ روایت روایت اور درایت کے لحاظ سے غلط ہے اور دشمنان بنو امیہ نے اس کو گھڑا ہے۔ سبائی پارٹی کا یہ خاص حربہ رہا ہے کہ وہ جرم خود کرتے ہیں اور الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔ کسی پر تہمت لگانا اور اپنا الزام دوسروں کے سر دھرنا ان کا امتیازی شیوہ ہے۔ اسی طرح سیدنا طلحہؓ کو ان میں سے کسی شقی اور خبیث نے شہید کیا اور اس کا الزام سیدنا مروانؓ پر لگا دیا اور پھر اس کا پراپیگنڈہ اس زور شور سے کیا کہ بعض خاص لوگ بھی اس کو سچ سمجھنے لگے۔ حالانکہ سیدنا مروانؓ اس الزام سے سراسر بری ہیں۔

اس بارہ میں اکثر روایات تو بغیر سند کے ہیں، لہذا وہ روایات تو بالکل قابل التفات نہیں ہیں کیونکہ جب تک روایت کے راوی کا پتہ نہ چلے روایت کے بارہ میں کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ابن سعد نے طبقات میں اور ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں جو اقوال سند کے ساتھ بطرز روایت نقل کیے ہیں، ان کے راویوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو ان میں سے اکثر اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان میں ایک راوی عبدالسلام بن صالح

Marfat.com

ہے جس کے متعلق علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ شیعہ ہے اور علامہ عقیلی فرماتے ہیں کہ یہ اسے رافضی خبیث کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب لا بن حجر عسقلانیؒ)

طبقات ابن سعد کی جو روایت خلیفہ عبدالملک پر منتہی ہوتی ہے۔ اس میں دو راوی بالکل مجہول ہیں جن کا نام تک مذکور نہیں۔ ایک راوی ابو حباب کلبی ہے جو قابل اعتماد نہیں۔ یہی حال دوسری روایات کا ہے۔ طبری نے جو الفاظ لکھے ہیں وہ یہ ہیں:

اصابت طلحة رمية فقتلته ، فيزعمون ان مروان بن الحكم رماه

" سیدنا طلحہؓ کو ایک تیر آ کر لگا جس سے وہ جان بحق ہو گئے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تیر مروان بن الحکمؓ نے مارا تھا۔" (طبری جلد ۴ ص ۵۰۹)

ایک دوسرے مقام پر طبری نے لکھا ہے کہ ایک نا معلوم تیر انہیں آ کر لگا (فجاء سهم غرب ، طبری جلد ۴ ص ۵۲۷)۔ اسی قسم کے الفاظ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھے ہیں۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۷،۱۴۲) ان سب روایات میں صرف گمان پر اس بات کی بنیاد رکھی گئی ہے کہ سیدنا مروانؓ نے وہ تیر چلایا تھا۔ جب کسی نے تیر چلانے والے کو دیکھا ہی نہیں تو یہ گمان کیسے ہو گیا کہ فلاں نے تیر چلایا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے "یقال" جو صیغہ تمریض ہے اس سے نقل کیا ہے:

فجاء فی المعرکة سهم غرب يقال رماه به مروان فالله اعلم

" میدان جنگ میں سیدنا طلحہؓ کے ایک تیر آ کر لگا جس کے چلانے والے کا پتہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تیر سیدنا مروانؓ نے چلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کون تھا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۱)

اس عبارت میں ایک تو صیغہ تمریض "یقال" استعمال کیا گیا جس کا معنی "افواہ" ہے اور دوسرے آخر میں " فاللہ اعلم" لکھ کر بتا دیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اصل آدمی کون تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بات "گمان" کے درجہ میں ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ " ان بعض الظن اثم" (بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں) کے تحت یہ بات گناہ کے درجہ میں ہے۔

Marfat.com

بعض روایات میں جن میں سند کے ساتھ بعض لوگوں کی یہ رائے نقل کی گئی ہے کہ سیدنا طلحہؓ کو سیدنا مروانؓ نے شہید کیا تھا، وہ بھی قابل قبول نہیں ہیں، کیونکہ یہ سب راوی وہ ہیں جن کے زمانہ میں جنگ جمل کے آثار بھی مٹ چکے تھے۔ان راویوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں نے خود یہ دیکھا یا میں نے فلاں دیکھنے والے سے یہ بات سنی۔ اگر بالفرض کوئی روایت کسی ایسے شخص سے بھی مروی ہو جو جنگ میں شریک تھا یا اس نے اس جنگ کا مشاہدہ کیا تھا پھر بھی یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے اس خیال کی بنیاد کیا ہے؟ اس راوی کا یہ خیال کسی افواہ پر مبنی ہے یا اس کو کسی موثق ذریعہ سے اطلاع ملی ہے۔صرف سنی سنائی بات یا افواہ پر اتنے بڑے واقعہ کی بنیاد رکھنا، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑی کوئی زیادتی نہیں ہے۔

قرائن سے بھی اس روایت کے وضع ہونے کا ثبوت ملتا ہے وہ اس طرح کہ

1- طبقات ابن سعد میں ایک روایت ہے کہ سیدنا مروانؓ نے تیر مار کر فرمایا: ''تمہارے قتل کے بعد مجھے عثمانؓ کے کسی قاتل کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن سیدنا مروانؓ کے منہ سے یہ الفاظ سننے کے بعد بھی سیدنا طلحہؓ اپنے ساتھیوں سے یہی فرماتے ہیں کہ ''یہ تیر حق تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے،'' سیدنا مروانؓ کا بالکل نام نہیں لیتے۔اگر واقعی یہ تیر سیدنا مروانؓ نے مارا ہوتا تو وہ ضرور ان کا نام لیتے۔

2- سیدہ عائشہؓ کا یہ لشکر مکہ مکرمہ سے بصرہ اس لیے آیا تھا کہ وہاں سیدنا طلحہؓ کے معتقدین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ بصرہ کی غالب اکثریت نے سیدنا طلحہؓ کی دعوت پر اس لشکر میں شمولیت اختیار کی اور میدان کارزار میں جان نثاری کے جوہر دکھائے۔ ان حالات میں یہ بات عام عقل کے بھی سراسر خلاف ہے کہ جب عین حالت جنگ میں جب کہ سیدنا طلحہؓ کے جان نثار معتقدین انہیں گھیرے ہوئے ہوں، سیدنا مروانؓ نے جو کہ ان کے اپنے لشکر میں شامل تھے، تیر چلا کر شہید کر دیا تو سیدنا طلحہؓ کے معتقدین نے انہیں زندہ کیسے چھوڑ دیا؟

3- اگر کوئی کہنے والا یہ کہہ دے کہ اس وقت انہیں پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ تیر کس

Marfat.com

نے چلایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب شریک جنگ لوگوں کو تیر چلانے والے کے نام کا پتہ نہیں چلا تو اڑھائی تین سو سال بعد لوگوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ وہ تیر سیدنا مروانؓ نے چلایا تھا ؟ اور اگر جنگ کے بعد لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ تیر فلاں آدمی نے چلایا تھا پھر بھی جنگ کے بعد لوگوں نے سیدنا مروانؓ کو ان کو کیے کی سزا کیوں نہ دی ؟

4- سیدنا علیؓ کو سیدنا طلحہؓ کی شہادت پر سخت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے اس پر اپنے غم وغصہ کا اظہار بھی فرمایا اور سیدنا طلحہؓ کے صاحبزادے سے محبت و ہمدردی کا اظہار بھی کیا، لیکن اپنے اظہار میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا کہ تمہارے باپ کا قاتل میرے لشکر کا کوئی آدمی نہیں بلکہ انہی کے لشکر کے ایک ذمہ دار آدمی مروانؓ نے انہیں شہید کیا ہے۔ سیدنا علیؓ تو مخالف گروپ کے آدمی تھے ان کو تو اس بات کا اظہار برملا انداز میں کرنا چاہیے تھا، لیکن انہوں نے ایک لفظ بھی اس بارہ میں اپنے منہ سے نہیں نکالا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ علیؓ کو سیدنا طلحہؓ کے قاتل کا علم تھا اور نہ ہی ان کے لشکر کے کسی آدمی کو اس کا نام معلوم تھا وگرنہ وہ سیدنا علیؓ کو اس بارہ میں ضرور اطلاع دیتے۔

5- سیدہ عائشہؓ کو بھی سیدنا طلحہؓ کے قاتل کا نام معلوم نہیں تھا وگرنہ وہ ہی لوگوں سے اس کا اظہار فرماتیں اور مطالبہ کرتیں کہ ان کے قاتل سے انتقام لینا چاہیے، لیکن تاریخ کے رپورٹر اس بارہ میں بھی بالکل خاموش ہیں۔

ان تمام قرائن عقلیہ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سیدنا مروانؓ پر سبائی گروہ کی طرف سے یہ ایک الزام ہے جو دو تین سو سال بعد ان کی شخصیت کو داغدار کرنے کے لیے لگایا گیا۔ وگرنہ اس زمانے میں جب یہ معرکہ پیش آیا کسی کے حاشیہ خیال میں یہ بات نہ تھی کہ سیدنا طلحہؓ کے قاتل سیدنا مروانؓ ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے علامہ بدر الدین عینیؒ نے سیدنا طلحہؓ کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:

قتل یوم الجمل اتاہ سھم لا یدری من رماہ و اتھم بہ مروان

"سیدنا طلحہؓ جنگ جمل میں شہید ہوئے، ان کو ایک تیر آ کر لگا جس کے بارہ

Marfat.com

میں یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس کو چلانے والا کون تھا اور اس کی تہمت سیدنا مروانؓ پر لگائی گئی ہے۔" (عمدۃ القاری جلد ا ص ۴۶۵)

معلوم ہوا کہ علامہ بدرالدین عینی کے نزدیک بھی سیدنا مروانؓ پر سیدنا طلحہؓ کا قتل ایک تہمت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، اور جھوٹ بولنا اور کسی پر تہمت لگانا ان لوگوں کے نزدیک دائیں ہاتھ کا کام تھا۔ عبداللہ ابن سباء کی یہ روحانی ذریت جب تیسری مرتبہ یلغار کر کے مدینہ طیبہ میں سیدنا عثمانؓ کو شہید کرنے کے لیے آئی تھی تو اس وقت بھی اسی قسم کا ایک افسانہ گھڑا گیا تھا جس میں سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا مروانؓ پر خطوں کی تہمت لگائی گئی تھی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں جو باغی حالات کے مطالعہ کے لیے آئے تھے واپسی پر انہوں نے لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہیں۔ (اظھروا للناس انھم راجعون الی بلدانھم) اہل مدینہ مطمئن ہو گئے کہ ابن سباء کی یہ ذریت واپس لوٹ گئی ہے، لیکن یہ دراصل سبائیوں کی ایک سازش تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اس وقت اہل مدینہ کی ایک کثیر تعداد امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کی حفاظت کے لیے جمع ہو گئی ہے اور جس مقصد کے لیے وہ آئے تھے، ان حالات میں ان کو سر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ انہوں نے خیریت اسی میں سمجھی کہ فی الحال یہ ظاہر کیا جائے کہ ہم اپنے اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہیں۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ جب ہم مدینہ سے کچھ روز غائب رہیں گے تو قصر خلافت سے صحابہ کرامؓ کے سیکورٹی گارڈ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے، اور پھر اچانک ہم مدینہ میں داخل ہو کر حالات کہ تہ و بالا کر دیں گے اور اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

چنانچہ ایک روز یکا یک اہل مدینہ طیبہ نے گلی کوچوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور تکبیر کے نعروں کا شور سنا۔ دیکھا تو باغیوں کی ایک تعداد مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں دوڑ رہی ہے۔ ان میں اکثر تو سیدنا عثمانؓ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۴، ۲۲۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۰)

ان شورش پسندوں سے چند صحابہ کرامؓ نے جن میں سیدنا علیؓ بھی شامل تھے، پوچھا "تمہارے واپس جانے کے بعد پھر واپس آنے اور تمہارے اپنی رائے سے رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ" ہم نے ایک قاصد سے ایک خط پکڑا ہے جس

میں ہمارے قتل کا حکم ہے" سیدنا علیؓ نے ان سے سوال کیا:

"اے اہل کوفہ اور اہل بصرہ' اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا ہے کہ انہوں نے ایک قاصد کو پکڑ کر اس سے ایک خط حاصل کیا ہے، اس واقعہ کا تمہیں کیسے علم ہو گیا جب کہ تم کئی منزلیں طے کر چکے تھے؟ پھر تم اکٹھے ہو کر یہاں آ گئے۔ بخدا یہ تو مدینہ ہی میں کی گئی ایک سازش ہے۔"

انہیں سیدنا علیؓ کے اس سوال کا کوئی جواب نہ آیا۔

(طبری جلد ۳ ص ۳۸۷، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۰)

جب ان لوگوں کو سیدنا علیؓ کے اس سوال کا کوئی جواب نہ آیا تو انہوں نے سیدنا علیؓ پر تہمت لگاتے ہوئے کہا" پھر آپ نے ہمیں خط کیوں لکھا؟" سیدنا علیؓ نے جواب میں فرمایا:

واللہ ماکتبت الیکم کتاباً قط (طبری جلد ۳ ص ۳۹۱)

"بخدا میں نے کبھی بھی تمہیں کوئی خط نہیں لکھا۔"

پھر یہ لوگ سیدنا عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے ہمارے متعلق یہ خط لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یا تو تم اس پر دو گواہ پیش کرو یا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ خط نہ تو میں نے لکھا ہے، نہ لکھوایا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے، اور تمہیں پتہ ہے کہ کسی کے نام سے جھوٹا خط لکھا جا سکتا ہے اور ایک مہر کی طرح دوسری مہر بھی بنوائی جا سکتی ہے۔ (طبری جلد ۳ ص ۳۹۱)

ملاحظہ فرمایئے کہ ان لوگوں نے سیدنا علیؓ، سیدنا عثمانؓ اور بعد میں سیدنا مروانؓ پر کس ڈھٹائی سے الزام لگایا کہ آپ لوگوں نے ہمیں یا ہمارے بارہ میں خط لکھے ہیں۔ سیدنا علیؓ نے جب انہیں لاجواب کر دیا تو انہوں نے ان پر بھی تہمت لگا دی کہ آپ نے ہمیں خط لکھ کر بلایا ہے۔ نہ صرف ان حضرات پر وہ تہمت لگانے سے نہیں چوکے بلکہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

"ان لوگوں (سبائیوں) نے مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابہ کرامؓ خاص طور پر سیدنا علیؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کی طرف سے لوگوں کو کئی جھوٹے خط لکھے جن میں انہیں دین اسلام کی حمایت میں سیدنا عثمانؓ سے جنگ وقتال کرنے کی

Marfat.com

دعوت دی اور انہیں یہ لکھا کہ آج یہ جہاد اکبر ہے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۳)

اس بات پر بحث کرتے ہوئے ابن کثیر نے لکھا ہے:

"یہ بات صحابہ کرامؓ پر صریح بہتان ہے (کہ انہوں نے ملک کے مختلف گوشوں میں سیدنا عثمانؓ سے لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے خطوط لکھے) یہ سب خطوط ان کی طرف سے جھوٹے اور جعلی لکھے گئے تھے جیسا کہ سیدنا علیؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کی طرف سے غلط اور جھوٹے خط انہوں نے خوارج کی طرف سے لکھے جن کا ان سب حضرات نے صاف انکار کیا۔ اسی وجہ سے یہ خط بھی سیدنا عثمانؓ کی طرف سے بالکل جھوٹا لکھا گیا حالانکہ نہ تو آپ نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ ہی آپ کو اس کا علم تھا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۵)

ایک اور مقام پر علامہ ابن کثیر نے بعض روایات پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"یہ روایت اور اس قسم کی اور کئی روایات اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ ان باغیوں نے، اللہ تعالیٰ ان کا ستیاناس کرے، صحابہ کرامؓ کی جانب سے غلط اور جعلی خط مملکت اسلامیہ کے مختلف گوشوں میں بھیجے اور انہیں سیدنا عثمانؓ کے خلاف پرسرپیکار کرنے کے لیے آمادہ کیا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۵)

اگر یہ شورش پسند اتنے بڑے صحابہؓ پر یہ الزام لگا سکتے ہیں اور ان کی طرف سے جھوٹے اور جعلی خط بنا سکتے ہیں تو ان سے یہ کیا بعید ہے کہ سیدنا مروانؓ پر بھی انہوں نے سیدنا طلحہؓ کی شہادت کی تہمت لگا دی ہو؟ لہذا روایت و درایت کے اصولوں کے مطابق یہ روایت بالکل غلط ہے۔

سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ کی بیعت

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جو اس لشکر میں پیش پیش تھے، انہوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت کر کے پھر اس بیعت کو توڑ دیا تھا، لیکن صحیح روایت اس بات کی تردید کرتی ہیں، بلکہ ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے پہلے ہی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ طبری نے صاف لکھا ہے کہ جب سیدنا علیؓ کی بیعت

کی گئی تھی اس وقت وہ دونوں حضرات وہاں موجود نہیں تھے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۵ ص ۱۵۶) اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے بیعت کرلی تھی۔ تو روایات میں یہ بھی منقول ہے کہ ان کو مجبور کر کے بیعت لی گئی تھی اور انہوں نے بھی فتنہ کے خوف سے بیعت کر لی تھی۔

(المحاضرات للخضری جلد ۴ ص ۴۰۹، ابن اثیر جلد ۳ ص، طبری جلد ۳ ص ۴۷۵)

اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کے ان دونوں نے بغیر جبر کے بیعت کی تھی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ اب قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کا بھی مطالبہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہ مطالبہ ان صحابہؓ نے بھی کیا جو سیدنا علیؓ کی بیعت کر چکے تھے۔

(المحاضرات جلد ۳ ص ۴۰۲، طبری جلد ۳ ص، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۰)

بلکہ علامہ ابو الفضل ابراہیم نے تو صاف لکھا ہے کہ سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہ کرامؓ نے جو بیعت کی تھی وہ مشروط تھی اور شرط یہ تھی کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیا جائے گا اور ان پر قتل کی شرعی حد نافذ کی جائے گی۔ چنانچہ علامہ ذہبی کے الفاظ ہیں:

لما تمت البيعة و رجع الى بيته دخل عليه طلحة و الزبير فى عدد من الصحابة فقالوا يا على انا قد اشترطنا اقامة الحدود و ان هوءلا القوم قد اشتركوا فى قتل الرجل

"جب بیعت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور سیدنا علیؓ گھر تشریف لائے تو سیدنا طلحہؓ سیدنا زبیرؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہ کرامؓ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے اقامت حدود اور قصاص کی شرط پر آپ کی بیعت کی تھی اور یہ لوگ جو آپ کے اردگرد پھر رہے ہیں، یہ سیدنا عثمانؓ کے قتل میں برابر کے شریک ہیں اور آپ ان سے قصاص نہیں لے رہے۔"

سیدنا علیؓ نے ان کے جواب میں فرمایا:

"میں اس بات سے نا آشنا نہیں ہوں جس سے تم واقف ہو، لیکن میں اس قوم پر اقامت حدود کیسے نافذ کر سکتا ہوں جس پر ہم کو قابو نہیں بلکہ وہ ہم پر قابو

Marfat.com

پائے ہوئے ہیں۔" (ایام العرب فی الاسلام ص ۳۲۲)

مختصر یہ کہ ان حضرات کا مطالبہ صرف قصاص کا تھا، اس سے بیعت کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جائز بات ہر صورت میں جائز ہوتی ہے۔

جنگ جمل کے نتائج

جنگ جمل نے سبائی منصوبہ میں اور زیادہ رنگ بھر دیا اور مسلمانوں میں تشتت و افتراق کی وہ خلیج پیدا ہو گئی جس کو آج تک پاٹا نہیں جا سکا۔ سبائیوں کی افتراء پردازی اور بہتان طرازی نے مختلف افراد میں تفرقہ اندازی پیدا کی جس نے بعد میں گروہ بندی کی صورت اختیار کر لی۔

جنگ جمل کے نتیجہ کے طور پر دس ہزار آدمی کام آئے۔ جن میں پانچ ہزار اصحاب جمل میں سے اور باقی پانچ ہزار سیدنا علیؓ کے لشکر میں سے تھے اور جن میں سبائیوں کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی، کیونکہ یہی لوگ اس لڑائی کا باعث بنے تھے۔

جنگ جمل کے مقاصد

یہ درست ہے کہ سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدہ عائشہؓ کا مطالبہ صرف خون عثمانؓ کے قصاص تک کا تھا (طبری جلد ۳ ص ۵۴۳) اور ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ اس مطالبہ کی نوبت ایک بڑی جنگ تک پہنچ جائے گی اور نہ ہی سیدنا علیؓ کو اس خونریزی کی توقع تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب میدان جنگ میں سیدنا قعقاع بن عمروؓ نے فریقین میں صلح کی بات چیت چلائی تو دونوں فریق جلد ہی صلح پر رضامند ہو گئے۔

(ملاحظہ ہو طبری جلد ۳ ص، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳)

یہ جنگ سبائیوں کی اندرونی سازش کا نتیجہ تھی جس سے ان حضرات کے قصاص کے مطالبہ نے ایک خونریز جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ اور امت سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ جیسے اصحابہ کرامؓ سے محروم ہو گئی۔ اسی طرح سیدہ عائشہؓ بھی سیدنا علیؓ کی خلافت کے خلاف نہ تھیں۔ طلب قصاص کے معاملہ میں ان کا رویہ اس بات کی غمازی کرتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے:

"سیدہ عائشہ ام المومنینؓ، سیدنا طلحہؓ سیدنا زبیرؓ اور ان کے دیگر ساتھیوں نے

Marfat.com

کبھی بھی سیدنا علیؓ کی خلافت کو غلط نہ کہا تھا اور نہ ان پر کوئی طعن کیا تھا اور نہ ان پر کوئی ایسی جرح کی جس سے ان کا مقصد سیدنا علیؓ کو معیارِ خلافت سے گرانا ہو، اور نہ ہی ان کے مقابلہ میں انہوں نے کسی اور کی خلافت قائم کی اور نہ کسی کی بیعت کی --- یہ صحیح طور پر ثابت شدہ بات ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں کہ وہ بصرہ سیدنا علیؓ سے نبرد آزما ہونے یا ان کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے یا ان کی بیعت توڑنے کے لیے نہیں گئے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک شی بھی اگر ان کا مقصود ہوتی تو وہ سب سے پہلے سیدنا علیؓ سے الگ اپنا کوئی خلیفہ بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے، لہذا معلوم ہوا کہ وہ حضرات بصرہ میں صرف اس شگاف کو بند کرنے کے لیے گئے تھے جو سیدنا عثمانؓ کے ظلماً شہید کر دیے جانے سے اسلام میں پیدا ہو گیا تھا۔"

(الفصل فی الملل والا ہواء والنحل جلد ۴ ص ۱۵۸۵)

اسی طرح شیخ اسلام ابن حجر عسقلانی نے مشہور محدث مہلب کا یہ قول نقل کیا ہے:

ان احداً لم ینقل ان عائشة و من معها نازعوا علیاً فی الخلافة و لا الی احد منهم لیولوه الخلافة انما انکرت هی و من معها علی علی منعه من قتل قتلة عثمان و ترك الا قتصاص منهم

"کسی محدث نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ سیدہ عائشہ اور ان کے ساتھیوں نے خلافت کے معاملہ میں سیدنا علیؓ سے کوئی جھگڑا یا تنازعہ کیا ہو، اور نہ ہی انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں سے کسی کو خلافت کی مسند پر بٹھایا جائے ان کا تمام تر جھگڑا سیدنا علیؓ سے صرف یہ تھا کہ وہ قصاص عثمانؓ کے بارہ میں آڑے آ رہے ہیں اور خود بھی قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لے رہے ہیں۔"

(فتح الباری جلد ۶ ص ۵۴۸)

اور یہ حضرات قصاص عثمانؓ کے مطالبہ میں اکیلے ہی نہیں تھے بلکہ علامہ ابن کثیر کے مطابق:

فاجتمع فیها خلق من سادات الصحابة و امهات المومنین

"پس مکہ میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ اس مطالبہ کے لیے جمع ہو گئیں۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۰)

مختصر یہ کہ ان حضرات نے سیدنا علیؓ کی خلافت کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ ان سے سیدنا عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کا مطالبہ کیا تھا۔ ان حضرات کا یہ اقدام امت مسلمہ پر ایک عظیم احسان تھا اور اس مطالبہ سے ان کے پیش نظر بہت سے مقاصد تھے لیکن مورخین نے سبائی پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اس بدسلوکی سے اس مطالبہ کو پیش کیا ہے کہ وہ مقاصد حسنہ نہ صرف عوام سے بلکہ بعض خواص کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہو گئے ہیں۔ ان حضرات کے پیش نظر اس مطالبہ سے حسب ذیل مقاصد تھے:

یہ حضرات خود تو قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہیں لے سکتے تھے کیونکہ ان کے ہاتھ میں اقتدار نہیں تھا۔ یہ صرف مطالبہ ہی کر سکتے تھے، جو انہوں نے کیا۔ اس سے ان کا مقصد خلافت اسلامیہ کے وقار اور عظمت کو برقرار رکھنا تھا کیونکہ سیدنا عثمانؓ کی اس شہادت سے خلافت کو سخت دھکا لگا تھا اور خلافت کی تقدیس بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ وہ اس طرح کہ چند شورش پسندوں اور مفسدوں نے جمہور امت کی مرضی کے خلاف خلیفہ رسول سیدنا عثمانؓ کو شہر رسول میں تمام اختیارات کے ہوتے ہوئے مظلومانہ شہید کر دیا اور اس کے بعد مرکز پر قابض ہونے کی کوشش کی اور حکومت پر چھا جانے کی سعی کی جو کہ خلافت کی انتہائی توہین اور تذلیل تھی۔

اس تحریک کے پیچھے مسلم نما یہودی ابن سباء کا ہاتھ تھا۔ اس کے غلط پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر بعض دیہاتی گنوار اور کچھ پست فطرت لوگ بھی شامل ہو گئے۔ ان لوگوں نے جو غیر آئینی انقلاب برپا کیا وہ ہر لحاظ سے غلط تھا اور اس پر اگر احتجاج نہ کیا جاتا اور ان کو سزا دلوانے کا اگر مطالبہ نہ کیا جاتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ تمام امت خلافت اسلامیہ کی اس توہین اور تذلیل پر رضا مند ہے اور ملت اسلامیہ غیرت ملی کے تقاضے سے یک قلم محروم ہو چکی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ مستقبل میں بے دین، ناہنجار اور گنوار لوگوں کو مرکز اسلامی کے خلاف غیر آئینی انقلاب برپا کرنے کی کھلی چھٹی اور سند جواز مل جاتی۔ لیکن اصحاب جمل نے خلیفہ اسلام سے خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر کے قیامت تک کے لیے مٹھی بھر لوگوں کے غیر آئینی انقلاب برپا کرنے پر قدغن لگا دی اور اس طرح کے

Marfat.com

انقلاب کو غیر آئینی اور غیر اسلامی قرار دے دیا اور واضح کر دیا کہ خلافت اسلامیہ کا منصب نہایت مقدس ہے اور ایک مسلمان جان تو دے سکتا ہے لیکن مقدس منصب کی توہین و تذلیل برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا لشکر جب بصرہ جا رہا تھا تو راستہ میں ایک شخص ملیح بن عوف اسلمی نے سیدنا زبیر بن العوامؓ سے ملاقات کی اور اس لشکر کا مقصد اور سبب دریافت کیا۔ سیدنا زبیرؓ نے فرمایا کہ:

"سیدنا عثمانؓ امیر المومنین کو ظلماً شہید کر دیا گیا۔ ملیح بن عوف اسلمی نے پوچھا، کس نے شہید کیا؟ جواب میں سیدنا زبیرؓ نے فرمایا کہ مختلف شہروں کے شورش پسندوں اور بعض قبائلی اجانب نے جن کی مدد بعض گنواروں اور غلاموں نے کی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ سیدنا زبیرؓ نے فرمایا کہ ہم عوام الناس کو ان شورش پسندوں اور مفسدین کے خلاف کھڑا کرنا چاہتے ہیں تا کہ اس خون کا انتقام لیا جائے کیونکہ اسے یونہی چھوڑنے میں ہمارے نزدیک سلطان اللہ کی ہمیشہ توہین ہوا کرے گی۔ (فان فی ابطالہ توھینا سلطان اللہ بیننا ابداً) لہذا اگر یہ لوگ اس قسم کی اس حرکت سے منع نہ کئے گئے تو ہمارا ہر امام اسی طرح قتل کر دیا جائے گا۔" (طبری جلد ۳ ص)

اس روایت سے ان حضرات کا مقصد واضح ہو جاتا ہے اور یہ مقصد کوئی غیر اہم اور معمولی نہیں تھا بلکہ نہایت اہم مقصد تھا جس کے لیے تمام امت ان کی قیامت تک کے لیے ممنون ہے۔ اور اگر یہی لوگ اس وقت قصاص کی آواز بلند نہ کرتے تو خلافت اسلامیہ قیامت تک کے لیے بازیچہ اطفال بن کر رہ جاتی اور جب بھی چند مفسد چاہتے خلیفہ وقت کو شہید کر کے اسلامی ریاست اور اسلامی سیاست پر قابض ہو جاتے۔

اس سلسلہ میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا خطاب بھی قابل غور ہے اور ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے، جو انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کی خبر سن کر مکہ معظمہ سے واپس آنے کے بعد فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا:

"ان مفسدین اور شورش پسندوں کو جب سیدنا عثمانؓ کے خلاف کوئی حجت اور عذر نہ ملا انہوں تو نے جھنجھلا کر ظلم و ستم اور قول کی بجائے فعل پر اتر آئے۔

Marfat.com

چنانچہ انہوں نے حرام خون بہایا، بلد حرام کے احترام کو بالائے طاق رکھا، مال حرام کو حلال سمجھا اور شہر حرام کی عظمت کو پامال کیا۔ بخدا عثمانؓ کی ایک انگلی ان جیسے زمین بھر افراد سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کے خلاف تمہارے جمع ہونے کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے ان لوگوں کا برا انجام دیکھ کی عبرت حاصل کریں اور ان کے بعد والے منتشر ہو جائیں۔ (فنجاة من اجتماعكم عليهم حتى ينكل بهم غيرهم و يشر دمن بعد هم) (طبری جلد ۳ ص)

سیدہؓ کے اس بیان سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی لشکر کشی اور مجتمع ہو کر خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کا یہ مقصد تھا کہ سبائی مفسدوں کو پیسکر قیامت تک آنے والے مفسدین کے لیے سرمہ عبرت و بصیرت بنا دیا جائے، اور ان کی طاقت کو پراگندہ کر کے ان کی اس ناپاک تحریک کا استیصال کر دیا جائے۔

سیدہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کے احتجاج کا دوسرا مقصد آئین اسلامی اور شریعت اسلامیہ کا تحفظ تھا، وہ اس طرح کہ دستور اسلامی میں خلیفہ اسلام ارباب حل وعقد کے مشورے اور ان کی کثرت رائے سے بنتا ہے۔ اور اگر اسے معزول کرنا ہوا ور حکومت میں انقلاب برپا کرنا ہو تو دستور اسلامی میں اس کو معزول کرنے کا حق بھی ارباب حل و عقد کی اکثریت ہی کو ہے۔ دستور اسلامی میں کسی ایسی جماعت کو جو مسلمانوں کے نمائندگان پر مشتمل نہ ہو اور تعداد کے لحاظ سے بھی اقل قلیل ہو، کوئی اختیار نہیں کہ وہ خلیفہ کو معزول یا قتل کر دے۔ اور نہ صرف دستور اسلامی میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ دنیا کے کسی دستور میں بھی اس کی اجازت نہیں۔ اگر ان مفسدین اور شورش پسندوں کو جنہوں نے غیر اسلامی اور غیر آئینی طریقہ انقلاب اختیار کیا تھا کوئی سزا نہ دی جاتی اور ان کے اس ناجائز فعل کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً واضح نہ کیا جاتا تو اسلام کے دستور میں ایک نئی دفعہ کا اضافہ ہو جاتا۔ وہ یہ کہ انقلاب حکومت کا یہ مذموم اور غلط طریقہ بھی آئینی اور دستوری قرار پاتا اور یہ شی دستور اسلام اور شریعت اسلامیہ میں ایک تحریف ہوتی۔ اس غیر دستوری اور غیر آئینی طریق انقلاب پر صحابہ کرامؓ کی جماعت کا سکوت اور خاموشی اس کے جواز کی دلیل اور حجت بن جاتی اور قیامت تک آنے والے لوگ اس بات کو آئین اسلام کی ایک شق سمجھنا شروع کر دیتے اور پھر ہر خلیفہ کو معزول کرنے کے لیے آئینی

Marfat.com

طریقہ اختیار کرنے کی بجائے یہ غیر آئینی طریقہ ہی اختیار کیا جاتا اور کوئی انہیں روکنے والا نہ ہوتا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اقدام جو سیدہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں نے اختیار کیا تھا یہ اقدام سیدنا علیؓ کو اختیار کرنا چاہیے تھا۔ جواب یہ ہے کہ سیدنا علیؓ ان شورش پسندوں کو سزا دینے سے معذوری ظاہر فرما چکے تھے اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ باغیوں کی قوت زیادہ ہے اور اس وجہ سے اس وقت ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا جا سکتا۔ جب ان کی قوت کم ہو گی اور اسلامی حکومت میں مضبوطی پیدا ہو گی اس وقت ان لوگوں سے انتقام ممکن ہے۔ (ایام العرب ص ۳۲۲) لیکن یہ حضرات چشم بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ باغیوں کی قوت میں کمی کی بجائے روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر انہیں مہلت دی گئی تو پھر ان پر قابو پانا دشوار ہو جائے گا، لہٰذا ان کے اس اقدام میں عجلت بالکل صحیح بلکہ فرض علی الکفایہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان شورش پسندوں نے سیدنا عثمانؓ کو یہودی سازش کے تحت شہید تو کر دیا لیکن شہادت کے بعد انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر ہم انتخاب خلیفہ کے بغیر شہروں کو واپس چلے گئے اور لوگ امر خلافت میں اصرار کریں گے تو ہم پھر محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۷) لہٰذا ان مفسدوں اور شورش پسندوں نے سیدنا علیؓ کی خدمت میں پہنچ کر اتنا اصرار کیا کہ انہوں نے عہدہ خلافت قبول فرما لیا۔ ان حضرات کو سیدنا علیؓ سے کوئی خاص محبت نہ تھی، انہوں نے عہدہ خلافت کی قبولیت کے لیے سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ کی خدمت میں بھی درخواست کی لیکن انہوں نے حالات کے تقاضے کے تحت اس عہدہ کو قبول نہ کیا۔ ان باغیوں کو ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو اپنی عظمت اور مسلمانوں میں مقبولیت کی وجہ سے خلافت کے لیے موزوں ہو سکے۔

خلیفہ کے انتخاب سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اس کے زیر سایہ مسلمانوں کے غیظ و غضب سے محفوظ ہو سکیں، لہٰذا اگر ان کے خلاف اقدام میں ذرہ برابر بھی سستی کی جاتی تو ان کی شمولیت سے حکومت تو مستحکم نہ ہوتی البتہ ان لوگوں کی اپنی پوزیشن مضبوط ہو جاتی اور پھر ان کے خلاف بھی اقدام نہ کیا جا سکتا بلکہ لوگ یہ سمجھنے لگتے کہ

Marfat.com

انقلاب حکومت کا جو طریقہ ان لوگوں نے اختیار کیا ہے وہ صحیح ہے اور آئندہ نسلوں کے لیے صحابہ کرامؓ کا یہ سکوت اس طریقہ کے جواز کے لیے حجت ہو جاتا ہو اور قیامت تک کے لیے شریعت اسلامیہ اور دستور اسلامی میں تحریف ہو جاتی (چنانچہ طبری کے بیان کے مطابق جب سیدہ عائشہؓ حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ جانے کے لیے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لا چکی تھیں اور راستہ میں ان کے ایک نھیالی رشتہ دار نے انہیں اطلاع دی کہ:

"سیدنا عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں اور لوگ سیدنا علیؓ کی خلافت پر مجتمع ہو گئے ہیں۔ لیکن مدینہ پر تسلط شورش پسندوں کا ہے۔"

"یہ سن کر عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھے امید نہیں کہ خلافت کا یہ کام پورا ہو سکے لہذا تم لوگ مجھے واپس مکہ مکرمہ لے چلو۔

سیدہ عائشہؓ واپس مکہ تشریف لائیں۔ ان کی خدمت اقدس میں سیدنا عبداللہ بن عامرؓ الحضرمی جو سیدنا عثمانؓ کی طرف سے امیر مکہ مقرر ہوئے تھے، حاضر ہوئے اور ام المومنینؓ سے راستہ سے واپس تشریف لانے کا سبب پوچھا۔ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا:

رد نی ان عثمانؓ قتل مظلوماً، و ان الامر لا یستقیم و بهذا الغوغاء امر فاطلبوا بدم عثمانؓ تعزوا الاسلام

"میں اس وجہ سے واپس آ گئی ہوں کہ عثمانؓ ظلماً شہید کر دیئے گئے ہیں اور یہ امر (یعنی تبدیلی حکومت) مستقیم یعنی صحیح طریقہ سے نہیں ہوا ہے اور باغیوں اور شورش پسندوں کا مدینہ میں غلبہ ہے، لہذا تم لوگ عثمانؓ کا قصاص طلب کر کے اسلام کو عزت دو (یعنی آئین اسلام کو تحریف سے بچا کر اسے عزت دو)۔"
(طبری جلد ۳ ص)

سیدہ عائشہؓ نے صاف لفظوں میں سیدنا عثمانؓ کے خون کے قصاص کے مطالبہ کی وجہ بیان فرما دی اور وہ یہ کہ تبدیلی حکومت کا معاملہ صحیح طریقہ سے وجود میں نہیں آیا۔ دوسرا آپ کا یہ ارشاد کہ "تعزوا الاسلام" (اسلام کو عزت دو) اس کے معنی یہ ہیں کہ شہید خلیفہ کی شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو لیکن اسلام کی عزت کسی امتی کی شخصیت کے ساتھ وابستہ اور مربوط نہیں ہے۔ لہذا اسلام پر جس شی کا اثر پڑا وہ باغیوں اور شورش پسندوں کا خلاف

Marfat.com

شریعت طریق انقلاب تھا جس سے اسلام کی توہین اور شریعت اسلامیہ اور آئین اسلامی کی توہین ہو رہی تھی۔ لہذا سیدہؓ نے خود بھی یہ مطالبہ کیا اور اپنے ساتھیوں سے بھی کروایا۔

اس مطالبہ قصاص عثمانؓ سے سیدہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کا تیسرا مقصد سیدنا علیؓ کی امداد اور خلافت پر ان کی گرفت مضبوط بنانا تھا۔ وہ اس طرح کہ سیدنا علیؓ پر سبائیوں کی گرفت روز بروز مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے سیدنا علیؓ سے ملاقات کر کے، ان سے کہا کہ:

"ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے۔ اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجئے جو سیدنا عثمانؓ کے قتل میں شریک ہیں۔" حضرت علیؓ نے جواب دیا "بھائیو جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی ناواقف نہیں ہوں۔ میں ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ کیا آپ حضرات اس کام کی گنجائش کہیں دیکھ رہے ہیں جسے آپ کرنا چاہتے ہیں" سب نے کہا "نہیں"۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا "خدا کی قسم میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تاکہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں، خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق وصول کرنا ممکن ہو جائے۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۲۷۔۱۲۸)

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ شورش پسند اس قدر طاقت ور اور مضبوط تھے کہ سیدنا علیؓ کے لیے انہیں کیفر کردار تک پہنچانا غیر ممکن تھا۔ اس شورش پسند عنصر کی وجہ سے سیدنا علیؓ کے لیے مقاصد خلافت کا حصول مشکل تھا۔ چنانچہ ان باغیوں کی اس قوت کو توڑنا بھی سیدہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کا ایک اہم مقصد تھا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا کہ سیدہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کا اس لشکر کشی سے مقصد خلافت علیؓ کے جواز کو چیلنج کرنا تھا۔ بالکل غلط ہے اور تاریخ اسلام سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ ان لوگوں کا یہ مقصد ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ اگر ان کا یہ مقصد ہوتا تو وہ کسی کو خلافت کے لیے امیدوار نامزد کرتے اور پھر اس کی زور شور سے کنویسنگ کرتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ نے تو ایک روایت کے مطابق سیدنا علیؓ کی بیعت بھی کی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب سیدنا طلحہؓ سے یہ پوچھا گیا کہ آپ نے

Marfat.com

سیدنا علیؓ کی بیعت نہیں کی؟ تو آپ نے فرمایا کہ:

"ہاں میں نے بیعت کی تھی مگر اس حالت میں کہ تلوار میری گردن پر تھی، لیکن اس کے باوجود میں علیؓ کی بیعت نہیں توڑوں گا جب تک وہ ہمارے اور قاتلان عثمانؓ کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔" (طبری جلد ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا طلحہؓ وغیرہ نے سیدنا علیؓ سے بیعت کی ہوئی تھی خواہ بالجبر ہی کی تھی اور وہ بیعت توڑنے پر راضی بھی نہ تھے۔ اختلاف صرف قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کا تھا۔ ہماری اس بات کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جس کو طبری ہی نے نقل کیا ہے کہ جب سیدنا عثمانؓ قصر خلافت میں محصور تھے اور مدینہ طیبہ پر باغیوں کا غلبہ تھا۔ حالات کے تیور اور واقعات کے نشیب و فراز دیکھ کر سیدنا احنف بن قیسؓ کو یقین ہوگیا کہ سیدنا عثمانؓ کو ضرور شہید کر دیا جائے گا۔ اس واقعہ کو بیان فرما کر سیدنا احنفؓ فرماتے ہیں:

"میں نے سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیرؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ میری رائے میں سیدنا عثمانؓ ضرور شہید کر دیئے جائیں گے۔ پس آپ حضرات مجھے کس کی بیعت کرنے کی رائے دیتے ہیں اور کس کی حکومت کو میرے لیے پسند فرماتے ہیں؟ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ علیؓ کی۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ علیؓ سے بیعت کرنا میرے لیے پسند فرماتے ہیں؟ ان دونوں افراد نے فرمایا کہ ہاں۔ سیدنا احنفؓ فرماتے ہیں پھر میں مکہ مکرمہ چلا گیا۔ وہاں سیدہ عائشہؓ ام المومنینؓ تشریف فرما تھیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو مجھے اطلاع ملی کہ سیدنا عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ میں نے سیدہ عائشہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا کیا حکم ہے کہ کس سے بیعت کروں؟ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ علیؓ سے، میں نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اس کا حکم دیتی ہیں اور میرے لیے اسے پسند فرماتی ہیں۔ سیدہؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ چنانچہ میں سیدنا علیؓ کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور ان سے بیعت کی۔"

(طبری جلد ۳ ص)

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں سیدنا

Marfat.com

زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ کو سیدنا علیؓ سے نہ کوئی پرخاش تھی اور نہ ہی کوئی مخالفت۔ وہ انہیں جائز خلیفہ سمجھتے تھے۔ بلکہ دونوں حضرات نے ان کی بیعت بھی کی ہوئی تھی اور وہ دوسروں کو ان سے بیعت کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اختلاف اگر تھا تو صرف خون عثمانؓ کے قصاص میں تھا۔

صاحب خلافت وملوکیت نے جو عبارت نقل کی ہے وہ دراصل طبری کے حوالے سے ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ بھی اصحاب جمل کی طرح سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے کو جائز اور ضروری سمجھتے تھے، اور ان کا اپنا بھی خیال تھا کہ سیدنا عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا گیا ہے، لہذا ان کے قاتل کیفر کردار کو پہنچنے چاہئیں۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ تھا کہ سیدنا علیؓ کے نزدیک تاخیر قصاص میں مصلحت تھی اور سیدہ عائشہؓ کے نزدیک تعجیل قصاص میں۔ اصحاب جمل تعجیل قصاص اس لیے چاہتے تھے کہ قاتلان عثمانؓ کے پیچھے جو یہودی ذہن کام کر رہا تھا اس کا پلان یہ تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ جرم کی شہادت کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ ویسے بھی مرور ایام سے جرم کی شہادت اور اس کا ثبوت روز بروز دھندلا ہو کر ایک روز بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "دیر سے ملنے والا انصاف، انصاف نہ ملنے کے برابر ہوتا ہے۔" اور دوسری بات یہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ اہم اور کلیدی مناصب پر قابض ہو کر اپنی قوت کو دن بدن بڑھایا جائے یہاں تک کہ کسی کو ان سے قصاص لینے کی جرات وہمت نہ ہو۔ اور اگر کم ہمتی کی وجہ سے ان لوگوں سے قصاص نہ لیا گیا تو یہ شی مستقبل میں باغیوں کے اس غیر آئینی طریق انقلاب کی عملی تصویب سمجھی جائے گی۔ اس وجہ سے جہاں تک ہم سمجھتے ہیں اصحاب جمل کا خیال بالکل صحیح تھا اور حالات کے زیر و بم نے بھی ثابت کر دیا کہ جن وجوہات کی بنا پر یہ حضرات تعجیل قصاص کے خواہاں تھے وہ درست تھیں، چنانچہ کچھ مدت کے بعد سبائی مکر وفریب سے کام لے کر اور اپنی خباثتوں پر تقیہ کی چادر اوڑھ کر حکومت کے بہت سے اہم اور کلیدی عہدوں پر فائز ہو گئے، اور پر نہ صرف انہوں نے اپنے آپ کو قصاص سے بچا لیا بلکہ قوت حاصل کر کے انہوں نے اپنے افکار فاسدہ اور عقائد باطلہ کی اشاعت اور تشہیر کی اور ناواقف اور سادہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو گمراہ کرنے اور اپنی سراپا فساد تحریک میں شریک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

Marfat.com

جنگ جمل کے اثرات

اس جنگ میں اگرچہ ۱۰ ہزار افراد کام آئے، جن میں سبائیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد قتل ہوئی، لیکن سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جیسے اکابر صحابہ بھی شہید ہو گئے۔ اختتام جنگ پر سیدنا علیؓ کے بعض لشکریوں بلکہ سبائیوں نے سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے ساتھیوں کے اموال کو اپنے میں تقسیم کرنے کو کہا، لیکن سیدنا علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ سبائیوں نے اس پر طعن و تشنیع کی اور کہا کہ: ''جب ان کے خون ہمارے لیے حلال تھے تو ان کے اموال ہمارے لیے کیوں حلال نہیں؟'' آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ: ''تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ ام المومنینؓ سیدہ عائشہؓ مال غنیمت میں اس کے حصہ میں آئیں۔'' یہ سن کر سب نے چپ سادھ لی۔

اس جنگ میں اصحاب جمل کی طرف سے جو حضرات شہید ہوئے، سیدنا علیؓ نے ان کے بارہ میں کلمہ خیر کہا اور اپنے ساتھیوں کو منع فرمایا کہ وہ انہیں مومن کے سوا کسی اور نام سے یاد کریں۔ آپ نے زیادہ سے زیادہ انہیں ''باغی'' کے لفظ سے یاد فرمایا:
(تفصیل کے ملاحظہ ہو السنن الکبری بیہقی جلد ۸ ص ۱۷۳، تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۳۲۴' ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲۹، المنتقی ذہبی ص ۳۳۵)

سیدنا علیؓ کو توقع نہیں تھی کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا اور مطالبہ قصاص میں اس قدر جانیں تلف ہوں گی۔ چنانچہ جمل کی اس خونریزی سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ بڑی حسرت سے اپنے صاحبزادے سیدنا حسنؓ سے فرمایا:

''بیٹا کاش تمہارا باپ بیس سال قبل اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہوتا۔''

''ابا جان کیا میں نے آپ کو اس سے روکا نہیں تھا؟''

آپ نے فرمایا:

''بیٹا مجھے توقع نہیں تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا۔''

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۵۱)

اس جنگ کے نتائج میں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ سب سے زیادہ واضح چیز یہ تھی کہ آئین اسلام کا وہ حصہ تحریف سے بچ گیا جس کا تعلق کسی خلیفہ کو خلافت سے

Marfat.com

ہٹانے سے تھا۔ سبائیوں کا نفاق اور تقیہ طشت ازبام ہوگیا اور امت مسلمہ ان کی ریشہ دوانیوں سے کافی حد تک محفوظ ہوگئی اور اسلام کو مٹانے کا جو خاکہ یہودی ذہن نے تیار کیا تھا وہ خاک میں مل گیا۔ اگرچہ اب بھی کافی حد تک مجوسیت اور یہودیت کے عقائد باطلہ کے چند اجزاء وہ ایک خاص فرقہ کے عقائد میں ملانے میں کامیاب ہوگئے۔

اس جنگ میں سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ شہید ہوئے۔ یہ دونوں عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے۔ سیدنا زبیرؓ حواری رسول بھی تھے۔ سیدنا علیؓ کو ان کی شہادت سے بہت صدمہ ہوا۔ اسی طرح سیدنا طلحہ بن عبیداللہ کی شہادت بھی سیدنا علی کے لیے بہت گراں اور صدمہ کا باعث ہوئی۔ روایات میں ہے کہ سیدنا طلحہؓ کی لاش کو دیکھ کر سیدنا علیؓ گھوڑے سے اترے اور نہایت غمگینی اور پریشانی کی حالت میں ان کے چہرے اور ریش مبارک سے گرد وغبار کو صاف کیا اور فرمایا:

"کاش اس سے 20 سال قبل میں فوت ہوگیا ہوتا۔"

(جمع الفوائد جلد 2 ص 370)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا علیؓ ان دونوں کی لاشوں کو دیکھ کر بہت روئے۔ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد 15 ص 261)

سیدنا طلحہؓ کے صاحبزادے محمد بن طلحہؓ بھی اسی روز شہید ہوئے۔ سیدنا علیؓ نے ان کے بارہ میں بھی غم والم کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا:

"یہ بہت عبادت گزار تھا۔ رب کعبہ کی قسم! یہ وہ شخص ہے جو اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے قتل ہوا۔ یہ بہت صالح نوجوان تھا۔"

(نسب قریش' زبیری ص 281)

سیدنا عتاب بن اسید کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بھی جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ ان کے والد مکہ کے گورنر رہے تھے اور ان کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ ان کی لاش کو دیکھ کر سیدنا علیؓ نے نہایت تاسف سے فرمایا:

"یہ قریش کے یعسوب تھے۔ ان کے قتل سے مجھے بڑا قلق اور شرمندگی ہوئی ہے۔"

(نسب قریش' مصعب زبیری ص 193)

============

Marfat.com

معرکہ صفین

پس منظر:

سیدنا علیؓ کی بیعت کے بعد اکابر صحابہؓ کی نگاہیں اس بات پر تھیں کہ آپ کب قاتلان عثمانؓ کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں اور جن لوگوں نے دن دہاڑے مدینہ طیبہ میں امیرالمومنین سیدنا عثمانؓ کو انتہائی مظلومانہ حالت میں شہید کیا ہے ان کو کب اپنے کیے کا بدلہ دیتے ہیں۔ لیکن لوگوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ قاتلان عثمانؓ نہ صرف آپ کے حاشیہ نشین ہیں بلکہ ان کو کاروبار حکومت کی ہر اہم اور کلیدی آسامی پر متعین فرما رہے ہیں۔ کچھ صحابہ کرامؓ نے ذاتی طور پر سیدنا علیؓ سے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا، لیکن بارگاہ مرتضوی میں شنوائی نہ ہوئی (محاضرات الخضری جلد ۳ ص ۴۰۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۰) نتیجہ اس کا ایک خونریز جنگ پر منتج ہوا۔

جنگ جمل کی خونریز جنگ کے معاملہ نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی سیدہ عائشہؓ، سیدنا علیؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ کو اس بات کی ذرہ برابر توقع نہ تھی کہ دشمنان اسلام معاملہ کو اس حد تک پہنچا دیں گے (بعض صحابہؓ اور خصوصی طور پر سیدنا حسن بن علی کو حالات کے اس نقطہ پر پہنچ جانے کا علم تھا اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا علیؓ کو ان اقدامات سے روکا جو انہوں نے سیدہ عائشہؓ اور سیدنا معاویہؓ کے خلاف کیے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۰) عثمان بن حنیفؓ اور قعقاع بن عمروؓ کی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، جنگ جمل میں

Marfat.com

شہید ہو گئے۔ کچھ صحابہ کرامؓ نے حالات کے اس طرح کروٹ بدلنے سے سیدنا علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اموی سادات بصرہ اور مدینہ میں اپنا مستقبل اچھا اور خوشگوار نہ سمجھتے ہوئے سیدنا معاویہؓ کے پاس شام بھاگ گئے۔ ادھر سیدنا علیؓ کی انتظامیہ پر سبائیوں کا پورا پورا قبضہ تھا اور اب وہ کسی قیمت پر سیدنا علیؓ کو کسی صلح کی کوشش جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ اس میں ان کے لیے سراسر نقصان تھا۔

اسی اثناء میں سیدنا علیؓ نے اپنی قوت فکر اور سبائیوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مرکز خلافت بنایا جائے کیونکہ وہاں ان کو اپنے لیے فضا ساز گار معلوم ہوئی۔ چنانچہ ۱۲ رجب ۳۶ھ کو آپ کوفہ تشریف لائے اور سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کی وہ بات بالکل درست ثابت ہوئی کہ:

لاتخرج منها، فوالله لئن خرجت منها لايعود اليها سلطان المسلمين ابداً

"اے علیؓ مدینہ سے باہر مت نکلو بخدا! اگر ایک دفعہ آپ مدینہ سے نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی خلافت مدینہ میں کبھی بھی واپس نہیں لوٹے گی۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۳' طبری جلد ۳ ص)

عراق میں آپ کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ ابن سباء کی تحریک کا مرکز عراق اور مصر دو ہی تو صوبے تھے، اور انہی دو صوبوں سے ساری مملکت میں انتشار پھیلا تھا جو سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔ تاریخ کا طالب علم یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ دارالخلافت کی اس تبدیلی سے آپ کو مستقبل میں بہت مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک تو آپ مدینہ طیبہ کے بابرکت اور مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور ہو گئے دوسرے آپ بالکل سبائیوں کے نرغے میں پھنس گئے اور آپ کی پوری سیاست اور انتظامیہ مالک الاشتر، کنانہ بن البشر، محمد ابن ابی بکر اور دیگر سبائی سرغنوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے ساری زندگی آپ کو مشکلات سے دوچار رکھا اور خلافت اسلامیہ کو پانچ چھے سال تک ابتلائے عظیم میں مبتلا رکھا۔

ملکی انتظامیہ میں تبدیلی

دوسری بات جس نے اسلامی تاریخ کا دھارا تشتت و افتراق کی طرف موڑ دیا وہ

Marfat.com

ملکی انتظامیہ میں فی الفور تبدیلی تھی۔ سیدنا عثمانؓ کی طرف سے مختلف صوبوں میں جو گورنر متعین تھے سیدنا علیؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی، جہاں اپنے دارالخلافت میں تبدیلی کی وہاں گورنروں میں بھی اہم تبدیلیاں کیں اور خلافت عثمانی کے قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ کچھ اپنے خاندان میں سے اور کچھ سبائیوں میں سے گورنر متعین فرمائے۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل حضرات کو مختلف صوبوں میں گورنر مقرر فرمایا۔

۱۔ عبداللہ بن عباسؓ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس کا گورنر بصرہ ہونا لکھا ہے۔ منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۷۴)

۲۔ سمرۃ بن جندبؓ (بصرہ)

۳۔ عمارہ بن شہاب (کوفہ)

۴۔ قیس بن سعد بن عبادہؓ، محمد ابن ابی بکر (مصر)

۵۔ سھل ابن حنیفؓ (شام)

۶۔ قثم بن عباسؓ، معبد بن عباس (مکہ اور طائف)

۷۔ عبیداللہ بن عباسؓ (ایک روایت کے مطابق (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۳) (یمن)

۸۔ ثمامہ بن عباسؓ (مدینہ طیبہ)

۹۔ زیاد بن ابی سفیانؓ (فارس)

۱۰۔ اشعث بن قیسؓ (یہ خلافت عثمانی ہی سے یہاں تھے (آذربائیجان)

۱۱۔ یزید بن قیسؓ (مدائن)

مالک الاشتر (سبائی سرغنہ) موصل، نصیبین، دارالجبرد، سنجار، آمد، میافارقین اور شام کے بعض مقبوضات پر۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ و النہایہ جلد ۷ ص ۲۲۷، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۳، طبری جلد ۳ ص' اخبار الطوال، ۱۵۳ — ۱۵۴، منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۷۳، المنتقی ص ۳۸۲، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۸۴، ۱۸۶، الاصابہ جلد ۲ ص ۴۳، جلد ۱ ص ۲۳۸ ص ۲۵۸، جلد ۳ ص ۴۵۷، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۹، جلد ۳ ص ۲۰۵ وغیرہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی سیدنا علیؓ کے بارہ میں اپنے اقارب کو گورنر بنانے کے بارہ میں لکھا ہے سیدنا فرماتے ہیں:

Marfat.com

ومعلوم ان علیاً ولی اقاربه من قبل ابیه و امه کعبداللّٰه و عبیداللّٰه ابنی عباس ، فولی عبیداللّٰه ابن عباس علی یمن و ولی علی مکة و الطائف قثم بن عباس و اما المدینة فقیل انه ولی علیها سهل بن حنیف و قیل ثمامة بن العباس و اما البصره فولی علیها عبداللّٰه بن عباس ولی علی مصر ربیبه محمد ابن ابی بکر الذی رباه فی حجره

"اور یہ مسلم ہے کہ سیدنا علیؓ نے باپ اور ماں کی طرف سے اپنے عزیز و اقارب کو گورنر مقرر فرمایا جیسے عبداللہ بن عباسؓ اور عبید اللہ بن عباسؓ کو۔ پس آپ نے عبیداللہ بن عباسؓ کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ کو والی بنایا، لیکن مدینہ پر ایک روایت کے مطابق سہل بن حنیفؓ کو اور ایک روایت کے مطابق ثمامہ بن عباسؓ کو گورنر مقرر فرمایا ، اور بصرہ پر عبداللہ بن عباسؓ کو والی بنایا اور مصر کی گورنری اپنے ربیب محمد ابن ابی بکر جس کو آپ نے گودوں پالا تھا، کے سپرد فرمائی۔" (منہاج السنۃ جلد۳ ص۷۲)

ممکن ہے کہ آپ کی قوت فکر نے یہ محسوس کیا ہو کہ حسب دستور آپ اپنی کابینہ کا انتخاب فرما کو جلد حالات پر قابو پالیں گے ، کیونکہ جب تک ملک کی انتظامیہ پر آپ کے اپنے آدمی نہیں ہوں گے اس وقت تک آپ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن حالات کے دھارے نے بتا دیا کہ جس شی کو آپ اپنی دلیل سمجھتے تھے وہی شی آپ کی ناکامی کا سبب بنی۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ خلافت عثمانی کے گورنروں کو آپ بے شک معزول فرماتے ، لیکن کسی وجہ سے اور کوئی چارج شیٹ کر کے نہ کہ بلاعذر اور بلاوجہ۔ اور اگر بغیر وجہ ہی کے معزول فرمانا تھا تو کم از کم واقعات و حالات کے تیور اور نشیب و فراز کو دیکھ کر معزول فرماتے ۔ چند روز قبل امیرالمومنین سیدنا عثمانؓ کو دن دہاڑے شہید کر دیا گیا۔ مفسدین اور شورش پسندوں میں آپ کا ربیب محمد ابن ابی بکر بھی تھا اور آپ کا مشیر مالک الاشتر بھی اور دوسرے کئی ایک باغی بھی جواب آپ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے اور ہر کام میں آپ کے شریک کار اور مشیر تھے، جس سے خواہ مخواہ ذہن اس طرف جاتا تھا

Marfat.com

کہ شاید آپ کا بھی شہادت عثمانؓ میں ہاتھ ہے۔ اس کے ساتھ آپ کا مسند خلافت پر متمکن ہونے کے چند روز بعد خلافت عثمانی کے گورنروں کو یک قلم معزول کر دینا اور مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر جیسے سبائی سرغنہ کو گورنر مقرر فرمانا ان باتوں نے لوگوں کے ذہنوں میں بہت سے شکوک وشبہات کو جنم دیا اور پھر باوجود صحابہ کرامؓ کے مطالبہ اور اصرار کے آپ کا قصاص عثمانؓ کی طرف پوری توجہ نہ دینا اور اس کو موخر کرنا اس سب چیزوں نے بہت سے لوگوں کے قلوب میں آپ کے متعلق طرح طرح کے شبہات وشکوک پیدا کر دیئے اور خلافت اسلامیہ میں آپ کے متعلق لوگوں کی ہمدردیاں زیادہ پختہ نہ ہوسکیں۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ جمل میں کئی ہزار لوگوں نے سیدہ عائشہؓ کا ساتھ دیا اور بہت سے اکابر صحابہ سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔

مملکت اسلامیہ کے بارہ صوبوں میں عثمانی گورنروں کی بغیر وجہ بتائے اور ان کی جواب طلبی کیے، اتنی جلدی تبدیلی اور مقرر کردہ گورنروں میں چار جگہ اپنے ہی خاندان کے لوگوں کا تقرر، پھر آپ کی اپنی فوج میں مفسدین اور قاتلان عثمانؓ کی موجودگی، آپ کے اپنے لشکر میں انتشار کا سبب بن گئی اور لشکریوں میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ مالک الاشتر نے جو خود بھی بعض علاقوں کا گورنر رہ چکا تھا، جب دیکھا کہ سیدنا علیؓ نے اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو گورنر مقرر فرمایا ہے اور ان میں کچھ لوگ وہ ہیں جو مملکت اسلامیہ کے استحکام کا باعث ہو سکتے ہیں، تو وہ غضبناک ہو گیا اور بولا

علی ما قتلنا الشیخ اذن

''پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمانؓ) کو کیوں قتل کیا؟''

(طبری جلد ۳ ص)

سبائی کسی صورت یہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافت اسلامیہ مستحکم ہو۔ وہ مملکت اسلامیہ اور اسلام میں ایک ایسا فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے جس سے ایک تو (معاذ اللہ) مسلمانوں کو ذلت منہ دیکھنا پڑے اور دوسرے ان کی آتش انتقام کی تسکین ہو۔

آپ نے جن گورنروں کو گورنری کا چارج لینے کے لیے باہر بھیجا ان کی وہاں کوئی پذیرائی نہ ہوئی اور وہاں کے لوگوں اور عثمانی گورنروں نے ان کو شہر میں داخل ہی نہ

ہونے دیا۔ چنانچہ سہلؓ بن حنیف جن کو سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کی جگہ شام کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، شام جاتے ہوئے جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو آپ کو سیدنا معاویہؓ کے چند گھوڑ سوار ملے۔ انہوں نے پوچھا: ''تم کون ہو'' سہل بن حنیفؓ نے جواب دیا: ''میں امیر ہوں۔'' پوچھا: ''کس شے پر امیر ہو؟'' کہا: ''صوبہ شام کا امیر ہوں۔''

ان گھوڑ سواروں نے کہا: ''اگر آپ کو سیدنا عثمانؓ نے بھیجا ہے تو اھلاً وسھلاً و مرحباً اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو پھر واپس تشریف لے جایئے۔'' چنانچہ وہ سیدنا علیؓ کے پاس واپس تشریف لے آئے اور ان کو شام کے تمام حالات سے مطلع کر دیا۔

اسی طرح آپ کے مقرر کردہ گورنر قیس بن سعدؓ جو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی جگہ مصر تشریف لے گئے، ان کے جانے پر بھی وہاں اختلاف واقع ہو گیا، حالانکہ وہاں پہلے ہی محمد بن ابی خذیفہؓ جو کہ سیدنا علیؓ کے خاص آدمی تھے، حالات کو قابو میں کیے ہوئے تھے، لیکن پھر بھی اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی اور ایک گروہ کہنے لگا:

لانبایع حتی نقتل قتلة عثمانؓ

''ہم اس وقت تک بیعت نہ کریں گے جب تک کہ قاتلان عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہ کر لیں۔''

لیکن اکثریت نے بیعت کر لی (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) یہی حال بصرہ اور کوفہ کے گورنروں کا ہوا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۸' ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۳)

سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سیدنا نعمان بن بشیر صحابی رسول ﷺ امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیض اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں لے کر شام میں سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور مدینہ میں باغیوں کی بربریت اور دہشت گردی اور امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کا حال انہیں جا کر بیان کیا، اور آپ کا خون آلودہ کرتہ اور سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی دکھائیں۔ سیدنا معاویہؓ نے وہ کرتہ اور انگلیاں لوگوں کو دکھانے کے لیے منبر پر رکھ دیں۔ اس غمناک منظر نے لوگوں کو رلا دیا۔ وہ امیر المومنینؓ کی اس مظلومانہ شہادت کا تصور کر کے اور ان کی خون میں لت پت قمیض کو دیکھ کر زار و قطار روتے بلکہ بعض روایات کے مطابق ایک سال تک روتے رہے۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ بلکہ خود مدینہ طیبہ سے

Marfat.com

قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ کی تحریک شروع ہوئی اور اکابر صحابہ کرامؓ کے وفد نے سیدنا علیؓ سے مل کر کہا کہ "ہم نے اسلامی حدود کے نفاذ کی شرط پر آپ کی بیعت کی تھی، لیکن آپ قاتلان عثمانؓ کو پناہ دے رہے ہیں۔ اور ان کو اپنا معاون و مددگار اور شریک محفل بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اسلامی حکومت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ ہیں، لہذا شریعت اسلامی کے اقتضاء کے مطابق آپ انہیں سزا دیجئے، تو شام میں بھی سیدنا معاویہؓ، سیدنا عبادہؓ بن صامت، سیدنا ابو الدرداءؓ، سیدنا ابو امامہؓ، سیدنا عمرو بن عنبسہؓ وغیرہ اور تابعین میں سے شریک بن حیاشہ، ابومسلم الخولانیؒ اور عبدالرحمٰنؒ بن غنم وغیرہ نے لوگوں کو اس مطالبہ کی حمایت کے لیے کہا۔ لوگ تو پہلے ہی امیر المومنینؓ کی مظلومانہ شہادت پر غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے اور باہر سے بھی اس مطالبہ کی خبریں ان کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں، لہذا انہوں نے فوراً ان صحابہؓ اور اکابرین امت کی آواز پر لبیک کہا اور قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ کے لیے پورا شام اٹھ کھڑا ہوا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۷، ۲۲۸)

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کو جب سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت اور سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کی جنگ جمل میں شہادت کے بارہ میں علم ہوا تو انہوں نے اہل شام سے صورت حال اور سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے بارہ میں مشورہ کیا۔ تمام اہل شام نے یک زبان ہو کر سیدنا عثمانؓ کے خون کا قصاص طلب کرنے کی تائید کی اور انہوں نے خلیفہ ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ امیر ہونے کی حیثیت سے طلب قصاص کے لیے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (فبایعوہ علی ذالک امیراً غیر خلیفۃ) شام میں قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ نے شروع نہیں کیا تھا بلکہ بعض صحابہؓ اور رؤسائے شام نے انہیں اس مطالبہ کے لیے مجبور کیا تھا، چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب سیدنا جریر بن عبداللہؓ سیدنا علیؓ کا خط لے کر سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے جس میں انہیں بیعت کی دعوت دی گئی تھی تو سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ اور دوسرے رؤسائے شام کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔ انہوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت سے اس وقت تک انکار کیا جب تک کہ قاتلان عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ (اور اگر سیدنا علی ان سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے) تو قاتلان عثمانؓ کو ان کے حوالہ نہ کر

Marfat.com

دیا جائے۔ (فابوا ان یبایعوہ حتی یقتل قتلتہ اویسلم الیھم قتلتہ عثمان) اور اگر سیدنا علیؓ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی تسلیم نہیں کرتے تو ان کے ساتھ قتال کیا جائے اور ان کی اس وقت تک بیعت نہ کی جائے جب تک کہ وہ قاتلان عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہ کریں۔ (قاتلوہ ولم یبایعوہ حتی یقتل قتلتہ عثمان) (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۳)

سیدنا معاویہؓ کی معزولی اور اس کا ردعمل

ادھر شام میں یہ کارروائیاں ہو رہی تھیں، ادھر مدینہ منورہ میں سیدنا معاویہؓ کی معزولی کی تدبیر کی جا رہی تھی۔ وہ معاویہؓ جو سیدنا عمرؓ کے زمانہ سے شام کے گورنر چلے آ رہے تھے اور اپنی فکری، علمی اور عملی قابلیتوں کی وجہ سے وہاں سلطنت اسلامی کی دھاک بٹھائے ہوئے تھے، ان کو اب صرف اس وجہ سے اپنے عہدہ سے ہٹایا جا رہا تھا کہ ان کا سیدنا عثمانؓ اور ان کے خاندان بنو امیہ سے تعلق تھا۔ کئی صحابہ کرامؓ نے اس بارہ میں سیدنا علیؓ کی مخالفت کی اور گورنروں کو اتنی جلدی معزول کرنے سے روکا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو سیاست وتدبر میں اپنی مثال آپ تھے، سیدنا علیؓ سے عرض کیا کہ آپ معاویہؓ اور دوسرے عثمانی گورنروں کو اپنے منصب سے ہٹانے میں اتنی جلدی نہ کریں۔ جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں، اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں۔ اس سے ایک تو آپ کی بیعت سب علاقوں میں آسانی سے ہو سکے گی، دوسرے شہروں کا امن وامان بھی بحال رہے گا اور لوگ بھی پرسکون زندگی گزارتے رہیں گے، لیکن سیدنا علیؓ نے اس کی ایک نہ مانی۔ پھر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے بھی آپ کو سمجھایا کہ آپ ابھی معاویہؓ کو معزول نہ کریں، اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں تو حالات کے اتنا خراب ہونے کا امکان نہیں، لیکن اگر ان کو شام کی گورنری سے ہٹا دیا گیا جہاں وہ بیس سال سے متعین ہیں اور پورا شام ان کے زیر تصرف اور زیر اثر ہے تو سارے شام، عراق اور دوسرے صوبوں کی فضا آپ کے خلاف مکدر ہو جائے گی، لیکن سیدنا علیؓ نے ان کے مشورہ پر بھی توجہ مبذول نہ فرمائی۔

(اخبار الطوال ص ۱۴۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۸، تاریخ الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۱۶۶)

سیدنا علیؓ نے اپنی فکر کے تحت سہل ابن حنیف کو معاویہؓ کے بجائے وہاں کا

گورنر مقرر فرما کر بھیجا، لیکن سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں نے ان کو شام کی حدود میں داخل بھی نہ ہونے دیا اور مقام تبوک ہی سے انہیں واپس کر دیا۔ (طبری جلد ۳ ص، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۳) اس کے بعد سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کو کئی خطوط لکھے جن میں لکھا کہ مہاجرین و انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لیے یا تو تم میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

علامہ ابن کثیرؒ نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی معزولی سیدنا علیؓ نے قاتلین عثمانؓ کے مشورہ سے کی، چنانچہ لکھا ہے:

ولما ولی علی ابن ابی طالب الخلافة اشار علیه کثیر من امرائه ممن باشر قتل عثمان ان یعزل معاویة عن الشام و یولی علیها سهل بن حنیف فعزله

''سیدنا علیؓ جب خلیفہ ہوئے تو قاتلان عثمانؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کر دیا جائے اور ان کی جگہ سہلؓ بن حنیف کو گورنر مقرر کر دیا جائے۔ پس آپ نے انہیں معزول کر دیا۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کی اطاعت کے لیے تیار نہ تھے، اس وجہ سے انہیں معزول کیا گیا۔ ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ سیدنا معاویہؓ کی معزولی اس وجہ سے نہیں ہوئی تھی بلکہ سبائیوں کے مشورہ سے ہوئی تھی۔ نہ صرف سیدنا معاویہؓ کو معزول کیا گیا بلکہ قریباً تمام عثمانی گورنروں کو خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی سیدنا علی نے یک قلم معزول فرما دیا اور اپنے خاندان کے لوگوں کو مملکت اسلامیہ کے قریباً تمام صوبوں پر گورنر مقرر فرما دیا۔ چنانچہ یمن پر عبیداللہ بن عباسؓ، خراسان پر اپنے بھانجے اور داماد جعد بن ہبیرہ، مصر پر اپنے سوتیلے بیٹے اور ربیب محمد بن ابی بکر اور فوج کا سپریم کمانڈر اپنے حقیقی بیٹے محمد بن حنفیہؒ کو مقرر فرمایا۔ یہ سب حضرات نوجوان تھے اور نا تجربہ کار بھی۔ یہ کسی لحاظ سے بھی عمال عثمانی سے بہتر اور زیادہ تجربہ کار اور کاروبار حکومت سے زیادہ واقف کار نہ تھے۔ سیدنا علیؓ کی اسی اقرباء نواز پالیسی کو دیکھ کر اشتر نخعی بھی چلا اٹھا کہ ''اگر یہی ہونا تھا تو ہم نے خوامخواہ عثمانؓ کو قتل کیا۔''

Marfat.com

سیدنا معاویہؓ کی معزولی بھی اسی وجہ سے تھی کہ وہ سیدنا عثمانؓ کے گورنر اور ان کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور باغیوں کو انہی سے سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے ان کی معزولی کی بابت خاص طور پر سیدنا علیؓ کو مشورہ دیا۔ سیدنا معاویہؓ کا موقف یہ تھا کہ سیدنا علیؓ کی خلافت آئینی طور پر صحیح نہیں ہے۔ چونکہ ان کو خلیفہ بنانے میں زیادہ تر دخل باغیوں کا ہے۔ اور ان کے خلیفہ بن جانے کے بعد مرکز خلافت پر بالفعل قبضہ بھی انہی باغیوں کا ہے، چنانچہ ایسے حالات میں صحیح طور پر خلیفہ بننے والا شخص پچھلے گورنروں کو معزول کرنے میں اتنی عجلت کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ اس میں ضرور انہی باغیوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے سیدنا عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا ہے۔ ایسے موقع پر گورنری کے عہدہ سے دستبرداری باغیوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے کے مترادف ہے۔ اسی وجہ سے باغیوں نے ان کی معزولی کے لیے سیدنا علیؓ پر زور دیا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر سیدنا معاویہؓ نے اپنے اس موقف کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

لوكان امير المومنين لم اقاتله

"اگر سیدنا علیؓ امیرالمومنین ہوتے تو میں ان سے جنگ نہ کرتا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۷)

صفر ۳۶ھ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے تین ماہ بعد سیدنا معاویہؓ نے اپنے ایک خاص قاصد کی معرفت سیدنا علیؓ کو ان کے ایک خط کے جواب میں ایک خط لکھا۔ سیدنا علیؓ نے جب لفافہ کھولا تو اس میں سوائے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور من معاویہ الی علیؓ" کے اور کچھ نہ تھا۔ اس سے سیدنا علیؓ نے حالات کی ناخوشگواری کا اندازہ لگا لیا۔

قاصد نے زبانی بھی وہاں کا سارا آنکھوں دیکھا حال بیان کر دیا کہ شام قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے پر تلا ہوا ہے۔ قاصد نے یہ بھی کہا کہ میں نے شام میں ساٹھ ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلودہ قمیض پر ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ جب تک وہ اس خون ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۴، اخبار الطوال ص ۱۴۱)

یہ جواب سن کر سیدنا علیؓ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کے

Marfat.com

ساتھیوں نے پھر آپ کو روکا لیکن آپ نے ان کی بالکل نہ مانی۔ خود آپ کے بڑے صاحبزادے سیدنا حسنؓ نے کہا:

یا ابتی! دع هذا فان فيه سفک دماء المسلمين و وقوع الاختلاف بينهم

''ابا جان آپ اس ارادہ کو ترک فرما دیجئے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی خونریزی ہو گی، اور اس کے درمیان اختلاف کی خلیج حائل ہونے کا اندیشہ ہے۔''

فلم يقبل منه ذالک بل صمم على القتال و رتب الجيش

''اس مشورے کو آپ نے قبول نہ فرمایا بلکہ جنگ کا مصمم ارادہ فرما لیا اور اس کے لیے لشکر بھی مرتب کر لیا۔'' (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)

آپ نے سیدنا محمد بن الحنفیہؒ کو علم بردار لشکر، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو میمنہ پر، سیدنا عمرو بن ابی سلمہؓ کو میسرہ پر اور سیدنا ابوعبیدہ بن جراحؓ کے بھتیجے سیدنا ابولیلیٰ کو مقدمتہ الجیش پر امیر مقرر فرمایا۔ قثم بن عباسؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ غرض کہ سیدنا معاویہؓ سے جنگ کرنے کے لیے پوری تیاریاں کرلیں۔ اور آپ شام کا قصد کرنے ہی والے تھے کہ درمیان میں جنگ جمل کا حادثہ پیش آ گیا۔ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

سیدنا معاویہؓ سے مصالحت کی کوشش

جنگ جمل کی خونریزی نے سیدنا علیؓ کو بہت زیادہ متاثر کیا، لہذا آپ نے اب پہلے مصالحت کے لیے معاویہؓ کو ایک خط لکھا اور سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ آپ کے قاصد بنائے جانے پر سبائی سرغنہ مالک الاشتر نے بڑے شک وشبہ کا اظہار کیا اور سیدنا علیؓ سے کہا:

لاتفعل فان هواه مع معاوية

''آپ اس کو نہ بھیجیں کیونکہ اس کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں۔''

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۴۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۳)

لیکن سیدنا علیؓ نے مالک الاشتر کی بات نہ مانتے ہوئے سیدنا جریر بن عبداللہ

Marfat.com

البجلیؓ کو خط دے کر سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا ''چونکہ مہاجرین و انصار نے میری بیعت کر لی ہے لہذا تم بھی میری بیعت کرو۔'' سیدنا معاویہؓ نے اپنی عادت کے مطابق رؤسائے شام اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مشورہ کے لیے بلایا اور ان کو وہ خط سنا کر مشورہ طلب کیا، لیکن ان سب نے یک زبان ہو کر سیدنا علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

''ان رؤساء نے اس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ قاتلان عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے یا ان کو ان کے سپرد نہ کیا جائے (تاکہ اگر سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ کو قتل نہیں کر سکتے تو وہ خود قتل کریں گے) اور اگر سیدنا علیؓ ایسا نہیں کرتے تو وہ ان سے قتال کریں اور اس وقت تک ان کی بیعت نہ کریں۔ جب تک کہ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں کو قصاص میں قتل نہ کر دیا جائے۔''

سیدنا معاویہؓ نے سیدنا جریر بن عبداللہؓ کو چند روز اور اپنے ہاں روکے رکھا تاکہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبداللہؓ نے دیکھا کہ لوگ امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیض اور سیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انہوں نے قسمیں کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک نہ تو وہ اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے، اور جو آدمی قصاص عثمانؓ کے آڑے آئے گا اس سے جنگ کریں گے۔

سیدنا جریر بن عبداللہ البجلیؓ نے شام میں جو کچھ دیکھا اس کی پوری رپورٹ سیدنا علیؓ کو دے دی اور کہا کہ سب لوگ قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے بارہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ہیں اور وہ عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر روتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کا ان کی شہادت میں ہاتھ ہے اور انہوں نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔

الاصابہ کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علیؓ کے بھیجے ہوئے قاصد سیدنا جریر بن عبداللہؓ جس وقت سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اس وقت جو رؤسائے شام سیدنا معاویہؓ کے پاس موجود تھے، انہوں نے سخت ترین الفاظ میں سیدنا جریرؓ کے موقف کو رد کیا

اور سیدنا معاویہؓ کو انہوں نے نہایت سختی کے ساتھ اس بات سے منع کر دیا تاکہ کہیں وہ جریر بن عبداللہؓ کے موقف کو تسلیم کر کے خون عثمانؓ کا مطالبہ ہی ترک نہ کر دیں۔

فتکلموا بکلام شدید و ردوا اشد الرد و تهددوا المعاوية ان هو اجاب ذالک و ترك الطلب بدم عثمان

(الاصابہ جلد ۶ ص ۸۸)

سیدنا جریر بن عبداللہؓ نے جب یہ واقعات واپس آ کر سیدنا علیؓ کو سنائے تو مالک الاشتر لال پیلا ہو گیا اور سیدنا علیؓ سے کہنے لگا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں۔ اگر آپ مجھے قاصد بنا کر بھیجتے ہو تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی، لیکن سیدنا جریرؓ نے کہا "بڑے میاں اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ آنے دیتے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلان عثمانؓ میں سے ہو۔" مالک الاشتر نے آگے سے کچھ الٹا ہی جواب دیا جس پر سیدنا جریر بن عبداللہؓ غضبناک ہو کر چلے گئے اور قرقیسا میں اقامت پذیر ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کو اپنی اس بات چیت سے مطلع کر دیا۔

سیدنا علیؓ نے مصالحت کی کوششیں رائگاں سمجھتے ہوئے جنگ کی تیاریاں بڑے زور شور سے کرنا شروع کر دیں اور اپنے تمام گورنروں اور حکام کو ملک کے دور دراز حصوں سے جنگ میں شرکت کے لیے خطوط لکھے جس سے لشکر علیؓ کی تعداد ۸۰ ہزار کی قریب ہو گئی جو کہ بہت بڑی تعداد تھی۔

سیدنا معاویہؓ کی جوابی کارروائی

سیدنا معاویہؓ کو جب پتہ چلا کہ سیدنا علیؓ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں تو آپ نے بھی جوابی کارروائی کے طور پر جنگ کے انتظامات کرنے شروع کر دیے۔ آپ کا ارادہ بالکل جنگ کرنے کا نہیں تھا۔ آپ تو صرف قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ:

لم یکن معاویة ممن یختار الحرب ابتداء بل کان من اشد الناس حرصاً علی ان لا یکون قتال

"سیدنا معاویہؓ نے صفین کی جنگ کی ابتدا نہیں کی تھی بلکہ آپ تو اس بات کے سب سے زیادہ خواہش مند اور حریص تھے کہ یہ قتال اور خون ریزی نہ ہو۔"
(منہاج السنۃ جلد۲ ص ۲۱۹)

آپ کی یہ ساری تیاریاں مدافعانہ تھیں نہ کہ جارحانہ۔ آپ سیدنا علیؓ کے مقام اور مرتبہ سے بخوبی آشنا تھے جیسا کہ آپ نے کئی مواقع پر اس کا اظہار بھی فرمایا، لیکن ادھر سیدنا علیؓ کی فوج میں مالک الاشتر، محمد بن ابو بکرؓ اور کنانہ بن بشر وغیرھم سبائی سرغنہ قائدانہ حیثیت سے شامل تھے۔ اس وجہ سے وہ مسلمانوں کے دو گروہوں کو جنگ کی آگ کی بھٹی میں جھونکنا چاہتے تھے کیونکہ اسی طریقہ سے قتل عثمانؓ کے بعد ان کی جان بچ سکتی تھی۔

اکابر صحابہؓ کا سیدنا علیؓ سے اختلاف

دونوں طرف سے جنگ کے تیاریوں کو دیکھ کر مخلص اور بہی خواہان امت کو پھر صدمہ اور پریشانی لاحق ہونے لگی، کیونکہ ابھی تک جنگ جمل کے شہدا کا خون خشک نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا خون ریز مرحلہ امت کے سامنے پیش آ گیا۔ یہ جنگ بھی کفر اور اسلام کے درمیان نہیں تھی بلکہ جنگ جمل کی طرح ان لوگوں کے درمیان تھی جو "اساطین امت" کہلاتے تھے، اس لیے اکثر صحابہ کرامؓ نے اس آگ سے اپنے دامن کو بچانے کی پوری پوری کوشش کی اور اکثر اس میں کامیاب بھی ہو گئے۔ اہل مدینہ نے سیدنا علیؓ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا، چنانچہ لکھا ہے:

فندب اهل المدينة لمسيرهم فتثا قلوا

"آپ نے اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے بلایا، لیکن انہوں نے اپنا پہلو بچایا۔" (ابن اثیر جلد۳ ص ۱۰۵، طبری جلد۳ ص)

علامہ ابن کثیر نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہل مدینہ کے طرز عمل کو بیان کیا ہے، لکھا ہے:

وكان على لما عزم قتال اهل الشام قد ندب اهل
المدينة الى الخروج معه فابوا عليه

"سیدنا علیؓ نے جب اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم فرمایا تو انہوں

نے اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا لیکن آپ نے انکار کیا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۰)

اس کے بعد آپ نے انفرادی طور پر مختلف صحابہؓ سے رابطہ قائم کیا اور انہیں ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور انہیں ساتھ چلنے کی ترغیب دی۔ جواب میں آپ نے کہا:

"میں اہل مدینہ میں سے ہوں۔ اگر وہ اس معاملہ میں شامل ہوئے تو میں بھی شرکت کروں گا، لیکن اگر انہوں نے شرکت نہ کی تو میں بھی شریک نہیں ہوں گا۔ اور اگر وہ بیٹھ گئے تو میں بھی بیٹھ جاؤں گا۔" (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۵)

چنانچہ جب عبداللہ بن عمر الفاروقؓ نے اہل مدینہ کی طرف رجوع کیا تو انہیں یہ کہتے ہوئے پایا:

واللہ لاندری کیف نصنع فان ھذا الامر لمشتبھة علینا ونحن مقیمون حتی یضئ لنا ویسفر

"بخدا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے اس وقت تک ہم اس بارہ میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔" (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۵، طبری جلد ۳ ص)

اہل مدینہ کا یہ جواب سن کر آپ رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ سیدنا ابوموسیٰ الاشعریؓ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور اہل کوفہ کو بھی ساتھ چلنے کے لے کہیں، لیکن آپ نے بھی ساتھ چلنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میرے آقا و مولا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک فتنہ برپا ہو گا۔

"اس فتنہ کے زمانے میں سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہو گا اور جاگنے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھا ہوا کھڑا ہونے والے سے اور کھڑا سوار سے اور سوار دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۵: ۲۳۶)

لہذا تم لوگ اپنی تلواروں کو نیاموں میں کر لو اور اپنے نیزوں کو کند کر لو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے۔ غرض کہ انہوں نے بھی اس کشمکش سے مکمل طور پر پہلو تہی کی۔

سیدنا علیؓ کے حقیقی بڑے بھائی سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب بھی اپنے بھائی کی

اس روش کو دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ آپ کے لشکر میں اکثریت قاتلان عثمانؓ اور ان لوگوں کی ہے جو مملکت اسلامیہ میں فتنہ و فساد کا باعث بنے ہوئے ہیں، سیدنا علیؓ کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گیے۔ چنانچہ شیعی مورخ لکھتا ہے:

وفارق(عقیل) اخاه علیاً امیر المومنین فی ایام خلافته ذهب الی معاویة و شهد صفین معه

''اور عقیل اپنے بھائی علیؓ امیرالمومنین سے ان کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور سیدنا معاویہؓ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علیؓ سے) صفین کی جنگ لڑی۔''

ان اکابر صحابہؓ کے سوا اور کئی دوسرے حضرات بھی اس بات کے قطعاً حامی نہیں تھے کہ سیدنا علیؓ اہل شام سے جنگ کریں۔ خود آپ کے صاحبزادے سیدنا حسنؓ بھی آپ کی اس پالیسی کے سخت خلاف تھے۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹، ۲۴۰ اور دیگر کتب تواریخ)

مصالحت کی ایک اور کوشش

ادھر سیدنا معاویہؓ کی جنگی تیاریوں کو دیکھ کر شام کے مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو خط و کتابت یا زبانی بات چیت کے ذریعہ طے کیا جائے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی ہو۔ چنانچہ وہاں کے ایک عابد، شب زندہ دار اور دردمند دل رکھنے والے بزرگ سیدنا ابو مسلم الخولانیؒ چند مسلمانوں کی معیت میں سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا:

انت تنازع علیاً هل انت مثله؟

''آپ علیؓ سے برسر پیکار ہونا چاہتے ہیں، کیا آپ اپنے کو ان کے ہم پایہ اور برابر سمجھتے ہیں؟

سیدنا معاویہؓ نے جواب میں فرمایا:

لا واللّٰه انی لاعلم ان علیاً افضل منی و احق بالامر و لکن ألستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوماً و انا ابن

Marfat.com

عمه و انا اطلب بدمه فاتوا علیاً فقولو له فلیدفع الی قتلة عثمان و اسلم له....

"بخدا میں اپنے کو علیؓ کے برابر ہرگز نہیں سمجھتا بلکہ بخوبی جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں مجھ سے زیادہ حق دار ہیں، لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ سیدنا عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے ہیں اور میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں اور سیدنا علیؓ سے سیدنا عثمانؓ کے خون کے قصاص کا طلب گار ہوں، لہذا تم علیؓ سے جا کہو کہ اگر وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو انہیں ہمارے حوالے کر دیں ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے۔ پھر دیکھیں کہ میں ان کی کیسے اطاعت اور فرماں برداری کرتا ہوں اور ان کی خلافت کو تسلیم کرتا ہوں۔"

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۶۸، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۶۹)

ابو مسلم الخولانیؒ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور امت کے لیے ایک درد تھا۔ وہ اس معاملہ کو خونریزی کے بغیر نپٹانا چاہتے تھے، لہذا انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ آپ یہ سب مطالبات مجھے لکھ دیں، میں خود سیدنا علیؓ کے پاس جاتا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو کر کے آپ کے یہ سب مطالبات منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابو مسلم الخولانیؒ کے کہنے پر آپ نے ان مطالبات کو اس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابو مسلم الخولانیؒ کے ہاتھ سیدنا علیؓ کو روانہ کیا۔

"اما بعد سیدنا عثمانؓ امیر المومنین مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں شہید کیے گئے۔ آپ ان کے گھر کا شور وغل اور آہ و بکا سنتے رہے، لیکن اپنے قول وعمل سے اس کا کوئی مداوا نہ کیا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر آپ اخلاص اور سچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو ان کے قتل سے روکتے تو آج نہ تو ہمیں آپ کے خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی جاتی۔"

" دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلان عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور مشیر کار ہیں۔ ہمارے کانوں تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ قتل عثمانؓ سے برائت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہ سچ

ہے اور آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو قاتلان عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دیں (اگر آپ خود قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے) اور اے علیؓ آپ یقین رکھیے، ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے۔ قسم ہے خدائے بزرگ وبرتر کی، ہم بحروبر سے قاتلان عثمانؓ کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا پھر خود اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیں گے۔"

سیدنا ابومسلم الخولانیؒ سیدنا معاویہؓ کا یہ خط لے کر سیدنا علیؓ کی خدمت میں پہنچے۔ خط پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیے اور پورا پورا یقین دلایا کہ یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے ہرگز پسند نہیں کرتے۔ آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیں کیونکہ وہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں لیکن اگر آپ ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں۔ اس طرح سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لیں گے اور آپ کے مخالفین کے ساتھ ہم خود آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار بن کر لڑیں گے۔

سیدنا علیؓ نے ابومسلم الخولانیؒ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سنیں۔ آپ نے اس روز تو ابومسلمؒ کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا۔ دوسرے روز ابومسلمؒ جامع مسجد کوفہ میں جب سیدنا علیؓ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلح آدمی یہ نعرے لگا رہے تھے۔

كلنا قتلة عثمانؓ

"ہم سب قاتلان عثمانؓ ہیں۔"

یہ دیکھ کر ابومسلمؒ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ ان کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے اور انہوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے۔" بعد ازیں سیدنا علیؓ نے ابومسلم الخولانیؒ سے کہا کہ: "قاتلوں کو ان لوگوں کے حوالہ کرنا میرے بس سے باہر ہے، لہٰذا میں مجبور ہوں۔" اور سیدنا معاویہؓ کو حسب ذیل تحریری جواب دیا:

"معاویہؓ! قتل عثمانؓ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اس سے بالکل بری ہوں۔ نہ میں نے کسی کو ان کے خلاف بھڑکایا ہے اور نہ ہی کسی کی معاونت کی ہے۔

Marfat.com

ہاں جب ہنگامہ نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی تو خانہ نشین ہو گیا۔
میرے خیال میں قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ کو آپ اپنے مقصد کے
حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اس فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے تو جو
سلوک باغیوں سے کیا جاتا ہے وہی آپ سے کیا جائے گا۔"

(اخبار الطّوال ص ۱۷۳،۱۷۴ ملخصا)

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ کچھ لوگ سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ: "آپ کا مطالبہ کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "قصاص عثمانؓ۔" لوگوں نے پوچھا: "آپ مطالبہ کس سے کرتے ہیں؟" سیدنا معاویہؓ نے کہا: "علیؓ سے۔" لوگوں نے کہا: "کیا انہوں نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے؟" سیدنا معاویہؓ نے کہا: "ہاں انہوں نے قاتلان عثمانؓ کو پناہ جو دے رکھی ہے۔" (نعم و آوی) لوگ سیدنا علیؓ کے پاس گئے اور ان سے جا کر یہ کہا تو سیدنا علیؓ نے فرمایا: "معاویہؓ نے غلط کہا ہے، میں نے انہیں قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہی کسی کو قتل کا حکم دیا ہے جب کہ تم بھی جانتے ہو۔" یہ لوگ پھر سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے اور سیدنا علیؓ کا جواب بتایا۔ سیدنا معاویہؓ نے کہا: "اگر علیؓ سچے ہیں تو انہیں چاہیے کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیں۔ وہ ان کی فوج اور لشکر میں موجود ہیں۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۹ پ)

گشتی مراسلہ

اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے تمام عالم اسلام کو وہ اسباب اور وجوہات لکھ بھیجیں جنہوں نے انہیں اس بات پر مجبور کیا، اور یہ گشتی مراسلہ سیدنا علیؓ کے گورنروں اور حکام کے نام بھی روانہ کیا۔ آپ نے اس میں لکھا:

"تم لوگ اطاعت و جماعت کی طرف دعوت دیتے ہو۔ وہ جماعت جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ ہمارے ساتھ بھی ہے۔ رہی تمہارے دوست کی اطاعت، سو وہ ہم پر فرض نہیں کیونکہ تمہارے دوست (سیدنا علیؓ) نے ہمارے خلیفہ (سیدنا عثمانؓ) کو قتل کرایا۔ ہماری جماعت میں انتشار پیدا کیا۔ ہمارے خلیفہ کے قاتلوں کو پناہ دی اور ان کو اپنے ہاں بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔

Marfat.com

تمہارا رفیق کہتا ہے کہ میں قتل عثمانؓ سے بری ہوں۔ ہم اس کی تردید نہیں کرتے، لیکن کیا تم لوگوں نے عثمانؓ کے قاتلوں کو دیکھا ہے؟ کیا وہ علیؓ کے دوست نہیں ہیں کیا وہ ان کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے رہے ہیں؟ تمہارے امام کا فرض ہے کہ وہ ان قاتلوں سے قصاص لے اور اگر خود قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو ان قاتلوں کو ہمارے حوالہ کردیں تاکہ ہم خلیفۃ المسلمین کے قتل کا قصاص لیں اور پھر جماعت اور اطاعت کی طرف لبیک کہیں۔"

سیدنا معاویہؓ کے اس گشتی مراسلہ نے سیدنا علیؓ کے لیے ایک بہت بڑی مشکل پیدا کر دی جس کا حل بہت دشوار تھا کیونکہ سیدنا علیؓ کے لیے قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینا یا انہیں مطالبہ قصاص کرنے والوں کے حوالے کرنا آسان نہیں تھا، جب کہ وہی لوگ آپ کے دست بازو اور اعوان و انصار تھے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمام لوگوں میں شک و شبہ کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے جس سے آپ کی پوزیشن مخدوش ہونے کا قوی احتمال تھا۔ خواہ اس حادثہ فاجعہ میں آپ کا کوئی دخل ہو یا نہ ہو۔

سیدنا علیؓ نے اس گشتی مراسلہ کا ایسا جواب دیا جس سے لوگوں کے دل مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ اس الزام کو واضح طور رفع نہ کر سکے جو کہ سیدنا معاویہؓ نے آپ پر لگایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اعوان و انصار کی ایک بہت تعداد آپ سے کٹ گئی۔

سیدنا علیؓ کی شام روانگی

دونوں حضرات اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور مصالحت کی سب تدبیریں الٹ گئی تھیں جس کے نتیجہ میں وہ ہنگامہ پیش آ گیا جس سے بچنے کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا۔ سیدنا علیؓ نے جب یہ دیکھا کہ معاویہؓ اپنے مطالبہ سے باز نہیں آ رہے تو آپ نے سیدنا ابو مسعود انصاریؓ کو کوفہ میں اپنا قائم مقرر فرما کر ذوالحجہ ۳۶ ھ میں ۸۰ ہزار فوج کے ساتھ کوفہ سے شام کی طرف کوچ فرمایا۔

یعقوبی شیعی وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں ۷۰ بدری صحابہ، سات سو

بیعت رضوان کے شرکاء اور چار سو عام مہاجر و انصار تھے (جلد۲ ص ۲۱۸) لیکن ان کی یہ روایت درست نہیں ہے۔ علامہ ابن کثیر نے امام محمد بن سیرینؒ کا اس بارہ میں ایک قول نقل کیا ہے کہ " فتنہ اٹھا اور اصحاب رسول اس وقت ۱۰ ہزار تھے لیکن ان میں سے سو بھی اس میں شامل نہ تھے۔ بلکہ ۳۰ بھی نہیں تھے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۲) اور امام شعبہؒ سے جب یہ کہا گیا کہ ابو شیبہ یہ کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں ۷۰ بدری صحابہؓ نے شرکت کی تو امام شعبہؒ نے فرمایا " کذب ابو شیبہ" ابو شیبہ سے غلطی ہو گئی۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے کتاب الرد علی الرفضۃ میں لکھا ہے کہ:

اما ان رجالاً من اهل بدر لزموا بيوتهم بعد قتل عثمانؓ فلم يخرجوا الا الى قبورهم

"اصحاب بدر شہادت عثمانؓ کے بعد خانہ نشین ہو گئے اور وہ اپنی قبروں کے سوا اور کہیں نہ نکلے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۳)

اس کے علاوہ اور بھی کئی تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ جنگ صفین میں سیدنا علیؓ کے ساتھ اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور مہاجرین و انصار کی اتنی بڑی تعداد نہیں تھی جتنی بیان کی جاتی ہے۔

سیدنا علیؓ کے لشکر کی روانگی کے متعلق سن کر سیدنا معاویہؓ بھی شام سے نکل پڑے۔ ان کا مقدمۃ الجیش ابوالاعور سلمیؒ کی قیادت میں جا رہا تھا۔ راستہ میں سیدنا علیؓ کے ہراول دستہ سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ ابوالاعور سلمی نے سیدنا علیؓ کے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا جس سے معاملہ بڑھ گیا۔ علوی فوج کے افسر زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی نے سارا دن نہایت بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا۔ اسی اثنا میں سیدنا علیؓ کی فوج سے اشتر نخعی کمک لے کر آ گیا۔ ابو الاعور نے حالات کی نزاکت کے تحت رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور سیدنا معاویہؓ کو سیدنا علیؓ کی فوج کی آمد کی اطلاع دی۔ انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور وہاں اپنے ڈیرے جما دیے۔

ایک من گھڑت روایت:

غرض دریائے فرات کے کنارے صفین کے میدان میں دونوں فوجیں اتر پڑیں۔ الدینوری نے اخبار الطوال ص ۱۶۸ وغیرہ میں شیعی روایات نقل کرتے ہوئے لکھا

ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے پہلے سے جا کر دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور انہوں نے سیدنا علیؓ کے لشکریوں کا پانی بند کر یا۔ اور جب سیدنا علیؓ کے لشکریوں کو زیادہ پیاس لگی تو انہوں نے اشعث بن قیس الکندی کی قیادت میں ایک جماعت کو بھیجا تاکہ وہ پانی لائے، لیکن سیدنا معاویہؓ کے آدمیوں نے کہا:

موتوا عطشاً کما منعتم عثمانؓ الماء

"پیاسے مرو جس طرح تم لوگوں نے عثمانؓ پر پانی بند کیا۔"

اس پر دونوں طرف سے پہلے تیر اندازی ہوتی رہی اور بعد میں تلواروں کی جھنکار پڑی اور کئی سو آدمی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں سے گھاٹ کو واگذار کرالیا گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مروج الذہب جلد۲ ص ۱۸۶، طبری جلد ۵ ص ۲۴۰، ابن اثیر جلد ص ۱۴۵، ابن طقطقی ص ۸۲ وغیرھم)

یہ روایت ایسی ہے کہ نہ تو اس کی کوئی سند ہے اور نہ ہی روایت کے لحاظ سے یہ درست ہے۔ یارلوگوں نے فراغت سے ایسی روایات گھڑی ہیں اور صحابہ کرامؓ جو کہ قرآن وحدیث کے اولین راوی تھے، ان کے مقام اور احترام کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے یہ ایک سازش کی گئی ہے کیونکہ قرآن و حدیث کو مجروح اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب کہ پہلے صحابہ کرامؓ کے مقام کو مخدوش و مجروح کیا جائے۔ کتنے ظالم اور دین کے دشمن ہیں وہ لوگ جو ایسی غیر معتبر اور من گھڑت روایات پر یقین کر کے صحابہ کرامؓ پر تنقید اور پھر ان کی تنقیص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

"حلم" سیدنا معاویہؓ کی خاص صفت تھی۔ آپ تو قصور وار کو بھی اپنے حلم کی بنا پر معاف کر دیتے تھے۔ چہ جائیکہ سیدنا علیؓ جن کے بارہ میں وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ مجھ سے افضل ہیں" (تاریخ الاسلام ذہبی جلد۲ ص ۱۶۸، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۹) بھلا ان کے ساتھ آپ ایسا کر سکتے تھے؟ آپ کا تو ارادہ ہی جنگ کا نہ تھا۔ آپ تو صرف دفاع کے لیے آئے تھے۔

(منہاج السنۃ جلد۲ ص ۲۰۲، ص ۲۱۹، ص ۲۲۲، ص ۲۳۳، ابن اثیر جلد۳ ص ۲۷۹، طبری جلد۴ ص ۵۶۳)

نہ آپ کا مقصد سیدنا علیؓ کو شکست دینا تھا اور نہ ہی ان کا پانی بند کر کے ان کو رسوا یا ذلیل کرنا تھا۔ نیز نہ تو معاویہؓ اس قدر ناعاقبت اندیش تھے اور نہ ہی دریا اتنا چھوٹا تھا کہ صرف گھاٹ پر قبضہ کرنے سے پورا دریا ان کے قبضہ میں آ جاتا۔ ایسی روایات گھڑنے والوں میں معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی کافی حد تک کمی تھی، یا کسی کی دشمنی اور کسی کی محبت میں ویسے ہی عقل کم ہو جاتی ہے۔

سیدنا معاویہؓ کی بردباری اور حلم پر اپنے تو اپنے پرایوں نے بھی گواہی دی ہے۔ ابن طقطقی نے شیعہ ہونے کے باوجود سیدنا معاویہؓ کے تدبر، حلم، بردباری اور فراست ذہنی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"معاویہ ایک دنیا شناس، دانش مند، صاحب علم وفراست، بردبار، اعلیٰ درجہ کے سیاست دان، بہترین منتظم اور فصیح و بلیغ انسان تھے۔ نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے۔ لیکن بردباری کا پہلو ان میں غالب تھا۔ اشراف قریش میں سے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن جعفرؓ، ابن ابی بکرؓ اور ابان بن عثمانؓ جیسے بزرگ ان کے پاس حاضر ہوتے (نہ صرف یہ بزرگ بلکہ سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب تو مستقل وہیں کے ہو رہے) اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ بھی کثرت سے آپ کے پاس جاتے اور آپ کی داد و دہش سے بہرہ ور ہوتے، بعض دفعہ یہ اگر کوئی سخت لفظ بھی کہہ دیتے تھے تو معاویہؓ کبھی تو ہنسی خوشی میں ٹال دیتے اور کبھی اغماض و چشم پوشی سے کام لیتے۔ مزید برآں آپ ان کو بڑے بڑے انعامات سے نوازتے۔

(الفخری ۷۳،۷۴)

یہی مصنف آگے لکھتا ہے:

"اسی اعلیٰ کردار کی بدولت امیر معاویہؓ عالم اسلام کے خلیفۃ المسلمین بننے میں کامیاب ہو گئے، اور تمام مہاجرین و انصار نے آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ امیر معاویہؓ اپنی دانشمندی اور زیرکی کی بدولت ہی عرب کی شہرہ آفاق، دانشمند اور زیرک شخصیت عمرو بن العاصؓ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو

Marfat.com

گئے۔ حالانکہ ان دونوں میں کسی قسم کی دلی الفت موجود نہ تھی۔"

(الفخری ص ۷۵)

آپ کی بردباری، حلم اور زیرکی کے بارہ مشہور مستشرق پروفیسر ھٹی HITTI نے بھی اپنی مشہور کتاب "HISTORY OF THE ARABS" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

جب آپ اس قدر بردبار، حلیم اور شہرہ آفاق زیرک تھے۔ تو عقلی طور پر یہ بعید ہے کہ آپ سیدنا علیؓ کے لیے دریائے فرات کا پانی بند کر دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہی لوگوں کی بنائی ہوئی روایت ہے جنہوں نے یزید کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس نے سیدنا حسینؓ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا تھا۔

یہ روایت جن لوگوں نے گھڑی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ سیدنا معاویہؓ کو سیدنا عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح اور سیدنا ولیدؓ بن عقبہ نے دیا تھا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ یہ دونوں حضرات جنگ صفین میں شریک ہی نہ تھے۔

(ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۸۴، ص ۲۸۷، ص ۳۵۱، الاستیعاب جلد ۱ ص ۳۸۲، جلد ۲ ص ۶۰۵، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۱، جلد ۷ ص ۲۱۴، طبقات جلد ۶ ص ۲۵، الاصابہ جلد ۲ ص ۳۲۲ وغیرھم)

بلکہ ابن کثیر نے تو عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کے بارہ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ وہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی مشاجرت کے زمانہ میں دونوں سے الگ رہے۔ **(هو معتزل علياً و معاوية)** (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۱)

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش

اگرچہ دونوں فوجیں میدان صفین میں آمنے سامنے ڈیرے جمائے ہوئے تھیں، لیکن حال یہ تھا کہ دونون میں کوئی قلبی کدورت دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ دونوں فریق آپس میں ہنسی خوشی ملتے جلتے تھے اور دوسرے سے کوئی ایسی بات نہیں کرتے تھے جس سے کسی کو دلی رنجش ہو۔ یہ کسی کے ذہن مین بھی نہیں تھا کہ اس دریا میں پانی کی بجائے کسی روز خون بہے گا۔ سبائی اپنی سازشوں میں مصروف تھے اور وہ ان دونوں کے درمیان

Marfat.com

اختلافات کی خلیج کو یہاں تک وسیع کرنا چاہتے تھے کہ دونوں پارٹیاں برسرِ پیکار ہو جائیں۔ لیکن اس کے برعکس دونوں پارٹیوں کے مخلص اور خیر خواہان امت اس بات کی کوشش اور تگ و دو میں مصروف تھے کہ کسی نہ کسی صورت میں فریقین میں مصالحت ہو جائے۔

سیدنا معاویہؓ تو جنگ کے بالکل ہی خلاف تھے اور آخر تک ان کی یہی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح جنگ کی چکی رکی رہے (ملاحظہ ہو منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۲۱۹) اس وجہ سے مصالحتی مشن پھر دونوں طرف سے کام کرنے لگے۔ سیدنا علیؓ نے جنگ شروع ہونے سے قبل بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس الہمدانی اور شیث بن ربعی التیمی کو بلایا اور کہا کہ معاویہؓ کے پاس جا کر بیعت کرنے کے لیے کہو۔ یہ تینوں سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے اور بشیر بن عمرو الانصاری نے ابتداء کلام کرتے ہوئے کہا:

"اے معاویہؓ یہ دنیا فانی ہے اور بالآخر آپ کو آخرت کی طرف لوٹنا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے اعمال کا محاسبہ فرمائیں گے۔ ہم آپ کو باہمی خونریزی اور تفرقے سے ڈراتے ہیں۔"

سیدنا معاویہؓ نے سلسلہ کلام کو منقطع کرتے ہوئے فرمایا:

هل لا اوصيت بذالك صاحبك؟

"کیا تم نے کبھی اپنے ساتھی (سیدنا علیؓ) کو یہ نصیحت نہیں کی جو تم مجھے کر رہے ہو؟"

بشیر بن عمرو الانصاری نے کہا:

"میرا ساتھی شرف و فضل، دینداری، مسابقت فی الاسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت میں سب سے زیادہ حق دار خلافت ہے۔"

سیدنا معاویہؓ نے پوچھا "اچھا فرمایئے، آپ چاہتے کیا ہیں؟" بشیر بن عمرو نے کہا "میں آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے متعلق کہتا ہوں۔ اور میں آپ کو کہتا ہوں کہ آپ اپنے چچا زاد بھائی علیؓ کی دعوت حق کو قبول کریں۔ اسی میں آپ کے لیے دین و دنیا دونوں کی بھلائی ہے۔" سیدنا معاویہؓ نے جواب میں فرمایا "اچھا آپ کا مطلب ہے کہ ہم خون عثمانؓ کا مطالبہ چھوڑ دیں۔ بخدا ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ (و نترك دم ابن عفان لا و الله لا افعل ذالك ابداً)

Marfat.com

بشیر بن عمروالانصاری کے علاوہ وفد کے دوسرے ارکان سعید بن قیس ہمدانی اور شیث بن ربعی تیمی نے بھی باری باری آپ سے باتیں کیں۔ اگرچہ وہ باتیں سیدنا علیؓ کی منقبت وفضیلت کے بارہ میں تھی جس سے سیدنا معاویہؓ کو بھی انکار نہ تھا، لیکن آپ نے ان کے جواب میں صرف یہی کہا کہ "آپ کا مطلب ہے کہ ہم خون عثمانؓ کا مطالبہ ترک کر دیں" (طبری جلد۴ ص ۵۷۳) بہرحال یہ بات چیت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور معاملہ جہاں تھا وہیں رہا۔ (ابن اثیر جلد۳ ص ۲۸۵)

دونوں طرف علماء، فضلا اور قرآن حکیم کے حفاظ کی ایک جماعت موجود تھی جو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس خونریزی کو ناپسند اور مکروہ جانتی تھی۔ اس لیے لگا تار تین ماہ تک یہ جنگ رکی رہی۔

ابن کثیر نے طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا عدیؓ بن حاتم، یزید بن قیس، شیث بن ربعی اور زیاد بن حفصہ کو ایک وفد کی شکل میں سیدنا معاویہؓ کے پاس مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیجا۔ یہ چاروں اس وقت آپ کے پاس پہنچے جب کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی آپ کے پاس تشریف فرما تھے۔ عدیؓ بن حاتم نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

"معاویہؓ ہم آپ کو اس بات کی طرف دعوت دینے آئے ہیں کہ جس پر اللہ رب العزت نے ہمیں اکٹھا کیا ہے اور جس کی وجہ سے خون محفوظ ہیں اور راستے پر امن ہیں اور آپس میں صلح و آشتی ہے۔ آپ کا چچا زاد بھائی علیؓ سیدالمسلمین ہے اور سبقت اسلام میں افضل ترین اور اسلام پر چلنے میں بہترین۔ لوگ اس پر اکٹھے ہو گئے ہیں سوائے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے۔"

پھر ذرا سختی اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا:

"اے معاویہؓ باز آ جا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو جنگ جمل والوں کی طرح مصائب سے دوچار ہونا پڑے۔"

سیدنا معاویہؓ بھی قریش کے سپہ سالار ابوسفیانؓ کے بیٹے تھے اور خود بھی ساری زندگی اس راستہ کی بادیہ پیمائی کرتے رہے تھے۔ وہ بھلا ان دھمکیوں سے کب

Marfat.com

مرعوب ہونے والے تھے۔ سیدنا عدیؓ بن حاتم کی بات چیت کا یہ آخری جملہ سن کر فرمانے لگے:

کانک انما جئت مهدداً ولم تات مصلحاً

معلوم ہوتا ہے کہ تم دھمکی دینے کے لیے آئے ہو اصلاح کی خاطر نہیں آئے۔

"افسوس ہے تم پر اے ابن حاتم! بخدا میں ابن حرب ہوں، تم مجھے دھمکیوں سے نہیں ڈرا سکتے۔"

پھر شیث بن ربعی اور زیاد بن حفصہ نے اسی بارہ میں کچھ باتیں کیں اور سیدنا علیؓ کی فضیلت آپ کو یاد دلائی۔ ان سب کی باتوں کو آپ نے بغور سنا اور پھر فرمایا:

"لوگ مجھے جماعت اور بیعت کی دعوت دیتے ہیں۔ جماعت تو ہمارے ساتھ بھی ہے۔ باقی رہ گئی بیعت اور اطاعت، سو میں کیسے ایسے آدمی کی اطاعت کروں جس نے قتل عثمانؓ پر اعانت کی ہو۔ ان کا خیال ہے کہ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کو قتل نہیں کیا۔ ہم ان کے اس دعویٰ کی نہ تو تردید کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو اس بارہ میں متہم گردانتے ہیں، لیکن یہ تو ہے کہ انہوں نے قاتلان عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے۔ پس وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں (اگر خود ان سے قصاص نہیں لے سکتے) تاکہ ہم ان سے قصاص لیں۔ پھر ہم آپ کی اطاعت اور جماعت کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔"

(البدایہ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۵۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۴۸)

سیدنا معاویہؓ کا جواب سن کر یہ حضرات واپس آ گئے اور سیدنا علیؓ کو اس معاملہ سے آگاہ کر دیا۔

اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے حبیب بن مسلمہ الفہریؓ، شرجی بن السمط اور معن بن یزید الاخنس کو سیدنا علیؓ کے پاس بھیجا۔ حبیب بن مسلمہ الفہریؓ نے سیدنا علیؓ سے آغاز کلام کرتے ہوئے کہا:

"بے شک عثمان بن عفانؓ ایک ہدایت یافتہ خلیفہ تھے۔ انہوں نے کتاب اللہ کے مطابق عمل کیا اور اس کو نافذ کیا۔ لیکن آپ لوگوں نے ان کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ان کی شہادت کا موجب ہوئے۔ ان کے خلاف سرکشی کر

Marfat.com

کے آپ لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ ان کے قتل میں شریک نہیں تو ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حولہ کر دیں، ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے۔ پھر آپ الگ ہو کر خلافت کے معاملہ کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیجئے اور وہ باہمی مشورہ سے جس کو چاہیں گے یہ امر خلافت سپرد کر دیں گے۔''

سیدنا علیؓ نے اس کا کوئی خاطر خواہ جواب نہ دیا اور وہ واپس سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے آئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۴۸)

تین ماہ تک صلح کی یہ کوششیں جاری رہیں، لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اسی اثنا میں دونوں طرف سے کئی بار حملہ کا ارادہ کیا گیا، لیکن ہمدردان ملت نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ برابر تین ماہ صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے۔ لیکن اس دوران کی تمام خط و کتابت اور بات چیت بالکل بے اثر ثابت ہوئی اور معاملہ جنگ تک پہنچ ہی گیا۔

(البدایہ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۵۸، ۲۵۹)

جنگ کی ابتداء

جمادی الاولیٰ ۳۶ھ کے اواخر میں باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ شروع شروع میں لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ صبح و شام ایک جماعت ادھر سے نکلتی اور ایک جماعت ادھر سے، اور وہ آپس میں لڑتیں۔ پورا لشکر دوسرے لشکر سے نہیں بھڑا، کیونکہ دونوں طرف سے درد مندان ملت اور مصلحین امت کی خواہش تھی کہ کہیں معاملہ خونریز جنگ تک نہ پہنچ جائے اور بہت سے آدمی کھیت نہ ہو جائیں۔ یہ سلسلہ جمادی الآخرۃ تک جاری رہا، لیکن جوں ہی رجب کا چاند طلوع ہوا، اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعتاً دونوں طرف سے جنگ کا سلسلہ یک قلم منقطع ہو گیا اور خیر خواہان ملت نے ایک دفعہ پھر مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں۔ (اخبار الطوال ص ۱۷۰، ابن اثیر جلد ۳ ص)

امت مسلمہ کے دردمند حضرات سخت پریشان تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی جنگ کے قائل نہ تھے۔ وہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کی وہ طاقت

جسے کفر کا استیصال کرنا تھا آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ اس ماہ رجب میں جو جنگ رکی تو ان حضرات نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے پھر نئے سرے سے اپنی کوششیں شروع کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جلیل القدر صحابی سیدنا ابو الدرداءؓ اور سیدنا ابوامامہ الباہلیؓ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور آپ سے کہا:

"اے معاویہؓ آپ علیؓ سے کیوں لڑتے ہیں؟ بخدا وہ آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام لانے کے لحاظ سے مقدم ہیں اور قرابت کے لحاظ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب اور خلافت کے لیے بھی آپ سے زیادہ مستحق ہیں۔"

جواب میں سیدنا معاویہؓ نے کہا:

"میں تو صرف عثمانؓ کے خون کے قصاص کے لیے لڑتا ہوں، کیونکہ انہوں نے قاتلان عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ آپ دونوں علیؓ کے پاس جایئے اور ان سے کہیے کہ آپ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیں۔ اس کے بعد اہل شام میں سے سب سے پہلے میں ان کی بیعت کروں گا۔ (انا اول من بایعه من اهل الشام)۔"

(اخبار الطّوال ص ۱۷۰، البدایہ والنہایۃ جلد ۷ص ۲۵۹، ابن اثیر جلد ۳ص ۲۹۰، طبری جلد ۵ص ۶)

یہ بات ان دونوں صحابہؓ کی سمجھ میں آ گئی۔ لہذا وہ دونوں سیدنا علیؓ کے پاس آئے اور سیدنا معاویہؓ کی پوری گفتگو سے انہیں مطلع کیا۔ سیدنا علیؓ نے جواب میں فرمایا:

"وہ یہی لوگ ہیں جن کو آپ دیکھ رہے ہیں۔"

اتنے بہت سے لوگ جن کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی بیک آواز بول اٹھے۔

نحن جميعاً قتلنا عثمانؓ

"ہم سب نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔"

علوی فوج کا یہ حال دیکھ کر دونوں بزرگوں نے سمجھا کہ یہ معاملہ سلجھنے والا نہیں اور ہماری کوششیں جیسے پہلے رائیگاں گئی ہیں ویسے ہی اب بھی بے اثر ثابت ہوں گی۔

Marfat.com

چنانچہ وہ دونوں لشکروں کو چھوڑ کر ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اور اس جنگ سے اپنا دامن بچا گئے اور غیر جانبدارانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

جنگ کا دوبارہ آغاز

رجب ۳۶ ھ سے آخر محرم ۳۷ ھ تک دونوں طرف سے بالکل سکوت رہا۔ مصالحت کی بات چیت جاری رہی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ دونوں فوجیں اپنے اپنے شہروں کو واپس چلی جائیں، اور جنگ کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے، لیکن جب سب کچھ بے اثر رہا تو اشہر حرم (حرمت والے مہینوں) کے ختم ہوتے ہی صفر ۳۷ ھ میں دوبارہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔

اب بھی شروع شروع میں اگرچہ معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن اب کی جھڑپیں پہلے کی نسبت سخت تھیں۔ جب معاملہ نے طول کھینچا اور فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تو ایک روز سیدنا علیؓ نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی، ان کو دشمن کے خلاف جوش دلایا۔ اس تقریر نے یہ اثر کیا کہ آپ کی ساری فوج نے سیدنا معاویہؓ کی ساری فوج پر حملہ کر دیا۔ نہایت شدت کا رن پڑا جس میں کافی لوگ شہید ہوئے۔ اس میں بھی ابتدا سیدنا علیؓ کی طرف سے ہوئی اور سیدنا معاویہؓ صرف دفاع ہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جمعہ کی رات کو بہت شدت کی جنگ ہوئی۔ چوبیس گھنٹے تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج، تلواروں کی جھنکار، گھوڑوں کی ٹاپوں اور نیزوں کے شور سے کرہ ارضی تھرا رہا تھا۔ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر نہایت شدت سے حملہ کیا یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تلواریں کند ہو گئیں اور سیدنا علیؓ قلب لشکر میں کھڑے:

يحرض القبائل و يتقدم اليهم يأمر بالصبر والثبات

"اپنے لشکر میں شامل شدہ قبائل کو ابھارتے اور ان کو پیش قدمی اور صبر و ثبات کا حکم دے رہے تھے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۱)

میمنہ پر مالک الاشتر اور میسرہ پر سیدنا ابن عباسؓ اور قلب میں خود سیدنا علیؓ تینوں مصروف پیکار تھے۔ جنگ کی اس شدت اور گھن گرج کے لحاظ سے یہ رات تاریخ میں "لیلۃ الھریر" کے نام سے مشہور کیونکہ "عربی میں شور غوغا اور گھن گرج کو

Marfat.com

"ھریرہ" کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

واستمر القتال فی ھذہ اللیلۃ کلھا وھی من اعظم اللیالی شراً بین المسلمین و تسمی ھذہ اللیلۃ "لیلۃ الھریر"

"اس رات لڑائی ساری رات جاری رہی، چنانچہ اس رات کا شمار مسلمانوں کے درمیان نہایت پرفتن اور بری راتوں میں سے ہے اور اس رات کو "لیلۃ الھریر" کا نام دیا گیا۔"

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الطوال ص ۱۹۵، طبری جلد ۶ ص ۲۶، مروج الذھب جلد ۲ ص ۲۷، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۱، ۲۷۲، وغیرھم)

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جنگ کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا آپ کی مرضی کے برعکس ہو رہا تھا۔ اب یہ "لیلۃ الھریر" کی خونریز جنگ آپ کو اور زیادہ پریشان کیے ہوئے تھی۔ آپ بہرصورت جنگ بند کرنا چاہتے تھے۔ آپ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت اس طرح ختم ہو، لہذا آپ نے سیدنا عمرو ابن العاصؓ فاتح مصر کے مشورہ سے سیدنا علیؓ والی تدبیر اختیار کی یعنی قرآن حکیم کو نیزوں پر بلند کر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ "ھذا حکم بیننا وبینکم" (ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرآن حکم ہے) یہی تدبیر سیدنا علی نے جنگ جمل بند کروانے کے لئے کی تھی (طبری جلد ۵ ص ۲۰۴)۔ اسی تدبیر کو سیدنا معاویہ نے جنگ صفین بند کروانے کے لئے استعمال کیا۔ لیکن جنگ جمل میں یہ تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی تھی اور اب جنگ صفین میں کارگر ہو گئی۔ آپ نے دونوں لشکروں کو قرآن دکھا کر کشت وخون سے روکا اور کہا کہ جب کتاب اللہ موجود ہے تو پھر قتل و غارت کا کیا فائدہ؟ اللہ کی یہ کتاب ہمارے اختلافات بطریق احسن مٹا سکتی ہے۔

بعض صحابہؓ دشمن حضرات نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے اس دردمندانہ اور خیر خواہانہ جذبے کو "جنگی چال" کا نام دیا جو کہ ان کے خبث باطن کی دلیل ہے حالانکہ سیدنا عمرو بن العاصؓ اور ان کے دیگر رفقاء کی صلح پسندی اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی خیر خواہی ان کے اخلاص وللّٰہیت کی روشن دلیل ہے۔

رفع المصاحف (قرآن حکیم کو نیزوں پر بلند کرنے) کے بعد اہل شام نے

Marfat.com

اعلان کیا:

من لثغور اهل الشام بعد اهل الشام و من الثغور اهل العراق بعد اهل العراق

"اہل شام کے ختم ہو جانے کے بعد ان کی سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا؟ اور اہل عراق کے فنا ہو جانے کے بعد ان کے حدود کی کون حفاظت کرے گا؟"

یہ تجویز سیدنا عمرو بن العاصؓ نے مزید جدال و قتال اور خون مسلم کی ارزانی کو روکنے، امت مسلمہ کو تشتت وافتراق سے بچانے اور مصالحت و اتحاد کی راہ تلاش کرنے کے لیے پیش کی تھی۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے یہ تجویز سیدنا علیؓ کے لشکر میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے بطور جنگی چال پیش کی تھی۔

سیدنا معاویہؓ کی اس تدبیر سے جنگ رک گئی اور اکثریت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن پاک کو حکم بنا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر قرآن کو حکم نہ مانا گیا تو ہم آپ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں گے۔

نفعل بک کما فعلنا بابن عفان

"(اے علیؓ) ہم تمہارے ساتھ وہی کچھ کریں گے جو ہم نے عثمانؓ بن عفان سے کیا تھا۔ (سیدنا علیؓ کے لشکریوں کے اس جملہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتلان عثمانؓ وہی تھے)۔"

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۳)

روایت پر بحث

طبری اور مسعودی وغیرہ کی روایت میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ جب پانچ سو قرآن نیزوں پر اٹھائے گئے تو سیدنا علیؓ نے اس بات کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کی ایک جنگی چال بتایا، اور آپ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جنگ جاری رکھو، کیونکہ یہ معاویہ بن ابی سفیانؓ، یہ عمرو بن العاصؓ، یہ ابن ابی معیطؓ، یہ حبیب بن مسلمہؓ، یہ ابن ابی سرحؓ اور یہ ضحاک بن قیسؓ۔

لیسوا باصحاب دین ولا قرآن، انا اعرف بهم منكم و

صبختم رجالاء فکانوا شر اطفال و شر رجال ، ویحکم واللہ ما رفعوھا انھم یقرأونھا و لا یعملون بما فیھا وما رفعوھا الا خدیعۃ و دھاء و مکیدۃ

''ان کو نہ دین سے کوئی سروکار اور نہ قرآن سے کوئی تعلق ، میں ان کو اس وقت سے جانتا ہوں جب یہ بے شعور بچے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے یہ جوان ہوئے۔ یہ جب بچے تھے تب بھی بدتر تھے اور اب جب کہ یہ جوان مرد ہو چکے ہیں ، بدترین مرد ہیں۔ وائے ہے تم پر ، بخدا انہوں نے قرآن کو صدق دل سے نہیں اٹھایا۔ یہ لوگ قرآن پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں۔ اور اب جو انہوں نے قرآن کو نیزوں پر ثالثی کے لیے اٹھایا ہے ، یہ محض دھوکہ دہی ، مکاری اور عیاری ہے۔''

(طبری جلد ۵ ص ۲۱۶ ، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۲ ، مروج الذھب جلد ۲ ص ۲۸ ، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۱ ، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۱۶)

روایت کا لب ولہجہ اس بات کی صاف غمازی کر رہا ہے کہ یہ بالکل من گھڑت ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بھلا سیدنا علیؓ جیسا شخص ان جلیل القدر صحابہؓ کے بارہ میں ایسے الفاظ کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ بدترین بچے اور بدترین مرد تھے۔ سیدنا معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی رہ چکے تھے۔

(ابن ابی الحدید جلد ا ص ۲۳۸ ، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۳۱۸ ، جوامع السیرۃ ، الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۷۵ ، الاصابہ جلد ۳ ص ۳۱۲ ، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۷)

سیدنا عمرو بن العاصؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ میں معتمد علیہ تھے ، لہذا ایسے اشخاص کے بارہ میں سیدنا علیؓ کا یہ لب ولہجہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت دشمنان صحابہؓ کی بنائی ہوئی ہے۔

اسنادی حیثیت کے لحاظ سے بھی یہ روایت پایہ اعتبار سے ساقط ہے ، کیونکہ اس کا راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے جو کہ کذاب اور پکا شیعہ ہے اور اس نے تاریخ اسلام میں اپنی صحابہ دشمنی کی وجہ سے اس قسم کی بے شمار روایات گھسیڑ دی ہیں۔

Marfat.com

ابومخنف کا حدود اربعہ

یہ ابومخنف لوط بن یحییٰ جو اس روایت کا راوی ہے اس نے اپنی روایات سے ہماری تاریخ کو خراب کیا اور مشاہیر امت کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ یہ کون تھا؟ اور اس کا حدود اربعہ کیا تھا؟ اس کے متعلق اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین کرام کا فیصلہ پڑھیے اور پھر اندازہ فرمایئے کہ طبری اور مسعودی شیعی نے اس کور باطن کی روایات کو اپنی کتابوں میں جمع کر کے دین دشمنی کا فریضہ ادا کیا ہے یا نہیں؟

۱۔ اس ابومخنف کے بارہ میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں لایوثق بہ (میزان الاعتدال جلد۲ ص ۳۶۰) اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ علامہ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں لوط بن یحییٰ کذاب۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۶) لوط بن یحییٰ کذاب اور جھوٹا ہے۔

۳۔ اسی طرح کشف الاحوال فی نقدالرجال ص ۹۲ پر منقول ہے ھو کوفی ولیس حدیثہ بشئی (معجم الادباء جلد۲ ص ۴۱) وہ کوفی ہے اور اس کی روایات کسی کام کی نہیں۔

۴۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں

وقد كان شيعة وهو ضعيف الحديث عند الائمة

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۲)

"وہ شیعہ تھا اور آئمہ حدیث کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے۔"

۵۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ جو کہ حدیث اور نقد حدیث میں اپنی مثال آپ ہیں فرماتے ہیں:

لا یوثق بہ۔ قابل اعتبار نہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

۶۔ ترکہ ابو حاتم وغیرہ، ابو حاتم اور دیگر آئمہ جرح وتعدیل نے متروک کہا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

۷۔ وقال الدارقطني ضعيف

Marfat.com

امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

۸۔ قال یحییٰ ابن معین لیس بثقة

امام یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

۹۔ وقال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارهم

"ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ جلا بھنا یعنی کٹر شیعہ ہے اور وہ انہی کی خبریں جانتا ہے اور روایت کرتا ہے۔"

(لسان المیزان جلد۴ ص۴۹۲، میزان الاعتدال جلد۲ ص ۲۶۰)

ایسا ناقابل اعتبار شخص جس کو بڑے بڑے محدثین اور اصحاب الجرح والتعدیل نے کذاب، متروک، ضعیف، غیر ثقہ اور کٹر اور جلا بھنا شیعہ کہا ہو، اس کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ کرامؓ جیسی قابل اعتبار اور قابل اعتماد شخصیات کو مجروح کرنا اور ان کے خلاف لوگوں کے اذہان کو مسموم کرنا دراصل قرآن و حدیث کی ثقاہت کو مخدوش اور مجروح کرنا ہے۔ ایسے شخص کی روایات پر تو آج کل کا کوئی خود ساختہ مفکر اسلام ہی اعتماد کر سکتا ہے، کوئی صاحب عقل و ہوش اور حامل علم و فراست ایک لمحہ کے لیے بھی ان روایات پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

سیدنا علیؓ کے لشکر میں انتشار

بہر حال جنگ رک گئی، لیکن جنگ رکنے کے ساتھ ہی سیدنا علیؓ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ طبری اور الفخری وغیرہ مورخین نے یہاں بھی تاریخ کے اوراق میں اپنے انداز فکر پر حالات کو لانے کی کوشش کی اور لکھا ہے کہ یہ تدبیر معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے مشورہ سے کی تھی۔ اس سے ان کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں اختلاف و افتراق پیدا ہو جائے، کیونکہ اس بات کو اگر وہ متفقہ طور پر مان لیں گے تب بھی ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور اگر متفقہ طور پر نہیں مانیں گے تب بھی ان کی فکری اور ذہنی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔

سیدنا معاویہؓ کی تدبیر کا مقصد سیدنا علیؓ کے لشکر میں اختلاف پیدا کرنا نہیں تھا

بلکہ خون مسلم کی ارزانی کو روکنا تھا، لیکن ہوا یہ کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں تفرقہ اور اختلاف پیدا ہو گیا مالک الاشتر اور اس کے سبائی گروہ کو چونکہ جنگ میں فائدہ تھا اور دونوں گروہوں کی صلح انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، لہذا انہوں نے اس تدبیر کو دوسرے فریق کی مکاری ظاہر کر کے دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہا، لیکن سیدنا علیؓ کے لشکر کی ایک بہت بڑی جماعت اس تجویز سے متاثر ہوئی اور انہوں نے سبائیوں کے علی الرغم لڑائی کو بند کر دیا۔

کچھ لوگوں نے کہا اور بڑی سختی سے کہا کہ ہمیں قرآن کی اس دعوت کو رد نہیں کرنا چاہیے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد جنگ بند نہ ہوئی تو وہ نہ صرف فوج سے الگ ہو جائیں گے بلکہ سیدنا علیؓ کا مقابلہ بھی کریں گے۔

آپ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیسؓ نے کہا:

"امیرالمومنین میں جس طرح کل آپ کا جانثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری اپنی رائے یہ ہے کہ ہمیں اس وقت کتاب اللہ کو حکم مان لینا چاہیے۔"

مالک الاشتر نخعی اس بات کو بالکل نہیں مان رہا تھا اور برابر لڑتا رہا۔ سیدنا علیؓ خود بھی لڑائی کے حق میں نہ تھے۔ آپ نے جب اپنے لشکر کا یہ رنگ دیکھا اور اپنی فوج کے بڑے بڑے سرداروں کی یہ رائے سنی تو آپ نے مالک الاشتر کو لڑائی بند کرنے کا پیغام بھجوایا۔ اس نے بادل نخواستہ جنگ تو بند کر دی لیکن اپنی فرودگاہ پر واپس آنے کے بعد ابن الکواء اور مسعر فدکی وغیرہ کے ساتھ بہت تلخ گفتگو کی۔ قریب تھا کہ کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی، لیکن سیدنا علیؓ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کروا دیا۔

(طبری جلد ۶ ص ۲۷، مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۱)

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

وکان اهل شام ستین الفاً فقتل منهم عشرون الفاً کان اهل العراق مائة و عشرین الفا فقتل منهم اربعون الفاً

"اہل شام کی تعداد ۶۰ ہزار تھی جن میں سے ۲۰ ہزار قتل ہو گئے اور اہل عراق کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جن میں سے ۴۰ ہزار مقتول ہوئے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۵)

مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کا قتل ہو جانا سیدنا معاویہؓ کو بہت گراں گذرا، لہذا آپ نے شفقت علی المسلمین کے جذبہ کے تحت اس لڑائی کو بند کرانے کی یہ تدبیر کی اور فرمایا:

قد فنی الناس فمن للثغور و من لجها د المشركين و الكفار

"اگر لوگ یونہی فنا ہو گئے تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور کون مشرکین و کفار سے جہاد کرے گا؟" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۳)

ابن اثیر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

هذا حكم كتاب الله عزوجل بيننا و بينكم من لثغور الشام بعد اهله من لثغور العراق بعد اهله؟

"یہ اللہ کی کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔ اہل شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا اور اہل عراق کے نہ رہنے کے بعد عراق کی سرحدوں کی کون نگرانی کرے گا۔"

مسعودی نے اتنے الفاظ اور نقل کیے ہیں:

ومن لجهاد الروم و من للترك و من للكفار؟

"رومیوں سے کون جہاد کرے گا اور ترکوں اور اہل کفر سے کون جنگ کرے گا؟" (مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۸)

ان الفاظ ہی سے سیدنا معاویہؓ کے قلب کی گہرائی کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ کس مقدس جذبہ کے تحت آپ نے اس خونریز جنگ کو بند کروایا۔ آپ سمجھ رہے تھے کہ اگر مسلمانوں کی آپس کی خونریزی کچھ روز اس طرح اور رہی تو اسلام کی ترقی کا سلسلہ جو جہاد کے ذریعہ ہو رہا ہے بالکل منقطع ہو جائے گا۔ دوسرے آپس کی اس خانہ جنگی سے مسلمانوں کی عسکری قوت کمزور ہو جائے گی، جس سے دشمنان اسلام کو ممکن ہے کہ مقبوضات اسلامی پر حملہ کرنے کی جرأت پیدا ہو جائے، لہذا آپ نے صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کی خاطر اس جنگ کو بند کروایا۔

کتاب اللہ کو حکم مانتے ہی دونوں طرف پھر الفت و محبت کی لہر دوڑ گئی اور بغض و عناد کا جذبہ جو جنگ کی تلخیوں کی وجہ سے وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا یک قلم ختم ہو گیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الطوال ص ۱۹۰ : ۱۹۱) لیکن سیدنا علیؓ کے لشکر کی ایک

Marfat.com

جماعت نے جس کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی ، اس تحکیم کو کفر اور گناہ عظیم قرار دیا اور سیدنا علیؓ کو اس سے توبہ کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے ان کی دلیل کے جواب میں فرمایا:

کلمة حق ارید بها الباطل (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۹)

"بات تو حق ہے لیکن مراد اس کی باطل ہے۔"

اس جماعت کے دو سرداروں زرعہ بن برج الطائی اور برقوص بن سعید السعدی نے اپنی بات پر اصرار کیا اور آپ کو توبہ کرنے کے لیے کہا، لیکن آپ ان کی بات ماننے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں خوارج نے آپ کو الٹی میٹم دیا کہ آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لیے آپ کے ساتھ لڑیں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا "میں مقابلے کے لیے تیار ہوں اور یاد رکھو تمہاری لاشیں خاک وخون میں تڑپیں گی" اس جماعت کا تعلق بھی دراصل قاتلان عثمانؓ ہی سے تھا اور یہی لوگ پہلے تحکیم پر راضی ہوئے اور بعد میں سیدنا علیؓ کی پوزیشن کو داغدار کرنے کے لیے ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ تحکیم کو کیوں مانا گیا؟ اس کو جلد از جلد توڑ دینا چاہیے، کیونکہ یہ اسلام کے مزاج کے موافق نہیں۔ سیدنا علیؓ نے جواب دیا کہ: "میں عہد شکنی کر کے قبل از وقت جنگ شروع کر دوں ، بخدا یہ نہیں ہو سکتا۔"

ان لوگوں کو سیدنا علیؓ کے ساتھ اس قدر دشمنی اور کد پیدا ہو گئی کہ انہوں نے کوفہ میں رہنا بھی پسند نہ کیا اور "حروراء" نامی بستی میں جا کر قیام پذیر ہو گئے۔ اس بنا پر انہیں "حروریہ" بھی کہا جاتا ہے۔

(ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۵۔۱۶۶، ۱۶۹۔۱۷۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۷، ۱۷۸، وغیرھم)

ایک وضعی روایت

گزشتہ سطور میں جو ابومخنف کی روایت نقل کی گئی ہے کہ سیدنا علیؓ کے بھرپور حملہ سے جب سیدنا معاویہؓ کو اپنے لشکر کی شکست نظر آئی تو انہوں نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے مشورہ سے ایک جنگی چال چلی کہ قرآن حکیم کو نیزوں پر اٹھا لیا اور آواز دی کہ یہ قرآن ہمارے اور تمہارے مابین حکم ہے، لہذا جنگ بند کر کے قرآن کے فیصلہ کو مانو۔ اس تجویز کو سیدنا علیؓ نہیں ماننا چاہتے تھے، لیکن ان کی فوج کے ایک بہت بڑے حصہ نے اس تجویز کو سراہتے ہوئے سیدنا علیؓ کو جنگ بند کرنے پر مجبور کر دیا اور بامر مجبوری

Marfat.com

انہوں نے جنگ بند کی اور قرآن حکم مانا۔ سبائی سرغنہ مالک الاشتر اور اس کے ساتھی بھی بالکل جنگ بند نہیں کرنا چاہتے تھے، لہٰذا سیدنا علیؓ کے کہنے پر انہوں نے بھی جنگ بند کر دی۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے اس روایت میں دروغ بافی میں عبداللہ بن سباء کی جانشینی کا حق ادا کر دیا اور مندرجہ ذیل باتیں اس روایت میں بالکل غلط بیان کی ہیں۔

۱۔ سیدنا معاویہؓ نے شکست سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کی، یہ بات سراسر غلط ہے۔ سیدنا معاویہؓ کی فوج کو شکست کا کوئی سامنا نہیں تھا کیونکہ سیدنا معاویہؓ کی فوج کی تعداد سیدنا علیؓ کی فوج سے ایک روایت کے مطابق زیادہ تھی (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۶۰) دوسرے نظم و ضبط، ڈسپلن اور یکجہتی بھی شامی فوج میں عراقی فوج سے زیادہ تھی جو کسی کے فاتح ہونے کے لیے ضروری ہے۔ عراقی فوج قلب ونظر کے لحاظ سے پراگندہ تھی، لہٰذا اس کے فاتح ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابن کثیر کی ایک روایت کے مطابق شامی فوج کے ۲۰ ہزار اور عراقی فوج کے ۴۰ ہزار آدمی قتل ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۵)

۲۔ ابو مخنف نے دوسرا جھوٹ اس روایت میں یہ بولا کہ "سیدنا علیؓ جنگ بند نہیں کرنا چاہتے تھے اور وہ سیدنا معاویہؓ کی یہ ایک جنگی چال سمجھتے تھے۔" یہ بات بھی غلط ہے سیدنا علیؓ قرآن حکیم کو حکم مانتے ہوئے جنگ بند کرنے پر اس تجویز کے پیش ہوتے ہی راضی ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی فوج کو خود جنگ بند کرنے کے لیے کہا، البتہ سبائی سرغنہ مالک الاشتر اور اس کے ساتھی جنگ بند نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سیدنا علیؓ نے انہیں بھی جنگ کرنے سے روکا۔

۳۔ ابو مخنف نے یہ جو بیان کیا ہے کہ پانچ سو قرآن نیزوں پر اوپر اٹھائے گئے۔ یہ بھی صحیح نہیں بلکہ دوران جنگ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو ابن العاصؓ کی تجویز سے ایک شخص کے ہاتھ قرآن حکیم سیدنا علیؓ کے پاس بھیجا اور انہیں اسے حکم بنانے کے لیے کہا، اور سیدنا علیؓ نے اسے حکم بنانا قبول کر لیا۔ یہ نیزوں قرآن حکیم کو اٹھانا سراسر غلط ہے، بلکہ ہمارے خیال میں قرآن کی توہین ہے

مترادف ہے۔

چنانچہ ابومخنف شیعی کی اس غلط اور من گھڑت روایت کے مقابلہ میں مورخین نے ایک باسند صحیح روایت بھی نقل کی ہے جس کو امام احمد نے ذکر کیا ہے۔ اس روایت میں بھی اگرچہ ایک راوی عبدالعزیز بن سیاہ شیعہ ہے، لیکن چونکہ یہ روایت شیعہ مذہب کی جڑوں کو کمزور کرنے والی اور شیعی روایات کی تائید کی بجائے ان کی تردید بلکہ تغلیط کرنے والی ہے۔ اس وجہ سے شیعہ راوی کا روایت کرنا اسے اور زیادہ قابل یقین اور قابل اعتماد بنا دیتا ہے۔ پھر بخاری اور مسلم کی بعض روایات سے اس روایت کے بعض حصوں کی تائید بھی ہوتی ہے، لہذا یہ روایت ایک قوی شہادت ہے۔ ابومخنف لوط بن یحیٰی سبائی کی روایت کے خلاف۔ چنانچہ اس روایت سے تمام اشکالات ختم ہو جاتے ہیں اور شکوک وشبہات کا غبار چھٹ کر حقیقت حال آفتاب نصف النہار کی طرح واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ہم سے یعلی بن عبیدہ نے روایت کی اور انہوں نے عبدالعزیز بن سیاہ سے اور وہ حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا ابو وائلؓ کے پاس ان کی مسجد میں حاضر ہوا اور ان سے اس گروہ اور جماعت کے بارہ میں پوچھا جنہیں سیدنا علیؓ نے نہروان میں قتل کیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے ان کی کیا بات مانی؟ اور کس بات میں ان سے اختلاف کیا؟ اور انہوں نے ان لوگوں سے کس وجہ سے جنگ جائز سمجھی؟ میرے اس سوال کے جواب میں سیدنا ابو وائلؓ نے فرمایا:

"ہم لوگ صفین میں تھے جب اہل شام کے خلاف حملہ میں شدت پیدا ہوئی تو شامی فوج کا ایک دستہ ایک ٹیلہ پر چڑھ گیا۔ اس موقع پر سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ سیدنا علیؓ کے پاس ایک قرآن حکیم بھجوا دو اور انہیں قرآن حکیم کی طرف دعوت دو یعنی قرآن حکیم کے فیصلے کی طرف بلاؤ۔ مجھے امید ہے کہ وہ ہرگز اس سے انکار نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایک شخص سیدنا علیؓ کے پاس قرآن لے کر آیا اور کہا کہ ہمارے اور آپ کے مابین کتاب اللہ ہے (فقال بیننا و بینکم کتاب اللہ) (اس کے بعد ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے) "کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی

Marfat.com

طرف بلائے جاتے ہیں تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ اس دعوت کے بعد اس سے اعراض برتتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ اس پر سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ ہم کتاب اللہ کے فیصلہ پر عمل کرنے میں دوسروں سے آگے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے۔'' اتنے میں سیدنا علیؓ کے پاس خوارج جنہیں ہم قراء کہتے تھے اپنے کندھوں پر تلواریں رکھے ہوئے آئے اور انہوں نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ امیر المومنین یہ لوگ جو ٹیلے پر اکٹھے ہوئے ہیں کس بات کے منتظر ہیں؟ کیا ہم تلواریں لے کر ان کے پاس نہ جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اس کے جواب میں سیدنا سہل بن حنیفؓ نے فرمایا لوگو اپنی رائے کو الزام دو یعنی تمہاری رائے غلط ہے۔ دیکھو صلح حدیبیہ کے موقع پر جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے مابین صلح ہوئی تھی، اگر اس دن جنگ کی رائے ہوتی ہم ضرور جنگ کرتے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم حق پر اور مشرکین باطل پر نہیں ہیں؟ اس کے بعد انہوں نے پوری حدیث یعنی صلح حدیبیہ کا پورا واقعہ بیان فرمایا۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۲، تطہیر الجنان ص ۱۲۱، ۱۲۲)

اس روایت سے وہ تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے جو ایک عام آدمی کے ذہن میں سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کے بارہ میں پیدا ہوئے تھے اور طبری کی اس روایت کی قلعی بھی کھل گئی جو اس نے اپنے خاص شیعی ذہن سے ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے حوالے سے نقل کی ہے، جس سے نہ صرف سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کی شخصیتیں داغدار ہوتی ہیں، بلکہ سیدنا علیؓ کی شخصیت بھی مجروح ہوتی ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے اردو میں کتابیں لکھنے والے مورخین نے بھی ابو مخنف کی روایت کو اہمیت دے کر یہ لکھ دیا کہ سیدنا علیؓ تو جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن سبائیوں کا ایک گروہ جو اس وقت شیعان علیؓ تھے اور اپنی ظاہری دینداری کی وجہ سے ''قراء'' کے لفظ سے یاد کیے جاتے تھے اور بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئے، جنگ بند کرنے پر مصر تھے،

Marfat.com

حالانکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس تھی یعنی سیدنا علیؓ قرآن حکیم کو حکم ماننے پر اصرار کر رہے تھے اور سبائی جنگ جاری رکھنے پر مصر تھے۔ یہاں تک کہ سیدنا علیؓ کی طرف سے سیدنا سہل بن حنیفؓ نے انہیں سمجھایا اور اطاعت خلیفہ کی تلقین کی۔ چنانچہ جنگ رک گئی اور دونوں فریق تحکیم پر راضی ہو گئے۔

قتل عمار بن یاسرؓ

کہا جاتا ہے کہ جنگ کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس سے ظاہر ہو گیا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ یہ کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ جو سیدنا علیؓ کی فوج میں شامل تھے، سیدنا معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سیدنا عمارؓ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا کہ اے عمار تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو بھی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہیں سیدنا معاویہؓ کے گروہ نے شہید کیا تھا۔ صرف دعویٰ سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی کوئی دلیل نہ ہو۔ بعض حضرات نے خصوصی طور پر اردو کے مورخین نے سیدنا علیؓ کے حق پر ہونے کی اسے "نص صریح" کہہ دیا حالانکہ "نص صریح" ثبوت حکم کے اعتبار سے قطعی الدلالت ہوتی ہے، مگر اپنے مصداق پر قطعی الدلالت صرف اس وقت ہوتی ہے جب مصداق کا مصداق ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو۔ جب تک یہ بات یقینی نہ ہو کہ اس کا مصداق فلاں ہے اس وقت تک اس فلاں کے لیے حکم نص ثابت نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اس حدیث کی رو سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ کو سیدنا معاویہؓ کی فوج نے شہید کیا تھا۔ اگر سیدنا عمارؓ کو سیدنا معاویہؓ کے لشکر نے شہید کیا ہوتا تو اس حدیث کی رو سے سیدنا معاویہؓ واقعی باغی قرار دیے جا سکتے ہیں۔ اور اس نص صریح سے اگر سیدنا معاویہؓ اور ان کا لشکر باغی تھا تو سیدنا علیؓ اور اس کے ساتھیوں نے تحکیم کو کیوں قبول کیا؟ کیونکہ باغی کے بارہ میں قرآن حکیم کی نص صریح ہے کہ:

فان بغت احداهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ

"پس اگر ایک گروہ دوسرے گروہ کے خلاف بغاوت کرے تو تم سب مل کر اس

گروہ کے خلاف لڑو جو بغاوت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔" (الحجرات: ۹)

بلکہ آپ صاف فرما دیتے کہ "چونکہ سیدنا عمارؓ کو آپ لوگوں نے شہید کر دیا ہے۔ ان کی شہادت اس بارہ میں نص صریح ہے کہ میں حق پر ہوں اور اے معاویہؓ تم باطل پر ہو، تم چونکہ باغی ہو لہذا میں تم سے جنگ بند نہیں کر سکتا۔"

علاوہ ازیں جو حضرات صحابہ کرامؓ اب تک غیر جانبدار تھے انہیں بھی شہادت عمارؓ کے باعث سیدنا علیؓ کی حمایت میں فوری طور پر کھڑے ہو جانا چاہیے تھا اور پوری دنیائے اسلام میں ایک ہیجان عظیم پیدا ہو جانا چاہیے تھا جیسا کہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد پیدا ہو گیا تھا، لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ خود سیدنا علیؓ کے اپنے ساتھیوں پر بھی راہ حق مشتبہ اور غیر واضح تھی۔ انہیں بالکل معلوم نہیں تھا کہ سیدنا علیؓ حق پر ہیں یا سیدنا معاویہؓ؟ وہ ایک کشمکش میں تھے اور سیدنا علیؓ کا ساتھ دینے کے باوجود میدان جنگ میں نہایت بددل تھے۔ چنانچہ جنگ کے دوران سیدنا علیؓ کے لشکر کا ایک شخص جس کے ہاتھ میں ایک قبیلے کا علم بھی تھا، یہ کہتا ہوا پایا گیا:

"اے اللہ تو نے ہمیں جہالت اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کی صراط مستقیم نصیب فرمائی، لیکن آج ہم پھر ابتلاء اور آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہیں اور ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ حق کیا ہے۔ ہم ریب اور شک میں مبتلا ہیں۔"

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۴۶)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ اور سیدنا علیؓ کے اپنے لشکریوں پر حق ظاہر نہیں تھا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو سیدنا عمارؓ کی شہادت تو بہت بڑی بات ہے، سیدنا علیؓ کے لشکر میں ان کی موجودگی دیکھ کر ہی تمام صحابہ سیدنا علیؓ کے ساتھ تعاون کرتے یہاں تک کہ سیدنا معاویہؓ یکہ و تنہا رہ جاتے بلکہ خود سیدنا معاویہؓ بھی اپنے مؤقف سے دستبردار ہو کر سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ غیر جانبدار رہے۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ شہادت عثمانؓ کے بعد جمل اور صفین کی جنگوں کے مواقع پر متعدد مرتبہ فریقین کے نمائندے صلح کے لیے آپس میں ملے۔ لیکن کسی نے بھی فریق مخالف کو یہ بات بطور دلیل اور حجت کے پیش نہ کی کہ سیدنا علیؓ راہ حق پر

Marfat.com

ہیں اور ان کا موقف بالکل صحیح ہے کیونکہ سیدنا عمار بن یاسرؓ ان کے لشکر میں شامل ہیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ جنگ میں شہید ہو جائیں۔ تاریخ کی کتابیں ایسی شہادت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

تیسری بات اس بارہ میں یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کا سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جانا ہمارے دعویٰ کی مزید تائید کرتا ہے، کیونکہ اگر سیدنا عمارؓ کی شہادت نے حق و باطل کو واضح کر دیا تھا تو صاف ظاہر تھا کہ سیدنا معاویہؓ اپنے موقف کے لحاظ سے باطل پر تھے اور سیدنا حسنؓ کا باطل کے حق میں دستبردار ہونا خود باطل ہے۔ پھر اس بارہ میں کسی شخص نے سیدنا حسنؓ سے یہ نہ کہا کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ کی شہادت سے چونکہ حق واضح ہو گیا تھا کہ سیدنا معاویہؓ باطل پر ہیں لہذا آپ کو ان کے حق میں خلافت جیسے پاکیزہ منصب سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی مکمل شہادت دیتے ہیں کہ کسی شخص نے سیدنا عمارؓ کی شہادت کو بطور دلیل پیش نہیں کیا۔ تاریخ میں یہ تو آتا ہے کہ سیدنا حسینؓ اور چند اور لوگوں نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری پر سیدنا حسنؓ کی مخالفت کی لیکن اس مخالفت کے اسباب اور تھے۔ شہادت سیدنا عمارؓ کا سبب اور وجہ ان میں سے کسی نے پیش نہ کی تھی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اصحاب سے مروی ہے ان میں سے چار حضرات (سیدنا عثمانؓ، سیدنا حذیفہؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا ابو رافعؓ) تو جنگ صفین سے قبل ہی انتقال فرما چکے تھے۔ دوسرے چار حضرات سیدنا ابوھریرہؓ، سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا ابوایوب انصاریؓ اور سیدہ ام سلمہ سلام اللہ علیہا جنگ صفین کے موقع پر زندہ تو تھے لیکن غیر جانبدار رہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ کبھی بھی غیر جانبدار نہ رہتے بلکہ سیدنا علیؓ کا ضرور ساتھ دیتے، کیونکہ یہ محال بلکہ نا ممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ حق و باطل کی جنگ میں حق کا ساتھ نہ دیں بلکہ غیر جانبدار رہیں۔ باقی پانچ حضرات میں سے تین سیدنا خزیمہ بن ثابتؓ، سیدنا ابو قتادہؓ اور سیدنا ابو الیسرؓ جنگ صفین کے موقع پر یقیناً سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے اور باقی دو حضرات سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ وہ تین صحابہؓ جنہوں نے سیدنا علیؓ کا ساتھ دیا تھا، کسی صحیح حدیث میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس

Marfat.com

حدیث کو مدار بنا کر آپ کا ساتھ دیا یا انہوں نے اس حدیث کو مدار استدلال بنا کر دوسرے صحابہ میں پرچار کیا ہو کہ سیدنا علیؓ شہادت عمارؓ کی حدیث کی رو سے چونکہ حق پر ہیں لہذا ان کا ساتھ دو، یا انہوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سیدنا معاویہؓ یا ان کے گروہ کو "الفیئۃ الباغیۃ" (باغی گروہ) کہا ہو۔

حدیث صحیح سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات حق پر تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

لاتقوم الساعة حتی تقتل فئتان عظیمتان یقتل بینهم مقتلة عظیمة و دعواهما واحدة

"قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی جماعتوں میں لڑائی نہ ہو، ان کے مابین سخت جنگ وقتال ہوگا اور ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔"

(بخاری جلد۲ ص ۱۰۲۵،۱۰۵۴)

حق و باطل کا مدار "دعویٰ" اور "دعوت" پر ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک تھا تو پھر ہمارا ذہن یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان میں ایک جماعت حق پر ہو اور دوسری صریحاً باطل پر۔ اس حدیث کی مزید تائید سیدنا علیؓ کے اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے جو نہج البلاغہ میں ان الفاظ سے درج ہے اور اس خط کو آپ نے اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں لکھ کر بھیجا اور جو کچھ اہل صفین اور ان کے درمیان پیش آیا اس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

کان بداء امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام و الظاهر ان ربنا واحد ونبینا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزیدهم فی الایمان بالله والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا ، الامر واحد الا ما اختلفنا فیه من دم عثمان و نحن منه براء (نہج البلاغہ ص ۵۴۳)

"اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک، نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسالت میں ان سے

زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے۔ صرف خون عثمانؓ کے بارہ میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں کی "دعوت فی الاسلام" ایک ہی تھی، لہذا دونوں حق پر تھے۔ کسی ایک کا باطل پر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ متقدمین کے نزدیک سیدنا علیؓ کو حق پر سمجھنا اور ان کے مخالف سیدنا معاویہ ؓ کو خطاء پر سمجھنا تشیع کہلاتا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

فالتشیع فی عرف المتقدمین و اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیاً کان مصیبافی حروبه و ان مخالفه مخطی مع تقدیم الشیخین و تفضیلهما

"متقدمین کے نزدیک سیدنا عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کو فضیلت دینا اور جنگوں میں سیدنا علیؓ کے حق وصواب پر ہونے اور آپ کے مخالف کے خطا پر ہونے کا اعتقاد رکھنا تشیع تھا باوجود حضرات شیخین (سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کے افضل اور مقدم سمجھنے کے۔" (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۴)

معلوم ہوا کہ سیدنا علی کو حق پر اور سیدنا معاویہ ؓ کو خطاء پر سمجھنا بعد کے دور کی ذہنی ایجاد ہے جب اہل السنّت والجماعت کے ذہن شیعی پراپیگنڈہ سے متاثر ہوئے تھے۔

اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ کے اصل قاتل کون تھے؟ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الفئة الباغیة" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ جس واقعہ کا علم زمانہ وقوع کے باخبر حضرات بلکہ شرکاء جنگ یہاں تک کہ خود سیدنا علی ؓ کو بھی نہ ہو سکا اس کا علم کئی سو سال کے بعد طبری، ابو مخنف، واقدی اور ابن اثیر وغیرہم کو کیسے ہو گیا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اخبار نگاری نہیں کی بلکہ اخبار سازی کی ہے اور اپنے عقائد کو تاریخ کا درجہ دے کر دروغ بافی اور بہتان سازی کر کے سیدنا معاویہؓ اور ان کے گروہ پر سراسر جھوٹا الزام عائد کیا ہے اور ایسا کرنا بھی ان کی ایک سازش کا حصہ تھا۔ پھر اس بہتان طرازی اور افتراء پردازی کی اتنی تشہیر کی گئی کہ

Marfat.com

بعد والے مورخین جو اپنے کو سنی کہتے تھے وہ بھی اس پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان کی آواز میں آواز ملانے لگے اور اس قتل کا الزام سیدنا معاویہؓ اور ان کے گروہ کے سر تھوپنے میں ان شیعہ اور سبائی مصنفین کے ہم نوا بن گئے اور جن لوگوں نے سیدنا معاویہؓ پر کچھ مہربانی بھی کی انہوں نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ ان کے طرز عمل کو ان کی اجتہادی غلطی قرار دے کر حدود معصیت سے خارج کر دیا، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں تھا بلکہ ہمارے نزدیک ایسا کہنا غیر شعوری طور پر شیعہ اور سبائی پراپیگنڈے سے متاثر ہونے کی وجہ سے تھا۔

سبائی ذہن نے سیدنا معاویہؓ اور ان کے گروہ کو " الفئة الباغية " ثابت کرنے کے لیے مختلف روایات بھی گھڑیں اور یہ کہا کہ:

"جب حضرت عمار بن یاسرؓ کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہؓ کے لشکر میں پہنچی اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنے والد اور حضرت معاویہؓ دونوں کو حضورؐ کا یہ ارشاد یاد دلایا تو حضرت معاویہؓ نے فوراً اس کی یہ تاویل کی کہ کیا ہم نے عمارؓ کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان جنگ میں لایا۔"

اگر یہ روایت صحیح ہے تو سیدنا معاویہؓ نے کوئی تاویل نہیں کی بلکہ سیدنا عمارؓ کے قتل سے اپنی اور اپنے گروہ کی برأت کا اظہار اور اس غلط الزام سے انکار فرمایا ہے۔ اور اصل قاتلوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ امام احمد کی روایت ہے کہ جب سیدنا معاویہؓ اور ان کے گروہ کے آدمیوں سے پوچھا گیا کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ کو کس نے قتل کیا تو انہوں نے کہا:

أنحن قتلناه ؟ انما قتله الذين جاؤا به

"کیا ہم نے انہیں قتل کیا ہے؟ دراصل ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو انہیں لے کر آئے تھے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۱)

مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمارؓ کو ہمارے لشکر والوں نے قتل نہیں کیا بلکہ انہی کے لشکر کے سبائیوں نے قتل کیا ہے اور ان کا قتل ہمارے ذمہ لگا دیا گیا۔ چنانچہ علامہ ابوبکر جصاص نے اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے جو امام احمد کی اس روایت کی تائید کرتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اس بارہ میں سیدنا معاویہؓ

Marfat.com

سے بات چیت کی تو انہوں نے فرمایا:

انما قتله من جاء به فطرحه بين اسنتنا

"درحقیقت سیدنا عمارؓ کو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو انہیں لائے اور انہیں قتل کرنے کے بعد ہمارے نیزوں کے درمیان ڈال دیا۔" (احکام القرآن جلد ۳ ص)

یعنی ان سبائیوں نے انہیں خود قتل کر کے ہمیں مطعون کرنے اور ان کے قتل کا الزام ہم پر لگانے کے لیے ان کی لاش کو ہمارے لشکر کے درمیان ڈال دیا تا کہ یہ سمجھا جائے کہ انہیں سیدنا معاویہؓ کے لشکر نے قتل کیا ہے۔

علمائے متقدین کی ایک جماعت نے بھی اس بات کا اظہار کیا ہے کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ کو سیدنا معاویہؓ کے لشکر والوں نے شہید نہیں کیا تھا بلکہ سیدنا علیؓ کے لشکر کے ان لوگوں نے شہید کیا تھا جو پہلے سبائی تھے اور بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے محدث ابن بطال کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو لوگ سیدنا عمارؓ کے قتل کا الزام اہل شام کو دیتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ:

انما يصح هذا فى الخوارج الذين بعث اليهم على عمارا يدعوهم الى الجماعة

"اس کا الزام (اہل شام کی بجائے) خوارج پر ہے جن کی طرف سیدنا علیؓ نے سیدنا عمارؓ کو بھیجا تھا تا کہ وہ انہیں جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔"

(عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۲۰۹)

یہ رائے صرف ابن بطال محدث ہی کی نہیں بلکہ اس سے قبل محدث مہلب اور محدثین کی ایک جماعت کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ علامہ عینی ہی نے لکھا ہے:

قلت تبع ابن بطال فى ذالک المهلب و تابعه على ذالک جماعته

"میں کہتا ہوں کہ اس بارہ میں ابن بطال نے مہلب کی پیروی کی ہے اور ایک جماعت نے بھی اس میں ان کی پیروی کی۔" (ایضا)

اگرچہ علامہ عینی نے محدث ابن بطال اور محدث مہلب کی اس بات کو یہ کہہ کی صحیح تسلیم نہیں کیا کہ خوارج تو جنگ صفین کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور سیدنا عمار بن یاسرؓ

Marfat.com

اس سے قبل جنگ صفینؓ میں شہید ہو چکے تھے۔ لیکن علامہ عینی کا یہ اعتراض خود صحیح نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو سیدنا عمارؓ کی جنگ صفین میں شہادت خود مشکوک ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ خوارج جنگ صفین کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔ اگرچہ ان کے طاقت پکڑنے کا زمانہ بعد کا ہے۔

خوارج کون تھے؟ یہ سبائی تھے جو جنگ صفین سے قبل سیدنا علیؓ کے لشکر میں موجود تھے اور جنگ صفین میں بھی موجود تھے۔ ممکن ہے کہ سیدنا علیؓ نے ان کو سمجھانے کے لیے سیدنا عمار بن یاسرؓ کو ان کے پاس بھیجا ہو اور انہوں نے انہیں شہید کر دیا ہو جیسا کہ ابن بطال اور علامہ مہلب نے لکھا ہے۔

اس مسئلہ کو ہم نے دلائل و براہین کے ساتھ اپنی کتاب "سیدنا معاویہؓ ــــ شخصیت اور کردار" جلد دوم میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں اس کا اجمال ہی کافی ہے۔

جنگ صفین کے مقتولین

جنگ صفین میں سیدنا معاویہؓ کے جو لشکری مقتول ہوئے، سیدنا علیؓ کی ان کے بارہ میں کیا رائے تھی؟ اور شریعت اسلامیہ میں ان کا کیا مقام تھا؟ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ دونوں حضرات ہی جنگ نہ کرنے کے در پے تھے۔ آپس میں ان کی جو کشمکش پیدا ہو چکی تھی اس کو سبائیوں نے ہوا دے کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ جنگ برپا ہو گئی جس کا سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں کو از حد افسوس اور صدمہ تھا، لیکن دونوں حضرات جنگ میں حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہوئے یعنی نہ کسی عورت کا پردہ اٹھایا، نہ کسی کا مال لوٹا، نہ کسی مسلمان مرد کو غلام بنایا اور نہ ہی کسی عورت کو لونڈی، نہ قیدیوں کو قتل کیا اور نہ ہی فریقین کے مال کو مال غنیمت سمجھا، بلکہ جب سیدنا علیؓ سے ان مقتولین کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

قتلانا و قتلاهم فی الجنة

"ہمارے اور معاویہؓ کی فوج کے مقتولین دونوں جنت میں ہیں۔"

(کنز العمال جلد ۶ ص ۸۶، سیر اعلام النبلا جلد ۳ ص ۹۵، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۷)

ایسے ہی ایک روز سیدنا علیؓ جنگ کے دوران باہر نکلے۔ آپ کے ساتھ صحابی

Marfat.com

رسول ﷺ سیدنا عدیؓ بن حاتم بھی تھے۔ انہوں نے بنی طے کے ایک مقتول کو پڑا ہوا پایا۔ سیدنا عدیؓ کے منہ سے نکلا "افسوس کل مسلمان تھا اور آج کافر ہو کر مرا پڑا ہے۔" سیدنا علیؓ نے جب ان کے منہ سے یہ بات سنی تو فرمایا:

کان امس مومناً و ھو الیوم مومن (ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲)

"یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔"

سیدنا علیؓ کے ساتھیوں نے ایک دن آپ سے پوچھا کہ معاویہؓ کے جو ساتھی جنگ صفین میں مارے گئے ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ مومن تھے یا کافر؟ آپ نے بلا جھجک فرمایا:

ھم المومنون (ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۳، منہاج السنہ جلد ۳ ص ۶۱)

"وہ سب مومن تھے۔"

زیادہ سے زیادہ سیدنا علیؓ نے ان کے بارہ میں جو فرمایا وہ یہ تھا

اخواننا بغوا علینا

"وہ ہمارے بھائی تھے، لیکن انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تھی۔"

(تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۳۲۴، السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۸ ص ۱۷۳، شرح المقاصد جلد ۲ ص ۲۲۳)

باغی کافر نہیں ہوتا۔ پھر وہ بغاوت اجتہادی تھی جس میں ایک طرف سے بغاوت نہ تھی بلکہ دونوں طرف سے بغاوت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا علیؓ نے ان کے حق میں خود بھی کلمہ خیر کہا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کلمہ خیر کہنے کی تلقین فرمائی اور ان کے بارہ میں نازیبا یا خلاف شرع الفاظ کہنے سے سختی سے روکا۔ بلکہ فرمایا:

فانھم زعموا انا بغینا علیھم و زعمنا انھم بغوا علینا

"انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم نے یہ سمجھا کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔"

(ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲۹، منہاج السنہ جلد ۳ ص ۶۱)

چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا معاویہؓ کے مقتول ساتھیوں کی سیدنا علیؓ نے تجہیز و تکفین کی اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی جو ان کے مومن ہونے پر ایک بین دلیل ہے۔

Marfat.com

تحکیم

غرض جنگ بند ہو جانے کے بعد باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے اور متنازعہ فیہ مسئلہ ان دونوں کے سپرد کر دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق جو فیصلہ کریں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو۔ جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے اس کے خلاف دوسرے کی امداد کی جائے۔

اس قرار داد کے پاس ہو جانے کے بعد اہل شام نے متفقہ طور پر سیدنا عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا۔ سیدنا علیؓ نے اہل عراق کی طرف سے عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث مقرر کرنا چاہا، لیکن آپ کے اپنے لشکر نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا (شاید اس معاملہ میں بھی مالک الاشتر مخالفت کرنے والوں میں پیش پیش تھا، کیونکہ اس نے اس وقت سخت مخالفت کی تھی جب سیدنا علیؓ نے سیدنا ابن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنا چاہا بلکہ اس وقت غضبناک ہو کر سیدنا علیؓ کو دھمکی بھی دی تھی (طبری جلد ۵ ص ۱۹۴) اور عبداللہ بن عباسؓ کے نام کے بعد آپ کا مالک الاشتر کے نام کو تجویز فرمانا بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے)۔

لا نرضی الا بابی موسیٰ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۶)

"ہم سوائے ابو موسیٰؓ کے اور کسی پر راضی نہ ہوں گے۔"

ہیثم بن عدی نے کتاب الخوارج میں لکھا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام سب سے پہلے اشعث بن قیسؓ نے تجویز کیا تھا۔ پھر ان کی متابعت میں اہل یمن بھی انہیں کا نام لینے لگے اور دلیل یہ دی کہ وہ اس سارے حادثے سے الگ تھلگ رہے ہیں اور وہ

Marfat.com

اس معاملہ میں بالکل غیر جانبدار ہیں۔ لیکن سیدنا علیؓ نے اشعث بن قیسؓ کے تجویز کردہ نام کی مخالفت کی اور اصرار کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ ہی کو حکم مقرر کیا جائے۔ آپ کے لشکر کے آدمیوں نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ آپ کے خاص عزیز ہیں۔ حکم غیر جانبدار اور غیر متعلق ہونا چاہیے۔ سیدنا علیؓ نے پھر دوسرا نام مالک الاشتر نخعی کا لیا۔ اس پر اشعث بن قیسؓ اور ان کے ساتھیوں نے برافروختہ ہو کر کہا کہ یہ ساری آگ تو اسی کی لگائی ہوئی ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ جب تک آخری نتیجہ برآمد نہ ہو ہر فریق دوسرے سے برسر پیکار رہے اور جنگ کسی صورت میں بند نہ ہو اب تک ہم اسی شخص کی رائے پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے، اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔ سیدنا علیؓ نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر بامر مجبوری سیدنا ابوموسیٰ الاشعریؓ کو حکم مان لیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۵، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۲، طبری جلد ۲ ص ۲۸، مروج الذھب جلد ۲ ص ۲۸، اخبار الطوال ص ۱۹۲، شرح ابن ابی احدید جلد ۲ ص ۲۲۸)

سیدنا علیؓ کا نافرمان لشکر

سیدنا علیؓ کے لشکر میں سبائیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی جن کا کام اور جن کی نیت ہی اسلام کے شیرازہ کو تلپٹ کرنا تھا، لہذا وہ ہر معاملہ میں سیدنا علیؓ کی مخالفت کرتے تھے اور ان کی اکثر یہی کوشش رہتی تھی کہ سیدنا علیؓ سے اپنی بات منوائیں۔ چنانچہ آپ ان لوگوں سے انتہائی تنگ اور کبیدہ خاطر تھے۔

آپ کبھی کبھی فرماتے:

”بخدا مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھا لیں۔ پھر فرمایا، خداوندا! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہیں۔ خداوندا! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھوں مبتلا کر کہ یہ اس کے بعد مجھے یاد کریں۔“

(جلاء العیون ص ۲۲۹)

تاریخ روضۃ الصفا کے مؤلف نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ کی آخر کار یہ دعا قبول ہو کر رہی اور اسی رات حجاج بن یوسف ثقفی پیدا ہوئے۔ واز وبہ کوفیاں رسید آنچہ رسید (اور

Marfat.com

اس سے کوفیوں کو جو سزا ملی وہ ملی۔)

(تاریخ میں حجاج کے ذمہ جو قتل لگائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر ان ہی کوفیوں اور دشمنان اسلام کے ہیں جنہوں نے دوستی کے روپ میں دشمنی کا کام سرانجام دیا)

ایک اور موقع پر ان لوگوں کے بارہ میں اپنی شکایت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

"اگر موسم گرما میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو کہ بڑی سخت گرمی ہے۔ ہم کو مہلت دیجئے کہ گرمی کم ہوجائے۔ جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے تو زیادہ بھاگو گے۔ اے لوگو جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو، کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور نہ تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو غصہ سے تم نے بھر دیا اور تم نے میری سخت نافرمانی کی ہے اور میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا ہے۔"

(حلیۃ المتقین باب ۱۴ فصل ۱۲ ص ۳۶۲)

چنانچہ جب ان لوگوں نے آپ کو زیادہ تنگ کیا تو ایک روز آپ کے منہ سے یہ الفاظ بھی نکل گئے۔ فرمایا:

قاتلکم اللہ، لقد ملاء تم قیھاً و شحنتم صدری غیظا

"اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے، تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔" (نہج البلاغہ ص ۴۷)

ایک روز آپ سخت کبیدہ خاطر تھے اور اپنے ان ساتھیوں اور لشکریوں کا جنہوں نے پہلے تو جنگ جمل میں اور پھر جنگ صفین میں اپنوں سے لڑایا، لیکن اب معاہدہ تحکیم کے بعد جب اپنی سازشوں کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، سیدنا علیؓ نے ان الفاظ میں شکوہ فرمایا:

و قد زعمت قریش ان ابن ابی طالب شجاع ولکن لا علم لہ بالحروب، تربت ایدیھم وھل فیھم اشد مراساً لھا منی؟ لقد نھضت فیھا و ما بلغت العشرین وھا انا ذا قد اربیت علی نیف و ستین ولکن لا رأی لمن لا یطاع

Marfat.com

"قریش سمجھتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی علوم و فنون سے نا آشنا اور نا بلد ہے۔ خاک آلود ہوں ان کے ہاتھ، کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟ میں تو جنگوں میں اس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی، اور اب میں زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں، لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے اس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟"

(مروج الذہب جلد ۲ ص ۶۲، اخبار الطوال ص ۲۱۲، کتاب الاغانی جلد ۱۵ ص ۴۳، حلیۃ المتقین باب ۱۴ فصل ۱۲ ص ۳۲۲)

مختصر یہ کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں سبائیوں نے ایک طوفان بدتمیزی اٹھایا ہوا تھا اور وہ ہر معاملہ میں سیدنا علیؓ کی مخالفت کر کے لشکر میں تشتت و انتشار کی فضا پیدا کر دیتے تھے۔ چنانچہ مورخین نے ان لوگوں کے خصائل کے کچھ واقعات اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ ان کی ایک خصلت یہ تھی کہ:

"سیدنا معاویہؓ جب بھی کوئی مراسلہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجتے تو قاصد کے آنے جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کب آتا ہے اور کب جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا۔ اہل شام کا کوئی شخص اس سے اس بارہ میں کچھ نہ دریافت کرتا، لیکن جب سیدنا علیؓ کا پیغام رساں آتا تو اہل عراق سیدنا عبداللہ بن عباسؓ (سیدنا علیؓ کے معتمد خاص تھے) کے پاس جاتے اور دریافت کرتے کہ امیر المومنین سیدنا علیؓ نے آپ کو کیا لکھا ہے؟ اگر آپ ان سے (بعض وجوہات کی بنا پر) خط کے مضمون کو چھپاتے تو پھر خود ہی انکل پچو لڑایا کرتے کہ ہمارے خیال میں امیر المومنینؓ نے فلاں فلاں بات لکھی ہو گی۔ اس پر سیدنا ابن عباسؓ ان سے فرماتے "تمہیں کبھی عقل بھی آئے گی یا نہیں؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا معاویہؓ کا قاصد آتا ہے تو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا اور کیا لے گیا۔ نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی شور و غوغا سنائی دیتا ہے، مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کی انکل پچو مارا کرتے ہو۔"

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۷، اخبار الطوال ص ۱۹۷، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۷۱)

Marfat.com

اپنی فوج کے ان لوگوں سے دلگیر اور پژمردہ ہو کو ان کے بارہ میں سیدنا علیؓ حق تعالیٰ سے یوں دعا فرماتے ہیں:

اللهم سئمتهم وسئموني وكرهتهم وكرهوني اللهم فارحهم مني وارحني منهم

"اے اللہ میں ان سے تنگ ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں۔ میں ان کو ناپسند کرتا ہوں اور یہ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ اے اللہ ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۵)

بعض اوقات اپنے شیعوں اور نام نہاد ساتھیوں کی انہی غداریوں اور فتنہ انگیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے موسلادھار بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے:

واللّٰه ! ان معاوية صارفني بكم صرف الدينار بالدرهم فاخذ مني عشراً منكم و اعطاني رجلاً منهم

"بخدا! میری دلی آرزو ہے کہ معاویہؓ مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کرلیں کہ جس طرح دینار (اشرفیوں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کئے جاتے ہیں۔ مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی دے دیں۔" (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۳۵۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی سیدنا علیؓ کی اپنے لشکریوں کے مقابلہ میں بے بسی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

وكان عليؓ عاجزاً عن قهر الظلمة من العسكرين ولم تكن اعوانه يوافقونه على ما يامر به واعوان معاوية يوافقونه

"سیدنا علیؓ اپنے سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز اور مجبور تھے۔ اور ان کے ساتھی ان کے ساتھ کسی کام میں موافقت اور تعاون نہیں کرتے تھے جب کہ اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھی ان کے احکام کو بدل و جان قبول کرتے تھے۔" (منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۰۲)

Marfat.com

ثالثوں کا اجمالی تعارف

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کیا گیا جس کا کام قرآن حکیم کی روشنی میں تنازعہ کو ختم کرنا تھا۔ سیدنا علیؓ کی طرف سے سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ حکم مقرر ہوئے جب کہ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا۔ اب فیصلے کا سارا انحصار میدان جنگ سے ختم ہو کر ان حکموں پر تھا۔ اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حکموں کا اجمالی طور پر تعارف کرا دیا جائے تا کہ ان کے شخصیتوں کے بارہ میں قارئین کرام کو علم ہو سکے کہ یہ دونوں حضرات کس کینڈے اور درجے کے لوگ تھے۔

سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن قیسؓ اور کنیت ابو موسیٰ تھی۔ آپ یمن کے قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی نسبت سے "اشعری" کہلاتے تھے۔

سیدنا ابو موسیٰؓ یمن سے چل کر مکہ مکرمہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت پر لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آپ یمن سے پچاس مسلمانوں کی ایک جماعت کی معیت میں بحری جہاز پر سوار ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے نکلے، لیکن باد مخالف نے جہاز کو حجاز کی بجائے حبشہ پہنچا دیا۔ یہاں آپ مہاجرین

Marfat.com

حبشہ سے مل گئے اور مدینہ منورہ میں عین اس وقت ہجرت فرمائی جب مجاہدین اسلام فتح خیبر سے واپس آ رہے تھے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو موسیٰؓ اور ان کے تمام ساتھیوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ مرحمت فرمایا۔

(بخاری جلد۲ ص ۶۰۸، طبقات ابن سعد جلد۴ ص ۱۰۶)

آپ نے فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شرکت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ان کو بہت دعائیں دیں۔

آپ علمی، عملی اور فکری صلاحیتوں کے مالک تھے، چنانچہ ابو الاسود بن یزید فرماتے ہیں:

لم اری بالکوفۃ اعلم من علی وابی موسی

"میں نے کوفہ میں سیدنا علیؓ اور سیدنا ابو موسیٰؓ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔"

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد۲ ص ۲۵۷، تذکرۃ الحفاظ جلد۴ ص ۱۰۶)

امام مسروق فرماتے ہیں:

کان القضاء فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ستۃ عمر وعلی و ابن مسعود و ابیّ و زید بن ثابت و ابی موسیٰ

"قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھے صحابہ میں منحصر تھی، عمرؓ، علیؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ میں۔"

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد۲ ص ۲۵۷)

اسی وجہ سے کتابوں میں آتا ہے:

کان ابو موسی احد الفقہاء الستۃ (مستدرک حاکم جلد۳ ص ۴۶۵)

"سیدنا ابو موسیٰ چھے فقہاء صحابہؓ میں سے ایک تھے۔"

ابو البختری کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا علیؓ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ خصوصی طور پر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے بارہ میں سوال کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

Marfat.com

صبغ فی العلم صبغة ثم خرج منه

''وہ علم میں رنگ کر نکالے گئے تھے۔''

(تاریخ اسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۵۷، تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۱۰۷)

امام ذہبیؒ نے ان کے متعلق جو ریمارکس دیے ہیں وہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں۔فرمایا:

کان (ابو موسیٰ) من اجلاء الصحابة و فضلاتهم

''سیدنا ابو موسیٰؓ جلیل القدر اور فاضل صحابہؓ میں سے تھے۔''

(تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۵۵)

آپ کی انہی صلاحیتوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۳، العواصم من القواصم ص ۱۷۴، زرقانی جلد ۳ ص ۹۹، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۲۵۴، مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۵)

حجۃ الوداع میں آپ یمن ہی سے شرکت کے لیے تشریف لائے۔

سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی۔ پھر سیدنا عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول فرما کر ان کی جگہ بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔

(طبری جلد ۵ ص ۹۴)

۲۹ھ میں بصرہ کے مفسدہ پردازوں نے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تو سیدنا عثمانؓ نے انہیں معزول فرما کر ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ کو گورنر بصرہ مقرر فرما دیا، لیکن ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر سیدنا سعید بن العاصؓ کی جگہ ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

شہادت عثمانؓ کے بعد جنگ جمل کے موقع پر جب سیدنا علیؓ کے داعی لوگوں کو آپ کے لشکر میں شرکت کے لیے ابھار رہے تھے تو آپ کو ان کی یہ حرکت پسند نہ آئی، کیونکہ آپ خون مسلم کی ارزانی پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مسجد میں فتنہ کی احادیث بیان کرنا شروع کر دیں اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس میں بیٹھا ہوا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہے (القاعد فیھا خیر من القائم)

Marfat.com

لہذا تم لوگ غیر جانبدار رہو۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۵)

مالک الاشتر بھی یہ باتیں سن رہا تھا۔ یہ اسی وقت موقع پا کر جلدی سے دارالامارت چلا آیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ جب مسجد سے فارغ ہو کر سیدنا ابو موسیٰؓ دارالامارت کی طرف تشریف لائے تو مالک الاشتر نے ان کو دارالامارت میں داخل ہونے سے روکا اور کہا کہ آپ ہماری گورنری سے معزول ہو جایئے۔ آپ نے معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر نہایت تدبر سے کام لیا۔ آپ نے سمجھا کہ اگر اس وقت میں نے مداخلت کی تو دارالامارت میں تو داخل ہو جاؤں گا، لیکن ہزاروں سرتنوں سے جدا ہو جائیں گے، لہذا آپ واپس تشریف لے آئے اور "عرض" نامی گاؤں میں خمولت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جب لوگ خونریزی سے سیر ہو گئے تو اس وقت انہیں سیدنا ابو موسیٰؓ کی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو انہوں نے مسجد کوفہ میں لوگوں سے کہیں تھیں۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اب صفین کے موقع پر ان کو حکم (ثالث) مقرر کرنے پر اصرار کیا۔

(العواصم من القواصم ص ۱۷۳۔۱۷۴ تعلیقہ)

آپ عوام کے صلح پسندانہ جذبات کے نمایاں مظہر تھے۔

اسی وجہ سے سیدنا علیؓ کی فوج کے دور اندیش اور حقیقت پسند لوگوں نے انہیں تحکیم میں اپنا ثالث مقرر کیا، کیونکہ وہ گوشہ گمنامی میں غیر جانبداری اور صلح پسندی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر کسی اور کو ثالث مقرر کیا گیا تو شاید وہ جانب دار ہونے کی وجہ سے امت کو پھر جنگ کی بھٹی میں نہ جھونک دے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بصیرت اور تدبر سے عوام کی توقعات کے مطابق ایسا فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی بے نیام تلواریں ہمیشہ کے لے نیام میں چلی گئیں۔

سیدنا عمرو بن العاصؓ

دوسرے حکم جن کو اہل شام نے متفقہ طور پر مقرر کیا تھا، سیدنا عمرو بن العاصؓ تھے۔ یہ مکہ مکرمہ کے بنوسہم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کا عہدہ اسی قبیلہ کے پاس تھا۔ یہ قبیلہ اہل اسلام کی ایذارسانی اور دشمنی میں پیش پیش تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ سیدنا عمرو بن

Marfat.com

العاصؓ بھی مسلمانوں کی ایذارسانی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ چنانچہ یہ حبشہ کے اس وفد میں بھی شامل تھے جو مہاجرین کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا۔

غزوہ خندق تک وہ قریش کے ساتھ رہے، لیکن اس غزوہ کے بعد وہ اسلام سے متاثر ہونا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کی مخالفت سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے۔ چنانچہ فتح مکہ سے پہلے سیدنا خالد بن ولیدؓ کے ساتھ جو انہیں مدینہ طیبہ کے راستہ میں ملے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد۴ ص ۲۳۸، ص ۲۴۰، الخصائص الکبری للسیوطی جلد ا ص ۲۴۸)

خود فرماتے ہیں کہ خالد بن ولیدؓ کے بیعت کرنے کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں بیعت کروں گا لیکن آپ میرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا۔ عمروؓ بیعت کر لو اور جان لو کہ اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور ہجرت بھی تمام گناہوں کو معدوم کر دیتی ہے چنانچہ میں نے بیعت کر لی اور مکہ مکرمہ واپس لوٹ گیا۔ (مسند احمد جلد۴ ص ۱۹۸)

طبیعت میں انتہا پسندی تھی، چنانچہ حالت کفر میں بھی شدید تھے اور جب مشرف با اسلام ہوئے تو پھر بھی اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اگر اسی حالت میں مر جاتا تو سیدھا جہنم میں جاتا۔ اور جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو آپ سے زیادہ کوئی ذات میری نگاہ میں وقیع اور باعزت نہ تھی اور میں پوری زندگی آنکھ بھر کر آپ کے روئے انور کو دیکھ بھی نہ سکا۔ (الاستیعاب جلد۲ ص ۴۴۹)

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے زمانے میں بہت سی جنگوں میں شرکت فرمائی۔ مصر، اسکندریہ اور طرابلس الغرب کی فتح آپ ہی کی جرأت ایمانی کی مرہون منت ہے۔ سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی سرکوبی میں بھی انہوں نے اپنے نمایاں جوہر دکھائے۔ فتوحات شام، اجنادین، دمشق، فحل اور یرموک وغیرہ کی جنگوں میں بھی اپنی بہادری کی داد پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے حاکم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور آپ

Marfat.com

کے خط سے متاثر ہو کر وہاں کے دو حاکم عبید اور جیفر مشرف با سلام ہو گئے۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہاں کا حاکم بھی مقرر فرما دیا۔

(اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱۷)

اپنی خلافت کے آخری سالوں میں سیدنا عمرؓ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا، لیکن ۲۶ھ میں سیدنا عثمانؓ نے انہیں وہاں کی گورنری سے معزول کر کے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ آپ نے اس بات کا بالکل برا نہ منایا اور واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ فلسطین میں مقیم ہو گئے اور وقتاً فوقتاً مدینہ تشریف لایا کرتے تھے۔

(تہذیب الاسماء واللغات جلد ا ص ۳۰، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱۷)

آپ نہایت ذہین اور رسا ذہن کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر بن الخطابؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ اہم امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے، خصوصی طور پر سیدنا عثمانؓ تو ہر مشکل موقع پر ان ہی سے مشورہ کو ترجیح دیتے تھے۔ شورش کے زمانے میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے تخریبی ذرائع استعمال کرنے شروع کیے تو سیدنا عثمانؓ نے ایک مشاورتی کونسل منعقد کی جس کے ایک رکن آپ بھی تھے اور تمام اراکین کونسل کے مشورہ کے بعد آپ نے خاص طور پر آپ کی رائے پوچھی۔ (طبری جلد ۵ ص ۹۹) کئی اور موقعوں پر بھی آپ نے باغیوں کے سامنے سیدنا عثمانؓ کی صفائی پیش کی۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۰۲ ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۵)

شہادت عثمانؓ کے بعد یہ بھی سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرح عزلت کی زندگی بسر کرنے لگے اور جنگ جمل کا قیامت خیز واقعہ بھی انہیں گوشہ عزلت سے باہر نہ نکال سکا۔ لیکن جب سیدنا علیؓ نے شام پر چڑھائی کی تو سیدنا معاویہؓ نے اس بہترین دماغ کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ ان کو خط لکھ کر شام بلا لیا۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ا ص ۲۷۵)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بہت تعریف فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"عمرو بن العاصؓ قریش کے صالح اور نیک لوگوں میں سے ہیں۔"

(الاصابہ جلد ۵ ص ۷۳)

Marfat.com

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ کیا "وہ شخص نیک خصال نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو؟" آپ نے فرمایا: "اس کی سعادت اور نیک خصلت میں کس کو شک ہو سکتا ہے؟" وہ بولا: "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک آپ سے محبت کرتے رہے۔"

(تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۵۷، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱۷)

سیدنا عمرو بن العاصؓ قوت ایمانی میں ایک مینار کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ زبان رسالت نے ان کے بارہ میں جو ریمارکس دیئے وہ شنیدنی ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

اسلم الناس و امن عمرو بن العاص (مسند احمد جلد ۴ ص ۱۵۵)

"لوگ تو اسلام لائے، لیکن عمرو بن العاصؓ ایمان لائے۔"

ایک اور موقع پر لسان رسالت نے ارشاد فرمایا:

ابنا العاص مومنان یعنی ھشام و عمرو

"عاص کے دونوں بیٹے ہشامؓ اور عمروؓ پکے مومن ہیں۔"

(مسند احمد جلد ۴ ص ۳۵۳)

تدبر وسیاست میں اپنی مثال آپ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر خود ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم اسلام میں ایک صائب الرائے آدمی ہو"

(کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶)

چنانچہ ان کی زیرکی اور تدبر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے، بلکہ بعض مرتبہ ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ پر بھی انہیں امیر بنایا گیا: (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۵۶)

سیدنا عمرؓ جیسا ذہین اور صاحب تدبر انسان بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتا تھا۔ (الاصحابہ جلد ۵ ص ۴۳)

Marfat.com

معاہدۂ تحکیم

فیصلہ کے مطابق سیدنا علیؓ نے اپنے آدمی بھیج کر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو ''عرض'' سے بلوایا جہاں وہ عزلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب سیدنا ابو موسیٰؓ سے جا کر کہا گیا کہ دونوں گروہوں نے آپس میں صلح کر لی ہے تو آپ نے فرمایا ''الحمداللہ'' اور جب کہا گیا کہ آپ کو تنازعات کے نپٹانے کے لیے حکم (ثالث) بنایا گیا ہے تو فرمایا:

''اناللّٰہ و انا الیہ راجعون''

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۶، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۹۹)

بہرحال آپ کو بلایا گیا۔ دوسری طرف سے سیدنا عمرو بن العاصؓ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ دونوں ثالثوں کی باہمی گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ مرتب ہوا جس کو ابو حنیفہ الدینوری نے اخبارالطّوال میں، طبری نے اپنی تاریخ الامم و الملوک میں اور الخضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ میں اور دوسرے مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وہ معاہدہ حسب ذیل ہے:

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

ہذا ما تقاضی علیہ علی ابن ابی طالب و معاویۃ بن ابی سفیان، قاضی علی اھل الکوفۃ و من معھم من شیعتھم من المومنین و المسلین و قاضی معاویۃ علیا اھل الشا م و من کان معھم من المومنین والمسلین انا ننزل عند حکم اللّٰہ عزوجل وکتابہ لایجمع بیننا غیرہ وان کان اللّٰہ

Marfat.com

عزوجل بیننا من فاتحته الی خاتمته، نحیی ما احیی و نمیت ما امات، فماوجد الحکمان فی کتاب اللّٰہ عزوجل وھما ابوموسیٰ لاشعری، عبداللّٰہ بن قیس و عمرو بن العاص القرشی عملا بہ و مالم یجدا فی کتاب اللّٰہ عزوجل قالسنة العادلة الجامعة غیر المفرقة

"یہ ہے وہ معاہدہ جو علیؓ ابن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیانؓ کے مابین ہوا۔ سیدنا علیؓ نے یہ معاہدہ تمام اہل کوفہ اور اپنے سب ساتھیوں مسلمانوں اور مومنین کی طرف سے اور سیدنا معاویہؓ نے یہ معاہدہ تمام اہل شام اور سب ساتھیوں مسلمانوں اور مومنین کی طرف سے کیا ہے۔"

ہم اللہ رب العزت اور اس کی کتاب قرآن حکیم کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہیں اور اس کے ماسوا اور کسی شی پر متحد نہیں ہوں گے۔ اللہ رب العزت ابتداء سے اختتام تک ہم میں حاضر و ناظر ہیں۔ پس یہ دونوں ثالث عبداللہ بن قیسؓ (ابوموسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاصؓ جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے اور اگر (اس تنازعہ کے فیصلہ کے بارہ میں کتاب اللہ میں کچھ نہ پائیں گے تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عادلہ جامعہ غیر متفرقہ پر عمل کریں گے۔"

پھر فریقین کے سربراہوں میں سے ہر ایک نے الگ الگ عہد کیا کہ:

"میں اس ثالثی نامہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں اور مومنین پر اس فیصلے کی پابندی ضروری قرار دیتا ہوں۔ نیز عہد کرتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی یہ جائیں یہ خود، ان کے اہل وعیال، ان کے اموال، ان کے شاہد و غائب سب امن و عافیت میں رہیں گے اور ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا جائے گا۔ عبداللہ بن قیسؓ (ابوموسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاصؓ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس امت میں ثالثی کا فریضہ ادا کریں اور اس کو جنگ کی آگ میں نہ دھکیلیں اور نہ ہی اس میں تفریق کی صورت پیدا کر کے گناہ گار بنیں۔ فیصلے کا اعلان رمضان

Marfat.com

المبارک تک کریں اور اگر اس مدت میں اور تاخیر مقصود ہو تو باہمی رضامندی سے اس میں توسیع بھی کی جا سکتی ہے۔"
اگر ثالثوں میں سے کوئی (قضائے الٰہی سے) فوت ہو جائے تو ہر گروہ کا سربراہ اس کے بجائے کسی دوسرے ثالث کا تقرر کر سکتا ہے۔ لیکن وہ نیا ثالث عدل و انصاف کی صفات سے مزین ہو۔ ان ثالثوں کے فیصلہ کی جگہ جہاں وہ بیٹھ کر فیصلہ مرتب کریں اہل کوفہ اور اہل شام کے درمیان ہو اور دونوں کی مرضی کے خلاف کوئی ان کے پاس نہ جائے۔ ہاں جسے وہ بلائیں وہ ان کے پاس جا سکتا ہے۔ پھر اس معاہدہ کی رو سے وہ اپنا فیصلہ قلم بند کریں گے۔ اور جو آدمی اس ثالثی نامہ کو نہ مانے اور اس میں کسی قسم کے ہیر پھیر اور ظلم کا مرتکب ہو تو تمام اہل اسلام اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں گے۔"
(طبری جلد ۶ ص ۲۹۔۳۰، اخبار الطوال ص ۱۹۵، تمام الوفاء ۲۳۲، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۳۳)

اس معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے اور بہت سے گواہوں نے اپنی گواہیاں بھی ثبت کر دیں۔ اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے۔ سیدنا علیؓ کوفہ میں اپنی فوجوں کے ساتھ چلے گئے اور سیدنا معاویہؓ اپنی فوجوں کے ساتھ واپس شام چلے گئے اور اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا اور سب فوجی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔
(مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۰)

الخضری کے بیان کے مطابق معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ ثالثی نامہ سنانے کے وقت دونوں گروہوں کے امیر یعنی سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ وہاں نہ آئیں گے، بلکہ ان کی طرف سے ان کے اعیان و انصار اور معتقدین میں چار چار سو نمائندے وہاں حاضر ہوں گے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۷۱، طبری جلد ۲ ص ۲۹)

اب یہ دونوں ثالث اکٹھے ہو کر ملت اسلامیہ کی بہتری کے لیے غور و فکر کرنے لگے۔ دونوں حضرات ایک بلند مقام کے حامل تھے اور تقویٰ، تدبر، خشیت الٰہی میں اپنی مثال آپ، لیکن بعض دشمنان اسلام اور دشمنان صحابہؓ نے ایک ثالث سیدنا عمرو بن العاصؓ کو انتہائی مکار، عیار اور فریب کار کہا اور دوسرے ثالث سیدنا ابو موسی اشعریؓ کو

Marfat.com

انتہائی سادہ، بے وقوف، ابلہ صفت اور مغفل ثابت کرنے کی قبیح حرکت کی ہے اور دونوں کے متعلق ایسی ایسی روایات وضع کی گئی ہیں جن کو نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ ہی عقلی طور پر ان میں صداقت کا شائبہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ طبری اور ابن ابی الحدید نے سیدنا ابو موسیٰؓ کے بارہ میں لکھا ہے۔

كان ابو موسى مغفلا

"سیدنا ابو موسیٰؓ مغفل (بے وقوف) تھے۔"

(طبری جلد ۶ ص ۳۹، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۵۶)

پھر یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو گالیاں دیں۔

(طبری جلد ۲ ص ۴۰)

یہ طبری کا صریح بہتان ہے۔ سیدنا ابو موسیٰؓ کوئی مغفل اور ابلہ صفت بزرگ نہیں تھے بلکہ نہایت جہاں دیدہ، فقیہ فی الدین اور صاحب فتویٰ بزرگ تھے۔ علامہ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اور ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں امام شعبیؒ اور ابن المدینیؒ کے اقوال سے انہیں سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ کے علمی مقام کا حامل قرار دیا ہے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۶، تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۶۳)

فیصلہ سنانے کا مقام

الغرض متعدد مجلسوں میں ثالثوں نے اپنا فیصلہ مرتب کر لیا اور اس کو تحریری طور پر مرتب کیا کیونکہ معاہدہ تحکیم ہی میں ایک شرط یہ تھی کہ دونوں حکم مل کر جو فیصلہ کریں وہ زبانی نہ ہو بلکہ تحریری طور پر مرتب ہو (طبری جلد ۶ ص ۲۹، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۲۹) اور فیصلہ سنانے کی جگہ پر وہ صرف سنا دیا جائے۔

فیصلہ مرتب کرنے میں کئی لوگوں سے پوچھ گچھ ہوئی۔ کئی مرتبہ سیدنا معاویہؓ کے پاس ان دونوں ثالثوں کا ایلچی مختلف استفسارات کے جوابات معلوم کرنے کے لیے گیا اور کئی مرتبہ سیدنا علیؓ سے مختلف باتوں کے متعلق پوچھا گیا۔ طے یہ ہوا کہ جب دونوں ثالث اپنا فیصلہ مرتب کر لیں تو دومۃ الجندل کے مقام اذرح پر اس کو سنائیں۔ دومۃ الجندل وہ مقام ہے جس کے متعلق دونوں ثالثوں نے بظاہر عزم کر لیا تھا کہ اسے کانفرنس کا مرکز

Marfat.com

بنائیں گے کیونکہ یہ مقام شام اور عراق کے درمیان میں واقع ہے اور اذرح کو بھی انہوں نے ہی منتخب کیا تھا کیونکہ یہ خوارج کا مرکز تھا اور بلقاء عمان کے اطراف سے یہ حجاز کے قریب تھا جو کہ جربا سے ایک میل دور ہے۔ (معجم البلدان لیاقوت الحموی جلد ۲ ص ۴۸۸، طبری جلد ۶ ص ۳۴) یعنی آج کا یہ مقام معان اور بطرا (وادی موسیٰ) کے درمیان واقع ہے۔ عہد رسالت میں اس مقام کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی کیونکہ قریش کے جو قافلے شام کی طرف جایا کرتے تھے یہ مقام ان کی اقامت گاہ تھا۔ رومی دور میں بحر احمر کے لیے یہ رومیوں کی جائے اقامت اور مرکز مواصلات تھا۔ چونکہ یہاں پانی کی افراط تھی، لہذا شرق اردن جانے والے قافلے یہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ سیدنا حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان بھی اسی جگہ کیا تھا۔ سوریہ پر صلیبی حملوں کے زمانہ میں یہ برباد ہو گیا۔ اسی وجہ سے عیسائی مورخین اپنی کتابوں میں اس کا نام نہیں لیتے، حالانکہ وادی موسیٰؑ وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

قریباً سب مورخین نے اس کانفرنس کا مقام دومتہ الجندل نقل کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کانفرنس کے انعقاد کا مقام اذرح تھا اور دومتہ الجندل بتانے والے مورخین چوک گئے ہیں۔ ابو بکر ابن العربی نے بھی اذرح ہی نقل کیا ہے۔ (العواصم من القواصم ص ۱۷۴) مختلف شعراء نے بھی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اذرح کے مقام کا نام لیا ہے، چنانچہ ذوالرمہ شاعر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے پوتے بلال کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ابوك تلافى الدين و الناس بعد ما
تشاءوا و بيت الدين منقطع الكسر
فشد اصار الدين ايام اذرح
و رد حروباً قد لقحن الى عقر

"تیرے دادا ابا نے دین کو بچا لیا جب کہ لوگ آپس میں بددل ہو گئے تھے اور دین کی عمارت منہدم ہوا چاہتی تھی۔ انہوں نے اذرح کے ایام میں دین کے خیمہ کی طنابیں کس دیں اور ان لڑائیوں کا سلسلہ منقطع کر دیا جو اسلام کو بانجھ کرنے کا سبب بن رہی تھی۔" (معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۳۰)

بعض مورخین کی روایت کے مطابق یہ کانفرنس ہوئی تو دومتہ الجندل میں ہی تھی لیکن وہاں یہ اس لیے نہ ہو سکی کہ سیدنا علیؓ یہ چاہتے تھے کہ اس کانفرنس کی تاریخیں پیچھے

Marfat.com

ہٹ جائیں تا کہ وہ خوارج کو جوان کے لشکر سے الگ ہو گئے تھے اپنے ساتھ ملا لیں۔ اس لیے سیدنا علیؓ نے اپنے مندوب کو کانفرنس میں جانے سے روک رکھا اور وہ وقت مقرر پر وہاں نہ پہنچ سکے، لیکن آپ ہی کے دوستوں نے انہیں کانفرنس میں شرکت پر مجبور کر دیا۔ البتہ اس کے بعد اہل کوفہ اور اہل شام نے متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ کانفرنس اذرح میں ہونی چاہیے کیونکہ وہاں پانی کی افراط ہے اور دومتہ الجندل میں اس قدر فراوانی نہیں۔ سیدنا معاویہؓ کو یہ بھی توقع تھی کہ غیر جانب دار حضرات بھی کثیر تعداد میں اس میں شرکت فرمائیں گے۔ (اخبار الطوال ۲۱۱، طبری جلد ۶ ص)

معاہدہ تحکیم ۱۳ ماہ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا تھا اور شعبان ۳۷ھ یعنی چھ ماہ بعد ثالثوں کا مقام اذرح پر اجتماع ہوا۔ گویا چھ ماہ تک ثالثوں نے تحقیقات کیں۔ مختلف لوگوں کی شہادتیں قلم بند کیں۔ پھر ان کی چھان پھٹک کر کے اس فیصلہ کو لکھا گیا اور سنایا گیا جس پر دونوں پارٹیاں مطمئن ہوئیں اور مسلمانوں کی خانہ جنگی ہمیشہ کے لیے رک گئی۔

فیصلہ کے بارہ میں مشہور روایات

دونوں فریقوں کے چار چار سو نمائندے رمضان المبارک ۳۷ھ ہیں (بعض روایات میں شعبان آتا ہے) اذرح کے مقام پر ثالثوں کا فیصلہ سننے کے لیے تشریف لائے۔ سیدنا علیؓ کے چار سو مندوبین کی قیادت آپ کے چچا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کر رہے تھے۔ اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی طرف سے بھی چار سو نمائندے اس فیصلہ کو سننے کے لیے آئے، لیکن خود یہ دونوں حضرات معاہدہ تحکیم کے مطابق اس کانفرنس میں شریک نہ ہوئے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۷۱)

چونکہ یہ فیصلہ بہت اہم تھا اور ملت اسلامیہ کی موت و حیات کا معاملہ تھا، اس لیے سیدنا معاویہؓ کی توقع کے مطابق غیر جانبدار صحابہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور سیدنا عمران بن حصینؓ وغیرہ بھی اس اہم فیصلہ کو سننے کے لیے مقام اذرح پر تشریف لائے۔

طبری، ابو حنیفہ الدینوری، الخضری، مسعودی، ابن اثیر اور سیوطی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس مقام پر وہ وہ غلط بیانیاں کی ہیں کہ قلم کو تاب نگارش نہیں اور ثالثوں یعنی

Marfat.com

سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی تصاویر اس غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں کہ ان کو پڑھ کر کوئی شخص بھی ان بزرگوں کے ساتھ حسن ظن نہیں رکھ سکتا۔ یہ سب سازش ہے ان لوگوں کی جو اپنی اسلام دشمنی کا اظہار صحابہ کرامؓ کے وقار کو مخدوش اور مجروح کرنے میں کرتے ہیں۔ بہرحال اس بات پر بعد میں بحث کریں گے کہ ان مورخین کی روایات نے کیا کیا گل کھلائے اور اپنی خود ساختہ روایات کے تبر سے نخل اسلام کو کس طرح کاٹنے کی کوشش کی ہے، ابھی صرف دو واقعات لکھتے ہیں جو ان کذاب راویوں نے بیان کیے ہیں اور ہمارے مورخین نے عقل سے خالی ہو کر مکھی پر مکھی مارتے ہوئے انہیں نقل کر دیا ہے۔

غرض کہ روایات کے مطابق مقرر وقت کے اندر دونوں حضرات نے مقام اذرح پر اپنا فیصلہ سنایا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ پہلے آپ فیصلہ سنائیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا:

ولک حقوق کلها واجبة لسنک و صحبتک رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و انت ضیف

"فیصلہ سنانے کے تمام حقوق آپ ہی کے ہیں۔ عمر کے اعتبار سے بھی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ عرصہ رہنے کے لحاظ سے بھی اور پھر آپ ہیں بھی ہمارے مہمان۔"

(مروج الذهب جلد ۳ ص ۳۱، طبری جلد ۶ ص ۳۹)

اور اسی طرح سے بقول جلال الدین سیوطی سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰؓ کو دھوکہ اور چال بازی سے فیصلہ سنانے پر آگے کر دیا۔ (فقدم عمرو ابا موسیٰ الاشعری مکیدة منه) (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۳)

چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان فرمایا:

"حضرات ہم نے اس مسئلہ پر بہت غور و خوض کیا ہے۔ ہمیں اس امت کے اتحاد و اتفاق اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آئی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کا معاملہ شوریٰ جسے اہل سمجھے اسے منتخب کرے، لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں۔ آئندہ جسے تم پسند

Marfat.com

کرو باہمی مشورہ سے اپنا خلیفہ بنالو۔"

"حضرات ابوموسیٰ اشعریؓ کے بعد سیدنا عمرو بن العاص نے اپنا فیصلہ سنایا اور کہا:

"فیصلہ آپ نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے امیر کو جس کی طرف سے وہ حکم ہیں، معزول کر دیا، میں بھی ان کی تائید کرتے ہوئے ان کو معزول کرتا ہوں، لیکن اپنے آدمی معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں۔ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں، لہذا ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔"

یہ فیصلہ سن کر ابوموسیٰ اشعریؓ چلائے کہ یہ بے ایمانی اور مکاری ہے اور کہا:

انما مثلک الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترك یلهث

"تمہاری مثال کتے کی ہے۔ اگر اس پر بوجھ لادو تب بھی ہانپتا ہے نہ لادو تب بھی ہانپتا ہے۔"

اب سیدنا عمرو بن العاصؓ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا:

مثلک کمثل الحمار یحمل اسفاراً

"تمہاری مثال گدھے کی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔"

اس کے بعد دونوں پارٹیوں کی آپس میں گالم گلوچ ہوئی اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مروج الذہب جلد۲ ص ۳، اخبار الطوال ض ۲۰۱، ابن اثیر جلد۳ ص ۱۶۸، طبری جلد ۶ ص ۴۰، البدایہ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۸۳، طبقات ابن سعد جلد۴ ص ۱۵۶)

اسی قسم کی تمام روایات جن میں صحابہ کرامؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارا گیا ہے عقلی اور نقلی لحاظ سے غلط اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ایک سازش کے نتیجہ کے طور پر وضع کی گئی ہیں۔ ایسی روایات کو یار لوگوں نے اس سادگی سے بیان کر دیا ہے کہ اچھے اچھے لوگ بھی ان کے دام فریب میں آ گئے ہیں اور اکثر مفکرین اسلام بغیر فکر و سوچ کے ان کو اپنی کتابوں میں درج کر گئے ہیں۔ اردو اور عربی کے اکثر تاریخ نگار ایسی روایات کو بغیر عقل وخرد کی کسوٹی پر پرکھے صرف تقلیداً ان کو اپنی کتابوں میں درج کر گئے ہیں، جیسا کہ ابن کثیر جیسے شخص نے اپنی تاریخ میں ایک جگہ خود اس بات کا اقرار کیا ہے۔ فرمایا:

لولا ان ابن جریر وغیره من الحفاظ و الائمة ذکره

مناسقته و اکثره من روایة ابی مخنف لوط بن یحیٰی و قد کان شیعة و ھو ضعیف عند الائمة

''اگر ابن جریر طبری اور دوسرے آئمہ اور حفاظ نے وہ روایات نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے۔ اور اکثر ان (غلط) روایات میں سے ابو مخف لوط بن یحییٰ کی روایات ہیں اور وہ شیعہ تھا اور آئمہ حدیث کے نزدیک وہ ضعیف الحدیث ہے۔'' (البدائة والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۲)

اگر ذرا سا بھی عقل و درایت سے کام لیا جائے تو ان روایات کی حقیقت صاف واضح ہو جاتی ہے اور دشمنان اسلام کے مکروفریب کا صاف پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے تاریخ اسلام میں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم ان روایات پر بحث کریں ابن ابی الحدید کی بھی سن لیں۔ اس نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فیصلہ تحکیم سے قبل سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو بہت جوش دلایا اور کہا:

واعلم یا ابا موسی! ان معاویة طلیق الاسلام و ان اباہ رأس الاحزاب و انه یدعی الخلافة من غیر مشورة ولا بیعة

''اے ابو موسیٰؓ! آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ معاویہؓ طلقائے اسلام (یعنی وہ گروہ جن کو فتح مکہ کے روز معافی دی گئی تھی) میں سے ہے اور اس کا باپ (سیدنا ابو سفیانؓ) جنگ احزاب کا کمانڈر اور رئیس تھا، اور وہ بغیر مشورہ اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کرتا ہے۔'' (ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۴۶)

اندازہ فرمائیں کہ ابن ابی الحدید نے یہ کتنی غلط بات کہی ہے۔ نہ سیدنا معاویہؓ طلقائے اسلام میں سے تھے اور نہ ہی انہوں نے بغیر مشورہ اور بیعت کے خلافت کا دعوی کیا تھے۔ سیدنا معاویہؓ صرف قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے طالب تھے۔ نہ انہوں نے خلافت کی خواہش کی اور نہ ہی وہ اس کے مدعی تھے۔ چنانچہ جب میدان صفین میں سیدنا ابو الدرداءؓ اور سیدنا ابوامامہ الباھلیؓ صلح کی خاطر سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے تو آپ نے ان کے جواب میں صاف صاف کہہ دیا کہ میں خلافت کا دعویدار نہیں ہوں بلکہ:

"میں تو صرف قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کی خاطر لڑ رہا ہوں، اور قاتلان عثمانؓ کو انہوں نے پناہ دی ہوئی ہے۔آپ دونوں حضرات علیؓ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ وہ قاتلان عثمانؓ کو (اگر وہ خود قصاص نہیں لے سکتے) ہمارے حوالہ کردیں پھر (دیکھیں) میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اہل شام میں سے علیؓ کی ہاتھ پر بیعت کروں گا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۹)

روایات پر اجمالی بحث:

ان روایات کے متعلق سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اتنا اہم فیصلہ جو پوری ملت اسلامیہ کی موت وحیات کا فیصلہ تھا، کیا اس طرح کیا جانا تھا؟ جس طرح کسی مسجد کے منبر پر وعظ کیا جاتا ہے کہ پہلے ایک صاحب اٹھے اور اس نے اعلان کر دیا اور بعد میں دوسرے نے اٹھ کر دوسرا اعلان کر دیا جب کہ معاہدہ تحکیم میں درج تھا کہ:

ثم یکتبان شهادتهما علی ما فی هذه الصحیفة

"پھر یہ دونوں ثالث ثالثی نامہ کے معاملہ میں اپنا فیصلہ تحریراً مرتب کریں گے۔"

(طبری جلد۲ ص ۲۹، ایام العرب ص ۳۶۹، مروج الذهب جلد۲ ص ۲۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں نے فیصلہ تحکیم تحریری شکل میں مرتب کیا تھا، صرف زبانی نہیں تھا کہ جو کچھ زبان پر آیا کہہ دیا۔

یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ جب سے تحریر معرض وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کر اب تک یہی رواج چلا آ رہا ہے کہ دو منصف یا ثالث باہمی طور پر جب کوئی فیصلہ مرتب کرتے ہیں تو جن امور پر ان کا اتفاق ہوتا ہے ان کو حیطہ تحریر میں لایا جاتا ہے۔ پھر جتنے گروہوں کے مابین وہ فیصلہ ہوا ہو اس تحریر کی اتنی ہی کاپیاں بنائی جاتی ہیں اور ہر کاپی پر ان کے مندوبین اور فیصلہ کنندگان کے دستخط ہوتے ہیں جو اس فیصلہ میں شریک ہوتے ہیں۔ پھر وہ تحریر یا فیصلہ اگر کسی کو سنانا ہو تو اس فیصلہ کو جس پر کہ دونوں فریق کے مندوبین اور فیصلہ کنندگان کے دستخط ہوتے ہیں، پڑھ کر سنایا جاتا ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ ان دو گروہوں کے مابین ثالثوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلہ پر ثالثوں اور گواہوں کے دستخط موجود ہیں اور کسی کے لیے اب جائے فرار نہیں۔ اگر ثالثوں میں سے کسی ایک کی

Marfat.com

دیانت مشکوک ہو تو شہادتوں کے ذریعہ فیصلہ کو مزید پختہ کیا جاتا ہے تا کہ کوئی ثالث یا پارٹی اس سے فرار نہ کر سکے۔ عموماً ایسا فیصلہ ثالثوں کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی سناتا ہے اور اگر ثالث بھی سنائیں تو صرف ایک ثالث کا سنا دینا ہی کافی نہیں ہوتا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی مثال موجود ہے کہ صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی نمائندہ تھے اور دوسری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری ملت اسلامیہ کی نمائندگی فرما رہے تھے۔ معاہدہ مرتب ہوا۔ بعد میں دونوں نمائندوں کے دستخط ہو گئے۔ اب نہ قریش اس سے انکار کر سکتے تھے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا۔ اس طرف اہل کفر کے ساتھ آپؐ نے اور کئی معاہدے بھی کئے۔

لیکن یہ بات کس قدر دور از عقل ہے کہ اتنا بڑا فیصلہ ہو اور معاہدہ میں اور شرائط کے علاوہ ایک شرط یہ بھی لکھی ہوئی ہو کہ دونوں نمائندے جو بھی فیصلہ کریں وہ تحریری طور پر مرتب ہو اس پر باقاعدہ شہادتیں ثبت ہوں اور اس کو چھ ماہ کی تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کے بعد مرتب کیا گیا ہو۔ ثالث حضرات اور سب شرائط تو پوری کریں لیکن یہ شرط جو کہ معاہدہ کی جان ہوتی ہے اور اگر معاہدہ میں نہ بھی لکھی ہوئی ہو تب بھی یہ محذوف ہوتی ہے (اور یہاں تو صاف لکھی ہوئی تھی) اس کا کوئی لحاظ نہ کریں۔ پھر وہ مقام اذرح پر جہاں اس فیصلہ کو سنایا جانا تھا اور بھی ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں وہاں بجائے تحریری فیصلہ پڑھ کر سنانے کے صرف زبانی سنانا شروع کر دیں اور ہزار ڈیڑھ ہزار حاضرین میں سے کوئی ان پر اعتراض نہ کرے کہ وہ تحریری فیصلہ پڑھ کر سناؤ جو تم دونوں نے مرتب کیا ہے۔

پھر اس پر زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بقول ان روایات کے گھڑنے والوں کے کہ سیدنا علیؓ کو سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ پر پہلے ہی اعتماد نہیں تھا اور وہ (معاذ اللہ) ان کو نہایت بے وقوف، ابلہ صفت اور عمرو بن العاصؓ کے مقابلہ میں ایک اجڈ انسان سمجھتے تھے۔

(طبری جلد۲ ص ۳۹، ابن اثیر جلد۳ ص ۱۶۸، اخبار الطوال ص ۲۰۰، ابن ابی الحدید جلد۲ ص ۵۵)

جب سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی (معاذ اللہ) یہ حالت تھی تو سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو تو اور زیادہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے تھا کہ فیصلہ تحریری ہو، صرف زبانی اور

Marfat.com

تقریری نہ ہوتا کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کوئی چالاکی نہ کر سکیں اور نہ ہی مکر سکیں۔ تاریخ کی کتابوں میں ہمیں یہ تو ملتا ہے کہ جب دونوں ثالث چند باتوں پر متفق ہو گئے اور مقام اذرح پر اپنا فیصلہ سنانے لگے اور سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو پہلے فیصلہ سنانے کو کہا اور سیدنا ابو موسیٰؓ فیصلہ سنانے کو اٹھے تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے جو علوی مندوبین کی قیادت فرما رہے تھے کہا:

ویحک واللہ انی لاظنہ قد خدعک ان کنتما اتفقتما علی امر فقدمہ فلیتکلم بہ قبلک ثم تکلم بہ بعدہ فانہ رجل غادر

"تم پر افسوس ہے، بخدا مجھے یہ گمان تھا کہ یہ آپ سے دھوکہ کرے گا، اور اگر آپ دونوں کسی بات پر متفق ہو گئے ہیں تو بات کرنے میں اس کو مقدم کیجئے اور آپ بعد میں بات کیجئے کیونکہ (معاذ اللہ) یہ (عمرو بن العاصؓ) عہد توڑنے والا آدمی ہے۔" (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۸)

لیکن تاریخ کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ یا کسی اور علوی مندوب نے یہ کہا ہو کہ آپ وہ فیصلہ سنائیں جو آپ دونوں حضرات نے چھ ماہ کی کوشش اور محنت کے بعد مرتب کیا ہے تا کہ کسی جھگڑے کا شاخسانہ نہ اٹھ کھڑا ہو، لیکن مخالفت کی اپج آدمی کو عقیدت اور محبت کی لگن سے زیادہ اندھا بنا دیتی ہے۔ جن مخالفین نے روایات کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کی یہ تصویر پیش کی اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جیسے پاکیزہ انسان کے منہ سے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے متعلق "فانہ رجل غادر" (وہ ایک جھوٹا اور عہد کو توڑنے والا آدمی ہے) کا ناپاک جملہ کہلوایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے اللہ اور آخرت کے خوف اور ایمان کی روشنی کی ایک ہلکی سی کرن سے بھی یک قلم خالی تھے۔

اس کانفرنس میں کیا فیصلہ ہوا؟ تاریخ کے اوراق میں اصل حقیقت کو گم کر دیا گیا ہے۔ تاریخ میں روایات کا ایک ایسا گورکھ دھندا جمع کر دیا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ پھر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں بھی بہت اختلاف ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۲ ص ۳۵۔ ۴۱، یعقوبی جلد ۲ ص ۲۲۰، مسعودی جلد ۲ ص ۱۷۔ ۳۶، الفخری ص ۱۲۷۔ ۱۳۰ وغیرھم) بلکہ اگر میں یہ کہوں تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہو گا کہ

Marfat.com

اسلام کی تاریخ میں جس قدر کذب بیانی اور غلو واقعہ تحکیم اور واقعہ کربلا کے بارہ میں کیا گیا ہے اتنا شاید ہی کسی اور واقعہ میں کیا گیا ہو۔ مسعودی، خضری اور طبری وغیرہ مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ ثالثوں کا فیصلہ تحریری ہوگا۔ اور حسب فیصلہ وہ تحریر لکھی بھی گئی تھی لیکن تحریری فیصلہ کو ایک خاص سازش کے تحت حرف غلط کی طرح کتابوں کے اوراق سے مٹا دیا گیا اور آج باوجود تجسس وتفحص بسیار کے وہ تحریر تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ اور اس کے بجائے صرف یہی لکھ دیا ہے کہ فیصلہ زبانی سنایا گیا اور پہلے سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا اور بعد میں سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اصل فیصلہ کو مروڑتے ہوئے اس کے بالکل الٹ کہہ دیا حالانکہ مسعودی جیسے شیعہ مورخ نے بھی یوں لکھا ہے کہ ثالثوں میں سے کسی نے بھی زبانی تقریر نہیں کی تھی۔

(مروج الذہب جلد۲ ص ۴۱۱)

اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کو سمجھے گا جنہوں نے واقعات کو اس طرح مسخ کر کے امت میں فتنہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ سیدنا معاویہؓ نے اس زمانہ میں ابھی تک خلافت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا۔ وہ تو صرف قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے مدعی تھے اور اسی کے لیے وہ اٹھے تھے اور انہوں نے بار بار اپنے خطوط اور علوی نامہ بروں کے ساتھ اپنی گفتگو میں اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ میں سب سے پہلے سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں اگر وہ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیں۔(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۹) سیدنا علیؓ کے مقابلہ میں انہوں نے خلافت کا دعویٰ کیا ہی نہیں تھا کہ یہ سوال پیدا ہوتا کہ انہیں خلیفہ بنایا جائے یا انہیں معزول کیا جائے اور نہ ہی ثالثوں کا تقرر اس لیے ہوا تھا کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ دونوں میں کون خلیفہ ہو؟۔ اگر یہ دونوں لائق خلافت نہیں تو پھر تیسرا کون ہونا چاہیے، بلکہ ان کا تقرر تو صرف اس لیے ہوا تھا کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ سیدنا معاویہؓ قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے مدعی ہیں اور اس کے برعکس سیدنا علیؓ فرماتے تھے کہ:

”میں اس وقت ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پہلے تم میری بیعت کرو پھر جب میں مناسب سمجھوں گا یا اپنے کو اس قابل جانوں گا کہ قاتلان

Marfat.com

عثمانؓ سے قصاص لے سکوں، اس وقت ان سے قصاص لوں گا۔"

لیکن سیدنا معاویہؓ اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے قصاص لیں پھر میں بعد میں بیعت کروں گا۔ کیونکہ ان کے خیال میں خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ کی بیعت ابھی تک ان کی گردن میں تھی، اس لیے کہ وہ مظلوم شہید کئے گئے تھے اور طبعی طور پر وفات نہیں پائی تھی۔ اس بارہ میں اس سے قبل فریقین میں کئی بار گفتگو بھی ہو چکی تھی کہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں کہاں تک صحیح ہیں اور ان دونوں میں مصالحت کی صورت کیا ہے؟ تا کہ امت بہت بڑی خونریزی سے بچ جائے۔

یہ تھا فریقین کا مابہ النزاع مسئلہ اور اسی کے فیصلے کے لیے حکمین (ثالثوں) کا تقرر ہوا تھا۔ دونوں ثالث اپنی اپنی جگہ ایک خاص علمی مقام کے حامل تھے۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ ہمارا تقرر کس فیصلہ کے لیے ہوا ہے اور ہم کیا فیصلہ کر رہے ہیں؟ پھر جب انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا اس وقت حاضرین میں سے ایک شخص بھی نہ بولا کہ جناب ہم نے آپ کا تقرر کس بات کے لئے کیا تھا اور آپ فیصلہ کیا کر رہے ہیں؟ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ فیصلہ ہوا کچھ اور تھا، لیکن تاریخ میں کچھ ایسا ہیر پھیر کیا گیا ہے کہ حقیقت ان روایات کے نیچے چھپ گئی ہے اور مابعد کے مورخین پھر مکھی پر مکھی مارتے چلے آ رہے ہیں اور انہوں نے اس بات کی ٹوہ لگانے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اس راکھ کے ڈھیر سے اصل ہیرے کی جوت لگائیں جو اس کے اندر چھپا ہوا ہے۔

بعض حضرات نے کچھ ایسی روایات بھی وضع کی ہیں کہ

"جب ثالثوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو مجمع میں گڑ بڑ پیدا ہو گئی اور شریح بن ہانی نے سیدنا عمرو بن العاصؓ پر کوڑے برسانا شروع کر دیے۔ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کہیں چھپ گئے۔" (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، اخبار الطوال ص ۲۰۱)

یہ ایسی خرافات ہیں کہ ان کو تاریخ کی کتابوں میں بیان کرنا یا انہیں تاریخی روایات کہنا خود تاریخ کی توہین ہے بلکہ ہمارے خیال میں یہ تاریخ نگاری نہیں بلکہ تاریخ سازی ہے۔ مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مجمع میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی بلکہ وہاں موجود سب لوگوں نے ثالثوں کے فیصلے کو سراہا اور مسلمانوں کے مابین نزاع بہت کم ہو گیا اور کسی کو گڑبڑ کرنے کی جرأت تک پیدا نہ ہوئی۔ یہ کہنا کہ سیدنا عمرو ابن العاصؓ نے

دھوکہ دیا اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنی بے وقوفی اور سادہ لوحی سے ان سے دھوکہ کھایا سب روایات ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھے جانے سے قبل کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے دھوکہ دیا اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے دھوکہ کھایا۔ اگر سیدنا ابو موسیٰؓ نے دھوکہ کھایا ہوتا تو تاریخ میں ان پر بے وقوفی اور ملامت کی بوچھاڑ ہوتی، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر نے ان کے موقف کو سراہا اور بڑے فخر سے ان کے اس فیصلے کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ عرب کا ایک مشہور شاعر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے پوتے بلال سے ان کے دادا کے کارنامے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

ابوك تلفى الدين والناس بعد ما
تشاء وا و بيت الدين منقطع الكسر
فشد اصار الدين ايام اذرح
ورد حروبا قد لقحن الى عقم

"یعنی آپ کے دادا (سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ) نے دین اور لوگوں کی شیرازہ بندی فرمائی جب کہ لوگ آپس میں بددل اور پراگندہ خاطر تھے اور دین کی عمارت منہدم ہوا چاہتی تھی۔ انہوں نے ایام اذرح یعنی اذرح کانفرنس میں دین کے خیمہ کی طنابیں کس دیں اور جنگوں کے سلسلہ کو بالکل روک دیا جو کہ دین وملت کو بانجھ اور عقیم کر دینے والی تھیں۔"

(معجم البلدان جلد ا ص ۱۳۰، العواصم من القواصم ص ۱۷۶ تعلیقہ معاویہؓ انیس زکریا نصولی مصری ص ۳۱)

پھر تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کے بارہ میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے اس کانفرنس کے فیصلہ پر اعتراض کیا کہ ثالثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ (یہ روایت بھی غلط ہے کہ سیدنا علی نے یہ فرمایا تھا کہ ثالثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ کے خلاف ہوتا تو آپ بعد میں اسی وقت لڑائی چھیڑ دیتے اور دوسرے ہی روز آپ نے دمشق کو گھیرے میں لے لیا ہوتا، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ صفین سے جو فوجیں ہٹی تھیں ان کی پھر کسی محاذ پر آپس میں مڈھ بھیڑ نہیں

Marfat.com

ہوئی، بلکہ دونوں طرف سے لڑائی ایسی بند ہوئی کہ پھر خون کا ایک قطرہ بھی فرش خاک پر نہ گرا۔ ان سب واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ حکمین (ثالثوں) کا فیصلہ نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ تھا اور اس سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر مطمئن تھا۔

(اخبار الطوال ص ۲۰۶ ۔ ۲۰۷، الفخری ص ۸۴، طبری جلد ۶ ص)

لیکن آپ نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ معاویہؓ کے حکم عمرو بن العاصؓ نے میرے حکم ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ کسی نے اس کانفرنس میں کسی کو دھوکہ دیا اور نہ کسی نے دھوکہ کھایا، صرف مسلمانوں کے مابین اختلافات کی خلیج وسیع کرنے کے لیے ذریت ابن سباء نے اس قسم کی روایات گھڑی ہیں۔

اگر سیدنا عمرو بن العاصؓ نے دھوکہ اور فریب سے سیدنا معاویہؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا ہوتا تو سیدنا معاویہؓ دوسرے ہی روز اس بات کا اعلان فرما دیتے کہ اب چونکہ سیدنا علیؓ خلیفہ نہیں ہیں بلکہ فیصلہ تحکیم میں اہل حل وعقد نے مجھے خلیفہ بنایا ہے لہذا میں علیؓ کو الٹی میٹم دیتا ہوں کہ یا تو وہ میری خلافت قبول کر لیں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ جس طرح کا سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ "تم میری بیعت کر لو، عافیت اور سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔" (اخبار الطوال ص ۱۴۱)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ نے ایسا کوئی الٹی میٹم نہیں دیا اور نہ ہی آپ نے اپنی فوج کو عراق کے کسی محاذ پر بھیجا بلکہ آپ آرام کے ساتھ دمشق میں رہے اور اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا چنانچہ کتابوں میں ہے۔

فلحق معاوية بدمشق من ارض الشام و فرق عساكره فلحق كل جند منهم ببلده

"معاویہؓ سرزمین شام سے دمشق تشریف لے گئے اور اپنے لشکروں کو علیحدہ علیحدہ مختلف جگہوں پر بھیج دیا اور ان میں سے ہر ٹکڑی (پلٹن) الگ الگ شہر (چھاؤنی) میں چلی گئی۔" (مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۰)

اور اپنے زیر نگین علاقے میں پہلے کی طرح حکومت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے کبھی بھی سیدنا علیؓ کو بیعت کی دعوت نہیں دی۔ بلکہ جب کبھی بات چلی تو آپ نے قاتلان عثمانؓ سے قصاص ہی کا مطالبہ کیا۔

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ نہ دھوکے سے کسی کی خلافت چھینی گئی اور نہ دھوکے سے کسی کو خلیفہ بنایا گیا بلکہ جس بارہ میں دونوں حضرات کو حکم بنایا گیا تھا اس بارہ میں انہوں نے نہایت دور اندیشی، معاملہ فہمی اور غور وفکر سے فیصلہ کیا اور ایسا اعلیٰ فیصلہ کیا کہ ملت کی شیرازہ بندی ہو گئی۔ لوگوں کی منتشر خیالی اور پراگندہ ذہنی دور ہو گئی اور دین کی عمارت جو منہدم ہونے کی قریب تھی پھر اپنی حالت پر آ گئی اور ان جنگوں کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا جو ملت اسلامیہ کو عقیم اور بانجھ کر ڈالنے والی تھیں۔ کھچی ہوئی تلواریں نیاموں میں چلی گئیں اور ملک میں امن وسلامتی کا پودا پھر سے سرسبز اور شاداب ہو گیا۔

اس قسم کے روایات پر بحث کرنے کے بعد مشہور محدث قاضی ابو بکر ابن العربی صاحب احکام القرآن لکھتے ہیں:

هذا كله كذب صراح ماجرى منه حرف قط وانما هوشئى اخبر عنه المبتدعة و وصنعته التاريخية للملوك فتوارثه اهل المجانة و الجهارة معاصى الله و اليه

"یہ سب صریح کذب ہے۔ ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کو اہل بدعت نے نقل کیا ہے اور ان لوگوں نے ان کو گھڑا جو بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں اور مجنوں اور اس قسم کے لوگ جو کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان روایات کو نسلاً بعد نسل نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔" (العواصم بن القواصم ص ۱۷۷)

ثالثوں کا اصل فیصلہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ثالثوں نے اگر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا تو آخر وہ فیصلہ جو اذرح کے مقام پر منعقدہ کانفرنس میں سنایا گیا تھا، کیا تھا؟ امت کی بدقسمتی اور دشمنان اسلام کی سازشوں سے وہ اصل تحریری فیصلہ آج ہمارے پاس موجود نہیں، لیکن مسعودی وغیرہ مورخین کو اس بات کا اقرار ہے کہ:

انهما لم تخطبا و انما کتبا صحیفة

''ان دونوں حضرات نے زبانی خطاب نہیں فرمایا تھا بلکہ فیصلہ تحریر کیا تھا''

(مسعودی جلد ا ص ۲۷، عمرو بن العاص از حسن ابراہیم حسن ص ۴۲)

اور فیصلہ موجود نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات جن سے بنوامیہ کی ذرہ برابر بھی حمایت ہوتی ہے، مسلم نما سبائیوں نے تاریخ کے اوراق ہی سے گم کر دی ہیں اور اصل حقیقت کی بجائے ایسے ایسے افسانے تاریخ میں بھر دیے ہیں جو عقل و نقل اور روایت و درایت دونوں کے لحاظ سے غلط ہیں، خصوصی طور پر تحکیم اور کربلا کا واقعہ۔ ان دونوں واقعات میں سیدنا علیؓ اور سیدنا حسین بن علیؓ کے مخالف رائے رکھنے والوں کا کیریکٹر اس قدر گھناؤ نا پیش کیا گیا ہے کہ ان کو پڑھ کر شاید فرعون و ابو جہل بھی ان سے اچھے نظر آئیں، اور اس معاملہ میں یہاں تک زیادتی کی گئی ہے کہ اگر خود اہل بیت نبوت کے کسی فرد نے بھی ذرہ برابر ان کے خلاف اپنی رائے دی تو اس کو بھی ، مذل المومنین'' اور ''مسود وجوہ المومنین ،'' قسم کے توہین آمیز القابات سے یاد کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا حسنؓ نے جب سیدنا معاویہؓ کی بیعت کی تو آپ کے لشکر کے بعض لیڈروں نے سیدنا حسنؓ سے مل کر اس معاملہ کے بارہ میں گفتگو کی اور آپ کو'' السلام علیک یا مذل المومنین '' کہہ کر سلام کیا (اخبار الطوال ص) اور العواصم من القواصم ص ۱۹۷ پر'' مسود و جوہ المومنین''(مومنوں کے چہروں کو سیاہ کرنے والا) کے الفاظ منقول ہیں۔ اسی طرح کے الفاظ ملا باقر مجلس نے جلاء العیون ص ۳۲۲۔۳۲۵ اور ۳۳۶ پر بھی نقل کیے ہیں۔ یہ معاملہ صرف طعن و تشنیع تک ہی نہ رہا بلکہ یہ بھی ان لوگوں نے کہا کہ'' معاذ اللہ'' یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بلوہ کیا اور امام حسن کا اسباب لوٹ لیا یہاں تک کہ جائے نماز آپ کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور رداء دوش مبارک سے اتار لی اور ایک خنجر ران مبارک پر مارا کہ استخوان تک شگاف ہو گیا اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا کہ (معاذ اللہ) تم اپنے باپ کے مثل کافر ہو گئے ہو۔ (جلاء العیون ص ۳۱۳) یہ سزا صرف اس وجہ سے تھی کہ آپ نے بنی امیہ (اور وہ بھی مومنوں کے ماموں سیدنا معاویہؓ) کی طرف میلان فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دور وہ بھی تھا کہ جس میں بڑے سے بڑے آدمی یہاں تک کہ سیدنا حسنؓ کے منہ سے بھی بنوامیہ کی معمولی سی تعریف یا ان کی

Marfat.com

طرف معمولی سا میلان بھی برداشت نہ کیا جا سکتا تھا۔ تواریخ میں بھی اسی تعصب کے اثرات ہیں۔

اگر فیصلہ تحکیم کی موجودہ روایات ہی کی ذرا چھان پھٹک کی جائے اور ان میں ذرا تنقیدی نگاہ سے ٹوہ لگائی جائے تو اصل حقیقت کی کچھ پرچھائیاں نظر آنے لگتی ہیں جن سے اس کانفرنس کا نتیجہ سامنے آ جاتا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

۱۔ دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ حق دونوں جانب ہے اور یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں مخلص ہیں، معاویہؓ طلب قصاص میں اور علیؓ طلب بیعت میں۔ اور ان کے مابین جو اختلاف ہے وہ صرف اجتہادی اختلاف ہے (کیونکہ دونوںؓ نے خطائے اجتہادی کی تھی، ایک نے قصاص عثمانؓ کو ہاتھ میں لے کر اور دوسرے نے تلوار ہاتھ میں لے کر) اور یہ اختلاف نگاہ شریعت میں ایسا اختلاف ہے جس میں صواب و خطاء دونوں پر ثواب ملتا ہے، ہاں جو راہ صواب اختیار کر کے اصل مقصد کو پہنچ گیا اس کو راہ خطاء پر گامزن ہونے والے سے دوگنا ثواب ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معصوم نہیں۔ غلطی کا ہر بشر سے امکان ہے، ہاں اس میں جو لوگ فتنہ پردازی کی غرض سے شامل ہیں وہ گناہ گار اور واجب القتل ہیں اور انہیں کے قتل کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ کر رہے ہیں' لہذا سیدنا علیؓ کی خلافت صحیح ہے اور سیدنا معاویہؓ کا قاتلان عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ صحیح ہے۔ اس وجہ سے دونوں کو اپنے اپنے موقف سے معزول کیا جائے یعنی معاویہؓ قصاص کا مطالبہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور سیدنا علیؓ تلوار روکیں۔

موقف کی معزولی ہی کو مورخین نے خلافت سے معزولی پر محمول کیا ہے، حالانکہ خلافت کے دعویدار صرف سیدنا علیؓ تھے نہ کہ دونوں حضرات، لہذا دونوں کی معزولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر دونوں اپنی اپنی جگہ پر خلافت کے دعویدار ہوتے تو پھر فیصلہ میں دونوں کو معزول کیا جا سکتا تھا، اس لیے اگر ثالث خلافت سے معزول کرتے تو ایک کو کرتے، یعنی سیدنا علیؓ کو کرتے نہ کہ دونوں کو۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان ثالثوں نے دونوں کو اپنے اپنے مؤقف سے معزول کیا تھا۔ سیدنا علیؓ نے تلوار چلائی تھی ان کو تلوار

Marfat.com

چلانے سے روکا گیا اور سیدنا معاویہؓ نے قصاص کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا' لہذا ان سے کہا گیا کہ آپ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ یہ تھی موقف سے دونوں کی معزولی جس کو توڑ مروڑ کر یہ لکھ دیا گیا کہ:

ثم اصطلحا علی ان یخلعا معاویۃ و علیاً و یترکا الامر شوریٰ بین النا س لیتفقوا علی من یختاروہ لانفسھم

''پھر دونوں ثالث اس بات پر متفق ہو گئے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو خلافت سے معزول کیا جائے اور اس امر خلافت کو لوگوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ متفق ہو کر جس کو چاہیں بطور خلیفہ اختیار کریں۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۸۳، مروج الذہب جلد ۱ ص ۲۷)

۲۔ اس امر خلافت کا فیصلہ ایسے صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں ہو جن سے اللہ کا رسول ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھا۔ (العواصم من القواصم ص ۱۷۸) کیونکہ اتنے بڑے قضیے کا فیصلہ ہمارے بس کا روگ نہیں۔ اس فیصلہ کے لیے سب سے پہلے رائے عامہ ہموار کرنا ضروری ہے۔ اور اگر ہم ابھی فیصلہ کر بھی دیں تو ایسے فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں جس کو منوانے کے لیے پشت پر طاقت نہ ہو۔ اکابر صحابہؓ کی ایک جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ بہت جلد نافذ ہو گا۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ سبائیوں نے امت مسلمہ کے متفق علیہ امام کو دن دہاڑے مدینہ طیبہ کی پاک اور مقدس سر زمین میں بغیر کسی قصور کے ظلماً شہید کر دیا تھا اور پھر وہی قاتلان عثمانؓ سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ ان سے قصاص کس طرح لیا جائے؟ اس ذیل میں یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ نئی خلافت انہی باغیوں نے اپنے اثرات اور اپنی کوششوں سے قائم کی تھی۔ چنانچہ طبری نے صراحت سے اپنی تاریخ میں ان واقعات کو بیان کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۵ ص ۱۵۶) اور کتب تواریخ میں یہ جملہ مرقوم ہے ''اول من بایعہ الاشتر'' (سب سے پہلے اشتر نے سیدنا علیؓ کی بیعت کی) سبائیوں کے سیدنا علیؓ کو اس طرح ہنگامی طور پر خلیفہ بنا کر پھر ان کی فوج میں داخل ہو جانے سے امت ایک بہت بڑے تفرقہ کا شکار ہو گئی۔ اور سیدنا

Marfat.com

عمرو بن العاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا معاویہؓ اور دیگر بڑے بڑے صحابہؓ نے آپ کی بیعت نہ فرمائی۔ اسی تفرقہ کے سبب نوبت شمشیر کشی اور قتال تک پہنچ گئی۔

ثالثوں نے تمام واقعات کی مکمل تحقیق اور چھان پھٹک کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ باغیوں اور قاتلان عثمانؓ کے اثرات اور ان کے شمول سے سیدنا علیؓ کا انتخاب غیر آئینی ہے۔ لہذا یہ انتخاب منسوخ ہو کر کل امت کے نمائندہ حضرات اور ارباب حل وعقد کے مشورہ سے از سر نو ہو۔ اس اجتماع میں جس میں اس امر خلافت کا فیصلہ ہو صرف وہی حضرات صحابہؓ شامل ہوں جن سے جناب ختمی مرتب صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے۔ یہ ارباب حل وعقد جب کوئی فیصلہ کریں گے تو اس کی پشت پر اس فیصلہ کو منوانے کے لیے رائے عامہ کی بے پناہ طاقت ہوگی۔

(تفصیل کے لئے العواصم من القواصم ص ۱۷۴۔۱۷۶ اور دیگر کتب تواریخ ملاحظہ فرمائیں)

۳۔ جب تک ارباب حل وعقد کے باہم مشورے سے از سر نو انتخاب عمل میں نہیں آ جاتا اس وقت تک دونوں اپنے اپنے زیر اقتدار علاقوں کا نظم ونسق چلاتے رہیں اور آپس میں امن وسلامتی سے زندگی گزاریں۔

اما التصرف العملی فی ادارة البلاد التی کانت تحت ید کل من الرجلین المتحاربین فبقی کما کان' علی متصرف فی البلاد التی تحت حکمه و معاوية متصرف فی البلاد التی تحت حکمه (العواصم من القواصم ص ۱۷۵ تعلیقہ)

اس سلسلہ میں قاضی ابو بکر بن العربیؒ نے علامہ دار قطنی کی ایک روایت نقل کی ہے اس سے بھی ہماری اس بات کی کافی حد تک تائید ہوتی ہے۔ علامہ دار قطنی نے حصین بن المنذرؒ سے نقل کیا ہے کہ

"جب سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا معاویہؓ کو معزول کر دیا تو وہ (حصین بن المنذر) آئے اور اپنا خیمہ سیدنا معاویہؓ کے خیمہ کے قریب لگایا۔ چنانچہ ان کی آمد کی اطلاع سیدنا معاویہؓ کو ہوئی اور انہوں نے انہیں بلا بھیجا اور ان سے فرمایا کہ مجھے سیدنا عمرو بن العاصؓ سے ایسی ایسی خبر ملی ہے، لہذا جا کر

Marfat.com

معلوم کرو کہ جو اطلاع مجھے ان کی طرف سے ملی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

"حصین بن المنذر کہتے ہیں کہ میں سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس آیا اور میں نے ان سے کہا کہ مجھے اس کام کے بارہ میں مطلع کیجئے جس کی ذمہ داری آپ پر اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ پر ڈالی گئی تھی اس میں آپ دونوں حضرات نے کیا کیا؟ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جو کچھ کہا (قد قال الناس فی ذالک ما قالوا) لیکن بخدا واقعہ وہ نہیں تھا جو انہوں نے بیان کیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میں نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ اس معاملہ میں آپ کی رائے کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس معاملہ میں میری رائے یہ ہے کہ اس معاملہ کو ان حضرات کے سپرد کر دیا جائے جن سے جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی وفات کے وقت راضی تھے۔ میں نے کہا کہ میری اور معاویہؓ کی کیا حیثیت آپ نے رکھی ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم دونوں سے امداد حاصل کی جائے تو تم امداد دینے کی صلاحیت رکھتے ہو اور اگر تم سے استغناء برتا جائے تو مدت تک اللہ تعالیٰ کا کام تم دونوں سے مستغنی رہ چکا ہے۔" (العواصم من القواصم ص ۱۷۸)

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ سیدنا معاویہؓ چونکہ خلافت کے مدعی نہ تھے اس وجہ سے ان کی معزولی سے مراد ان کے موقف کی معزولی تھی یعنی وہ طلب قصاص عثمانؓ کا معاملہ اپنے ہاتھوں میں نہ لیں۔ سیدنا علیؓ کی معزولی سے مراد یہ ہے کہ وہ سیدنا معاویہؓ سے اپنی خلافت تسلیم کرانے اور بیعت کے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔

۲۔ دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین امور متنازعہ فیہ غیر جانبدار صحابہ کرامؓ کی جماعت کے سپرد کر دیے جائیں اور وہ حضرات جو فیصلہ فرمائیں ان پر فریقین عمل کریں۔

۳۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا معاویہؓ کو صحابہ کرامؓ کی اس جماعت سے الگ رکھا گیا اور انہیں فیصلہ کرنے والوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ یہ طرز عمل سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی رائے سے اختیار کیا گیا جس سے سیدنا عمرو بن العاصؓ نے

Marfat.com

بھی اتفاق کیا۔

۴۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلط روایتوں اور افواہوں کا سلسلہ شیعوں نے اسی وقت شروع کر دیا تھا۔ روایت کے یہ الفاظ (قد قال الناس فی ذالک ماقالوا، واللّٰہ ماکان الامر علیٰ ماقالوا) کہ لوگوں نے اس بارہ میں جو کچھ مشہور کیا بخدا! واقعہ وہ نہیں ہے، صاف بتا رہے ہیں کہ سبائیوں نے اذرح کانفرنس ختم ہوتے ہی دو باتیں کہنی شروع کر دیں، ایک یہ کہ جو صحابہ کرامؓ وہاں جمع ہوئے تھے انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، دوسری بات یہ کہ اذرح کا جلسہ درہم برہم ہو گیا اور اس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں بالکل غلط اور سراپا کذب ہیں۔

ہماری ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(i) اذرح کانفرنس ناکام نہیں رہی بلکہ نہایت کامیاب رہی۔

(ii) اس میں فیصلہ یہ ہوا کہ انتخاب جدید تک سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ اپنے اپنے علاقوں میں کاروبار خلافت چلائیں۔

(iii) اذرح کانفرنس نے سیدنا معاویہؓ کو بھی خلیفہ بنا دیا اور یہ خلافت عبوری تھی جب تک کہ نئے خلیفہ کے لیے انتخاب جدید نہیں ہو جاتا۔

(iv) یہ فیصلہ ان دونوں ثالثوں یعنی سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے نہیں کیا تھا بلکہ اکابر صحابہؓ نے کیا تھا جو اس زمانہ کے ارباب حل وعقد تھے، اور یہ فیصلہ انہوں نے ان ثالثوں کی سفارش پر کیا تھا جو انہوں نے ان کے اجتماع کے سامنے پیش کی تھی۔

یہ تھا ان دونوں ثالثوں کا فیصلہ جس کو ابن سباء کی ذریت نے ایک غلط رنگ دے دیا اور اصل واقعات کو مسخ کر کے امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا تا کہ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں ان کے معتقدات صحیح نہ رہیں۔ اور ان ناہنجار لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے مکروفریب سے کام لیا۔ اس کے بارہ میں علامہ محب الدین الخطیب فرماتے ہیں:

"مسئلہ تحکیم میں کسی مکروفریب کی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی سے غفلت اور

بے وقوفی کا صدور ہوا۔ ہاں فریب اور غفلت کا محل جب ہوتا اگر سیدنا عمرو بن العاصؓ تحکیم کے فیصلہ میں یہ اعلان فرماتے کہ وہ معاویہ ؓ کو مسلمانوں کی خلافت اور مومنین کی امارت کی ذمہ داری سپرد کرتے ہیں۔ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس بات کا کوئی اعلان نہیں کیا اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی گذشتہ تیرہ صدیوں میں کسی نے یہ چیز کہی ہے اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت تو سیدنا حسن بن علیؓ کی صلح کے بعد شروع ہوئی اور اس کا اہتمام سیدنا حسنؓ کے بیعت کرنے سے ہوا اور اس روز سے انہیں "امیر المومنین" کہا جانے لگا (وقد تمت لمبایعته الحسن لمعاوی ومن ذالک الیوم فقط سمی معاویة امیر المومنین) لہذا نہ ہی سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسی اشعریؓ کو دھوکہ دیا اور نہ ہی سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان سے کوئی دھوکہ کھایا، کیونکہ انہوں نے اپنے اعلان میں کوئی نئی شی دی ہی نہیں اور نہ ہی فیصلہ تحکیم میں اس چیز کا اظہار فرمایا جس کا اظہار سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ نے نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی اس بات کے سوا کوئی اور بات کہی جس پر دونوں ثالثوں کا اتفاق ہوا تھا۔ (ولم یخرج عما اتفقا علیه معاً) (العواصم بن القواصم ص ۱۷۵ تعلیقہ)

اہل السنّت والجماعت کا مسلک

اس فیصلہ کی رو سے اہل السنّت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حق پر تھے اور دونوں سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ سیدنا معاویہؓ سے یہ خطاء ہوئی کہ انہوں نے قاتلان عثمانؓ سے قصاص کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور سیدنا علیؓ سے یہ خطاء ہوئی کہ انہوں نے باوجود قدرت کے قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہ لیا، اور اس طرح سے قضیہ نمٹنے کی بجائے اور طویل ہوگیا اور اس سے کئی سیاسی الجھنیں پیدا ہوگئیں اور اچھے اچھے لوگ سیدنا علیؓ کے مخالف ہو گئے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

"دوم آنکہ قصاص حق است وحضرت مرتضٰی قادر راست بر اخذ قصاص ذی

النورین واخذ آں نمی کند بلکہ مانع آنست۔ وحضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔

دوسری بات یہ کہ قصاص حق ہے اور جناب علی مرتضیٰؓ جناب عثمان ذوالنورینؓ کا قصاص لینے پر قادر تھے، لیکن لیتے نہیں تھے بلکہ لینے میں مانع تھے اور جناب مرتضیٰؓ نے بھی خطائے اجتہادی کے ساتھ حکم فرمایا۔

(ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۲۷۹)

عدالت صحابہؓ

باوجود خطائے اجتہادی کے دونوں حضرات مخلص تھے۔ ان کی کوئی بات بھی دین میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے نہ تھی بلکہ امن اور سلامتی کے لئے تھی۔ صرف انداز فکر میں اختلاف تھا۔ کوئی معاملہ کو کسی پہلو سے سوچتا اور کوئی کسی زاویہ سے، مگر مقصد سب کا دین اور کلمۃ اللہ کی سربلندی تھی۔ اسی لیے ہر صحابی رسول ﷺ کے متعلق اہل السنّت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ

الصحابة کلهم عدول (فتح المغیث ص ۳۷۵)

"صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔"

چنانچہ خطیب بغدادی عدالت صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم

"صحابہ کرامؓ کا عادل ہونا نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے"

بعد میں خطیب نے وہ نصوص قرآنیہ ذکر کر کے لکھا ہے:

فی آیات یکثر ایرادها و یطول تعدادها وجمیع ذالک تقتضی طهارة الصحابة والقطع علی تعدیلهم و نزاهتهم فلایحتاج احد منهم مع تعدیل الله لهم الی تعدیل احد من الخلق

"علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں۔ ان سب نصوص سے عدالت صحابہ کا ثبوت ملتا ہے۔ پس جب صحابہ کرامؓ کی تعدیل خود اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے فرمادی تو تعدیل ایزدی کے بعد صحابہ کرامؓ کو عدول ثابت کرنے کے لیے کسی مخلوق کی تعدیل کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

(الکفایہ ص ۴۶۔۴۹، فتح المغیث للسخاوی ص ۳۷۵)

ایسا ہی علامہ ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب جلد ا ص ۳۔۶ پر لکھا ہے۔علامہ عبدالحی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے عدول ہونے کا مسئلہ متفقہ ہے یعنی اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ رجال اسناد میں شمار ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ زیر بحث آتے ہیں۔ (ظفر الامانی ص ۱۴۱)

اسی طرح علامہ سخاوی نے لکھا ہے:

"صحابہ کرامؓ مطلقاً سب کے سب عادل ہیں، چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے فتنوں میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو، کیونکہ ان سے حسن ظن واجب ہے ان کی وہ فضیلتیں دیکھتے ہوئے جو معین ہو چکی ہیں۔" (فتح المغیث ص ۳۷۵)

علامہ طاہر پٹنی فرماتے ہیں:

ثم انھم کلھم عدول کبیرھم و صغیرھم من لابس الفتن وغیرھم بالاجماع

"تمام چھوٹے بڑے، فتن میں شریک ہونے والے یا نہ ہونے والے سارے کے سارے صحابہ کرامؓ عدول ہیں اور ان کی عدالت وصداقت پر پوری امت کا اجماع ہے۔" (مجمع البحار جلد ۳ ص ۵۴۴)

ایسا ہی حافظ ابن الصلاح نے لکھا ہے (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴۷)

صحابہ کرامؓ کے عدالت کے بارہ میں خطیب بغدادی نے حافظ ابو زرعہ کا ایک سنہری قول نقل کیا ہے۔فرماتے ہیں:

اذا رایت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق و ذالک ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عندنا حق و القرآن حق و انما ادی الینا ھذا القرآن و السنن اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا

شھودنا لیبطلوا الکتاب و السنۃ و الجرح بھم اولیٰ و
ھم زنادقۃ
''جب تو کسی کو دیکھے کہ وہ اصحاب رسول میں کسی کی تنقیص کرتا ہے سمجھ تو لے کہ وہ زندیق ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں۔ اور قرآن وسنت کو ہمارے تک پہنچانے کا ذریعہ یہی اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ جو لوگ صحابہ کرامؓ پر معترض ہوتے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب وسنت کو مجروح کر سکیں۔ ایسے لوگ خود قابل جرح ہیں اور زندیق ہیں۔'' (الکفایہ ص ۴۹)
عدالت صحابہ کی بحث کو مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۵، التقیید و الایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح للعراقی، ۲۲۹، فتح المغیث ص ۱۶۳،ص ۳۴۷، ص ۳۷۵، ظفر الامانی ص ۳۱۳، الاصابہ لابن حجر جلد ا ص ۷، ارشاد الفحول للشوکانی ص ۶۷، پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

علامہ ابن خلدون کا نظریہ

علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون الحضرمی الاندلسی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''المقدمہ'' میں سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی اس باہمی جنگ پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:
''دیکھ لیجیے سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین عصبیت کی بنا پر جب فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی تو اس میں بھی فریقین نے حق و اجتہاد کے دامن کو نہیں چھوڑا اور انہوں نے اپنی لڑائیوں میں بھی کبھی دنیوی غرض، باطل پرستی یا کینہ پروری کو پیش نظر نہ رکھا جیسا کہ بعض کو وہم ہو جاتا ہے اور ان کے خیالات بہک جاتے ہیں۔ دراصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر ایک فریق اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو غلط کار ٹھہراتا تھا۔''
(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)
یہ ابن خلدون ایک اور مقام پر اس بات کو ذرا تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تیسرا امر یہ ہے کہ جو جنگیں ابتدائی دور اسلامی میں صحابہؓ یا تابعینؒ میں لڑی گئیں وہ کن اغراض و مقاصد کے پیش نظر تھیں، تو یوں سمجھئے کہ ان بزرگوں کے تمام تر اختلافات دینی امور میں تھے نہ کہ دنیوی امور میں، اور ادلہ صحیحہ میں اجتہاد کرنے سے یہ اختلافات رونما ہوئے تھے اور مجتہدوں میں جب اجتہادی اختلاف پیدا ہو اور ہم یہ مانیں کہ اجتہادی مسائل میں حق بہر حال ایک ہوگا۔ اب جس مجتہد کی رائے حق سے مل جائے وہ مصیب ہے اور جس کی نہ ملے وہ مخطی اور چونکہ حق کی جہت متعین نہیں، لہذا اصابت کا احتمال ہر مجتہد کی جانب ہو سکے گا اور کسی خاص مجتہد کو بالیقین مخطی قرار نہیں دیا جا سکے گا اور کوئی مجتہد بھی گنہ گار اور قابل گرفت نہ ہوگا۔ اجماع امت اسی پر ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اجتہادی اختلاف کے وقت سب مجتہدین حق پر ہوتے ہیں اور ہر مجتہد باصواب ہوتا ہے تو پھر گناہ اور خطاء کی نسبت کسی کی طرف نہیں کی جا سکتی۔ اب صحابہؓ اور تابعینؒ کا اختلاف ظاہر ہے کہ اجتہادی اختلاف تھا اور مسائل دینیہ ظنیہ میں وہ آپس میں مختلف رائے تھے، لہذا حکم مذکورہ کے مطابق گناہ اور خطاء کی نسبت کسی مجتہد کی طرف نہیں کی جا سکتی۔ اس قسم کے اجتہادی اختلافات پر اسلام میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ یہ تھیں: مثلاً سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدہ عائشہؓ اور سیدنا طلحہؓ کی لڑائیاں یا وہ جنگ جو سیدنا حسینؓ اور یزید کے درمیان اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کے درمیان ہوئی''

''ان میں سیدنا علیؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ان کی حقیقت محض اس قدر ہے کہ جس وقت سیدنا عثمانؓ نے جام شہادت نوش فرمایا، زیادہ تر صحابہ کرامؓ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ سیدنا علیؓ کی بیعت کے لیے حاضر نہ ہوئے تھے، اور جو مدینہ طیبہ میں موجود تھے ان میں بھی دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ جس نے بیعت میں توقف کیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ سب لوگ کسی امام پر مجتمع ہو جائیں۔ اس گروہ میں یہ لوگ تھے: سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ، سیدنا قدامہ بن مظعونؓ، سیدنا

Marfat.com

ابو سعید الخدریؓ، سیدنا کعب بن عجرہؓ، سیدنا کعب بن مالکؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ، سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ اور سیدنا فضالہ بن عبیدؓ وغیر ھم۔ اور جو صحابہ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے انہوں نے بھی اس لیے بیعت سے ہاتھ کھینچا تھا کہ پہلے سیدنا عثمانؓ کا قصاص لیا جائے اور پھر بیعت کا مسئلہ سامنے آئے۔ گویا ان لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کے قصاص تک مسلمانوں کو بغیر امیر و خلیفہ کے چھوڑے رکھنا گوارا کیا تا آنکہ مسلمان باہمی مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کریں۔ ان کو یہ خیال بھی ہو گیا تھا کہ سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے میں سکوت سے کام لے رہے ہیں نہ کہ پناہ بخدا آپ قتل عثمانؓ کے محرک ہیں۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کو جب کھلم کھلا الزام دیا تو صرف یہ کہا کہ آپ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے سے سکوت برتتے ہیں نہ یہ کہ ان کے قتل میں آپ کا کوئی ہاتھ ہے۔"

"ادھر سیدنا علیؓ اس نقطہ خیال پر جمے ہوئے تھے کہ میری بیعت سب پر لازم ہو گئی ہے، کیونکہ جب مدینہ طیبہ کے باشندگان نے آپ کی بیعت پر اتفاق کر لیا جو حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی دعوت کا مرکز اور صحابہ کرامؓ کا مقام سکونت تھا تو ان لوگوں پر بھی آپ کی بیعت لازم ہو گئی جو مدینہ طیبہ سے باہر ہیں۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ جب تک لوگ مجتمع نہ ہوں اور حالات سکون پذیر نہ ہوں اس وقت تک قاتلان عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ معرض التوا میں رکھا جائے۔

"دوسرے صحابہ کرامؓ اس نظریہ پر قائم تھے کہ چونکہ صحابہؓ میں ارباب حل وعقد مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں اور بہت کم مدینہ طیبہ میں موجود ہیں، لہذا بیعت ابھی تک صحیح معنوں میں منعقد ہی نہیں ہوئی، کیونکہ بیعت اس وقت منعقد ہوتی ہے جب اہل حل وعقد متفق و متحد ہو جائیں اور اگر چند لوگ مل کر کسی کو خلیفہ بنالیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کا خیال تھا کہ اس وقت لوگ بغیر امام اور خلیفہ کے ہیں، لہذا ضروری یہ ہے کہ پہلے سب قاتلان عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ کریں اور اس سے فراغت کے بعد اتفاق رائے سے کسی کو اپنا امام یا امیر منتخب کرلیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا

Marfat.com

عمرو بن العاصؓ ، سیدنا طلحہؓ ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ، سیدنا محمد بن طلحہؓ ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ ، سیدنا سعید بن زیدؓ ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ اور سیدنا معاویہ بن خدیجؓ و دیگر حضرات اسی موقف کے قائل تھے اور مدینہ طیبہ کے وہ صحابہ جو ان کے ہم خیال تھے وہ مدینہ میں رہ کر بھی بیعت سے دست کش رہے۔۔۔۔عصر ثانی میں اس تمیز کے باوجود اس پر بھی سب کا اتفاق تھا کہ چونکہ فریقین صاحب اجتہاد تھے لہذا ہر دو فریق گناہ اور گرفت سے بری ہیں۔"

"چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں جو لوگ قتل ہوئے ان کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ ناجی ہیں یا قابل گرفت ؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا ، بخدا ان لڑائیوں میں جو بھی مرا وہ جنتی ہے بشرطیکہ اس کا دل پاک ہو" (اس سے قاتلان عثمانؓ اس بشارت سے خارج ہو گئے، کیونکہ وہ دلی کھوٹ کے ساتھ محض فتنہ وفساد کی خاطر ان لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے)۔

گویا آپ فریقین کے مقتولین کے بارہ میں حکم لگا رہے ہیں۔طبری اور دیگر مورخین نے یہی الفاظ نقل کیے ہیں ۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کے اقوال و افعال شریعت میں سند ہیں اور اہل السنّت والجماعت کا ان کی عدالت پر اجماع ہے۔مگر چند معترض جو اس بارہ میں اختلاف کرتے ہیں ، اہل حق نے ان کے قول کو کوئی وقعت نہیں دی۔اگر آپ بنظر انصاف ان حالات کا مطالعہ کریں تو آپ سیدنا عثمانؓ کے بارہ میں اور ان کے دیگر معاملات میں اختلاف کرنے والے صحابہ کو معذور جانیں گے اور کسی کو الزام نہیں دیں گے اور نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ سب کچھ جھگڑا فساد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس سے اس امت کو جانچا اور پرکھا گیا تھا۔

(المقدمہ ابن خلدون الحضرمی ص ۳۴۵)

علامہ ابن خلدون کے "مقدمہ" سے اتنا طویل اقتباس ہم نے صرف اس وجہ سے نقل کیا ہے تا کہ یہ معاملہ تفصیل کے ساتھ قارئین کرام کے سامنے آ جائے کہ

Marfat.com

مشاجرات صحابہ میں اہل السنّت کا کیا موقف ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی موقف صحیح ترین موقف ہے۔ اور جو لوگ سیدنا علیؓ کے فریق مخالف کو ضلالت اور گمراہی پر سمجھتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کی زبان دراز کرتے ہیں وہ خود گمراہ، وادی ضلالت میں سرگرداں اور سیدنا علیؓ کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں، کیونکہ سیدنا علیؓ ان لوگوں کی بارہ میں خود فرماتے ہیں:

''ہم ایمان باللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق میں معاویہؓ سے زیادہ نہیں اور نہ ہی معاویہؓ ان چیزوں میں ہم سے زیادہ ہے'' (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۱۸)

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابو زرعہ رازی سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ میں معاویہؓ کو برا جانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ وہ بولا، اس لیے کہ انہوں نے سیدنا علیؓ سے جنگ و قتال کیا تھا۔ امام ابو زرعہ رازی نے اس سے فرمایا تیرا برا ہو۔ معاویہؓ کا رب رحیم اور معاویہؓ کا مدمقابل (سیدنا علیؓ) کریم، اور اے بد بخت تیرا ان دونوں کے معاملات میں دخل دینے کا کیا مطلب؟ رضی اللہ عنہما

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۰)

اہل عراق اور سب وشتم:

اہل عراق یعنی سیدنا علیؓ کے لشکر کے کچھ لوگوں نے فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہؓ اور ان کے لشکر کے متعلق دشنام آمیز زبان استعمال کرنی شروع کر دی۔ سیدنا علیؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ایک گشتی مراسلہ اپنے زیر تصرف علاقہ میں لوگوں کو بھیجا اور ان کو سیدنا معاویہؓ کے بلند اور ارفع مقام سے آشنا کیا اور اس فعل شنیع سے انہیں نہایت سختی سے روکا۔ آپ نے اس سرکلر میں فرمایا:

من كتاب له عليه السلام الى الامصار يقتص فيه ما جرى بينه و بين اهل صفين وكان بدأ امرنا لتقينا القوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد و دعوتنا فى الاسلام واحدة ولا نستزيدهم فى الايمان بالله و التصديق برسوله و لا يستزيدو ننا ، الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان و نحن منه براً

Marfat.com

''یہ سیدنا علیؓ کے فرمان سے ہے جس کو آپ نے تمام ممالک میں روانہ فرمایا تھا۔ اس فرمان میں ان تمام واقعات کو بیان فرماتے ہیں جو ان کے اور اہل صفین کے درمیان واقع ہوئے اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک۔ نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے۔ صرف خون عثمانؓ کے بارہ میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔'' (نہج البلاغہ جلد ۲/۱۸۲)

ایک مرتبہ سیدنا علیؓ کے لشکریوں نے سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو سب و شتم کرنا شروع کر دیا۔ آپ کو جب پتہ چلا تو آپ نے انہیں سختی سے منع فرمایا۔ بلکہ ابو حنیفہ دینوری نے یہاں تک لکھا ہے کہ سب و شتم کرنے والے حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق وغیرہ تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ اپنی زبانیں بند رکھو۔ وہ بولے امیر المومنین

ألسنا على الحق وهم على الباطل؟

''کیا ہم حق پر اور وہ غلطی پر نہیں؟''

آپ نے فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم، ہم حق پر ہیں۔'' وہ کہنے لگے: ''پھر آپ ہمیں ان پر سب و شتم اور لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟'' آپ نے جواب میں فرمایا:

کرهت لكم ان تكونوا شتامين ولعانين

''میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالی دینے والے اور لعنت کرنے والے بنو۔''

بلکہ ایسا کہو کہ اے اللہ! ہم دونوں کو خونریزی سے محفوظ فرما اور ہمارے درمیان اصلاح فرما اور انہیں ہدایت دے حتیٰ کہ ناواقف حق سے آشنا ہو جائے اور جھگڑنے والا شخص نزاع سے باز آ جائے۔ (اخبار الطوال ص ۱۶۵)

کچھ اسی قسم کا مضمون نہج البلاغہ میں بھی منقول ہے: (نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۴۲)

Marfat.com

فیصلہ تحکیم کے بعد

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے نہایت خوش دلی اور رضا و رغبت کے ساتھ تحکیم کے فیصلہ کو قبول کیا تھا' جس سے ان کے لشکر میں موجود سبائیوں کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ سیدنا علیؓ نے فیصلہ تحکیم کو تسلیم کر کے اپنے آپ کو شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وجہ سے ان کی فوج میں افتراق اور خلفشار پیدا ہو گیا۔

خوارج اور جنگ نہروان:

بتایا جا چکا ہے کہ مسئلہ تحکیم پر ایک معتدبہ جماعت سیدنا علیؓ کے لشکر کی آپ سے الگ ہو چکی تھی جس کی تعداد مورخین نے بارہ ہزار بتائی ہے۔ اس جماعت نے حروراء میں اقامت اختیار کر لی۔ سیدنا علیؓ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو انہیں سمجھانے کے لیے بھیجا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ کو اس بارہ میں ناکامی ہوئی۔ چنانچہ سیدنا علیؓ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور بحث و مناظرہ کے بعد ان کی ایک اچھی خاصی تعداد کو اپنے ساتھ کوفہ لے آئے، لیکن پھر بھی ان لوگوں کی کافی تعداد وہاں رہ گئی۔ رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی شکل اختیار کر لی اور وہ خوارج کہلائے۔

ان خوارج میں اکثر لوگوں کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ اس لوگوں کا عقیدہ ہو گیا کہ تحکیم گناہ ہے۔ چنانچہ "لاحکم الا للہ" کا جملہ ان لوگوں کے اندر عقیدہ بن کر بجلی کی طرح

Marfat.com

سرایت کر گیا اور اس فرقہ کا شعار بن گیا۔ ان لوگوں کو تاریخ میں ''الشراۃ'' کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی وہ جنہوں نے اپنی جانیں اللہ کے ہاتھ فروخت کر دی ہیں۔

ان لوگوں کا اپنے مخالفین کے بارہ میں نظریہ بہت تنگ تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ انتہا درجہ کے بہادر بھی تھے اور اپنے اقوال و اعمال میں نہایت صاف گو اور کھرے تھے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اپنے عقیدے کے لیے جان دینا ان کے لیے بہت آسان تھا۔ معمولی معمولی باتوں میں بھی احکام دینیہ کا لحاظ رکھتے یہاں تک کہ کھجور کے درخت سے گری ہوئی ایک کھجور بھی مالک کی اجازت کے بغیر نہ کھاتے، لیکن دوسری طرف مسلمانوں کا خون بہانے میں انہیں ذرا بھی باک نہ تھا۔ چنانچہ اسی فرقہ کا ایک فرد عبدالرحمٰن بن ملجم الخارجی سیدنا علیؓ جیسے بزرگ صحابی رسول کا خون بھی بہاتا ہے اور قرآن بھی پڑھتا رہتا ہے چنانچہ ابو حمزہ خارجی نے ان لوگوں کے اوصاف ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:

''یہ وہ نوجوان ہیں جو واللہ! ایام جوانی ہی میں بوڑھے دکھائی دیتے ہیں۔ شر اور برائی کے سامنے ان کی نگاہیں نیچی ہوتی ہیں اور باطل کی طرف بڑھنے میں ان کے قدم بھاری ہوتے ہیں۔ عبادت کی کثرت کی وجہ سے نحیف و لاغر اور شب بیداری کی وجہ سے نہایت دبلے پتلے۔'' (ابن اثیر جلد ۲ ص)

تحکیم کے بعد ان لوگوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں ان کے جو ہم خیال لوگ موجود تھے وہ نہروان میں جمع ہوئے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔

خوارج کا عقیدہ یہ تھا کہ دین کے معاملات میں حکم مقرر کرنا کفر ہے۔ ان کے اس عقیدہ سے جس کا اتفاق نہ ہو وہ بھی کافر ہے۔ اور اس کا خون مباح ہے، چنانچہ انہوں نے صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن خبابؓ اور ان کی اہلیہ محترمہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا (قدموا عبداللہ بن خباب فذبحوہ)

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن خبابؓ کی اہلیہ کو جب یہ لوگ قتل کرنے لگے تو انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں حاملہ ہوں مجھے قتل کرنے سے تمہیں اللہ کا خوف نہیں آتا۔ (انی امراۃ حبلیٰ الا تتقون اللہ) لیکن ان بے ایمانوں نے

ان کی کوئی بات نہ سنی اور انہیں قتل کر دیا اور ان کا پیٹ پھاڑ کر بچہ باہر نکال لیا۔(فذ بحوھا و بقروا بطنھا عن ولدھا) (البدایہ والنہایہ جلد ۷ص ۲۸۸)

اسی طرح ام سنان صیداویہ کو بھی اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ غرض کہ جو بھی انہیں ملا یا تو اسے اپنا ہم خیال بنا لیا یا پھر موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سیدنا علیؓ کو جب ان دلدوز اور جگر خراش واقعات کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے دریافت حال کے لیے حارث بن مرہ کو بھیجا، لیکن خارجیوں نے ان کو بھی اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے ان کے مرکز نہروان کا قصد فرمایا تاکہ ان کے ظلم وستم سے امت مسلمہ کو نجات دلائی جا سکے۔

نہروان پہنچ کر سیدنا علیؓ نے سیدنا ابو ایوب انصاریؓ اور سیدنا قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ استدلال اور بحث ومباحثہ سے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں۔ ان دونوں حضرات نے ان کو بہت سمجھایا لیکن بے سود۔ آخر میں انہوں نے خوارج کے ایک سردار ابن الکواء کو بہت سمجھایا، لیکن ان لوگوں کے دلوں پر مہر خداوندی لگ چکی تھی، لہذا ہدایت وارشاد کی تمام کوششیں بالکل ناکام رہیں۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے مجبور ہو کر ان پر فوج کشی کا حکم صادر فرمایا۔ لڑائی کے لیے فوج کی ترتیب اس طرح کی کہ میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شیث بن ربعی، پیادوں پر سیدنا ابو قتادہ انصاریؓ اور سواروں پر سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کو متعین فرمایا۔

خوارج کے کچھ لوگوں نے جب سیدنا علیؓ کی فوج کی یہ صف آرائی دیکھی تو انہیں آپ سے جنگ کرنے کا ایک خوف سا محسوس ہوا، لہذا لڑائی شروع ہونے سے قبل قریباً پانچ ہزار آدمی خوارج کے لشکر سے علیحدگی اختیار کر کے بندنجین چلے گئے اور ایک اور بڑا سا گروہ کوفہ چلا گیا۔ ایک ہزار مزید آدمیوں نے اپنے عقائد سے توبہ کر کے سیدنا علیؓ کے جھنڈے تلے پناہ لی۔ اب عبداللہ بن وہب الراسبی کی قیادت میں صرف چار ہزار خارجی رہ گئے۔ یہ چار ہزار فوجی بڑے بہادر اور جانثار تھے، لہذا جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے اور سیدنا علی کے لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لڑائی میں ان لوگوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے الگ ہو جاتے تھے، لیکن پھر بھی وہ لڑتے تھے اور ان کی حملہ آوری میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ چنانچہ خارجی فوج کے ایک سپاہی شریح بن ابی اوفیٰ

Marfat.com

کا ایک پاؤں کٹ گیا تو وہ ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا۔ اسی طرح تمام خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے۔

(اخبار الطوال ص ۲۱۰، ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۷۵، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۸۸)

شام پر حملے کا افسانہ:

مورخین نے لکھا ہے کہ فیصلہ تحکیم سے سیدنا علیؓ نہایت مایوس ہوئے، کیونکہ یہ فیصلہ ان کی امیدوں کے بالکل برعکس تھا، لہذا انہوں نے شام پر بھرپور حملے کا ارادہ فرمایا، لیکن اس دوران خارجیوں کا مسئلہ درمیان میں آ گیا اور وقتی طور پر شام پر حملہ کو آپ نے معرض التواء میں ڈال دیا۔ اب جنگ نہروان سے فراغت کے بعد آپ نے شام پر حملے کا مصمم ارادہ فرمایا، لیکن جنگ نہروان کے بعد آپ کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اب کسی صورت بھی کسی جنگ میں شمولیت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے کنانہ بن بشر، محمد ابن ابی بکر، مالک الاشتر اور دوسرے کئی سردار صفین اور مصر کے معرکوں میں کام آ چکے تھے۔ تیسرے آپ کی فوج کی اکثریت جو کہ سبائیوں پر مشتمل تھی، فیصلہ تحکیم کے بعد اگرچہ آپ کی فوج سے خارجیوں کی طرح الگ نہیں ہوئی تھی، لیکن قلبی طور پر وہ اب آپ سے تعاون کرنے پر تیار نہیں تھی۔ چنانچہ اب ہر مقام اور ہر موڑ پر انہوں نے امیر المومنین سیدنا علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ آپ کی فوج کے ایک بہت بڑے سردار اشعث بن قیس الکندی نے خارجیوں سے جنگ کے فوراً بعد سیدنا علیؓ سے یہ کہنا شروع کر دیا:

"ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں۔ ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی انیاں خراب ہو گئیں ہیں، لہذا آپ ہمیں اب گھر جانے کی اجازت دیجئے۔"

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۶، اخبار الطوال ص ۲۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۳۰۸)

یہ دراصل سب عذر لنگ تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ سیدنا علیؓ نے چونکہ فیصلہ تحکیم کو تسلیم کر لیا تھا، لہذا اب وہ سیدنا معاویہؓ سے بالکل برسر پیکار نہیں ہونا چاہتے تھے، کیونکہ قرآن حکیم کو حکم ماننے کے بعد یہ فیصلہ ہوا تھا۔ سبائیوں کو یہ فیصلہ بالکل منظور نہیں

Marfat.com

تھا۔ وہ تو مسلمانوں کی آپس کی خونریزی سے خوش تھے لہذا انہوں نے مختلف بہانوں سے سیدنا علیؓ سے تعاون کرنا چھوڑ دیا اور ہر معاملہ میں سیدنا علیؓ کی نافرمانی شروع کر دی۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے بڑی حسرت اور یاس کے انداز میں فرمایا:

واعجباً اعصی و یطاع معاویة

''بڑے تعجب کی بات ہے کہ میرے ساتھی میری نافرمانی کرتے ہیں اور معاویہؓ کے ساتھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔''

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۶۹)

مختصر یہ کہ سیدنا علیؓ کا فیصلہ تحکیم کے بعد شام پر حملہ کا کوئی ارادہ نہیں ہوا تھا یہ صرف سبائی روایات میں ہے کہ اعوان و انصار کی بے فائی کی وجہ سے سیدنا علیؓ نے شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ واپس آ کر اقامت اختیار کر لی۔

مصر پر سیدنا معاویہ ؓ کا قبضہ:

مصر سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا اور مشہور صحابی رسول ﷺ اور اسلامی جرنیل سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اسے فتح کیا۔ اسی روز سے سیدنا عمرؓ نے انہیں وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا، لیکن ۲۶ھ میں سیدنا عثمانؓ نے انہیں مصر کی گورنری سے معزول فرما کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے چند روز قبل جب مصر کے سبائی عبداللہ بن سباء، محمد ابن ابی بکر اور دوسرے سرغنوں کی قیادت میں حج بیت اللہ کے بہانہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو عبداللہ بن سعدؓ نے دربار خلافت میں ان کے بارہ میں اطلاع دی۔ اس کے کچھ دن بعد آپ بعض انتظامی امور کے سلسلہ میں امیر المومنینؓ سے چند ایک ضروری مشورے کرنے کے لیے مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں آپ کو سیدنا عثمانؓ کی شہادت کی خبر مل گئی۔ چنانچہ آپ راستہ ہی میں رک گئے اور مدینہ طیبہ نہ آئے۔

(طبری جلد ۵ ص ۲۲۶، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۰)

آپ کی عدم موجودگی میں محمد ابن ابی حذیفہ نے جو سبائیوں کا سرغنہ بن چکا تھا، مصر پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۵) چند ہی روز بعد سیدنا علیؓ نے جب یہ

Marfat.com

سنا کہ عبداللہ بن سعد ؓ مصر میں نہیں ہیں تو انہوں نے ایک مقتدر صحابی سیدنا قیس بن سعدؓ کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا، کیونکہ محمد ابن ابی حذیفہ پر آپ کو اعتماد نہیں تھا۔ سیدنا قیس بن سعدؓ نے مصر پہنچ کر بڑی حکمت عملی سے محمد ابن ابی حذیفہ سے گورنری کا چارج لیا۔ آپ نہایت مدبر اور مصلحت شناس آدمی تھے لہذا بڑے تدبر اور حکمت عملی سے انہوں نے مصر کے لوگوں سے سیدنا علیؓ کی خلافت کی بیعت لی، لیکن مصر کے ایک علاقہ "خربتا" کے لوگوں نے سیدنا علیؓ کے بیعت سے صاف انکار کر دیا، کیونکہ یہ لوگ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے اور سیدنا معاویہؓ کے ہم خیال تھے اور چاہتے تھے کہ پہلے قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیا جائے اور اس کے بعد خلافت کا انعقاد ہو۔

سیدنا قیسؓ بن سعد نے بھی موقع کی نزاکت کے تحت اہل خربتا کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا بھیجا کہ اگر تم لوگ ملک میں امن و امان کے تحفظ کی ذمہ داری دو تو ہم تمہیں بیعت کے لیے مجبور نہیں کرتے اور تمہاری ہر خدمت کے لیے تیار ہیں اور تمہارے حقوق کی پاسداری اور تحفظ کا ذمہ لیتے ہیں۔ ان لوگوں نے امن قائم رکھنے کا وعدہ کیا اور سیدنا قیس بن سعدؓ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو پورے پورے حقوق دیئے اور ہر طرح سے ان کا تحفظ اور خبر گیری کی۔ ان لوگوں کی تعداد جو کہ خربتا میں رہتے تھے اور انہوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی دس ہزار کی قریب تھی۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۲۶)

سیدنا قیس بن سعدؓ کی یہ پالیسی وہاں کے حالات کی نزاکت کے تحت تھی لیکن سبائیوں کو ان کی یہ امن و صلح والی پالیسی کب بھاتی تھی، لہذا انہوں نے بارگاہ خلافت میں سیدنا علیؓ کے پاس ان کی شکایات کرنا شروع کر دیں اور کہا کہ سیدنا قیس بن سعدؓ اندرونی طور پر اہل خربتا سے ملے ہوئے ہیں۔ اسی لیے یہ خربتا کو آپ کی بیعت کے لیے مجبور نہیں کرتے اور بقول طبری سیدنا علیؓ کی خدمت میں سیدنا قیسؓ کی یہ شکایت محمد ابن ابی بکر اور محمد بن جعفرؓ بن ابی طالب کی معرفت کی گئی۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۲۹) امیر المومنینؓ نے ان لوگوں کی اس شکایت کی جانب زیادہ توجہ نہ دی۔ اسی زمانہ میں قیسؓ بن سعد کا ایک خط امیر المومنین سیدنا علیؓ کے نام پہنچا جس میں اہل خربتا کے حالات اور ان کے ساتھ اپنی پالیسی کی اطلاع دی۔ محمد ابن ابی بکر اور محمد بن جعفرؓ بن ابی طالب کے خیالات پہلے ہی سیدنا قیسؓ کے خلاف تھے اور وہ ان کی معزولی پر سیدنا علیؓ سے اصرار کر

Marfat.com

چکے تھے، اس خط سے ان کے ہاتھ ایک دلیل آ گئی اور اب انہوں نے زیادہ اصرار کرنا شروع کر دیا، اور وہ سیدنا علیؓ سے قیس بن سعدؓ کے نام اس مضمون کا خط لکھوانے میں کامیاب ہو گئے کہ اہل خربتا والوں سے جنگ کی جائے۔ سیدنا قیسؓ کو امیر المومنینؓ کے اس خط کو پڑھ کر دلی رنج ہوا اور انہوں نے اہل خربتا سے جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور سیدنا علیؓ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا:

"یہ لوگ مصر کا چہرہ مہرہ ہیں اور یہاں کے اہل عز و شرف سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے یہ جانتے ہوئے کہ اندر سے ان کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں لیکن ظاہر میں وہ غیر جانبدار ہیں، خود ہی روزینے اور عطیے جاری کیے ہوئے ہیں۔ آپ مجھے ان سے جنگ کا حکم دے رہے ہیں، جب کہ ان میں بسر بن ارطاۃ، مسلمہ بن مخلد اور معاویہؓ ابن خدیج جیسے لوگ موجود ہیں۔ اگر ان کو ذرا بھی چھیڑا گیا تو یہ آپ کے خلاف اور آپ کے دشمن کے ساتھی ہو جائیں گے جس سے بہت نقصان ہو گا۔ میں نے ان کا مناسب انتظام کر دیا ہے لہذا آپ میرا مشورہ قبول فرمائیے اور ان سے فی الحال تعرض نہ کیجئے۔"

(طبری جلد ۵ ص ۲۳۰، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳۸)

لیکن چونکہ محمد ابن ابی بکر اور محمد بن جعفرؓ دونوں کی رائے سیدنا علیؓ کی رائے پر غالب آ چکی تھی لہذا آپ نے سیدنا قیسؓ کے مشورے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی اثناء میں محمد بن جعفرؓ نے امیر المومنینؓ کو مجبور کر کے قیس بن سعدؓ کو معزول کروا دیا اور محمد ابن ابی بکر کو مصر کی گورنری کا پروانہ دلوا کر مصر بھجوا دیا۔ سیدنا قیسؓ کو اگرچہ طبعی طور پر بہت ناگوار گزرا لیکن وہ بغیر کوئی مزاحمت کیے گورنری کا چارج دے کر مدینہ طیبہ چلے آئے۔

(طبری جلد ۵ ص ۲۳۱، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳۹، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۲)

سیدنا قیسؓ اگرچہ محمد بن ابی بکر کی تقرری سے بد دل ہو گئے تھے لیکن پھر بھی امیر المومنین سیدنا علیؓ کا احترام اور ان کی خیر خواہی ان کے دل میں موجود تھی، لہذا انہوں نے مصر چھوڑتے وقت محمد ابن ابی بکر کو تمام نشیب و فراز اور داخلہ پالیسیاں سمجھا دیں اور ضروری ہدایات گوش گذار کر دیں۔ (طبری جلد ۲ ص ۵۳)

محمد بن ابی بکر بالکل نوجوان، نا تجربہ کار اور حکمت عملی سے ناآشنا تھا۔ علاوہ

Marfat.com

ازیں سبائیوں کے پراپیگنڈے کی وجہ سے اس کا ذہن پہلے ہی سیدنا قیس بن سعدؓ کی پالیسی کے خلاف تھا۔ مزید برآں کنانہ بن بشر جیسا فتنہ پرداز اور قاتل عثمانؓ سبائی اس کو بطور مشیر مل گیا، لہذا اس نے گورنر ہوتے ہی اہل خربتا کو نوٹس دے دیا کہ یا تو وہ سیدنا علیؓ کی بیعت کریں یا ملک چھوڑ دیں ورنہ ان کے خلاف جارحانہ کاروائی کی جائے گی۔

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۴۰)

اہل خربتا بڑے نڈر اور بہادر تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بالکل امن سے ہیں اور سابق گورنر مصر قیس بن سعدؓ سے اپنی امن پسندی کا وعدہ کر چکے ہیں، لہذا آپ بھی ہم سے تعرض نہ کریں اور ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو کوئی اطمینان بخش جواب دیا جاتا، لیکن کنانہ بن بشر کے اکسانے سے محمد ابن ابی بکر نے ان پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا جس سے محمد ابن ابی بکر کو شکست فاش ہوئی۔

(طبری جلد ۶ ص ۵۳)

اس واقعہ سے سیدنا علیؓ کی خلافتی پالیسی کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ محمد ابن ابی بکر کے ناعاقبت اندیش طرز عمل نے مصر کے اور لوگوں کو بھی سیدنا علیؓ کا مخالف بنا دیا اور مصر کی فضاء سیدنا علیؓ کے اس قدر خلاف ہوگئی کہ معاویہ بن خدیج الکندیؓ نے اعلانیہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔

محمد ابن ابی بکر نے متعدد بار اہل خربتا پر حملہ کیا، لیکن ہر دفعہ اس کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسی دوران مسعودی شیعی وغیرہ مورخین کے بیان کے مطابق سیدنا علیؓ نے مالک الاشتر کو محمد ابن ابی بکر کی امداد کے لیے بھی بھیجا، لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکا اور راستہ ہی میں مر گیا۔ ابھی یہ معاملہ جاری تھا کہ اسی اثناء میں سیدنا معاویہؓ نے محمد ابن ابی کر کو سرکاری طور پر لکھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آ جائے، لیکن وہ باز نہ آیا۔ تنگ آ کر آپ نے سیدنا معاویہؓ بن خدیج الکندیؓ اور سیدنا مسلمہ بن مخلد الانصاریؓ سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط و کتابت کی۔ انہوں نے فوراً فوج کشی کا مشورہ دیا اور اپنے کلی تعاون کا یقین دلایا۔ سیدنا معاویہؓ نے فوراً چھ ہزار کا لشکر سیدنا عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں مصر روانہ کر دیا۔ جب یہ لشکر سرحد پر پہنچا تو وہ لوگ جن کی ہمدردیاں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھیں فوراً لشکر کے ساتھ مل گئے۔ ان لوگوں نے بھی محمد ابن ابی بکر کو لکھ کر

Marfat.com

بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے ساتھ بالکل تعاون کرنے کو تیار نہیں ہیں بلکہ تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور اگر جنگ تک نوبت پہنچی تو تمہیں ہمارے حوالے کر دیں گے۔ اور خود سیدنا عمرو بن العاصؓ نے ذاتی طور پر بھی محمد ابن ابی بکر کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ:

"میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم راستہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس شہر کے لوگوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچے۔" (طبری جلد ۶ ص ۵۷۔۵۷، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۹)

لیکن محمد ابن ابی بکر نے ان کے اس خط کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ چار ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے میدان میں آ گیا۔ مقدمتہ الجیش کی کمان مشہور سبائی کنانہ بن بشر قاتل عثمانؓ کر رہا تھا۔ کنانہ نے شروع شروع میں بڑے جوش اور بہادری کے جوہر دکھانے کی کوشش کی، لیکن تھوڑی ہی دیر میں معاویہ بن خدیجؓ نے عمرو بن العاصؓ کے اشارہ سے کنانہ کو گھیر لیا اور جلد ہی اگلی دنیا میں پہنچا دیا۔ محمد ابن ابی بکر نے بھاگ کر ویرانہ میں پناہ لی۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ فسطاط (مصر کے دارالحکومت) پہنچ گئے اور سیدنا معاویہ بن حدیجؓ محمد بن ابی بکر کی تلاش میں نکلے اور اس ویرانہ سے اسے ڈھونڈ نکالا۔ وہ مارے پیاس کے جاں بلب تھا۔ محمد بن ابی بکر نے ان سے پانی کی درخواست کی۔ سیدنا معاویہؓ نے کہا کہ اگر میں تجھے پانی کا ایک قطرہ بھی پلاؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے پانی نہ پلائے۔ تم نے امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کو پانی پینے سے روک دیا تھا یہاں تک کہ ان کو روزہ کی حالت میں شہید کر دیا۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے:

فعند ذالک غضب معاوية بن خديج فقدمه فقتله ثم جعله فی جیفة حمار فاحرقه بالنار

"اس پر سیدنا معاویہ بن حذیجؓ غضبناک ہو گئے اور آگے بڑھ کر محمد ابن ابی بکر کو قتل کر دیا۔ پھر اس کی نعش کو گدھے کی لاش میں ڈال کر آگ سے جلا دیا۔" (طبری جلد ۶ ص ۵۹، مروج الذہب جلد ۲ ص ۱۱۲۷)

علامہ خیر الدین رزکلی کی تحقیق یہ ہے کے ان کی لاش جلائی نہیں گئی تھی اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ دفن کی گئی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

لم يحرق و دفنت جثته مع راسه في مسجد يعرف بمسجد "زمام" خارج مدينة الفسطاط قال ابن سعيد و قد زرت قبره في الفسطاط

محمد بن ابی بکر(۱) کو جلایا نہیں گیا بلکہ اس کے جسم کو ایک مسجد میں دفن کیا گیا جس کو مسجد "زمام" کہتے ہیں اور جو فسطاط شہر سے باہر ہے۔ چنانچہ ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے اس کی قبر کو فسطاط میں دیکھا۔

(الاعلام للزرکلی جلد ۷ ص ۷۹)

جیسا کہ بتایا گیا ہے مصر کا یہ علاقہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا اور آپ نے انہی کو یہاں کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ اب دوبارہ بھی مصر کے اس قضیہ نا مرضیہ کو آپ ہی نے فرو کیا، لہذا سیدنا معاویہؓ نے اب پھر آپ ہی کو یہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔

سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصر سبائیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ چنانچہ کنانہ

(۱) محمد ابن ابی بکر سیدنا صدیق اکبرؓ کا صاحبزادہ سیدنا اسماء بنت عمیسؓ کے بطن سے تھا۔ ۱۰ھ ذوالحلیفہ کے مقام پر سفر حجۃ الوداع میں پیدا ہوا، (مسلم جلد ا ص ۳۹۴) لیکن ان کی عمر ابھی ۳ سال کی تھی کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا صدیق اکبر کے انتقال کے بعد سیدہ اسماءؓ نے سیدنا علیؓ سے شادی کر لی اور محمد سیدنا علیؓ کی زیر تربیت پرورش پانے لگا۔ سیدنا علیؓ محمد ابن ابی بکر کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ "محمد میرا ربیب ہے" چنانچہ شیعہ حضرات انہیں شیعان علیؓ میں شمار کرتے ہیں۔ (رجال الکشی ص ۶۰۔ ۶۱) سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے وقت اس کی عمر ۱۵ سال تھی۔ اس عمر میں اس نے سیدنا عثمانؓ سے کہا کہ مجھے کسی جگہ کی گورنری عنایت فرما دیں۔ سیدنا عثمانؓ نے اس کی ذہنی ناپختگی کی وجہ سے اس کی یہ درخواست قبول نہ کی۔ اس وجہ سے وہ آپ کا مخالف ہو گیا۔ بعد میں وہ سبائیوں کے ہتھے چڑھ گیا اور اس کی مخالفت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا سالم بن عبداللہ فرماتے ہیں۔

"اسلام میں سیدنا صدیق اکبرؓ کی وجہ سے اس کا جو مقام تھا وہ تو تھا ہی لیکن سبائیوں نے اسے فریب میں مبتلا کر دیا اور وہ گورنری کا لالچ کرنے لگا، لیکن جب سیدنا عثمانؓ نے اس کا یہ لالچ پورا نہ کیا تو وہ ان کے سخت مخالف ہو گیا۔ پس اس وجہ سے وہ مذمم (مذمت کیا گیا) ہو گیا حالانکہ اس سے قبل وہ محمد تھا" (طبری جلد ۳ ص ۴۲۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۴۰)

Marfat.com

بن بشر اور محمد بن ابی بکر کی ساری پالیسیاں یہیں مرتب ہوتی تھیں۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ چونکہ پہلے ہی سے اس سبائی تحریک سے بخوبی آشنا تھے، لہذا آپ نے جلد ہی ان کی ساری تخریبی کارروائیوں کا سدباب کر دیا، اور مصر کا سارا علاقہ امن وسلامتی کا گہوارا بن گیا۔ محمد بن ابی بکر کی غیر دانشمندانہ پالیسی اور جلد بازی سے یہ علاقہ سیدنا علیؓ کے مقبوضات سے نکل کی سیدنا معاویہؓ کے مقبوضات میں داخل ہو گیا جس سے سیدنا علیؓ کی خلافت کو سخت دھچکا لگا۔

محمد بن ابی حذیفہ کا انجام

محمد بن ابی حذیفہ سرکار دو عالم علیہ الصلواۃ والسلام کے جلیل القدر صحابی سیدنا ابو حذیفہؓ کے بیٹے تھے۔ سیدنا ابو حذیفہؓ سرزمین حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ ان کی اہلیہ سہلہ بنت سہیلؓ بھی ان کی رفیق سفر تھیں۔ چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ حبشہ ہی میں پیدا ہوا تھا۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰)

سیدنا ابو حذیفہؓ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے محمد کی پرورش سیدنا عثمانؓ نے کی۔ جب سیدنا عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو محمد بن ابی حذیفہؓ نے آپ سے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی درخواست کی۔ چونکہ اس پر پہلے شراب نوشی کی حد لگ چکی تھی، لہذا درخواست مسترد ہو گئی۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ ص ۳۵۱، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳۵) بلکہ ابن اثیر کی روایت کے مطابق سیدنا عثمانؓ نے فرمایا:

لو كنت اهلاً لذالك لو ليتك (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳۵)

"اگر تم اس کے اہل ہوتے تو ضرور تمہیں گورنر بنا دیتا۔"

محمد سیدنا عثمانؓ کی طرف سے یہ جواب ملنے پر ان سے ناراض ہو گیا اور سبائیوں کے ساتھ مل کر آپ کی شدت سے مخالفت شروع کر دی اور سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے وقت سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ گورنر مصر کی عدم موجودگی میں مصر کی گورنری پر قبضہ کر لیا۔ سیدنا معاویہؓ کے حکم سے سیدنا عمرو بن العاصؓ نے مصر پر چڑھائی کی تاکہ محمد ابن حذیفہ کو وہاں سے نکالا جائے۔ ویسے حق تعالیٰ بھی اب اس کو سزا دینا چاہتے تھے۔

لانه من اكبر الاعوان على قتل عثمانؓ مع انه قد رباه و

Marfat.com

كفله و احسن اليه

"کیونکہ قتل عثمانؓ میں وہ سب سے بڑا معاون تھا حالانکہ سیدنا عثمانؓ نے اس کی پرورش اور کفالت فرمائی تھی اور اس کے ساتھ بہت احسان کیے تھے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۰)

سیدنا عمرو بن العاصؓ کے مصر پر حملہ کرنے کے وقت محمد بن ابی حذیفہ ایک ہزار فوج کے ساتھ عریش کی طرف نکلا لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے ایک منجنیق (ایک قسم کی توپ جس کے ذریعہ بڑے بڑے پتھروں کو قلعہ وغیرہ توڑنے کے لیے پھینکا جاتا تھا) نصب کر کے قلعہ پر سنگ باری شروع کر دی۔ محمد نے یہ حال دیکھ کر باہر نکلنا چاہا۔ چنانچہ وہ اپنے تیس آدمیوں کے معیت میں باہر نکلا، لیکن سیدنا عمرو بن العاصؓ نے ان سب کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۰)

علامہ ابن کثیر نے اس سلسلہ میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ محمد ابن ابی بکر کے قتل کے بعد پکڑا گیا۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیج دیا کیونکہ وہ سیدنا معاویہؓ کا ماموں زاد بھائی تھا۔ سیدنا معاویہؓ نے اس کو فلسطین میں ایک قید خانہ میں قید کر دیا لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ قید خانہ سے بھاگ نکلا۔ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن ظلام نے اس کا تعاقب کیا۔ محمد بن ابی حذیفہ ایک غار میں چھپ گیا۔ جنگلی گدھے اس غار میں پناہ لینے کے لیے آئے، لیکن محمد بن ابی حذیفہ کو غار میں دیکھ کر بھاگ گئے۔ جب کسانوں کی ایک جماعت نے ان گدھوں کو اس طرح بھاگتے ہوئے دیکھا تو وہ متعجب ہوئے، لہذا وہ اس غار کے پاس آئے اور دیکھا کہ محمد بن ابی حذیفہ اس میں چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا اور عبداللہ بن عمرو بن ظلام کے حوالے کر دیا۔ عبداللہ نے اس خیال سے کہ اگر اس کو سیدنا معاویہؓ کے پاس لوٹا دیا گیا تو کہیں وہ اسے معاف نہ کر دیں خود اس کی گردن مار دی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۵)

ہنگامہ مصر پر نقد و نظر:

مصر کا یہ ہنگامہ کب پیش آیا؟ اس کے بارہ میں مورخین میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ اس کو فیصلہ تحکیم سے پہلے کا واقعہ بتاتے ہیں اور کچھ فیصلہ تحکیم کے بعد کا۔ لیکن جہاں

Marfat.com

تک ہمارا خیال ہے اہل خربتا پر محمد ابن ابی بکر نے معاہدہ تحکیم کے وقت یہ سب سختیاں شروع کر دی تھیں اور فیصلہ تحکیم کے اعلان کے بعد سیدنا عمرو بن العاصؓ نے باقاعدہ حملہ کر کے مصر کو فتح کر لیا کیونکہ اہل خربتا نے سیدنا معاویہؓ کے پاس محمد ابن ابی بکر کے تشدد کی متعدد بار شکایات کی تھیں۔

یہ ہنگامہ بھی دراصل ابن سباء کی ذریت کا بپا کردہ تھا۔ سیدنا قیس بن سعدؓ بڑے اچھے طریقے سے وہاں اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے کہ کنانہ بن بشر نے خواہ مخواہ محمد بن ابی بکر کی معرفت سیدنا علیؓ کے کان بھرے اور محمد بن ابی بکر جیسے ناتجربہ کار اور جذباتی آدمی کو وہاں کا گورنر بنا دیا گیا جس کی سختی اور ناعاقبت اندیشانہ پالیسی نے مصر کے موافقین کو بھی مخالفین کی فہرست میں داخل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے سیدنا علیؓ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل خربتا پر یہ حملہ محمد ابن ابی بکر نے سیدنا علیؓ کے مشورہ سے کیا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ سیدنا علیؓ نے صرف ان کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ انہوں نے جو پالیسی وہاں وضع کی وہ کنانہ بن بشر سبائی کے ذہن کی پیداوار تھی کیونکہ وہاں کے سبائیوں کی زمام کار اس کے ہاتھ میں تھی اور محمد ابن ابی بکر کو اس پر بہت اعتماد تھا۔ ورنہ سیدنا علیؓ جیسا عالی دماغ، عاقبت اندیش اور موقع کی نزاکت کو سمجھنے والا شخص اپنی بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کا کبھی بھی حکم نہیں دے سکتا، کیونکہ اگر آپ صرف غیر مبایعین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو سب سے پہلے آپ مدینہ طیبہ کے ان اصحاب رسول ﷺ سے برسرپیکار ہوتے جنہوں نے ابھی تک آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔

دوسرے اگر آپ محمد ابن ابی بکر کو اہل خربتا کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو محمد ابن ابی بکر کی امداد کے لیے کچھ کمک بھی بھیجتے، لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کسی آدمی کو بھی فوج دے کر محمد ابن ابی بکر کی امداد کے لیے نہیں بھیجا۔

مالک الاشتر کے بارہ میں جو بعض مورخین نے لکھا ہے کہ امیر المومنین نے ان کو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے ولایت کا پروانہ دے کر بھیجا تھا۔ چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ میں ولایت کے پروانے کا مضمون بھی نقل کیا ہے۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۴، مروج الذهب

Marfat.com

جلد ۲ ص ۳۹) لیکن اگر تاریخ کا تحقیقی نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بھی غلط ثابت ہوتی ہے۔ اول اس لیے کہ جو پروانہ امیر المومنینؓ کی طرف سے منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مالک الاشتر کو لکھ کر دیا تھا وہ بالکل جعلی ہے۔ اور سیدنا علیؓ کی طرف اس کی نسبت غلط ہے، چنانچہ الخضری جیسا مورخ بھی اس کو جعلی اور زمانہ ما بعد کا لکھا ہوا بتاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

والظاهر ان هذا العهد قد كتب بعد ذالك بازمان

"یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تقرری کی یہ سند بعد کے زمانوں کی لکھی ہوئی ہے۔"

اگر آپ مالک الاشتر کو بھیجتے تو کچھ فوج بھی اس کے ساتھ بھیجتے، لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مالک الاشتر کے ساتھ کوئی فوج نہیں بھیجی، حالانکہ محمد بن ابی بکر نے سیدنا علیؓ کو لکھا بھی تھا کہ یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں اور شہر کے سب لوگ عمرو بن العاصؓ کے ساتھ ہو گئے ہیں، لہذا اگر آپ کو مصر کی ضرورت ہے تو فوج اور دیگر مال و متاع سے میری مدد فرمایئے۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا یہ قضیہ وہاں کا مقامی قضیہ تھا اور سیدنا علیؓ نے فیصلہ تحکیم کا احترام کرتے ہوئے وہاں مطلق کوئی فوج نہ بھیجی تھی اور مالک الاشتر بھی وہاں اپنی مرضی سے گیا تھا، سیدنا علیؓ نے اس کو نہیں بھیجا تھا۔ کیونکہ اتنے بڑے معاہدہ کا احترام اگر سیدنا علیؓ جیسا انسان نہ کرتا تو اور کون کرتا؟ آپ کی ذات ان تمام نقائص سے بالاتر تھی جو آپ کے دوست نما دشمن آپ کے طرف منسوب کرتے ہیں۔ باقی معصوم سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذات کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ آپ سے کچھ سیاسی فرد گذاشتیں اور اجتہادی خطائیں بھی ہوئیں لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان پر یا دوسرے صحابہ پر ان کی اجتہادی فروگذاشتوں کے بارہ میں زبان طعن دراز کرے۔

مصر پر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی وساطت سے جو قبضہ کیا تھا۔ وہ جنگ صفین کے بعد کا واقعہ ہے۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳۵) طبری نے واقدی کا قول نقل کیا ہے کہ فتح مصر صفر ۳۸ھ میں ہوئی اور اذرح کانفرنس شعبان ۳۸ھ میں ہوئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۶۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۵) لیکن واقدی کا یہ قول صحیح نہیں ہے

Marfat.com

اس لیے کہ محمد بن ابی بکر اور مالک الاشتر فیصلہ تحکیم کے وقت زندہ تھے جب کہ واقدی کے اس بیان کے مطابق ان کو مرا ہوا ہونا چاہیے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مصر کی گورنری کا لالچ دے کو سیدنا معاویہؓ نے اپنے ساتھ ملایا تھا۔ یہ دشمنان صحابہؓ کی طرف سے آپ کے اخلاق فاضلہ پر ایک ناجائز حملہ ہے۔ صحابہ کرامؓ ایسے طمع و لالچ اور رذائل سے یک قلم بری تھے رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کی سند خداوندی رذائل میں منہمک ہونے والوں کو نہیں ملتی۔

سبائیوں کی مختلف علاقوں میں شورش:

فیصلہ تحکیم کے بعد جہاں سبائیوں نے سیدنا علیؓ کے ساتھ غداری کی اور ان کے احکام کی نافرمانی اور بے حرمتی کرنا شروع کی وہاں سیدنا علیؓ کی مملکت کے مختلف علاقوں میں بھی عوام کو تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا۔ ان علاقوں کے لوگ جب دیکھتے کہ شام کے لوگ نہایت امن وامان سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور مصر میں شورش کے بعد اب وہاں بھی سیدنا معاویہؓ کے گورنر عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے لوگوں کی زندگی بڑے اچھے طریقے سے گزر رہی ہے اور ان کو اب کسی فتنہ وفساد کا خوف نہیں تو وہ بھی خفیہ طریقے سے سیدنا معاویہؓ سے خط و کتابت شروع کر دیتے اور ان سے درخواست کرتے کہ خدارا ہمارے علاقے بھی اپنے زیر تصرف لے کر ہمیں ان سبائیوں کی آئے روز کی فتنہ پردازیوں سے محفوظ و مصئون فرمائیں۔ ادھر سیدنا علیؓ بھی ان سبائیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے اور خلافت کی اس ذمہ داری سے دست بردار ہونا چاہتے تھے۔

شروع شروع میں تو سیدنا معاویہؓ نے ان لوگوں کی عرضداشتوں کو درخود اعتناء نہ سمجھا، لیکن جب لوگوں کا اصرار زیادہ ہوا تو آپ نے فیصلہ تحکیم کے اگلے برس یعنی ۳۹ھ میں سیدنا نعمان بن بشیرؓ، سیدنا سفیان بن عوفؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعدہ اور سیدنا ضحاک بن قیسؓ وغیرہ کو تھوڑی تھوڑی فوج کے ساتھ ان علاقوں کے عوام کی جنہوں نے آپ کی خدمت میں عرضداشتیں بھیجی تھیں، تحقیق حال کے لئے بھیجا، چنانچہ جس جس علاقے میں یہ لوگ گئے وہاں کے عوام کو پہلے ہی سے اپنا منتظر پایا۔ ان بزرگوں کا پہنچنا تھا کہ وہاں کہ لوگوں نے علوی گورنروں کو اپنے اپنے علاقوں سے نکال دیا۔ سیدنا علیؓ نے بھی

Marfat.com

اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کی قلیل مدت میں عین التمر ، انبار، مدائن ، تیماء اور عجم کے دوسرے علاقے سیدنا علیؓ کے قبضہ اور تصرف سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے حلقہ اقتدار میں آ گئے۔

۴۰ھ میں بسر بن ارطاۃؓ تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ حجاز و یمن کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ سیدھے مدینہ طیبہ گئے ۔ وہاں میزبان رسول سیدنا ابو ایوب انصاریؓ سیدنا علیؓ کی طرف سے گورنر تھے۔ آپ بسرؓ کے مدینہ پہنچنے پر مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ تشریف لے گئے۔ اس طرح مدینہ طیبہ سیدنا علیؓ کے حلقہ اقتدار سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے زیر تصرف آ گیا۔ بسر بن ارطاۃؓ پھر یمن گئے۔ وہاں کے گورنر سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ سیدنا علیؓ کی طرف سے گورنر تھے۔ وہ بسرؓ کے آنے کی خبر سن کر عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر خود کوفہ چلے گئے ۔ وہاں کے لوگ بھی سیدنا معاویہؓ کے آدمیوں کے لئے چشم براہ تھے، لہذا انہوں نے بھی فوراً اطاعت قبول کر لی۔ غرض کہ ایک سال کے قلیل عرصہ میں علوی مقبوضات کا کافی علاقہ سیدنا معاویہؓ کے زیر اقتدار آ گیا۔

فیصلہ تحکیم کے بعد جو علاقے سیدنا علیؓ کے قبضہ سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے قبضے میں آئے ان کے متعلق المسعودی، الخضری ، طبری اور ابن اثیر وغیرہ مورخین نے اپنی کتابوں میں بڑی بے سرو پا باتیں لکھ دی ہیں، لیکن اگر ان روایات کی تنقیح کی جائے تو وہ سب روایات سبائیوں کی گھڑی ہوئی ثابت ہوتی ہیں۔ نہ نقلی طور پر انہیں صحیح کہا جا سکتا ہے اور نہ عقلی طور پر وہ پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں۔ پھر سیدنا بسرؓ کے ظلم و ستم کی بھی فرضی داستانیں وضع کی گئیں ہیں اور لکھا ہے کہ انہوں نے یمن میں سیدنا عبیداللہ بن عباسؓ کے دو معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ محققین کے نزدیک ان فرضی داستانوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ چنانچہ مصر کے مشہور مورخ اور محقق اور جامعہ ازہر کے درجہ تخصص (ڈاکٹریٹ) کے استاد الشیخ عبدالوہاب النجار علامہ ابن اثیر کا قول نقل کرتے ہیں:

قال الحافظ ابن کثیر فی البدایه والنهایه و یقال ان بسراً قتل خلقاً من شیعة علی فی میسره هذا والخبر مشهور عند اصحاب المغازی والسیر وفی صحته عندی نظر

"حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بسرؓ نے

Marfat.com

شیعان علیؓ کے ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور یہ بات مورخین کے نزدیک بہت مشہور بھی ہے لیکن ان روایات کی صحت میرے نزدیک درست نہیں۔"

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۳، تعلیقہ، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲)

یہ فرضی داستانیں جن سے ان مورخوں نے تاریخ کے اوراق کو سیاہ کیا ہے اور شاید اپنے نامہ عمال کو بھی داغدار بنا دیا ہے، اگر تاریخ کے اوراق سے نکال دی جائیں اور صحیح روایات پر تاریخ کو مدون اور مرتب کیا جائے تو ہمارے بہت سے اختلافات دور ہو سکتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ کو بسر بن ارطاہؓ کے مظالم کا حال معلوم ہوا تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمیعت کے ساتھ اس کی سر کوبی کے لئے یمن اور حجاز کی مہم پر مامور فرمایا اور کوفہ کی جامع مسجد میں تقاریر کر کے اہل کوفہ کو شامی فوج کے حدود عراق سے نکالنے پر مشتعل کیا۔ سیدنا علیؓ کی ان تقاریر سے لوگوں کے مردہ قلوب میں جان پیدا ہو گئی اور ہر شخص نے فوج میں شامل ہونے کے لئے وعدہ کیا ،لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو پورے کوفہ سے صرف تین سو آدمی اکھٹے ہوئے۔ ان تین سو آدمیوں کو دیکھ کر سیدنا علیؓ کو اہل کوفہ کی اس بے حسی پر سخت صدمہ ہوا۔

سیدنا علیؓ کی اس ذہنی اور قلبی کیفیت کو دیکھ کر حجر بن عدی اور سعید بن قیس الہمدانی نے کہا" امیر المومنین! یہ لوگ بغیر تشدد کے راہ پر نہ آئیں گے، لہذا آپ منادی کرا دیں کہ ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف ضروری جانا ہو گا اور جو اس میں تساہل کرے گا یا اعراض برتے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔" ان دونوں کے کہنے پر سیدنا علیؓ نے یہ اعلان کروا دیا اور معقل بن قیس کو رساتیق بھیجا تا کہ وہاں سے جس قدر سپاہی مل سکیں ان کو لایا جائے، لیکن ابھی تک یہ کارروائیاں ہو ہی رہی تھیں کہ عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کی تلوار نے سیدنا علیؓ کو شہید کر دیا۔

اس قسم کی روایات بھی سبائیوں نے گھڑی ہوئی ہیں۔ یہ درست ہے کہ کوفی سیدنا علیؓ کے ساتھ اب نہیں چل رہے تھے اور وہ ہر موقع پر سیدنا علیؓ سے بے وفائی کر رہے تھے ، کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ فیصلہ تحکیم کو تسلیم کرنے کے بعد اب سیدنا علیؓ سیدنا

Marfat.com

معاویہ ؓ سے برسر پیکار نہیں ہوں گے، لہٰذا انہیں اب سیدنا علیؓ سے کوئی دل چسپی نہیں رہی تھی، لیکن یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا علیؓ نے کبھی بھی سیدنا معاویہؓ پر حملہ کی خواہش نہیں کی، لہٰذا یہ کہنا کہ وہ سیدنا معاویہؓ پر حملہ کے لیے لشکر تیار کر رہے تھے سراسر اغلط اور کذب بیانی ہے۔

بغاوتوں کی سرکوبی:

فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا علیؓ کے مقبوضات میں مختلف جگہوں پر بغاوتیں ہوئیں اور آپ نے باغیوں کی ریشہ دوانیوں کی بڑی سختی کے ساتھ سرکوبی کی۔ چنانچہ کرمان اور فارس کے عجمیوں نے بغاوت کر کے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ سیدنا علیؓ نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے مشورہ کیا۔ اکثر لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ زیاد ابن ابی سفیانؓ سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے لئے موزوں نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ زیاد ابن ابی سفیانؓ کو اس مہم کے لئے مامور کیا گیا۔ انہوں نے حسب توقع کرمان، فارس اور ایران کے دوسرے علاقوں سے بغاوت کی آگ کو فرو کیا جس سے لوگ امن وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔

جنگ نہروان میں اگرچہ خارجیوں کا زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا، تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں اپنی ریشہ دوانیوں سے ایک فتنہ برپا کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک خارجی حریث بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نومسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو اکسا کر بغاوت کرا دیتا تھا۔ سیدنا علیؓ نے اس کی سرکوبی کے لئے زیاد بن حفصہ اور ایک روایت کے مطابق معقل بن قیس کو مامور کیا۔ انہوں نے ان باغیوں کا مسلسل تعاقب کیا۔ آخر رامہرمز کی پہاڑیوں میں مقابلہ کر کے ان شورش پسندوں کا قلع قمع کیا اور باغی ذمیوں سے پھر اطاعت کا عہد لیا۔ باغیوں میں سے جو لوگ اطاعت پر راضی ہو گئے ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا گیا کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب معقل بن قیس رامہرمز سے واپس آ رہے تھے تو ان لوگوں نے ان کی دور تک مشایعت کی اور مردوں اور عورتوں نے ان کے جدائی میں آنسو بہائے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۷۔ ۳۱۸)

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا بصرہ کی گورنری سے استعفیٰ:

۴۰ھ میں ابو الاسود الدوئلی نے سیدنا علیؓ کے پاس گورنر بصرہ عبداللہ بن عباسؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ روپیہ خورد برد کیا ہے۔ سیدنا علیؓ نے اس بارہ میں عبداللہ بن عباسؓ کو لکھا۔ آپ نے جواب دیا: "میرے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب غلط ہے اور جو کچھ میرے پاس بیت المال کا روپیہ وغیرہ ہے اس کی بہت اچھے طریقے سے حفاظت کر رہا ہوں۔ آپ ان جھوٹی باتوں پر ہرگز کان نہ دھریئے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ سیدنا علیؓ سیدنا ابن عباسؓ کی اس وضاحت کو تسلیم کر لیتے کیونکہ سیدنا ابن عباسؓ ایک عام آدمی نہیں تھے، بلکہ اسلام میں ان کا ایک بلند مقام تھا۔ لیکن سیدنا علیؓ نے اس خط پر یقین کرنے کی بجائے اس خط کے جواب میں سیدنا ابن عباسؓ سے تفصیل طلب فرمائی اور لکھا:

فاعلمنی ما اخذت من الجزیة و من این اخذت و فیما وضعت

"مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزیہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں سے لیا ہے اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے؟"

سیدنا علیؓ کے اس خط سے سیدنا ابن عباسؓ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے سیدنا علیؓ کو لکھا:

فابعث الی عملک من احببت فانی ظاعن عنه والسلام

"آپ جس گورنر کو بھی چاہیں یہاں بھیج سکتے ہیں کیونکہ میں گورنری کے اس عہدے کو چھوڑنے والا ہوں۔ والسلام۔" (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۴)

یہ خط لکھ کر سیدنا ابن عباسؓ بصرہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور سیدنا علیؓ سبائیوں کی غلط رپورٹ کی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جیسے ترجمان القرآن، فقیہ الامت اور بہترین خیر خواہ سے محروم ہو گئے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲)

بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی صلح تک بصرہ کے گورنر رہے اور وہ اس صلح کے ایک گواہ بھی تھے، لیکن زیادہ مورخین کا

Marfat.com

خیال ہے کہ انہوں نے بصرہ کی گورنری سے استعفاء دے دیا تھا۔
(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲)

سیدنا علیؓ کی سیدنا معاویہؓ سے صلح:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا علیؓ اپنے شیعوں سے تنگ آ چکے تھے اور آپ پر یہ عقدہ کھل چکا تھا کہ جمل اور صفین کا قتل وخون محض ان لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے جنہوں نے میری بیعت کی تھی، لیکن اندر سے ان کا تعلق عبداللہ بن سباء سے تھا۔ پھر ان کی غداریاں بھی آپ کے سامنے تھیں کہ جب تک ان لوگوں نے اپنی سازش کو کامیاب ہوتے دیکھا، میرا ساتھ دیا اور اب جب کہ میں ان کی حقیقت سے واقف و آشنا ہو چکا ہوں اور ان کو اپنا مطلب حل ہوتا نظر نہیں آتا، انہوں نے میرا حکم بھی ماننا چھوڑ دیا ہے، بلکہ میری ہر بات کا خلاف کرتے ہیں۔ اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ کے اعوان و انصار کی وفاداری اور اطاعت کیشی ان کے لئے باعث رشک اور باعث حسرت تھی۔ (منہاج السنتہ جلد ۲ ص ۲۰۲) لہذا ان مسلسل خانہ جنگیوں سے گھبرا کر ۴۰ھ میں سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اس صلح نامے کی رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ سیدنا علیؓ کے پاس رہا۔ اور مصر، شام اور مغرب کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کے حصہ میں آیا۔ اور شرط یہ قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقے میں دست اندازی نہیں کرے گا۔ اس صلح نامہ کو دونوں حضرات نے تسلیم کیا۔
(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۳)

سیدنا علیؓ کی ندامت:

سیدنا علیؓ کے دور خلافت میں جمل اور صفین کی خونریز جنگوں کی صورت میں جو کچھ پیش آیا، سیدنا علیؓ کو اس پر سخت ندامت تھی۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

وعلی ابن ابی طالب رضی اللہ عنه ندم علی امور فعلها من القتال وغيره وكان يقول

"سیدنا علی ابن ابی طالبؓ ان کاموں پر نادم اور پشیمان ہو گئے تھے جو جنگ (جمل وصفین) کی صورت میں پیش آئے۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے۔"

Marfat.com

اس کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ نے کچھ اشعار (مثلث) نقل کئے ہیں جن کا ترجمہ ہے

1- میں کچھ ایسا بے بس ہو گیا تھا کہ میرے پاس اس کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔
2- آئندہ میں اس کے لیے ہمیشہ ہوشیار ہو کر رہا کروں گا۔
3- اور متفرق اور منتشر رایوں کو جمع کر کے رکھا کروں گا۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے مزید لکھا ہے کہ:

''سیدنا علیؓ صفین کے ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ نے عبداللہ بن عمرؓ، سعد بن مالکؓ (ابی وقاص) سے کیا اچھا موقف اختیار کروایا اور وہ اس پر ثابت قدم بھی رہے۔ ان حضرات کا یہ موقف اگر اچھا ہے تو اس کے لیے بہت بڑی جزا ہے اور اگر ان کا موقف غلط ہے تو بھی اس کی برائی بہت کم ہے۔''

پھر آپ نے لوگوں کو سیدنا معاویہؓ کی حکومت قبول کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا:

''لوگو! معاویہؓ کی حکومت کو برا مت سمجھنا کیونکہ اگر تم نے اس کو بھی کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ کندھوں سے سر کیسے اڑتے ہیں۔''

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''تواتر کے ساتھ ایسی روایات موجود ہیں کہ سیدنا علیؓ پیش آمدہ حالات اور واقعات کو زندگی کے آخری ایام میں ناپسند کرنے لگے تھے۔ نیز آپ دیکھ رہے تھے کہ لوگوں میں ان حالات کی وجہ سے سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور وہ تشتت و افتراق کا شکار ہو کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ شر اور برائی ابھر نے لگی ہے۔ اس بات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدنا علیؓ کو اگر ان حالات کا پہلے سے علم ہوتا تو جو واقعات ان کو بعد میں پیش آئے تھے، تو جو کچھ وہ کر چکے تھے وہ ہرگز نہ کرتے۔'' (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۰)

شہادت سیدنا علیؓ

جنگ نہروان میں خارجیوں نے اگرچہ بڑی شجاعت اور پامردی سے سیدنا علیؓ کی فوج کا مقابلہ کیا اور باوجود اس کے کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے لیکن پھر بھی وہ لڑتے رہتے اور میدان نہ چھوڑتے۔ آپ کی فوج بھی مقابلہ پر ڈٹی رہی اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو شکست فاش ہوئی اور ان کے کافی سے زیادہ آدمی مارے گئے۔

خوارج کو ایک تو اپنے مقتولوں کا بدلہ لینا تھا۔ دوسرے اپنی دانست میں وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا علیؓ، سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ ان تینوں نے ملت اسلامیہ کے امن کو پارہ پارہ کر رکھا ہے اور ملت اسلامیہ کی خیر خواہی کی خاطر اس بات کو نہایت ضروری سمجھتے تھے کہ ان تینوں اشخاص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دیا جائے۔

بعض روایات میں ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر اکھٹے ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو کی اور بحث ومباحثہ کے بعد اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ جب تک تین شخص سیدنا علیؓ، سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ اس صفحہ ہستی پر موجود ہیں اس وقت تک ملت اسلامیہ کو خانہ جنگیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ علاوہ ازیں وہ نہ تو سیدنا علیؓ کو حکومت کا اہل سمجھتے تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ کو۔ تجویز یہ پاس ہوئی کہ ان کے قتل کے ''نیک کام'' کو رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں نماز کی حالت میں انجام دیا جائے۔ چنانچہ خوارج میں سے تین آدمیوں نے اس ''نیک کام'' کے لیے

Marfat.com

اپنی خدمات پیش کیں۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے سیدنا علیؓ کو، برک بن عبداللہ جس کا اصلی نام حجاج بن عبداللہ تھا، نے سیدنا امیر معاویہؓ کو اور عمرو بن بکر نے سیدنا عمرو بن العاص کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ ان تینوں نے آپس میں عہدو پیمان کیا اور ایک دوسرے سے قسم لی کہ ان تین میں سے کوئی بھی اس معاہدے اور پیمان کو نہیں توڑے گا یہاں تک کہ جس کے قتل کی ذمہ داری لی ہے یا تو اس کو قتل کر دے یا خود ہلاک ہو جائے۔ ان تینوں نے اپنی اپنی تلواروں کو زہر میں بجھایا اور فیصلہ یہ کیا کہ ۱۷ رمضان المبارک کو ہر شخص رات اس شہر میں گزارے جہاں اس نے یہ بابرکت کام سرانجام دینا ہے۔

طبری اور مسعودی وغیرھم نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم کا ایک عورت سے معاشقہ تھا۔ اس کا بھائی اور باپ جنگ نہروان میں سیدنا علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اس وجہ سے اس کے دل میں سیدنا علیؓ کے خلاف سخت کینہ اور عناد تھا۔ ابن ملجم نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو اس نے تین ہزار روپیہ، ایک غلام، ایک گانے والی لونڈی اور سیدنا علیؓ کا سر حق مہر میں مانگا۔ (طبری جلد ۶ ص ۷۳، مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۱، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۵، تاریخ الخلفاء ص ۱۷۶)

اس عورت کا نام تاریخ کی کتابوں میں قطام آیا ہے اور وہ بڑی خوبصورت اور عقیدہ کے لحاظ سے خارجی تھی۔

فیصلہ یہ ہوا کہ تینوں حضرات کو ایک ہی روز نماز فجر کے وقت شہید کیا جائے تاکہ سازش کا انکشاف نہ ہو۔ اس پروگرام کے تحت تینوں اپنی اپنی مہم پر چل دیے۔ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو فجر کی نماز میں تینوں پر زہر آلودہ خنجروں سے حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی طبیعت اس روز سخت ناساز تھی۔ اس لیے انہوں نے اس روز اپنی جگہ خارجہ بن حذیفہ کو نماز فجر پڑھانے کے لیے مسجد میں بھیج دیا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کی بجائے عمرو بن بکر خارجی نے اندھیرے میں خارجہ بن حذافہ پر وار کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ سیدنا معاویہؓ کے قتل پر جو شخص متعین تھا اس کا وار اوچھا پڑا۔ اس وجہ سے زخم خفیف آیا۔ طبیب کو بلوا کر زخم دکھایا گیا۔ اس نے کہا کہ "خنجر زہر آلود ہے، اس لیے زخم کو داغنے سے فائدہ ہوگا اور اگر داغا نہ گیا تو پھر ایسی دوا استعمال کرنا ہوگی جس سے

تناسل کی قوت ہمیشہ کے لیے بالکل ختم ہو جائے گی۔ سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ میں داغنے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا دوا ہی استعمال کروں گا۔ اب مجھے اولاد کی ضرورت نہیں۔ عبداللہ اور یزید ہی کافی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے چند روز دوا پی اور شفا یاب ہو گئے۔

عبدالرحمٰن اور شبیب بن بجرہ اشجعی دونوں ۱۷ رمضان المبارک شب جمعہ کو اس دروازے کے چھجے کے نیچے آ کر بیٹھ گئے جس سے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب نماز فجر کے لیے نکلا کرتے تھے۔ جیسے ہی آپ نماز فجر کے لیے مسجد کی طرف تشریف لائے ابن ملجم نے (اور ایک روایت کے مطابق دونوں نے) آپ پر حملہ کر دیا۔ حملہ کرتے وقت نعرہ بھی لگایا "لاحکم الااللہ، لیس لک ولاصحابک یاعلی" (حکم صرف اللہ کا ہے، علیؓ تمہارا یا تمہارے ساتھیوں کا نہیں) زہر آلود خنجر آپ کی مبارک پیشانی پر لگا اور ایک کاری زخم آیا۔

(طبری جلد ۶ ص ۸۴، مروج الذھب جلد ۲ ص ۴۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۸، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۱۴۱)

مسجد قریب تھی۔ آپ نے آواز دی۔ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ (حافظ ابن کثیر نے ایک تیسرے شخص "وردان" کا نام بھی لکھا ہے کہ وہ بھی ابن ملجم اور شبیب کے ساتھ قتل علیؓ میں شریک تھا)۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ۳۲۶) شبیب تو بھاگ گیا لیکن عبدالرحمٰن بن ملجم پکڑا گیا۔ سیدنا علیؓ کو مسجد میں لایا گیا۔ نماز فجر کی امامت کے فرائض آپ کی بجائے آپ کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وھب نے ادا کیے اور آپ نے اس کی اقتدا میں نماز فجر ادا کی۔ نماز کے بعد ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے چند سوال کیے۔ پھر فرمایا "اس کو آرام سے رکھا جائے اور کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۷)

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو وصیت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کی وجہ سے انتقال کر جاؤں تو اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق قاتل کو قصاص میں قتل کر دینا، لیکن اگر میں جانبر ہو گیا تو پھر اس معاملہ پر میں خود غور کروں گا۔ اس کے بعد سیدنا حسنؓ سے فرمایا:

"قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ضرب لگانا، کیونکہ اس نے مجھے ایک ہی

Marfat.com

ضرب لگائی ہے اور اس کا مثلہ (ناک منہ اور کان وغیرہ کاٹنا) نہ کرنا کیونکہ جناب رسولؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔"

(طبری جلد۶ ص ۸۲، ابن اثیر جلد۳ ص ۱۹۵، ابن خلدون جلد۲ ص ۱۱۳۳، الجوہرۃ فی نسب النبی واصحابہ العشرۃ جلد۲ ص ۲۷۴)

زخم کاری لگا تھا اور خنجر بھی زہر آلودہ تھا، لہذا علاج کے باوجود زہر کا اثر سارے جسم میں سرایت کر گیا۔ ابن ملجم نے بھی کہا:

"میں نے علیؓ پر ایسا وار کیا ہے کہ اگر پورے شہر والوں پر ایسا وار ہوتا تو سارے کے سارے مر جاتے۔ بخدا میں نے خنجر کو ایک ماہ تک زہر میں بجھایا اور ایک ہزار میں یہ خنجر لیا تھا اور ایک ہزار خرچ کر کے اس کو زہر آلودہ کیا تھا۔"

(طبری جلد۴ ص ۱۱۲)

جندب بن عبداللہ اور دوسرے کئی ایک حضرات نے پوچھا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرما جایئے۔(۱)

بعض حضرات نے تو سیدنا حسنؓ کا نام لے کر کہا کہ آپ کے بعد کیا ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

۱۔ اس سوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں نامزدگی بھی جائز ہے۔ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں نامزدگی جائز نہیں وہ اسلام کے سیاسی نظام سے کلیۃً نا آشنا ہیں۔ چنانچہ اس بارہ میں ابن خلدون نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے، فرماتے ہیں:

"امام ولی امت ہوتا ہے اور اس کا امین بھی، جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں، ان کا انتظام بھی حسب طاقت اپنی زندگی ہی میں کر جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً امت کی غور و پرداخت کے لیے اپنا ایک ایسا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اس پر تھا اور شریعت میں اجماع امت سے اس عمل (ولی عہد مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ سیدنا ابو بکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں سیدنا عمرؓ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہ کرامؓ نے جائز رکھا اور سیدنا عمرؓ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔۔۔(مقدمہ ص ۳۴۰) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وما امرکم و لا انہاکم انتم ا بصر

"نہ میں تم کو اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں۔ تم اس بارہ میں زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔"

(طبری جلد ۶ ص ۸۵، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۶، مروج الذھب جلد ۳ ص ۴۲)

لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

لا ولکن اترککم کما ترککم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان یرد اللہ بکم خیراً یجمعکم علی خیرکم کما جمعکم علی خیرکم بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"نہیں، بلکہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جا رہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چھوڑ گئے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری بھلائی منظور ہوئی تو تمہیں ایک بہتر آدمی پر جمع کر دے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ ابن خلدون ایک اور مقام پر بیٹے کی ولی عہدی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اب اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے اور اس معاملہ میں اس کو مہتم نہیں کر سکتے، کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں خود فیصلے دے گیا ہو ان میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہئے۔ یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کا اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعث اتہام ہے یا صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے، خصوصاً جب کہ کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ و فساد سے تحفظ کے لیے کیا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۰)

اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب سیدنا معاویہؓ ۔۔۔ شخصیت اور کردار جلد اول اور دوم۔ وہاں ہم نے اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن اس زمانہ میں مغرب کی جمہوریت نے ہمارے ذہنوں کو خراب کر دیا ہے جس کی وجہ سے اسلام کے حقائق بھی ہمیں صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ جمہوریت کیا ہے؟ اس کے بارہ میں اور اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "فتنہ جمہوریت"۔

Marfat.com

کے بعد تمہیں ایک بہترین شخص (سیدنا ابو بکر صدیقؓ) پر جمع کر دیا تھا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۔۱۴، جلد ۷ ص ۳۲۳، السنن الکبری جلد ۷ ص ۱۴۹، مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۳)

اپنی بصیرت اور لوگوں کے اطوار سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ میرے بعد سیدنا حسنؓ کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ اس وجہ سے آپ نے خلوت میں ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں، کیونکہ آپ سمجھ رہے تھے کہ میرے انتقال کے بعد تاریخ ایک نیا موڑ مڑنے والی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کی انتظامی، فکری اور عملی صلاحیتیں بھی آپ کے پیش نظر تھیں۔ عالم اسلامی میں سیدنا معاویہؓ کے اثر و رسوخ کو بھی آپ بصیرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ اپنے شیعوں اور ساتھیوں کے بے وفائی اور غداری اور سیدنا معاویہؓ کے اعوان و انصار کی وفا شعاری، اطاعت کیشی اور ان کا اخلاص بھی آپ کے سامنے تھا۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے بڑے بیٹے سیدنا حسنؓ کو چند نہایت ضروری وصیتیں فرمائیں آپ نے فرمایا:

۱۔ "بیٹا میرے بعد امت کو اتحاد و اتفاق کا سبق دینا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے امت میں تشتت و انتشار پیدا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا۔" یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی کو مظبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔

۲۔ پھر فرمایا: 'بیٹا میری وفات کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا اور ان کے خلیفۃ المسلمین ہونے سے کراہت نہ کرنا، کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دیا تو پھر امت میں ایسا اختلاف و انتشار واقع ہو گا جس کے تلخ ترین نتائج بھی بھگتنے پڑیں گے۔"

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۳۶، ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۸۳)

بعض تواریخ میں ہے کہ یہ نصیحت عام مسلمانوں کو فرمائی، چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صفین سے واپس لوٹ کر آپ نے حالات کا گہری نگاہ سے مطالعہ کرتے ہوئے فرمایا:

ایها الناس لاتکرهوا امارة معاوية فانكم لوفقدتموه رايتم الرؤس تندر من كوا هلها كانها حنظل

"اے لوگوں معاویہؓ کی امارت کو ناپسند نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ شانوں پر سے سر حنظل کی طرح کٹ کٹ کر گریں گے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴، تاریخ الاسلام ذہبی ص ۲۶۶، ۳۲۰)

اس کے بعد کچھ اور وصیتیں فرمائیں اور سیدنا حسینؓ اور سیدنا محمد ابن الحنفیہؒ کو بھی وصیتیں کیں۔

زہر لحہ بہ لحہ اپنے اثرات دکھا رہا تھا۔ چنانچہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ پر حملہ ہوا اور تین روز موت و حیات کی کشمکش کے بعد ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ ھ پیر کی رات کو آپ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کی طرف انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی اور مدت خلافت ۴ سال ۹ ماہ۔ بعض روایات میں ۶۳ سال عمر مرقوم ہے (طبقات جلد ۳ ص ۲۵ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۹) سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا محمد بن الحنفیہؒ اور آپ کے داماد اور بھتیجے سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہ حضرات نے غسل دیا۔ سیدنا حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں (طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر وغیرہ نے ۹ تکبیرات نقل کیں۔ ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۷، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۹، لیکن ابن کثیر کی ایک دوسری روایت میں چار تکبیرات منقول ہیں اور یہی صحیح ہے، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳) پھر ان کو دارلامارت میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

(طبری جلد ۴ ص ۱۱۶، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۳۰، جلد ۸ ص ۴۴)

سیدنا علیؓ کی شہادت کوفہ میں ہوئی کیونکہ سبائیوں کے کہنے پر آپ نے مدینہ منورہ کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ کوفہ میں قریباً قریباً (بقول شیعہ حضرات) سب شیعہ ہی رہتے تھے۔ چنانچہ مشہور شیعہ عالم قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ:

وبالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد وسنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل ومحتاج بدلیل است واگرچہ ابوحنیفہ کوفی باشد

"خلاصہ یہ کہ کوفہ والوں کا شیعہ ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں اور کسی کوفی کا اہل

سنت ہونا خلاف اصل اور دلیل کا محتاج ہے۔ اگرچہ وہ ابو حنیفہؒ (امام اعظم) کوفی ہی کیوں نہ ہو۔" (مجالس المومنین جلد ا ص ۵۶)

پورے کوفہ میں سیدنا علیؓ کے جنازہ میں ان کا ایک بھی شیعہ شریک نہیں ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ پر ان حضرات کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ رسول کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تھے حالانکہ شیعہ سنی کتب کی رو سے تمام صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ پڑھی تھی۔(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد۵ ص ۲۵۶، احتجاج طبرسی جلد ا ص ۱۰۶، حیات القلوب جلد ۲ ص ۱۹۹، جلاء العیون جلد ا ص ۱۱۲، اصول کافی جلد ا ص ۴۵۰، تہران) لیکن یہ کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ سیدنا علیؓ کی نماز جنازہ ان کے کسی شیعہ نے پڑھی ہو۔ سیدنا علیؓ کی نماز جنازہ کن لوگوں نے پڑھی اس بارہ میں اصول کافی میں ہے:

عن ابی عبداللّٰه علیه السلا م انه سمعه یقول لما قبض امیرالمومنین علیه السلام اخرجه الحسن و الحسین ورجلان آخران حتی اذا اخرجوا من الکوفة ترکوها عن ایما نهم ثم اخذوا فی الجبانة حتی مروا الی الغریٰ فد فنوه و سووا قبره فانصر فوا

"سیدنا جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ جب امیر المومنین سیدنا علیؓ کا انتقال ہوا تو سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ اور دو اور شخص جنازہ لے کر نکلے۔ انہوں نے چلتے وقت کوفہ کو داہنی طرف چھوڑا پھر بلند زمین کی طرف آئے اور مقام غریٰ میں دفن کر کے لوٹ آئے اور قبرستان کا نشان مٹا دیا۔"

(اصول کافی جلد ا ص ۴۵۸)

نہ صرف ان لوگوں نے نماز نہ پڑھی بلکہ سیدنا علیؓ کی قبر کا ان لوگوں نے جو حشر کیا وہ بھی شیعہ حضرات کی کتابوں ہی سے ملاحظہ فرمائیں۔ مشہور شیعہ عالم شیخ مفید لکھتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ جب اپنے والد کو دفن کر کے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں انہیں شیعوں کی ایک جماعت ملی جنہوں نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ (فلحقنا قوم من الشیعة لم یشهدوا الصلواة علیه) یہ حضرات کہتے

Marfat.com

ہیں کہ ہم نے ان کو سیدنا علیؓ کی عزت وتکریم کے بارہ میں آگاہ کیا جس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم نے انہیں کہا کہ ہم سیدنا علیؓ کی وصیت کے مطابق ان کی قبر کو زمین کے برابر کر چکے ہیں۔ لیکن وہ ادھر چل پڑے جب وہ واپس آئے تو انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب ہم وہاں گئے تو ہمیں ان کی قبر مل گئی۔ پھر ہم نے اسے کھودا تو اندر کچھ بھی نہ پایا (انھم احتفروا فلم یجدوا شیئا) (ارشاد شیخ مفید ص ۱۹، اصول کافی جلد ا ص ۴۸۵)

سیدنا علیؓ کی لاش کہاں گئی اور کس نے اسے قبر سے گم کیا؟ شیعہ حضرات ہی اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔

خلافت علیؓ پر ایک نظر

سیدنا علیؓ نے حکومت کی، لیکن آپ کا پورا دور خلافت خانہ جنگی اور شورش کی نذر رہا اور آپ کو ایک لحہ بھی سکون و اطمینان نصیب نہ ہو سکا۔ سلطنت کی پنہائیوں کی وسعت رک گئی اور مسلمانوں کی وہ قوت جو دشمنان اسلام کے خلاف صرف ہوتی تھی، آپس میں جنگ و جدال میں بکھر گئی۔ عبداللہ بن سباء کی سازش کامیاب ہوئی اور ملک میں بجائے اجتماع و اتحاد کے تشتت و افتراق کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اور بقول شاہ ولی اللہ دہلوی:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دربسیارے از احادیث متواترہ مرویہ بطرق متعددہ بیان فرمودند کہ امت برحضرت مرتضیٰ جمع نشوند"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی بہت سی احادیث متواترہ میں بیان فرمایا ہے کہ امت سیدنا علیؓ کی خلافت پر جمع نہ ہو گی۔"

(ازالۃ الخفاء جلد۲ ص ۲۷۵)

سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد جن حالات میں آپ کی خلافت قائم ہوئی اور جن لوگوں نے بیعت کر کے آپ کو خلیفہ بنایا، اس سے مسلمانوں کے جذبہ غیظ و غضب میں ایک اشتعال پیدا ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ اہل اسلام کی اکثریت اور اہل حل وعقد نے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی۔ وہ یا تو سیدہ عائشہ اور سیدنا معاویہؓ کے لشکروں میں شامل ہو گئے یا پھر عزلت کی زندگی بسر کرنے لگے اور انہوں نے نہ سیدنا علیؓ کا ساتھ دیا اور نہ ہی

Marfat.com

ان کے مخالف فریقوں کی طرف دست تعاون بڑھایا۔

یہ درست ہے کہ شورش کے زمانہ میں ان دنوں جب باغیوں نے سیدنا عثمانؓ کے قصر خلافت کا محاصرہ کیا ہوا تھا، سیدنا علیؓ نے سیدنا عثمانؓ کی ہر ممکن حد تک مدد کی اور باغیوں کو ہر ممکن طریق سے اس کام سے باز رکھا، لیکن شہادت کے بعد جب وہ سارے باغی آپ کے لشکر میں شامل ہو گئے تو آپ نے یا سیاسی مصلحت کے تحت یا عدم قدرت کی بنا پران کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ ان کے مشوروں سے اپنی حکومت کی پالیسیاں بناتے رہے جس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین جیسے خونی حادثات پیش آئے جن میں سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ سیدنا عمار بن یاسرؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔

معلوم نہیں سیدنا علیؓ کے پیش نظر کیا سیاسی مصلحت تھی کہ آپ نے سبائی سرغنوں کے مشوروں پر اس طرح عمل کیا کہ اپنے بیٹے سیدنا حسنؓ اور دیگر قریبی احباب کے مشوروں کو بھی ان کے مقابلہ میں درخور اعتناء نہ سمجھا، چنانچہ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کے سخت مخالف تھے اور انہوں نے سیدنا علیؓ سے کہہ دیا تھا کہ:

"ابا جان آپ اس ارادہ کو ترک فرما دیجئے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی خونریزی اور باہمی اختلاف کے سوا اور کچھ نہیں۔"

لیکن آپ نے سیدنا حسنؓ کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)

جنگ جمل کی موقع پر بھی جب سیدنا علیؓ نے بصد حسرت و یاس اپنے بیٹے سیدنا حسنؓ سے فرمایا:

حسن! لیت ا باك مات منذ عشرین سنة

"اے حسن! کاش تیرا باپ آج سے بیس سال قبل اس دنیا سے انتقال کر گیا ہوتا (اور آج یہ خونریزی نہ دیکھتا)۔"

جواب میں سیدنا حسنؓ نے کہا "میں نے آپ کو پہلے ہی منع کیا تھا۔"

آپ نے جواب میں فرمایا:

یابنی انی لم ا ر ان الامر یبلغ ھذا

Marfat.com

"بیٹا میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔"
(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۰)

۳۶ھ میں جب آپ نے سبائیوں کے مشورہ سے مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنانا چاہا تو مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت سیدنا عبداللہ بن سلامؓ مشہور صحابی رسول نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا:

لاتخرج منها فوالله لئن خرجت منها لا يعود اليها سلطان المسلين ابداً

"اے علیؓ! مدینہ طیبہ سے باہر نہ نکلیو۔ بخدا! اگر آپ ایک دفعہ مدینہ سے نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی خلافت مدینہ میں کبھی بھی واپس نہیں لوٹے گی۔"
(طبری جلد ۵ ص ۱۷۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۳)

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ باغی سیدنا علیؓ پر کچھ زیادہ ہی حاوی ہو گئے تھے۔ ہماری اس بات کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا حسنؓ نے سیدنا علیؓ سے عرض کی کہ اگر آپ میری عرضداشت پر عمل کر کے سیدنا عثمانؓ کے محاصرہ کے وقت مدینہ طیبہ چھوڑ دیتے تو آج قصاص عثمانؓ کا مطالبہ آپ سے نہ کیا جاتا۔ اس وقت سیدنا علیؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ بیٹا تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید؟ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۱)

سیدنا علیؓ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی ملکی انتظامیہ میں جو تبدیلی کر دی اس نے بھی اسلامی تاریخ کا دھارا دوسری طرف موڑ دیا۔ اس تبدیلی سے ایک تو آپ نے تمام عثمانی گورنروں کو یک قلم معزول کر دیا دوسرے مالک الاشتر اور محمد ابی بکر جیسے لوگوں کو ملک کی کلیدی آسامیوں پر تعینات کر کے نہ صرف خواص بلکہ عوام کے قلوب میں بھی شکوک و ارتیاب کے بیج بو دیے۔ یہ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے سیدنا علیؓ کی بزرگی اور عظمت کے باوجود ان کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ سیدنا سعد ابن وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ وغیرہ کو جب سیدنا علیؓ نے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو ان سب کا ایک جواب تھا کہ ہم اپنی تلوار کسی کلمہ گو کے خون سے رنگین نہیں کریں گے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے خلافت علیؓ سے اس اختلاف کی وجہ

Marfat.com

سے اسلام کے سررشتہ نظام میں فرقہ آرائی، جماعت بندی اور گروہ بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جواب تک کسی کے ناخن تدبیر سے نہ کھل سکی۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا علیؓ کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں اکثریت تو سبائیوں کی تھی بلکہ ان لوگوں کی تھی جو کسی نہ کسی وجہ سے ان لوگوں کے حامی تھے۔ یا اپنی سادگی طبیعت کی وجہ سے سبائیوں کے زیر اثر تھے۔ لیکن سیدنا علیؓ کے مقابلہ میں جو لوگ تھے ان میں سیدنا معاویہؓ والی شام جیسے مدبر، سیدنا عمرو بن العاصؓ فاتح مصر جیسے جہاندیدہ اور تجربہ کار سیاست دان، سیدنا زبیرؓ جیسے حواری رسول، سیدنا طلحہؓ جیسے جانثار اور غزوہ احد کے جانباز اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا جیسی محبوب حرم رسول شخصیات شامل تھیں۔ پھر سیدنا علیؓ کے ساتھی اندر سے ان کے لیے مخلص نہ تھے بلکہ وہ صرف امت مسلمہ کو آپس میں لڑانے کے لیے سیدنا علیؓ کا ساتھ دے رہے تھے، لیکن ان کے مخالف گروپ میں ہر شخص مخلص اور جانثار تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض دفعہ سیدنا علیؓ بڑی حسرت و یاس کے ساتھ یہ فرمایا کرتے تھے:

"بخدا میری آرزو ہے کہ کاش معاویہؓ مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کر لیں جس طرح دینار درہموں سے تبادلہ کیے جاتے ہیں۔ مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اس کے مقابلہ میں اپنا ایک آدمی دے دیں۔"

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۶۹)

ایک اور موقع پر فرمایا:

واعجباً اعصی و یطاع معاویۃ

بڑے تعجب کی بات ہے کہ میرے ساتھی میری نافرمانی کرتے ہیں اور معاویہؓ کے ساتھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۶۹)

ان حالات میں سیدنا علیؓ کی سیاسی زندگی کامیابی و کامرانی سے کیسے ہم کنار ہو سکتی تھی؟

ایک بات جو آج بھی ہر ذہن میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ سیدنا علیؓ نے قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے میں کوئی عملی قدم نہ اٹھایا حالانکہ ہر لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا کہ وہ ان

لوگوں سے جلد از جلد قصاص لیتے جو قتل عثمانؓ میں ملوث تھے۔ سیدنا عثمانؓ تو پھر بھی خلیفہ المسلمین تھے، اسلامی مملکت میں تو کوئی عام شخص بھی قتل ہو جائے جس کا کوئی مدعی قصاص نہ ہو تو حکومت وقت اس کی مدعی ہوتی ہے اور کیس اسٹیٹ بنام ہوتا ہے، لیکن یہاں قاتلان عثمانؓ سلطنت عثمانیہ میں دندناتے پھرتے تھے اور انہیں پوچھنے والا کوئی نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دیے گئے۔ سیدنا علیؓ کے اس فعل کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔

اس سلسلہ میں بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کو قاتلان عثمانؓ کے بارہ میں کوئی علم نہ ہو سکا۔ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ سے اس بارہ میں پوچھا تھا کہ سیدنا عثمانؓ کو کس نے شہید کیا؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ مکان میں اترنے والوں میں سے میں صرف محمد ابن ابی بکر کو پہچانتی ہوں۔ چنانچہ وہ بھی قاتلوں کو نامزد نہ کر سکیں اور دوسرا کوئی شخص وہاں موجود نہیں تھا جو قاتلوں کی نشان دہی کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیدہ نائلہؓ نے جب محمد ابن ابی بکر کا نام لیا تو سیدنا علیؓ محمد ابن ابی بکر ہی سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ کون کون قصر خلافت میں اترا تھا، لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ قاتلان عثمانؓ کی تحقیق و تفتیش میں سیدنا علیؓ نے کوئی کاوش نہیں کی۔

مختصر یہ کہ سیدنا علیؓ کا پنج سالہ دور حکومت افراتفری کا دور تھا جس میں سکون و اطمینان اور امن و امان مفقود تھے۔ فتوحات بند اور ترقیاتی پروگرام نہ ہونے کے برابر، گویا کہ ایک جمہوری ملک جیسی کیفیت تھی جس میں خلیفۃ المسلمین کی اپنی کوئی رائے نہ تھی۔ جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

Marfat.com

اصلاحات

جب ملکی حالات ایسے ہوں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے تو ان حالات میں اندرون ملک کیا اصلاحات ہو سکتی ہیں؟ کیونکہ اصلاحات کے لیے امن و سکون کی فضا درکار ہونا ضروری ہے، لیکن جہاں امن مفقود ہو وہاں نہ تو کوئی ترقیاتی پروگرام ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ملکی اصلاحات بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں نہ تو رفاہِ عامہ کے کاموں میں کوئی اضافہ ہوا، نہ زراعت اور اس کے وسائل میں کوئی ترقی ہوئی، نہ کسی نئے شہر کی تعمیر ہوئی نہ ہی نقل وحمل کے انتظامات میں کوئی ترقیاتی پروگرام بنایا گیا۔

نظم مملکت:

علمائے اسلام اور تاریخ کے رپورٹر یہ بتاتے ہیں کہ سیدنا عمر الفاروقؓ اور سیدنا علیؓ کی سیرت ایک دوسرے کے مشابہ تھی، لہذا سیدنا علیؓ کی خواہش تھی کہ کاروبار خلافت اسی نہج پر چلایا جائے جس نہج پر سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں چلایا تھا۔ چنانچہ یحیٰی ابن آدم القرشی نے لکھا ہے:

کان علی یشبه بعمر یعنی فی السیرة

"سیدنا علیؓ کی سیرت سیدنا عمرؓ کی سیرت سے مشابہ تھی۔" (کتاب الخراج ص ۲۴)

امام بخاریؒ نے سیدنا علیؓ کے ایک شاگرد عبد خیر سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

ان عمر کان موفقاً رشیداً فی الامور، واللّٰه لا اغیر شیئاً

Marfat.com

صبغہ عمر

"سیدنا عمرؓ بہترین توفیق دیئے گئے تھے اور امور خلافت میں درست فیصلہ کرنے والے اور صحیح معاملہ فہم تھے۔ بخدا عمرؓ نے جو کام کیے ہیں میں انہیں تبدیل نہیں کروں گا۔"

(تاریخ کبیر جلد۴ ص ۱۴۵، کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم ص ۲۳)

اسی سلسلہ میں امام شعبی سیدنا علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ جب کوفہ تشریف لائے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

ماکنت لاحل عقدۃ شدھا عمر

"میں اس گرہ کو ہرگز نہیں کھولوں گا جس کو عمرؓ نے باندھا ہے۔ یعنی میں ان معاملات میں ہرگز تبدیلی نہیں کروں گا جن کو عمرؓ نے سرانجام دیا ہے۔"

(کتاب الحراج ۲۴، کتاب الاموال لابی عبید قاسم ص ۲۳۲)

چنانچہ ایک مرتبہ نجران کے قریباً ۴۰ ہزار عیسائیوں کے درمیان حسد اور عناد پیدا ہو گیا۔ وہ سیدنا عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمیں اس علاقہ سے جلاء وطن کر دیا جائے۔ سیدنا عمرؓ کو مسلمانوں کے حق میں ان لوگوں سے کچھ خطرہ اور خوف لاحق ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے بہت سا اسلحہ اور گھوڑے جمع کر لیے تھے۔ سیدنا عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کو وہاں سے نقل مکانی کا حکم دے دیا یعنی نجران یمن سے نجران عراق کی جانب منتقل ہونے کا حکم دیا۔

بعد میں ان لوگوں کو اس بات پر خود ندامت ہوئی اور سیدنا عمرؓ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہو کر حکم کی منسوخی کے لیے عرض کیا، لیکن سیدنا عمرؓ نے اپنا حکم واپس لینے سے انکار کر دیا۔

جب سیدنا علیؓ خلیفہ ہوئے، اس وقت یہ لوگ پھر ان کی خدمت میں اس حکم کی منسوخی کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ کو قسم دے کر کہتے ہیں کہ یہ وثیقہ آپ کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں لکھا گیا تھا اور آپ کی سفارش ساتھ تھی۔ اب اس حکم کو واپس لے لیا جائے۔ سیدنا علیؓ نے اس حکم کو واپس لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

Marfat.com

ویحکم ان عمر کان رشید الامر فلا اغیر شیئاً صنعه عمر

”تم پر افسوس ہے۔ عمر معاملہ فہم اور صائب الرائے تھے۔ ان کے حکم کو میں بالکل تبدیل نہیں کر سکتا۔“

(کتاب الخراج لابی یوسف ص ۴۷، کنز العمال جلد ۲ ص ۳۰۳ کتاب الاموال لابی عبید قاسم ص ۸۹، السنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص ۱۳۰، ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۰۱، فتوح البلدان ص ۷۳)

اسی طرح جب سیدنا علیؓ ۱۲ رجب المرجب ۳۶ھ کو کوفہ تشریف لائے تو لوگوں نے انہیں قصر شاہی میں قیام کرنے کے لئے عرض کیا۔ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

لاحجة لی فی نزوله لان عمر ابن الخطاب کان یبغضه

”مجھے قصر شاہی میں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ عمر بن الخطابؓ قصر شاہی میں قیام کو ناپسند فرماتے تھے۔“

(الاخبار الطوال لابی حنیفه الدینوری الشیعی ص ۱۵۶)

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ اپنی حکومت کا نظام ان بنیادوں پر چلانا چاہتے تھے جو سیدنا عمرؓ نے قائم کی تھیں۔

محاصل حکومت:

اسلامی حکومت میں صیغہ محاصل ایک خاص شعبہ ہے۔ خلفائے ثلاثہ نے اس مد میں خاص خاص اصلاحات کیں۔ عہد نبوی میں گھوڑوں پر زکواۃ نہیں تھی۔ یعنی وہ زکواۃ سے مستثنیٰ تھے، لیکن سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں جب گھوڑوں کی عام تجارت ہونے لگی تو سیدنا عمرؓ نے گھوڑوں پر بھی زکواۃ مقرر کر دی۔ سیدنا علیؓ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت ہو کیونکہ اس سے بہت سے جنگی اور تمدنی فوائد حاصل ہوتے ہیں چنانچہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں گھوڑوں پر زکواۃ موقوف کر دی۔

(کتاب الخراج لابی یوسف ص ۴۴)

اسی طرح سیدنا علیؓ کے عہد خلافت سے قبل جنگلات سے کسی قسم کا کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ جنگلات سے بھی محاصل حکومت میں

فائدہ اٹھایا جائے، چنانچہ آپ نے جنگلات پر ٹیکس لگایا اور برس کے جنگل پر چار ہزار درہم سالانہ مال گزاری تشخیص کی۔ اس بات سے حکومت کے خزانہ میں خاصا اضافہ ہوا۔
(کتاب الخراج ص ۵۰)

محاصل حکومت کے حصول میں آپ نے رعایا کے معذور طبقہ کی فلاح و بہبود کا خاص خیال رکھا۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں معذور، قلاش اور نادار لوگوں کے ساتھ ٹیکس کی وصولی میں کسی قسم کی سختی نہیں کی جاتی تھی۔ (کتاب الخراج ص ٦٩)

رعایا سے شفقت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ: "تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارہ میں سوال کیا جائے گا"۔ چنانچہ اسلام میں ہر راعی حکومت اللہ تعالیٰ کے حضور میں رعایا کے بارہ میں محاسبہ سے بہت ڈرتا تھا، اس وجہ سے رعایا کے لیے اس کا وجود آیہ رحمت ہوتا تھا۔ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کے عہد ہائے خلافت میں اس بات کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے پبلک کے رفاہ کے لئے بہت کام کئے۔ لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ اگر کسی عامل حکومت نے کسی کو بے وجہ تکلیف دی تو اس کا محاسبہ کیا۔ مجاہدین اسلام کے گھروں پر جاتے اور ان کی عورتوں سے پوچھ کر بازار سے انہیں سودا سلف لادیتے۔ اہل فوج کے خطوط ان کے گھروں میں پہنچا آتے۔ اسی طرح سیدنا علیؓ بھی اپنی رعایا کے لیے آیہء رحمت تھے۔ بیت المال کی رقوم لوگوں میں نہایت فیاضی سے تقسیم ہوتیں۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سیدنا عثمانؓ جس زمانہ میں محصور تھے۔ ایک دن بہت سے لوگ سیدنا طلحہؓ کے پاس جمع تھے۔ سیدنا علیؓ نے جب یہ دیکھا تو آ کر بیت المال کا دروازہ توڑ کر اس میں جو کچھ تھا سب لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کی اطلاع ملتے ہی لوگ سیدنا طلحہؓ کے پاس سے منتشر ہو گئے۔ سیدنا عثمانؓ نے بیت المال میں اس "سیاسی تصرف" پر بجائے ناراضگی کے اظہار خوشی فرمایا۔ (طبری جلد ۴ ص ۴۳۱، ابن اثیر جلد ۳ ص ١٦٧)

اسی طرح مورخین نے لکھا ہے کہ انہوں نے جنگ جمل میں شریک ہونے والوں پر بیت المال میں جو چھ لاکھ سے زائد رقم تھی وہ سب پانچ سو فی کس کے حساب

Marfat.com

سے تقسیم کر دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ شام میں بھی اگر ہمیں کامیابی ہوئی تو اسی طرح مزید عطیات تمہیں دیے جائیں گے۔ اگرچہ اس موقع پر سیدنا علیؓ پر اعتراضات کیے گئے لیکن آپ نے کوئی پروانہ کی۔

(طبری جلد۴ ص ۵۴۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۴، ابن اثیر جلد۳ ص ۳۵۹، ابن خلدون جلد۲ ص ۱۰۸۸)

اسی طرح آپ نے بیت المال کے دروازے اپنی رعایا کے لیے کھول دیے۔ ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ کیا گیا۔ یہاں تک کہ ایرانی لوگ آپ کے لطف وترحم کی وجہ سے یہ کہنے لگے کہ ”بخدا اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔“

عمال حکمت کی نگرانی:

اسلامی حکومت میں خلیفۃ المسلمین کا یہ نہایت اہم فریضہ ہے کہ وہ حکام کے اعمال کی نگرانی کرے۔ سیدنا عمرؓ اس بارہ میں نہایت سخت تھے۔ سیدنا خالدؓ بن ولید، سیف من سیوف اللہ، شجاعت و جانبازی کے لحاظ سے تاج اسلام کے درشاہوار، بارگاہ رسالت کے گوہر تابدار اور اپنے زمانے کے نہایت بااثر اور ذی وقار بزرگ تھے۔ لیکن سیدنا عمر فاروقؓ نے انہیں سپہ سالاری کے منصب سے صرف اس لیے معزول کر دیا کہ انہوں نے ایک قصیدہ گو شاعر کو ۱۰ ہزار کی خطیر رقم بطور انعام دی۔ سیدنا عمرؓ کو جب پتہ چلا تو آپ نے سیدنا ابوعبیدہؓ بن الجراح کو لکھا کہ خالدؓ نے اگر یہ انعام اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے، لہذا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہے۔ (ابن اثیر جلد۲ ص ۴۱۸)

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں (اسد الغابہ جلد۲ ص ۱۹۲) اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان ہیں۔ (فتح الباری جلد۷ ص ۶۷) غزوہ بدر' غزوہ احد' فتح مکہ' غزوۂ طائف' غزوہ حنین' غزوۂ تبوک اور دیگر غزوات کے جانباز مجاہد' عشرہ مبشرہ کے صحابی، فاتح ایران، بانی کوفہ، غرض کہ اتنی خصوصیات کے حامل، لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا، جس میں ایک ڈیوڑھی بھی تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں

Marfat.com

رکاوٹ ہوتی تھی یا رکاوٹ کا اندیشہ تھا۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے محمد بن مسلمہؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ اگر واقعی ایسا ہے تو وہ "قصر سعد" نہیں بلکہ "قصر فساد" ہے لہذا اس محل کو آگ لگا دیں۔ چنانچہ محمد بن مسلمہؓ نے اس حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر اس کو آگ لگا دی اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ خوشی سے دیکھا کیے۔ (کنز العمال جلد ۲ ص ۳۵۵)

اسی طرح کے اور کئی واقعات تاریخ کے اوراق میں سیدنا عمرؓ کے بارہ میں ملتے ہیں کہ انہوں نے اس طرح سے عمال حکومت کی نگرانی کی تھی۔ سیدنا علیؓ کی سیرت بھی چونکہ سیدنا عمرؓ سے مشابہ تھی لہذا آپ نے بھی حکام حکومت کی نگرانی کا خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ آپ جب کسی شخص کو گورنر یا حاکم مقرر فرماتے تو اسے بڑی مفید اور قیمتی نصیحتیں فرماتے (کتاب الخراج ص ۹) اور گاہے گاہے اس کے طرز عمل کی تحقیق بھی کرواتے کہ وہ رعایا سے کیسا سلوک کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے سیدنا کعب بن مالکؓ کو اس خدمت پر مامور فرمایا تو یہ ہدایت فرمائی:

اخرج فی طائفة من اصحابک حتی تمر بارض السواد کورة کورة فتسألهم عن عمالهم و تنظر فی سیرتهم

"تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ہر ضلع میں پھر کر عمال حکومت کی تحقیقات کرو اور ان کے کردار پر ایک نظر غائر ڈالو۔"

(کتاب الخراج ص ۶۷)

عمال حکومت مالیات کے بارہ میں اکثر اسراف اور دیگر بدعنوانیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان کے ذہن میں بعض دفعہ یہ بات سما جاتی ہے کہ اس بارہ میں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ سیدنا علیؓ اس بارہ میں بھی اپنی عمال سے باز پرس فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے کچھ رقم قرض لے کر پانچ سو غلام اور لونڈیاں خرید کر آزاد کر دیں۔ کام تو اچھا تھا، لیکن حکومت کے مالیات میں ایک بے جا تصرف تھا، لہذا جب آپ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ مصقلہ نے کہا بخدا! سیدنا عثمانؓ کے نزدیک اتنی رقم چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن آپ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ مصقلہ کے پاس چونکہ رقم نہ تھی اور سیدنا علیؓ ان سے شدید تقاضا کر رہے تھے لہذا وہ سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ سیدنا علیؓ کو جب

Marfat.com

اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

برحه اللّٰه فعل السید و فرار العبد وخان خیانة الفاجر اما واللّٰه لو انه اقام فعجز ما ردنا علی حبس فان وجدنا له شیئاً اخذ ناه و ان لم نقدر علی مال ترکناه

"اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے۔ اس نے کام تو سید کا کیا لیکن بھاگا غلام کی طرح اور خیانت کی فاجر کی طرح، بخدا اگر وہ یہیں رہتا تو قید سے زیادہ سزا نہ دیتا۔ اور اگر اس کے پاس مال ہوتا تو لے لیتا وگرنہ معاف کر دیتا۔"

(طبری جلد ۳ ص)

اس بارہ میں سیدنا علیؓ نے اپنے قریب ترین عزیزوں کو بھی معاف نہ کیا۔ چنانچہ ۴۰ھ میں جب ابو الاسود الدوئلی نے سیدنا علیؓ سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ روپیہ خورد برد کیا ہے، تو سیدنا علیؓ نے اس بارہ میں گورنر بصرہ سیدنا ابن عباسؓ کو لکھا۔ آپ نے جواب دیا:

"میرے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ سب غلط ہے، اور جو کچھ میرے پاس بیت المال کا روپیہ ہے، میں اس کی بہت اچھے طریقے سے حفاظت کر رہا ہوں۔ ان جھوٹی باتوں پر ہرگز کان نہ دھریئے۔"

سیدنا علیؓ نے اس خط پر یقین کرنے کی بجائے جوابی خط میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے جزیہ کے بارہ میں تفصیل طلب فرمائی اور لکھا:

فاعلمنی مااخذت من الجزیة و من این اخذت و فیما وضعت

"مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزیہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں سے لیا ہے اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے؟"

سیدنا علیؓ کے اس خط سے سیدنا ابن عباسؓ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے جواب میں سیدنا علیؓ کو لکھا:

فابعث الی عملک من احببت فانی ظاعن عنه

"اپنے جس گورنر کو بھی آپ چاہیں یہاں بھیج دیں کیونکہ میں اس عہدہ کو چھوڑنے والا ہوں۔" (ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲)

Marfat.com

عسکری انتظامات:

سیدنا علیؓ ذاتی طور پر ایک فوجی آدمی تھے اور جنگ آزمائی میں آپ کو ایک خاص تجربہ تھا۔ چنانچہ جنگ بدر کے بعد تقریباً ہر غزوہ میں آپ نے شرکت فرمائی۔ ایک موقع پر آپ نے اپنے لشکریوں کا گلہ کرتے ہوئے فرمایا:

وقد زعمت قریش ان ابن ابی طالب شجاع و لکن لا علم له بالحروب تربت ایدیهم وهل فیهم اشد مراساً لها منّی لقد نهضت فیها وما بلغت العشرین وها انا ذا قدا ربیت علی نیف و ستین ولکن لا رائی لمن لایطاع

"قریش سمجھتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی فنون سے آشنا نہیں ہے۔ خاک آلودہ ہوں ان کے ہاتھ کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ جنگی فنون میں ماہر ہے؟ میں تو جنگوں میں اس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی، (سیدنا علیؓ کے اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے وقت سیدنا علیؓ کی عمر ۵ ۔ ۶ سال تھی کیوں کہ ۲ ھ میں جنگ بدر ہوئی اور جنگ بدر پہلا معرکہ ہے جس میں سیدنا علیؓ نے باقاعدہ جنگ کی۔ جنگ بدر اعلان نبوت کے ۱۵ سال بعد ہوئی۔ اور اعلان نبوت کے وقت آپ کی عمر ۵ سال شمار کی جائے تو جنگ بدر میں آپ کی عمر ۲۰ سال بنتی ہے۔) اور اب میں زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں، لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے اس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟"

(مروج الذہب جلد۲ ص ۶۲، حلیۃ المتقین باب ۱۴، فصل ۱۲ ص ۳۶۲، الاخبار الطوال ص ۲۱۲، کتاب الاغانی جلد ۱۵ ص ۴۳)

سیدنا علیؓ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جنگی امور کے بارہ میں پوری بصیرت حاصل تھی، لہذا آپ نے عسکری امور کے بارہ میں بڑے اچھے انتظامات کیے۔ چنانچہ شام کی سرحد پر آپ نے کثرت سے فوجی چوکیاں قائم کیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا

Marfat.com

کہ ۴۰ ھ میں جب سیدنا معاویہؓ کی فوجوں نے عراق پر یورش کی تو ان سرحدی چوکیوں نے ان کا دفاع کیا۔

اسی طرح آپ نے ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کی وجہ سے بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کیے، چنانچہ اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی وجہ سے بنایا گیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اور بھی بہت سے فوجی انتظامات کیے۔

دینی خدمات:

صحابہ کرام کی زندگی کا مقصد ہی خدمت دین تھا۔ ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابی سے لے کر ایک بڑے سے بڑے صحابی تک خدمت دین کو اپنا فریضہ زندگی سمجھتے تھے، بلکہ اسلام میں تو حکومت کا مقصد وحید ہی خدمت دین ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ نے اپنی اپنی خلافتوں میں اس فریضہ کو بطریق احسن ادا کیا اور دین کی سربلندی اور اعلائے کلمتہ الحق کے لیے حکومت کے تمام ذرائع کو بروئے کار لائے۔

زمام خلافت جب سیدنا علیؓ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے بھی خدمت دین کے فریضہ کو اپنے پیش روؤں کی طرح سرانجام دیا اور دین کی اشاعت و تبلیغ اور دینی تعلیم و تلقین کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا۔

اگرچہ مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی آپ کو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی اور ان کے اپنے لشکر کے سبائیوں نے آپ کو مختلف امور میں الجھائے رکھا، اس وجہ سے آپ خدمت دین کے لیے وہ کچھ تو نہ کر سکے جو ان سے پہلے خلفاء نے کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ کے دور خلافت میں مملکت اسلامی میں ایک شہر کا بھی اضافہ نہ ہو سکا کیونکہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک شہر بھی فتح نہ کیا، لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کے ایران اور آرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے۔ سیدنا علیؓ کو جب ان مرتدین کے بارہ میں پتہ چلا تو آپ نے ان کی نہایت سختی سے سرکوبی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر تائب ہو کر دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

Marfat.com

عبداللہ بن سباء جو یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا اور ۲۵ھ میں اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا۔ وہ اپنی یہودیت کے زمانے میں موسیٰ علیہ السلام کے وصی سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام کی شان میں غلو کرتا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اپنے اسلام کے زمانہ میں سیدنا علیؓ کے بارہ میں بھی اس نے اسی طرح کی مبالغہ آمیز باتیں کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے سیدنا علیؓ کی امامت کی فرضیت کے عقیدہ کو شہرت دی اور ان کے مخالفین کی تکفیر کی (ملاحظہ ہو رجال الکشی ص ۱۰۱، عراق، تنقیح المقال جلد ۲ ص ۱۸۴، فرق الشیعہ، للنوبختی ص ۴۳۔۴۴، عراق۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۷، روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۹۲، ایران) اس عبداللہ بن سباء اور اس کی ذریت اور معتقدین نے سیدنا علیؓ کی شان میں غلو کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ انہیں خدا کہنے لگے۔ یہ صریحاً کفر تھا کہ کسی انسان کو "خدا" کہا جائے، چنانچہ سیدنا علیؓ نے انہیں زندہ جلا دینے کی سزا دی، لیکن ان لوگوں کے عقیدہ میں سیدنا علیؓ کی اس سزا سے اور زیادہ پختگی ہوئی اور انہوں نے کہا:

لایعذب بالنار الا رب النار

"آگ کی سزا صرف اور صرف خدا ہی دیتا ہے۔"

اور آپ نے چونکہ ہمیں آگ میں جلانے کی سزا دی ہے لہذا ہمیں پورا پورا یقین ہے کہ آپ واقعی خدا ہیں، لیکن بعد میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو بتایا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار کو زندہ جلانے سے منع فرمایا ہے آپ نے اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار فرمایا۔

علامہ انور شاہ کاشمیری قدس سرہ نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ سے یہ کہا گیا کہ مسجد کے دروازے پر کچھ لوگ کھڑے ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ ان کے رب ہیں۔ سیدنا علیؓ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ تمہارا برا ہو تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا:

انت ربنا و خالقنا و رازقنا

"آپ ہمارے رب ہیں، ہمارے خالق ہیں اور ہمارے رازق ہیں۔"

سیدنا علیؓ نے فرمایا:

ویلکم انما انا عبد مثلکم آکل کما تاکلون و اشرب کما

تشربون ، ان اطعت اللّٰه اثابنی انشاء وان عصتیه خشیت ان یعذبنی ، فاتقوا اللّٰه و ارجعوا

"تمہارا برا ہو میں تو تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ جس طرح تم کھاتے ہو اسی طرح میں کھاتا ہوں اور جس طرح تم پیتے ہو اسی طرح میں پیتا ہوں۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں گا تو وہ مجھے اس کی جزا دے گا اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے عذاب دے گا۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے اس دعویٰ سے باز آ جاؤ۔"

(انوار المحمود علی سنن ابی داود جلد ۲ ص ۴۷۶)

لیکن جب وہ لوگ بار بار کے سمجھانے سے باز نہ آئے تو سیدنا علیؓ نے انہیں زندہ جلا دیا۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد معین نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی سزا ۴۰ کوڑے تھی۔ اسی طرح سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی اس کی سزا ۴۰ کوڑے ہی رہی، لیکن سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں سیدنا علیؓ اور دوسرے صحابہ کے مشورہ سے یہ سزا ۸۰ کوڑے مقرر کی گئی۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ابن و برہ کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا خالد بن ولیدؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں ایک مسئلہ کی تحقیق کے بارہ میں روانہ کیا۔ میں سیدنا فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت ان کے پاس سیدنا عثمانؓ بن عفان ، سیدنا عبدالرحمنؓ بن عوف ، سیدنا علیؓ بن ابی طالب ، سیدنا طلحہؓ بن عبید اللہ اور سیدنا زبیرؓ بن العوام موجود تھے۔ میں نے حاضر ہو کر سیدنا خالدؓ کا پیغام دیا کہ لوگ شراب خوری میں منہمک ہو رہے ہیں اور موجودہ سزا یعنی ۴۰ کوڑوں کو معمولی سمجھنے لگے ہیں۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے جواب میں فرمایا کہ اس وقت یہ حضرات میرے پاس موجود ہیں، ان سے اس بارہ میں دریافت کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا علیؓ نے کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آدمی جس وقت شراب پی کر بدمست ہو جاتا ہے تو بکواس کرتا ہے۔ بکواس کرنے کی حالت میں پھر لوگوں پر بہتان تراشی کرتا ہے اور بہتان تراشی کی سزا ۸۰ درے ہے، لہذا شراب پینے والے کی سزا ۸۰ درے ہونی چاہیے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے شراب نوشی کی

Marfat.com

سزا ۸۰ درے مقرر فرما دی۔

(سنن دار قطنی جلد ۲ ص ۳۵۴۔۳۵۸، موطا امام مالک ص ۳۵۷، المستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۷۵، المصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۷۸)

سیدنا علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں بھی اسی سزا کو جاری رکھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ چنانچہ شیعہ علماء نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ۸۰ کوڑوں کی سزا کے لیے سیدنا علیؓ نے سیدنا عمرؓ کو مشورہ دیا تھا اور سیدنا عمرؓ نے اس مشورہ کو قبول فرماتے ہوئے شرابی کی سزا ۸۰ کورے مقرر فرمائی تھی۔ (ملاحظہ ہو فروع کافی جلد ۳ ص ۱۱۷، نولکشور)

علامہ انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شرابی کی سزا ۸۰ کوڑے نہیں تھی، صحیح نہیں ہے، کیونکہ مسند ابویعلی، معجم الاوسط طبرانی وغیرہ میں حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی شرابی کی سزا ۸۰ کوڑے تھی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انوار المحود جلد ۲ ص ۵۰۹)

اسی طرح سیدنا علیؓ کے مشورہ ہی سے ہم جنسی کی سزا قتل اور پھر اس کی لاش کو جلا دینے کی سزا بھی سیدنا علیؓ کے مشورہ سے سیدنا عمرؓ نے مقرر فرمائی۔ (ملاحظہ ہو فروع کافی جلد ۳ ص ۱۰۹، الاستبصار، طوسی، جلد ۲ ص ۳۰۶)

سیدنا علیؓ نے اس سزا کو بھی اپنے زمانہ خلافت میں بحال رکھا۔

آپ کے عہد خلافت میں یہ طے ہوا کہ کوڑوں کی سزا میں چہرہ اور شرمگاہ کو چھوڑ کر تمام جسم پر کوڑے مارے جاسکتے ہیں، اور عورت کو سزا دینے میں اس کے تمام جسم کا چھپانا ضروری ہے تاکہ عورت بے ستر نہ ہونے پائے اور رجم کی صورت میں عورت کو ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہیے۔ (کتاب الخراج ص ۹۷)

سیدنا علیؓ کے اپنے زمانہ خلافت میں اقرار جرم کے لیے صرف ایک مرتبہ اقرار کافی نہ تھا بلکہ تین مرتبہ اقرار ضروری تھا، چنانچہ ایک چور نے پہلے ایک مرتبہ چوری کرنے کا اقرار کیا، مگر آپ نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا، لیکن جب اس نے تین مرتبہ اقرار کیا تو آپ نے فرمایا:

"اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا، لہذا آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔" (کتاب الخراج ص ۱۰۳)

Marfat.com

اسی طرح آپ کی عہد خلافت میں ۱۰ درہم سے کم چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا اور اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہوتا تو اس کا نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا۔

(کتاب الخراج ص ۱۰۰)

عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا، لیکن جو لوگ صرف اپنے فسق و فجور کی وجہ سے نظر بند کیے جاتے تھے، وہ اگر مالدار ہوتے تو ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا بندوبست کیا جاتا وگرنہ بیت المال سے اس کا انتظام کیا جاتا۔

(کتاب الخراج ص ۸۸)

علاوہ ازیں بعض تعزیری سزاؤں کو غیر معمولی تجویز کیا گیا، چنانچہ سیدنا علیؓ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے شراب پی اور وہ پکڑا گیا۔ آپ نے اسے بجائے ۸۰ کوڑوں کے ۱۰۰ کوڑے لگوائے' کیونکہ اس نے شراب نوشی کے ساتھ رمضان مبارک کے مہینے کی بے حرمتی بھی کی تھی۔ (کتاب الخراج ص ۱۰۰)

علم و فضل

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سیدنا علیؓ نے بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت پرورش پائی تھی اور شب و روز نبوت کے اعمال کو دیکھا تھا، نبوت کی باتیں سنی تھیں۔ اور نبوت کے نزدیک ایک خاص تقرب حاصل کیا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں ہر روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا (مسند احمد جلد ۱ص ۷۷) اور فرمایا کہ:

کانت لی من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم منزلۃ لم تکن لاحد من الخلائق

''اور مجھے حضور علیہ الصلواۃ والسلام سے وہ درجہ اور تقرب حاصل تھا جو اور کسی کو حاصل نہیں تھا۔'' (مسند احمد جلد ۱ص ۸۵)

سفر میں، حضر میں، گھر میں، مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں موجود رہتے کیونکہ سیدنا علیؓ آپ کی زیر تربیت اور زیر پرورش تھے۔ اس وجہ سے علم و عمل میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سیدنا علیؓ کو علوم نبوت سے حظ وافر حاصل تھا، لیکن بعض حضرات نے ان کے علمی تفوق کے اظہار کے لیے بعض احادیث بھی وضع کی ہوئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا مدینۃ العلم و علی بابھا (حاکم جلد ۳ص ۱۲۶)

''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔''

امام ترمذی نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

Marfat.com

انا دار الحکمۃ و علی بابھا (ترمذی جلد۴ ص ۳۲۹ مع تحفۃ الاحوذی)

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''

امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب اور منکر ہے اسے بعض راویوں نے شریک سے نقل کیا ہے ہے اور اس میں صنابجی کا کوئی ذکر نہیں کیا اور ہم نے شریک کے علاوہ اور کسی ثقہ راوی سے اس حدیث کو نہیں پایا۔

اس روایت کو امام ترمذیؒ نے اسماعیل بن موسیٰ انفزاری سے روایت کیا ہے۔

اس اسماعیل کا حدود اربعہ کیا ہے؟ یہ غالی قسم کا شیعہ تھا۔ ابن ابی شیبہ اور ہناد کا بیان ہے کہ یہ فاسق ہے اور اسلاف کو گالیاں دیتا ہے۔ یہ کوفہ کا رہنے والا ہے اور سدّی کذاب کا بھانجا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اس سے روایت لی ہے لیکن بخاری، مسلم اور نسائی نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ (میزان الاعتدال جلد ا ص ۲۵۱)

بہر حال اس روایت کے تمام راوی مجروح ہیں۔ ابن جوزی اور سراج القزوینی وغیرہ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام شوکانی نے الفوائدالمجوعہ فی احادیث الموضوعہ ۳۴۸ اور امام سخاوی نے المقاصد الحسنہ ص ۵۰۴ پر اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اہل علم حضرات کے لیے الفوائدالمجموعہ ص ۳۴۷ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

اس روایت کی جتنی سندات ہیں ان میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ضرور موجود ہے لیکن اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی اس کے یہ معنی نہیں جو شیعہ حضرات یا بعض کودن قسم کے سنی سمجھتے ہیں۔ شہر کا دروازہ ایک نہیں ہوتا۔ شہر کے دروازے ایک سے زائد ہوتے ہیں۔ اور نبوت کے شہر علم کے بھی ایک سے زائد دروازے تھے بلکہ ہر صحابی رسول نبوت کے شہر علم کا دروازہ تھا جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں تعبیر کیا۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم

''میرے صحابہ کرامؓ آسمان علم کے ستارے ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی بھی کرو گے راہ ہدایت پاؤ گے۔''

بہر حال سیدنا علیؓ ان صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے تھے جنہیں اہل علم اور صاحب

Marfat.com

فتوی سمجھا جاتا تھا۔ نبوت کے زیر کفالت رہنے کی وجہ سے نبوت کے شب و روز سے آشنا تھے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کو جب کسی معاملہ میں اہل الرائے اور اہل فقہ اور صاحب فہم لوگوں کے مشورہ کی ضرورت پیش آتی تو وہ مہاجرین اور انصار میں سے سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ کو بلاتے تھے۔

وکل هؤلاء یفتي في خلافة ابی بکر و انما تصیر فتویٰ الناس الی هؤلاء

"اور یہ سب حضرات خلافت ابی بکرؓ کے مفتیوں میں سے تھے اور حصول فتویٰ کے لیے لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔"

سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت کے بعد سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی انہی لوگوں کو بلایا جاتا تھا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۵۰، باب اہل العلم والفتویٰ من اصحاب رسول اللہ ﷺ)

یعقوبی شیعی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۳۸۔ طبقات ابن سعد ہی کی ایک روایت میں سیدنا عمرؓ نے سیدنا علیؓ کی علمی فضیلت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک روز سیدنا عمرؓ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں آپ نے ہمیں ارشاد فرمایا:

علی اقضانا و ابی اقرأنا (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۲)

"علیؓ ہمارے بہترین قاضی اور ابی بن کعبؓ ہمارے بہترین قاری ہیں۔"

امام بخاریؒ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ ص ۶۴۴)

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت کے آغاز میں سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ آپ لوگوں کے تنازعات اور دیگر امور کے فیصلے کیا کیجئے اور جنگی امور سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیجئے۔ (سیرۃ عمر ابن الخطاب باب ۳۳ ص ۲۳)

بلکہ علامہ ابن کثیر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ ابن الخطاب جب سریر آرائے خلافت ہوئے

فولي قضاء المدينة علي ابن ابي طالب

"تو انہوں نے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر فرمایا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱)

مدینہ طیبہ کا قاضی ہونا کوئی معمولی اعزاز نہیں تھا اور نہ ہی یہ کسی کم علم آدمی کا کام تھا، کیونکہ وہاں بڑے بڑے صاحب علم صحابہؓ موجود تھے۔ ان کے موجود ہوتے ہوئے سیدنا علیؓ کو قاضی مقرر کرنا سیدنا علیؓ کی جلالت علمی کا بین ثبوت ہے۔

سیدنا عمرؓ امیر المومنین بذات خود علوم نبوت کے سمندر کے شناور تھے۔ اس کا ثبوت ایک تو بخاری کی وہ حدیث بھی ہے جس میں سیدنا ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں سو رہا تھا۔ اچانک میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ میں نے اس میں سے دودھ پیا حتی کہ دودھ کی تری میرے ناخنوں سے ٹپکنے لگی۔ میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمرؓ کو دے دیا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ اس کی تعبیر کیا ہوئی ؟ آپ نے فرمایا: "علم۔"

اس کے علاوہ بھی روایات میں آتا ہے کہ سیدنا علیؓ مدینہ طیبہ کے قاضی تھے، لیکن سیدنا علیؓ کے قاضی خود سیدنا عمرؓ بن الخطاب تھے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کا جب کسی سے کوئی تنازعہ ہوا تو اس کا فیصلہ سیدنا عمرؓ قاضی القضاۃ مدینہ نے خود کیا جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ المصنف عبدالرزاق جلد ۹ ص ۳۵، ص ۴۵، کنز العمال جلد ۶ ص ۷، کتاب الآثار لابی یوسف روایت ۷۷۵)

سیدنا علیؓ کی اسی علمی عظمت کی وجہ سے سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ اپنے اپنے عہد ہائے خلافت میں ان سے مختلف دینی امور پر مشورے لیتے رہے اور سیدنا علیؓ وسیع القلبی سے انہیں مشورے دیتے رہے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے غزوہ روم کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے اس بارہ میں مشورہ طلب فرمایا۔ ہر ایک صحابی نے اپنی اپنی رائے کے مطابق مشورہ دیا:

فاستشار علي ابن ابي طالب فاشار ان يفعل

"سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا علیؓ سے مشورہ طلب فرمایا تو انہوں نے ایک کام کے کرنے کا اشارہ کیا۔"

Marfat.com

اور کہا کہ اگر آپ یہ کام کریں گے تو مظفر و منصور ہوں گے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے کہا کہ آپ نے بڑی اچھی خوشخبری دی ہے۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۳۲)

ایسے ہی ایک موقع پر سیدنا علیؓ نے سیدنا عمر الفاروقؓ سے کہا کہ اگر ان تین چیزوں پر آپ عمل درآمد کریں تو یہ آپ کے لیے دوسری اشیاء سے کفایت کریں گی اور اگر آپ ان کو چھوڑ دیں تو کوئی شی آپ کو فائدہ نہیں دے گی۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا وہ تین چیزیں بتائیں۔ سیدنا علیؓ نے کہا:

۱۔ قریب و بعید سب لوگوں پر اللہ کی حدود کو قائم کرنا

۲۔ اللہ کی کتاب کے مطابق خوشی اور غمی کے موقع پر فیصلہ کرنا

۳۔ سیاہ و سفید یعنی ہر رنگ و نسل کے لوگوں پر عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم۔

یہ سن کر سیدنا فاروقؓ نے فرمایا:

لعمری لقد اوجزت وا بلغت (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۲۰۸)

"مجھے اپنی زندگی کی قسم! آپ نے مختصر جواب سے تبلیغ کا حق ادا کر دیا"

ایسے ہی اور کئی مسائل میں ان حضرات نے سیدنا علیؓ سے مشورے لیے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو المصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۷۸، جلد ۹ ص ۴۳۲، مسند احمد جلد ۱ ص ۳۵۷، سنن دار قطنی جلد ۲ ص ۳۵۴۔ ۳۵۸، مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۷۵، موطا امام مالک ص ۳۵۷، باب ماجاء فی حد الخمر۔

شاہ ولی اللہ نے سیدنا علیؓ کے فضل و کمال کی یہ وجوہات بیان کی ہیں:

۱۔ ایک اسلام لانے میں سبقت۔

۲۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قربت۔ یہ قربت ایک تو اس وجہ سے آپ کو حاصل رہی کہ آپ نے رسول ﷺ کی زیر کفالت پرورش اور تربیت حاصل کی اور دوسرے داماد نبوی ہونے کے ناطے آپ کو ذات نبوت سے گہری قربت تھی۔ (ازالتہ الخفا جلد ۲ ص ۲۶۰)

آپ کے علم و فضل میں اس بات کو بھی خاص دخل حاصل ہے کہ آپ بچپن ہی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تحریری کام سرانجام دیتے تھے۔ چنانچہ حدیبیہ کا معاہدہ آپ ہی نے تحریر فرمایا تھا۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۰۴، بخاری

Marfat.com

جلد ۱ ص ۲۷۲-۴۵۲) اور کاتبان وحی میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے اور بھی کئی مکاتیب و فرامین سیدنا علیؓ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر کتابوں میں موجود ہے۔

علم القرآن:

دینی علوم میں سب سے پہلا مقام قرآن حکیم کا ہے، کیونکہ اسلامی علوم و معارف کا سر چشمہ یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب و اختصاص کی وجہ سے خود لسان نبوت نے آپ کو اس کی تعلیم دی۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۸۳) یہی وجہ تھی کہ بعض مواقع پر آپ نے قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر بھی لوگوں کے سامنے بیان فرمائی۔
(مسند احمد جلد ۱ ص ۸۵)

آپ ان صحابہ کرامؓ میں سے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہی پورا قرآن حکیم زبانی یاد فرما لیا تھا اور اس کی ایک ایک آیت کے معانی اور تفسیر اور شان نزول سے بھی واقف و آشنا تھے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اور علمائے امت کے نزدیک سیدنا علیؓ کا شمار مفسرین صحابہ میں سے ہوتا ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ نے فرمایا:

واللّٰه ما نزلت آية الا وقد علمت فيما نزلت و اين نزلت و على من نزلت ان ربى وهب لى قلبا عقولاً و لساناً طلقاً

"بخدا! قرآن حکیم کی کوئی آیت نہیں اتری مگر یہ کہ میں اس کے بارہ میں جانتا ہوں کہ، کیوں اتری، کہاں اتری اور کس کے بارہ میں اتری۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے عاقل قلب عطا کیا ہے اور طلاقت لسانی سے نوازا ہے۔"
(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۳۸)

علامہ ابن کثیر، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم اور دوسرے مفسرین حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں سیدنا علیؓ کے اقوال قرآن حکیم کی تفسیر کے بارہ میں نقل کیے ہیں۔

قرآن حکیم سے اجتہاد، استشہاد اور استنباط وہی شخص کر سکتا ہے جس کو قرآن حکیم کے عوام میں ایک خاص ملکہ حاصل ہو۔ سیدنا علیؓ کو اس بارہ میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ حدیث و تاریخ میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں جب

خوارج نے آپ پر اعتراض کیا اور آپ سے اختلاف کرتے ہوئے "ان الحکم الا للّٰہ" کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہا کہ فیصلہ کا حق تعالیٰ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں تو آپ نے ان کے رد میں قرآن حکیم ہی سے استشہاد کیا۔ امام احمد بن حنبل نے نقل کیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے تمام حفاظ اور علماء قرآن (قراء القرآن) کو ایک مکان میں جمع فرمایا تو آپ نے قرآن حکیم کو اپنے سامنے کھول کر رکھا اور اپنے ہاتھ سے اسے انگیخت دے کر فرماتے "اے قرآن ان لوگوں کے سامنے بیان کر" (لیھا المصحف جلد الناس) لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین آپ اس (قرآن حکیم) سے کیا پوچھتے ہیں؟ یہ تو صرف اوراق ہیں جن پر سیاہی سے لکھا ہوا ہے۔ آپ نے انہیں فرمایا، سنو میاں بیوی میں جب اختلاف واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم بنانے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

و ان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکماً من اهله وحکماً من اهلها، ان یریدا اصلاحاً یوفق اللّٰه بینهما

جب امت میں اختلاف واقع ہو جائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حکم بنانا ناجائز ہو۔ کیا امت محمدیہ کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک عورت اور مرد سے بھی کم ہے؟' (مسند احمد جلد ۱ ص ۸۶)

ان سب واقعات سے عیاں ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کو قرآنی علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا اور قرآن حکیم کی تفسیر، استشہاد اور استنباط و اجتہاد وغیرہ میں انہیں ایک خاص مہارت حاصل تھی۔

علم الحدیث

قرآن حکیم کے بعد قانون اسلامی کا دوسرا اہم ماخذ حدیث نبوی ہے۔ حدیث کو اسلام میں ہمیشہ بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ قرآن حکیم کی تفہیم و تفصیل میں بھی حدیث نبوی ہی کی طرف رجوع کیا جاتا رہا ہے۔

علم حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کے ارشادات' اعمال اور' آپ کے سامنے کیے گئے اعمال (جن پر آپ نے سکوت فرمایا ہو) پر بحث ہوتی ہے۔ آپ کے سامنے کیے گئے اعمال جن پر آپ نے کوئی اعتراض نہ فرمایا ہو، سنت

Marfat.com

تقریری کہلاتی ہے۔اس کی مثال ابوداؤد کی وہ حدیث ہے جس میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے رمضان المبارک میں صحابہ کرامؓ کو تین رات تراویح پڑھائی۔ اس کے بعد آپ تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لے گئے تا کہ آپ کے دائمی عمل سے یہ امت پر فرض نہ ہو جائے۔ ان تین راتوں کے بعد صحابہ کرامؓ مسجد میں مختلف اور متفرق جماعتوں میں نماز تراویح پڑھتے رہے آپ کو اس بات کا پتہ چلتا رہا لیکن آپ نے صحابہ کرامؓ کے اس عمل پر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا ابی بن کعبؓ مسجد میں تراویح پڑھا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا:

اصابوا و نعم ما صنعوا (ابوداؤد جلد ا ص ۱۹۵)

"انہوں نے صحیح کیا اور انہوں نے بہت اچھا کیا۔"

آپ کی اس تقریر پر توثیق سے اب تک مسجدوں میں تراویح بطور سنت ادا ہو رہی ہے۔ سیدنا علیؓ ان تینوں قسم کی احادیث کو اپنے انتقال تک لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہے۔ آپ کے عہد خلافت میں کوفہ حدیث وفقہ کی مسند تھا۔ آپ نے خود بھی کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے انتقال سے کوفہ میں جو علمی خلا واقع ہوگیا تھا۔ وہ آپ کے وہاں جانے سے کسی حد تک پر ہو گیا۔

بچپن ہی سے آپ چونکہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت میں رہے تھے۔ اس وجہ سے حدیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آپ کے کوزۂ ذہن میں محفوظ تھا۔لیکن روایت حدیث میں آپ نہایت متشدد تھے۔ اس وجہ سے آپ سے زیادہ روایات مروی نہیں ہیں۔ آپ سے صرف ۵۸۶ روایات مروی ہیں جبکہ ان کے مقابلہ میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے ۵۳۷۴، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ۲۶۳۰، سیدنا انس بن مالکؓ سے ۲۲۶۶، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے ۱۶۶۰، سیدنا جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے ۱۵۴۰، سیدنا ابوسعید الخدریؓ سے ۱۱۷۰، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے ۸۴۸ اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیھا سے ۲۲۱۰ روایات مروی ہیں۔

علما نے لکھا ہے کہ آپ سے کم روایت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ جب کسی شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنتے تو اسے قسم دیے بغیر اس روایت کو قبول نہ فرماتے تھے اور قسم دینا صرف اطمینان کے لیے ہوتا تھا۔ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ

Marfat.com

کی روایت کو آپ فوراً قبول فرمالیتے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ ص ۱۰)

صحیحین (بخاری و مسلم) میں آپ کی کل ۱۳۹ احادیث مروی ہیں۔ جن میں ۱۲۰ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں اور ۹ صرف بخاری میں اور ۱۰ صرف مسلم میں موجود ہیں۔ اور آپ سے کل ۵۸۶ روایات مروی ہیں جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اکابر صحابہؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ قریباً ۳۰ سال تک مسند ارشاد پر جلوہ فگن رہے، بدیں وجہ خلفاء ثلاثہ کے مقابلہ میں آپ کو سب سے زیادہ روایت حدیث کا موقع ملا ہے۔ اس وجہ سے ان کے مقابلہ میں آپ کی روایات کی تعداد زیادہ ہے۔

حدیث کی روایات اگرچہ بعض صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں آپ کی کم ہیں لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ کے بعد وہ چھ صحابہ جو علم میں لوگوں کا مرجع تھے ان میں ایک آپ کا نام بھی آتا ہے۔ چنانچہ مسروق فرماتے ہیں کہ

شاممت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمهم انتهی الی ستة عمر و علی و عبداللہ و معاذ و ابی الدرداء و زید بن ثابت

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت قریب سے دیکھا اور میں نے ان کا علم چھ حضرات میں منتہی پایا: عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو الدرداءؓ اور زید بن ثابتؓ۔"

(تاریخ ابی زرعہ جلد ۱ ص ۶۴۷، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۵۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے ہم عصر صحابہ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا مقدادؓ بن الاسود اور اپنی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہؓ سے بھی روایات کی ہیں اور آپ سے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا براء بن عازبؓ، سیدنا ابوہریرہؓ، سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا بشر بن شحیم غفاریؓ، سیدنا زید بن ارقمؓ، سیدنا سفینہؓ، سیدنا صہیب رومیؓ، سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا عمرو بن حریثؓ، سیدنا جابر بن سمرہؓ، سیدنا جابر بن عبداللہؓ، سیدنا ابو جحیفہؓ، سیدنا ابو امامہؓ، سیدنا ابو لیلیٰ انصاریؓ، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ، سیدنا مسعود بن حکم زرقیؓ، سیدنا ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ، سیدنا عبید اللہ بن ابی رافعؓ اور ام موسیٰ جاریہؓ کے

Marfat.com

علاوہ آپ کے خاندان میں سیدنا حسنؓ ، سیدنا حسینؓ ، سیدنا محمد ابن الحنفیہؓ ، سیدنا عمرؓ (صاحبزادہ) سیدہ فاطمہؓ (صاحبزادی) محمد بن عمر بن علیؓ ، علی بن حسین بن علیؓ (پوتے) سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ (بھتیجے اور داماد) جعدہ بن ہبیرہ المخزومی (بھانجے) وغیرہ نے آپ سے علمی استفادہ فرمایا اور روایت حدیث کی۔

تابعین میں زر بن جیش ، زید بن وہب ، ابو الاسود الدوئلی ، حارث بن سوید التیمی ، حارث بن عبداللہ الاعوا ، حرملہ مولی اسامہ بن زیدؓ ، ابو ساسان حضنین بن منذر الرقاشی ، حجیہ بن عبداللہ الکندی ، ربعی بن حرابش ، شریح بن ہانی ، شریح بن النعمان الصائدی ، ابو وائل شقیق بن سلمہ ، شیث بن ربعی ، سوید بن غفلہ ، عاصم بن ضمرہ ، عامر بن شراحیل الشعبی ، عبداللہ بن سلمہ مرادی ، عبداللہ بن شداد ، عبداللہ بن شفیق ، عبداللہ بن معقل بن مقرن ، عبد خیر بن یزید الہمدانی ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ، عبیدۃ سلمانی ، علقمہ بن قیس النخعی ، عمیر بن سعد النخعی ، قیس بن عباد البصری ، مالک بن اوس بن حدثان ، مروان بن الحکم الاموی ، مطرف بن عبداللہ ، نافع بن جبیر بن مطعم ، ہانی بن ہانی ، یزید بن شریک التیمی ، ابو بردہ بن ابی موسی الاشعری ، ابو حیہ داوعی ، ابو الخلیل الحضرمی ، ابو صالح الحضرمی ، ابو الصالح الحنفی ، ابو عبدالرحمٰن السلمی ، ابو عبید مولیٰ ابن ازہر ، ابو الہیاج الاسدی وغیرہ نے آپ سے روایت حدیث کی اور اس چشمہ علم وعرفان سے فیض حاصل کیا۔ (تہذیب التہذیب)

نبوت کی خواہش یہ تھی کہ احادیث کو بھی محفوظ رکھا جائے ، لیکن زمانہ نبوت میں چونکہ نزول قرآن ہو رہا تھا لہٰذا خدشہ تھا کہ کہیں قرآن اور احادیث آپس میں گڈمڈ نہ ہو جائیں۔ اس مصلحت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کو لکھنے اور احادیث کو زبانی یاد رکھنے کی ہدایت فرمائی ، لیکن بعض مواقع پر ان احادیث کو آپؐ نے خود لکھوایا بھی اور بعض حضرات کو اپنے لیے لکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ چنانچہ روایات میں مرقوم ہے کہ یمن کا ایک شخص ابو شاہ نامی فتح مکہ کے موقع پر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موجودگی میں چند ہدایات ارشاد فرمائیں۔ اس شخص نے لسان نبوت سے ان ہدایت کو سن کر عرض کی کہ مجھے یہ لکھنے دیجئے۔ آپ نے اس کی اس درخواست کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو فرمایا:

اکتبوہ لابی شاہ (بخاری جلد ۱ ص ۲۲ ، ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۷)

Marfat.com

"ابو شاہ کے لیے یہ باتیں لکھ دو۔"

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کی احادیث لکھنا چاہتا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔

(سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۰۴، ابن سعد جلد ۴ ص ۲۶۲، المصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۴۱)

احادیث کے لکھنے کی اس اجازت کے تحت بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں احادیث نبویہ کے چھوٹے چھوٹے صحیفے لکھ کر مرتب کر لیے۔ ان میں ایک "الصحیفہ الصادقہ" سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا جمع کردہ تھا جنہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے احادیث لکھنے کی خاص اجازت لی تھی۔ (تفصیل سنن ابی داؤد جلد ۲ (۵۱۳، مستدرک جلد ۱ ص ۱۰۵، طبقات جلد ۴ ص ۸)

ایک صحیفہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے بھی مرتب فرمایا جو خلیفہ راشد عمرؒ بن عبدالعزیز کے والد کے پاس موجود تھا جب وہ مصر کے گورنر تھے۔ (طبقات جلد ۴ ص ۴۴۸)

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک "کتاب الصدقہ" تحریر کروائی۔ یہ وہ احکام تھے جو آپؐ نے اپنے گورنروں کے لیے لکھوائے تھے، لیکن آپ کی وفات ہونے کی وجہ سے آپ وہ اپنے گورنروں تک نہ پہنچا سکے۔ آپ کی وفات کے بعد سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ اس پر عمل فرماتے رہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ترمذی جلد ۱ ص ۲۷، ۱۰۷، المصنف عبدالرزاق جلد ص ۲۵)

اسی طرح ایک سیدنا جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا صحیفہ تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۵۳) ایک صحیفہ سمرہ بن جندبؓ تھا (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۳۶) ایک کتاب سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی رقم کردہ تھی۔ (تہذیب جلد ۶ ص ۱۱۸) ایک کتاب سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی لکھی ہوئی تھی۔ (ترمذی، کتاب العلل جلد ۲ ص ۲۸۳) ایک کتاب سیدنا معاذ بن جبلؓ کی لکھی ہوئی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲۵) ایک صحیفہ سیدنا عمرو بن حزمؓ کا تھا۔ یہ تحریر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض، دیات اور سنن کے بارہ میں خود اہل یمن کے لیے لکھوائی تھی اور سیدنا عمرو بن حزم کے ہاتھ یمن بھجوائی تھی۔ (نسائی جلد ۲ ص ۲۵۲)

اسی طرح کی کچھ تحریرات سیدنا علیؓ نے بھی لکھی ہوئی تھیں۔ ان کا نام آپ نے

صحیفہ رکھا ہوا تھا۔ بخاری کے کئی ابواب میں اس کا ذکر ملتا ہے۔(ملاحظہ ہو بخاری کتاب العلم، کتاب الحج ، فضائل المدینہ، کتاب الجہاد، باب فکاک الاسیر، باب ذمتہ المسلمین) یہ تحریر لپٹی ہوئی بعض روایات کے مطابق آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی۔ (بخاری جلد ا ص جلد ۲ ص، مسند احمد جلد ا ص) صحیفہ کو بڑی شہرت حاصل تھی ۔ اس میں زیادہ تر مالیات کے مسائل تھے اور زکواۃ، دیت اور قصاص وغیرہ کی روایات بھی تھیں۔

اس کے بارہ میں سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:

من زعم ان عندنا شیاء نقرؤہ الا کتاب اللّٰہ و ھذہ الصحیفۃ فقد کذب

”جس شخص نے یہ سمجھا کہ ہمارے پاس پڑھنے کے لیے قرآن حکیم اور اس صحیفہ کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے تو اس نے جھوٹ بولا۔“

(بخاری جلد ا ص ۳۸، مسلم جلد ا ص ۴۴۲، ۴۹۵، المصنف جلد ۹ ص ۲۶۳ جلد ا ص ۱۰۰)

بعض روایات کے مطابق سیدنا علیؓ نے اس صحیفہ کے بعض اجزاء کی نقلیں بھی لکھوائی ہوئی تھیں اور انہیں بعض لوگوں میں صرف کاغذ کی قیمت ایک درہم لے کر فروخت بھی کیا۔ (طبقات جلد ۵ ص ۲۶۹)

بعض روایات کے مطابق اس صحیفہ کی نقل آپ کے صاحبزادے سیدنا محمد ابن الحنفیہ کے پاس بھی تھی اور ایک نقل حجر بن عدی کے پاس بھی تھی۔

(طبقات جلد ۶ ص ۲۲۰)

تو گویا سیدنا علیؓ کا یہ اعزاز تھا کہ انہوں نے زمانہ نبوت میں حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی احادیث کو تحریری شکل میں مرتب فرمایا۔

علم الفقہ :

قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے ساتھ اگر سرعت فہم، دقیقہ سنجی اور انتقال ذہنی بھی حاصل ہو جائے تو ایسا شخص فقہ واجتہاد کا ماہر کہلاتا ہے، اور اس کی نگاہ دین و دنیا کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل تک باآسانی پہنچ جاتی ہے۔

سیدنا علیؓ میں اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں رکھی ہوئی تھیں۔ آپ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مستحضرانہ قوت رکھی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے بڑے بڑے مشکل مسائل آپ فوراً

Marfat.com

حل فرما دیا کرتے تھے، لیکن بعض واقعات کچھ ایسے بھی ہیں جو ایک خاص گروہ نے دوسرے صحابہ پر سیدنا علیؓ کی فوقیت جتانے کے لیے گھڑے ہیں۔ اس کے باوجود اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سیدنا علیؓ بڑے ذہین اور طباع تھے اور اسی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے آپ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کے بہترین مشیروں میں سے تھے۔ سیدنا عمرؓ سے ویسے بھی آپ کو طبعی محبت تھی کیونکہ آپ کی بیٹی سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہؓ آپ کے نکاح میں تھی۔ بہر حال آپ نے فقہ و اجتہاد کی روشنی میں متعدد فیصلے کیے۔ اپنے دور خلافت میں بھی اور اپنے سے پہلے خلفاء کے دور ہائے خلافت میں بھی۔

ایک دفعہ ایک شخص سیدنا عمرؓ کے قاضی یعلی کے پاس آیا اور کہا کہ: ''یہ آدمی میرے بھائی کا قاتل ہے۔'' قاضی یعلیٰ نے اس شخص کو مدعی کے حوالے کر دیا۔ مدعی نے اس شخص کو اپنی تلوار کے وار سے کاٹ ڈالا اور یہ خیال کیا کہ یہ اب ختم ہو چکا ہے۔ زخمی کو اس کے وارثوں نے اٹھا لیا اور اور اس کا علاج کیا جس سے وہ درست ہو گیا۔ زخمی کے درست ہونے کے بعد مدعی نے پھر قاضی یعلی کے پاس درخواست دی کہ یہ میرے بھائی کا قاتل ہے۔ قاضی نے جواب دیا کہ: ''میں نے اس شخص کو تیرے حوالے کر دیا تھا۔'' اس نے کہا کہ: ''میں نے تلوار سے اس پر وار کیے لیکن زخمی ہونے کے باوجود وہ درست ہو گیا۔'' قاضی یعلی نے مدعا علیہ کو بلایا اور اس کی حالت کو ملاحظہ کیا۔ دیکھا کہ اس کے بازو شل اور بیکار ہو چکے تھے۔ قاضی یعلی نے اس کے زخموں کو گنا جو مدعی کے وار کرنے سے ہوئے تھے۔ ان پر شرعاً دیت اور تاوان ادا کرنا واجب ہوتا تھا۔

قاضی صاحب نے مدعی سے کہا کہ تیرے لیے اب دو صورتیں ہیں یا تو ان زخموں کے بدلے اس زخمی کو تاوان ادا کرو اور اسے قتل کر دو یا پھر اس کو بالکل چھوڑ دو کیونکہ تو اس پر قاتلانہ وار کر کے اپنے خیال سے اس کو قتل کر چکا ہے۔ یہ الگ بات ہوئی کہ یہ شخص بچ گیا۔ قاضی صاحب کے اس بیان سے مدعی کو تسلی نہ ہوئی لہذا اس نے سیدنا عمرؓ کے پاس قاضی صاحب کی شکایت کی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے قاضی موصوف کو بلا کر فیصلہ کے بارہ میں پوچھا۔ قاضی صاحب نے ساری تفصیلات بیان کیں۔

اس وقت سیدنا عمرؓ کے پاس سیدنا علیؓ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ نے ان سے مشورہ طلب فرمایا۔ سیدنا علیؓ نے قاضی یعلی کے فیصلے کی تائید فرمائی۔ سیدنا عمرؓ کا اپنا بھی

Marfat.com

یہی خیال تھا لہذا ان دونوں بزرگوں نے قاضی یعلی کے فیصلے کو درست قرار دیا اور سیدنا عمرؓ نے قاضی موصوف کو اپنے عہدے پر قائم رکھا۔ (المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ ص ۴۳۲)

ابن وبرہ نامی ایک شخص کو سیدنا خالد بن ولیدؓ نے سیدنا عمرؓ کی خدمت میں ایک مسئلہ کے بارہ بلا بھیجا۔ ابن وبرہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا عمرؓ کی خدمت میں پہنچا تو سیدنا عثمانؓ بن عفان، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا علی ابن ابی طالبؓ، سیدنا طلحہؓ بن عبید اللہ اور سیدنا زبیر بن العوامؓ مسجد نبوی میں موجود تھے اور سیدنا عمرؓ بھی وہیں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابن وبرہ نے کہا کہ مجھے سیدنا خالد بن ولیدؓ نے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ سلام کے بعد عرض کرتے ہیں کہ:

"لوگ شراب خواری میں منہمک ہو رہے ہیں اور موجودہ سزا کو معمولی سمجھنے لگے ہیں۔"

سیدنا عمرؓ نے یہ عرضداشت سن کر فرمایا کہ: "یہ حضرات تمہارے سامنے موجود ہیں ان سے پوچھا جائے کہ کس طرح کرنا چاہیے۔" سیدنا علیؓ نے اپنی رائے دیتے ہوئے فرمایا: "کہ انسان جس وقت شراب پی کر بدمست ہوتا ہے تو واہی تباہی بکتا ہے۔ پھر لوگوں پر بہتان تراشی کرتا ہے اور بہتان تراشی کی سزا اسی (۸۰) درے ہے لہذا شراب پینے کی سزا بھی ۸۰ درے مقرر کرنی چاہیے۔" چنانچہ سیدنا عمرؓ نے شراب خوری کی سزا اسی ۸۰ درے مقرر فرما دی۔ پھر سیدنا خالد بن ولیدؓ نے ۸۰ درے سزا دینی شروع کر دی اور سیدنا عمرؓ نے بھی شراب خوری کی یہی سزا مقرر رکھی۔

(دار قطنی جلد ۲ ص ۳۵۴، موطا مالک ص ۳۵۷، مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۷۵، مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۷۸)

اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کے پاس ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس نے پیاس کی شدت کی وجہ سے ایک چرواہے کے پاس جا کر پانی مانگا۔ اس چرواہے نے اسے اس شرط پر پانی دینے کا وعدہ کیا کہ اگر وہ عورت اپنے ساتھ منہ کالا کرنے دے۔ عورت کو پیاس کی سخت شدت تھی لہذا اس نے مجبور ہو کر اس مرد کو اپنے ساتھ بدفعلی کرنے کی اجازت دی۔

اس مسئلہ میں سیدنا عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب فرمایا۔ سیدنا علیؓ نے

Marfat.com

رائے دی کہ یہ عورت مجبور ہے۔ لہذا میرے خیال میں اسے چھوڑ دیا جائے۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا علیؓ کے مشورہ کو قبول اور پسند فرماتے ہوئے اس عورت کو رہا کر دیا کیونکہ وہ مجبور تھی۔ (السنن الکبریٰ بیہقی جلد۲ ص ۲۳۶)

علماء نے لکھا ہے کہ خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی مین بھی سیدنا علیؓ کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا تھا جن سے لوگ دین کے مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

"سیدنا ابو بکرؓ کو جب اہل الرائے اور اصحاب فقہ کے مشورہ کی ضرورت پیش آتی تو وہ مہاجرین اور انصار اور خصوصی طور پر سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ وغیرہ کو بلاتے اور یہ حضرات ابو بکرؓ کی خلافت میں اصحاب فتویٰ تھے (وکل ھولاء یفتی فی خلافتہ ابی بکر) فتویٰ حاصل کرنے کے لیے لوگ ان حضرات کی طرف رجوع کرتے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہ طریقہ جاری رکھا۔ پھر سیدنا عمرؓ بھی عہد خلافت میں آنحضرات ہی کو مشورہ کے لیے بلاتے تھے۔" (طبقات ابن سعد جلد۲ ص ۱۰۹)

چنانچہ سیدنا عمرؓ تو اکثر سیدنا علیؓ کی اس خوبی کا اعتراف فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

علی اقضانا وابی اقرأنا

"ہمارے بہترین قاضی علیؓ ہیں اور بہترین قاری ابی بن کعبؓ ہیں۔"

(ابن سعد جلد۲ ص ۱۰۲، بخاری جلد۲ ص ۶۴۴)

علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا علیؓ سے فرمایا:

اقض بین الناس و تجرد للحرب

"آپ لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کیجئے اور جنگی امور سے یک قلم اپنے کو الگ رکھیے۔"

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ۱۳ھ جمادی الاخری میں ۱۳ روز باقی تھے کہ سیدنا

Marfat.com

عمرؓ خلافت پر متمکن ہوئے۔

فولی قضاء المدینة علی ابن ابی طالب

"پس آپ نے سیدنا علیؓ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر فرمایا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱)

مدینہ کا قاضی مقرر ہونا اور وہ بھی سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں، یہ سیدنا علیؓ کے لیے جہاں ایک بہت بڑا اعزاز ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ کو فقہ اور قضاء میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ چنانچہ آپ اپنی نکتہ رس نگاہ سے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کوشش کرتے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ نے آپ کی اخّاذ طبیعت اور انتقال ذہنی کے کئی واقعات اپنی مشہور کتاب ازالۃ الخفاء میں نقل فرمائے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کے پاس ایک زانیہ عورت کو پیش کیا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے اس کے اس جرم کی پاداش میں اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ مجنوں حدود شرعیہ سے مستثنیٰ ہے۔ سیدنا عمرؓ آپ کی اس بات کو سن کر اپنے اس ارادے سے باز آ گئے۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۴۰)

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے کسی شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک دفعہ پاؤں دھونے کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ سیدہؓ نے فرمایا کہ علیؓ سے جا کر دریافت کرو۔ ان کو اس بارہ میں معلومات ہوں گی کیونکہ وہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ شخص سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے جا کر مسئلہ پوچھا۔ سیدنا علیؓ نے جواب دیا۔

للمسافر ثلاثة ایام و لیا لهن وللمقیم یوم و لیلة

"مسافر کے لیے تین دن تین رات تک اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات۔"

(مسند احمد جلد ۱ ص ۹۶)

مسند احمد ہی میں ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ موسم حج میں سیدنا عثمانؓ کے سامنے کسی شخص نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا۔ احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں کچھ لوگوں نے اختلاف کیا۔ سیدنا عثمانؓ اس کے کھانے کے

Marfat.com

جواز کے قائل تھے، کیونکہ ان کے نزدیک احرام کی حالت میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے، لیکن اگر کسی دوسرے شخص نے جو احرام میں نہیں ہے اس نے شکار کیا ہو تو اس کا کھانا جائز ہے۔ دوسرے کچھ لوگوں نے اس کے کھانے سے اختلاف کیا۔

سیدنا عثمانؓ نے فرمایا کہ اس بارہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہو گا؟ لوگوں نے سیدنا علیؓ کا نام لیا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ سے جا کر دریافت کیا گیا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک گورخر شکار کر کے پیش کیا۔ آپ اس وقت احرام کی حالت میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ تو اس وقت احرام کی حالت میں ہیں لہذا یہ ان لوگوں کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہے۔

سیدنا علیؓ کی اس بات کی حاضرین میں سے بارہ حضرات نے شہادت دی۔
اس سلسلہ میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور واقعہ کا حوالہ دیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احرام کی حالت میں شتر مرغ کے انڈے پیش کیے، لیکن آپ نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا۔ اس واقعہ کی بھی کچھ حضرات نے گواہی دی۔

یہ سن کر سیدنا عثمانؓ نے اس شکار کے گوشت کو کھانے سے احتراز فرمایا۔ اگرچہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اور بہت سے لوگ اس گوشت کے کھانے کے جواز کے بھی قائل ہیں اور احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، لیکن سیدنا عثمانؓ نے احتیاط کے پیش نظر اس کو کھانے سے احتراز فرمایا۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۰۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قضاء اور فقہ کے بارہ میں آپ کی اس استعداد اور قابلیت کا اندازہ تھا، لہذا آپ ضرورت کے وقت قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے یمن میں انہیں قاضی مقرر فرمایا۔ سیدنا علیؓ جب وہاں تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضاء کا کوئی خاص تجربہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ان اللہ سیھدی لسانک و یثبت قلبک

"اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راست اور تمہارے دل کو ثبات بخشے گا۔"

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے بعد مجھے

پھر کبھی بھی مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا۔

(مسند احمد جلد ا ص ۸۳، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے، چنانچہ فرمایا:

اذا جلس الیک الخصمان فلا تکلم حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول

"جب دو آدمی جھگڑا چکانے کے لیے تمہارے پاس آئیں تو اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ کرو جب تک کہ دوسرے فریق سے بھی تم وہ بات نہ سن لو جو تم نے پہلے فریق سے سنی ہے۔" (مسند احمد جلد ا ص ۹۶، ۱۴۳)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فقہ و قضاء کے بارہ میں آپ کی جو تربیت فرمائی تھی اور فصل مقدمات کے لیے آپ کو جو اصول بتائے تھے، ان اصول کی روشنی میں آپ نے عظیم الشان اور عجیب و غریب مقدمات کے فیصلے فرمائے جن کی لسان نبوت نے بھی تصدیق فرمائی۔ چنانچہ جب آپ بطور قاضی یمن تشریف لے گئے تو آپ کے پاس ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے تھے۔ نو ماہ کے بعد اس عورت کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ لڑکا کس مرد کا قرار دیا جائے کیونکہ ہر ایک اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب مقدمہ تھا۔ سیدنا علیؓ نے آغوش نبوت میں تربیت کے دوران جو علوم حاصل کیے تھے، ان کی روشنی میں آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ: "اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے جائیں۔ پھر قرعہ ڈالا جائے اور جس شخص کے نام قرعہ نکلے اس کے حوالے یہ لڑکا کر دیا جائے۔ باقی دونوں آدمیوں کی دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے دلوائے جائیں۔" گویا آپ نے غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا علیؓ کے اس فیصلہ کا علم ہوا تو آپ مسکرائے، گویا ان کے فیصلہ کی تصدیق کی۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۳۵) مسند احمد میں آپ کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ چند لوگوں نے ایک شیر کو پھنسانے کے لیے ایک کنواں کھودا۔ شیر اس کنویں میں گر گیا لیکن اسی اثنا میں چند حضرات استہزاء اور ہنسی مذاق

Marfat.com

سے ایک دوسرے کو کنویں میں دھکیل رہے تھے۔ اتفاقاً ایک شخص کا پاؤں پھسلا اور وہ اس کنویں میں گر گیا۔ جب وہ کنویں میں گر رہا تھا تو اس نے بدحواسی میں اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے شخص کی کمر پکڑ لی۔ جب اس نے اس کی کمر پکڑی تو اس نے بھی بدحواسی میں گرتے گرتے تیسرے شخص کی کمر پکڑ لی۔ اسی طرح تیسرے شخص نے چوتھے کی کمر پکڑ لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چاروں اس کنویں میں گر گئے۔ شیر جو پہلے سے کنویں میں گرا ہوا تھا، اس نے چاروں کو پھاڑ ڈالا۔ ان مقتولین کے وارثان آپس میں دست و گریبان ہوئے اور ہر کوئی دوسرے کے مقتول کو موردِ الزام ٹھہرانے لگا۔ سیدنا علیؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے ان لوگوں کو اس طرح آپس میں دست و گریباں ہونے سے روکا اور فرمایا کہ: "ایک رسول کی موجودگی میں تنازعہ اچھا نہیں۔ میں تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر میرا فیصلہ پسند نہ ہو تو تم بارگاہِ رسالت میں جا کر اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو۔" ان حضرات نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ آپ ہی ہمارا فیصلہ فرما دیں۔ آپ نے ان کا یہ فیصلہ فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا تھا ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری ایک ایک تہائی، ایک ایک چوتھائی اور ایک آدھی پہلے مقتول کے وارثان کو ایک چوتھائی خون بہا، دوسرے کو ایک تہائی، تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خون بہا دلایا۔

لوگ سیدنا علیؓ کے اس فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس فیصلہ کی اپیل پیش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؓ کے اس فیصلے کو برقرار رکھا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۷۷)

اس طرح کے کئی مقدمات سیدنا علیؓ سے مختلف کتابوں میں منقول ہیں جن سے ان کی ذہنی تفقہ کا پتہ چلتا ہے۔

سیدنا علیؓ نے زندگی کا اکثر حصہ مدینہ طیبہ میں گزارا۔ حصول خلافت کے تھوڑا عرصہ بعد آپ کوفہ تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں آپ کو کافی مقدمات کے فیصلوں کا موقع ملا، لہٰذا آپ کے فیصلوں اور اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت کوفہ و عراق میں ہوئی۔ بدیں وجہ فقہ حنفی کی بنیاد سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد سیدنا علیؓ کے فیصلوں، ارشادات اور اجتہادات پر ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا علیؓ کو فقیہ عراق کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

سیدنا علیؓ اور ان کے اجتہادات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف معاملات میں خود بھی اجتہاد فرماتے اور اپنے صحابہؓ کو بھی اجتہاد کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ مجھ سے بہتر فیصلہ فرما سکتے ہیں۔'' فرمایا: ''نہیں، تمہیں کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا۔'' میں نے عرض کی: ''کس شے پر فیصلہ کروں؟'' فرمایا ''اگر تم نے ان کا فیصلہ صحیح کیا تو دس نیکیوں کے مستحق ٹھہرو گے اور اگر اجتہاد کیا اور اس میں تجھ سے غلطی ہوگئی تو پھر بھی ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو ان سے پوچھا: ''کس شے کے مطابق فیصلہ کرو گے؟'' عرض کی: ''کتاب اللہ کے مطابق۔'' فرمایا: ''اگر اس میں نہ ملا؟'' عرض کی: ''سنت رسولؐ کے مطابق۔'' فرمایا: ''اگر اس میں بھی نہ ملا؟'' عرض کی: ''پھر میں اجتہاد کروں گا۔'' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تائیدی لہجے میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسولؐ کے نمائندہ کو وہ توفیق عطا فرمائی جسے اللہ اور اس کا رسولؐ دونوں پسند کرتے ہیں۔'' (ابو داؤد کتاب الاقضیہ)

''حاکم نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست کیا تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر غلط فیصلہ کیا تو ایک اجر ملتا ہے۔'' (بخاری جلد 2 ص، باب اجرالحاکم اذا اجتہد)

اور مسلم میں بھی ایک حدیث میں ہے کہ:

Marfat.com

''قاضی نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست کیا تو اسکو دس گنا اجر ملتا ہے اور اگر غلط فیصلہ کیا تو اکہرا یا دوگنا اجر ملتا ہے۔'' (مسلم جلد ۲ ص باب اجرالحاکم)

اجتہاد قرآن و حدیث کے بعد اسلامی قانون کا سرچشمہ ہے۔ نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرے کی راہ نمائی کا واحد ذریعہ اور ہدایت الٰہی کی تکمیل کا اہم باب ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اس کا دروازہ کھولا اور بے شمار مواقع پر اجتہاد کر کے اس کے نشیب و فراز سے واقف کر دیا تاکہ بعد کے لوگوں کے لیے اور باتوں کی طرح اس میں بھی آپ کی زندگی نمونہ ثابت ہو۔ لیکن وحی الٰہی سے آپ کا تعلق قائم ہونے اور براہ راست اس سے راہنمائی حاصل کرتے رہنے کی وجہ سے آپ کے اجتہاد میں خطاء اور غلطی کا احتمال نہیں باقی رہتا بلکہ دین و شریعت کے متعلق جو کچھ آپ نے اجتہاد کے ذریعہ فرمایا وہ بھی قرآن کے عموم میں داخل ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کو سمجھنے کے لیے طبیب حاذق کے کام میں غور کرنے کی ضرورت ہے جس کی نظر مرض کی قوت' اس کی نوعیت' مریض کی عمر' جائے رہائش اور موسم نیز دوا اور غذا کی قوت اس کی خاصیت و اثر اور پرہیز و علاج سے متعلق تمام باتوں پر ہوتی ہے اور پھر ان کے لحاظ سے وہ بہت سی باتوں کی خبر دیتا ہے جن کو لوگ نہیں جانتے۔ ان باریکیوں کا احاطہ کرتا ہے جن سے وہ لاعلم ہوتے ہیں۔ کبھی وہ امور محسوسہ کو مخفی امور کے قائم مقام قرار دیتا ہے' مثلاً چہرے کی سرخی اور مسوڑھے سے خون جاری ہونے کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے۔ کبھی علامت کو بجائے سبب مرض اور دوا کی مخصوص مقدار کو بجائے ازالہء مرض قرار دے کر قاعدہ کلیہ وضع کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کاموں کے لیے مجرد علم طب کافی نہیں ہے بلکہ فنی حذاقت و مہارت بھی درکار ہے کہ وہ مریض و مرض کے پیش نظر اخذ و استنباط اور ریسرچ و تحقیق کر سکے۔

انسان کی روحانی اور نفسانی زندگی کا معاملہ جسمانی سے کہیں زیادہ باریک اور جذب و انجذاب کو قبول کرنے والا ہے۔ اس بنا پر لازمی طور سے اس کے مرض و مریض دوا و غذا اور پرہیز و علاج کی نزاکتوں کو سمجھنے کے لیے فنی حذاقت و مہارت کافی نہیں۔ بلکہ نورانی شعاعوں کی بھی ضرورت ہے جن کے ذریعہ ان مخفی تاروں کا عکس لیا جا سکے جن کو چھیڑے بغیر زندگی کے ساز میں سوز نہیں پیدا ہوتا اور بہت سے نغمے خاموش رہ

Marfat.com

ہیں۔ پھر زندگی خود زندگی سے گریزاں بنتی اور تمدن خود تمدن کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ یہ نورانی شعا صرف شعور نبوت کو حاصل ہیں جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تھے۔ شعور نبوت سے مراد علم و حکمت کا نور اور فہم و ادراک کا وہ کمال ہے جو نبوت کے خلقی وجدان اور داخلی شعور کا نتیجہ اور اس کے لیے لازم ہے۔ یہ شعور علم و ادراک کا نہایت اونچا اور محفوظ اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں شعور نبوت کے ذریعہ اخذ و استنباط یا اجتہاد دوسروں کے اجتہاد سے بلند و محفوظ ہوتا ہے کیونکہ برتر شعور یا نور سے متعلق قائم ہونے کی وجہ سے اصلاح و اضافہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو دوسروں کے اجتہاد کو میسر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

"اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے صائب اور درست ہوتی تھی کہ اللہ آپؐ کو دکھاتا تھا' ہماری رائے ظن اور تکلف ہے۔"

(ابو داؤد باب فی قضاء القاضی اذا اخطاء)

یہ بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی اتفاق کرتی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا تھا: "اگر کتاب و سنت میں کوئی شے مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ان دونوں میں کوئی حکم نہ ہو تو پھر اجتہاد کرو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مسلمان اجتہاد کے اور بھی زیادہ ضرورت مند ہو گئے کیونکہ عہد رسالت میں جو مسئلہ انہیں پیش آتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے۔ بعض امور میں صحابہ کرامؓ اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے اور ان کی رائے شمع رسالت تک پہنچتیں تو جس کی رائے درست ہوتی اسے صحیح اور جس کی رائے غلط ہوتی اسے غلط فرماتے۔ لیکن آپؐ کے انتقال کے بعد جن واقعات میں کوئی حکم موجود نہ تھا ان میں قیاس و اجتہاد سے کام لینا ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس بارہ میں اجتہاد کیا اور کسی نے ان کے اس فعل پر نکتہ چینی نہ کی اور آخر وہ اجتہاد اور قیاس کیوں نہ کرتے جب کہ نئے نئے قضیے ان کے سامنے پیش کیے جا رہے تھے اور جن اقوام و قبائل سے انہیں سابقہ پڑا تھا ان کی زندگی کے حالات اور طرز زندگی ان سے نہایت مختلف تھی۔ اور یہ حالات اور قضیے سب ایک ایسی رائے کے محتاج تھے جس کے بغیر راحت و اطمینان کی

زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

جب صحابہ کرامؓ کو کوئی ایسی صورت پیش آجاتی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل یا آپؐ کی کوئی ہدایت نہ ملتی تو جن کے پاس زیادہ علم نہ تھا وہ "اہل ذکر" سے پوچھ کر عمل کرتے اور جن کے پاس علم ہوتا وہ اس نئی صورت کو قرآن و حدیث کی تصریحات پر وہی حکم جاری کر دیتے تھے جیسا کہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا:

"یہ حضرات اپنی رائے سے اجتہاد کرتے اور اس علت کو معلوم کرتے جس کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منصوصات پر حکم کو چلایا تھا۔ پھر جہاں وہ علت پائی جاتی وہ حضرات اس حکم کو نافذ کرتے۔ البتہ حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض معلوم کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتے اور اسی کی موافقت میں ایک حکم دوسرے پر لگاتے۔"

(حجتہ اللہ البالغہ باب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چار صحابہ کرامؓ کے سوا اور کوئی فتویٰ نہ دیتا تھا اور وہ چار صحابہ کرامؓ حسب ذیل تھے:

(۱) سیدنا عمرؓ (۲) سیدنا علیؓ

(۳) سیدنا معاذ بن جبلؓ (۴) سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ

گویا یہ چاروں صحابہ قرآن و سنت سے بخوبی واقف اور ان کی علتوں سے بخوبی آشنا تھے۔ یہ درست ہے کہ خود قرآن حکیم اپنی ذات میں نہایت جامع کتاب ہے لیکن وہ اصول و کلیات کی کتاب ہے جس میں الٰہی حکمت عملی اور دستور سے بحث ہے۔ جزوی قوانین کی تفصیل بہت کم ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ:

"قرآن حکیم مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور یہ جامعیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس میں کلیات بیان ہوئے ہوں کیونکہ شریعت اس کے نزول کے بعد کامل ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔" یہ معلوم ہے کہ نماز' زکوٰۃ' جہاد اور اس طرح کے سارے احکام قرآن حکیم میں نہیں بیان کیے گئے' ان کو سنت نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح نکاح' معاملات' قصاص' حدود اور دوسرے معاملات کے تفصیلی احکام

Marfat.com

قرآن نے نہیں بیان کیے وہ احادیث میں ہیں۔"

(الموافقات جلد ۳ ص ۲۶۷)

ایک اور مقام پر علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

" قرآن حکیم میں احکام شرعیہ اکثر کلی طور پر بیان ہوئے ہیں جہاں جزوی طور پر تفصیل ہے وہ کسی حکم کلی کے تحت ہے۔" (الموافقات جلد ۳ ص ۲۶۶)

اس لیے قرآن حکیم کے ساتھ سنت نبوی کا ہونا بھی ضروری ہے وگرنہ قرآن حکیم کی صحیح سمجھ نہیں آ سکتی جیسا کہ علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ:

" سنت اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قرآن حکیم ہی کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔ سنت قرآن حکیم کے اجمال کی تفصیل ہے یا مشکل کا بیان ہے یا مختصر کی تشریح ہے۔ ثبوت کے دلائل یہ ہیں کہ (۱) بحیثیت مجموعی سنت قرآن کا بیان ہے جیسا کہ اللہ کے قرآن کی یہ آیت بتاتی ہے۔" وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم۔" پس سنت میں کوئی بات نہ ملے گی جس کی قرآن حکیم میں اجمالی یا تفصیلی دلالت نہ موجود ہو۔

(۲) تمام وہ چیزیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن حکیم ہی کلیات شریعت کی کتاب اور اس کا سرچشمہ ہے۔ وہ سب اس امر کی دلیل ہیں کہ سنت اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے قرآن حکیم کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔

(۳) قرآن حکیم میں ہے" وانک لعلی خلق عظیم " سیدہ عائشہؓ نے خلق کی تفسیر میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہے۔ اس سے یہی ثابت ہے کہ آپ کے اقوال و افعال اور اقرار سب قرآن حکیم کی طرف رجوع ہونے والے ہیں کیونکہ خلق میں یہی چیزیں شمار ہوتی ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو" تبیانا لکل شئ" فرمایا ہے۔ اس سے بھی یہ بات لازم آتی ہے کہ سنت کا فی الجملہ قرآن میں ہونا ضروری ہے۔"

(الموافقات جلد ۴ ص ۱۲۶)

قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ شریعت میں اجتہاد و قیاس کو بھی ضروری قرار دیا گیا۔ یہ بھی دراصل دین میں ایک ضروری امر ہے کیونکہ:

Marfat.com

"جو احکام صریح وحی سے ثابت ہیں وہ پیش آنے والے واقعات وحوادث کے مقابلہ میں نہایت کم ہیں۔ اگر ان کا حکم وحی صریح سے بذریعہ استنباط نہ معلوم کیا جائے تو یہ مہمل پڑے رہ جائیں گے اور دین کے کمال کا دعویٰ بیکار ہو جائے گا۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ مجتہدین کو احکام کے استنباط کا اختیار دیا جائے۔"
(التلویح ص ۵۰)

علامہ ابن رشد مالکی اندلسیؒ نے لکھا ہے:

"مختلف افراد انسانی کے درمیان جو وقائع اور حوادث پیش آتے ہیں وہ لامحدود ہیں اور شریعت کے نصوص یا پیغمبر کے افعال یا ان کے اقرارات (یعنی جو باتیں ان کے سامنے ہوئیں اور ان سے روکا نہ گیا) بہرحال محدود ہیں اور محال ہے کہ کوئی محدود امر کسی غیر محدود کا احاطہ کرے۔" (بدایۃ المجتہد ص)

مطلب یہ ہے کہ شریعت کی تعبیر جن الفاظ میں کی گئی ہے وہ محدود ہیں لیکن قیام قیامت تک دنیا کے مسلمانوں میں جو حوادث و واقعات ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں پیش آتے رہیں گے وہ لامحدود ہیں' لہذا یہ تو ناممکن ہے کہ شریعت اپنے محدود الفاظ میں ان غیر محدود حوادث و جزئیات کا احاطہ کرتی۔ اب یہ صرف شریعت ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ ثم جعلناک علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا' ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون ۔(الجاثیہ:) پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا۔ پس آپ اس طریقے پر چلیے اور ان جہلا اور ناآشنا لوگوں کی خواہش پر نہ چلیے۔

یعنی جو شریعت سے ناواقف ہیں ان کے آراء اور مشوروں سے بچنے کا بھی حکم ہے لیکن لامحدود حوادث و واقعات کا احاطہ شریعت کے محدود الفاظ میں ناممکن بھی ہے۔ اسی چیز کو حافظ ابن قیمؒ نے یوں بیان کیا ہے کہ:

"جو لوگ عموماً فتاویٰ دینے کا کام کرتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ نقل شدہ علم اگرچہ نہایت وسیع ہے تاہم دنیا کے تمام وقائع اور حوادث کے لیے وہ کافی نہیں ہوسکتا۔" (اعلام الموقعین جلد۲ ص ۲۷۵)

حافظ ابن قیمؒ آٹھویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔ اس زمانے تک فقہی جزئیات کے فتاویٰ کی ضخیم کتابیں مدون ہو چکی تھیں لیکن ابن قیمؒ ان کو بھی ناکافی قرار دے رہے

Marfat.com

ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس شریعت کا دائرہ مشرق و مغرب اور عرب و عجم کے تمام لوگوں کے لیے تھا اور تاقیام قیامت ایک ابدی دستور کی شکل میں جو دین مسلمانوں کو دیا گیا تھا اس کے متعلق یہ کیسے توقع کی جا سکتی تھی کہ ہر ہر پیش آنے والے حوادث و واقعات کا صریح جواب اس میں موجود ہوتا۔ اسی بات کی طرف علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے:

"فالوقائع المتجددة لا توفی بها النصوص۔"

(مقدمہ ص ۳۷۳)

نت نئے پیش آنے والے واقعات کا احاطہ نصوص نہیں کر سکتے۔

دراصل یہی ضرورت تفقہ فی الدین کی ہے یعنی نصوص اور صریح تعبیروں کو پیش نظر رکھ کر ان حوادث و واقعات کے متعلق شریعت کے منشا کی پابندی کرتے ہوئے احکام پیدا کرنا یہ دوسرا قدرتی فرض ہے جو اس امت پر عائد ہوا اور تفقہ فی الدین کے اس شعبہ کا نام "قیاس" رکھا گیا۔ خلاصہ یہ کہ جن تعبیروں میں شریعت مسلمانوں کو عطا ہوئی ہے پہلے خود ان میں غور و خوض کرنا اور شارع علیہ السلام کے صحیح منشا کو پانا یہ تفقہ فی الدین کا پہلا شعبہ ہے اور نئے پیش آنے والے حوادث و واقعات کے متعلق بھی شارع علیہ السلام کے منشا کو پیش نظر رکھ کر جدید احکام پیدا کرنا یہ تفقہ فی الدین کا دوسرا شعبہ ہے۔

عہد نبوت میں تفقہ فی الدین کے دونوں شعبوں میں جو واقعات پیش آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لوگ بذریعہ وحی قرآنی احکام حاصل کرتے تھے اور آپ اپنے قول و فعل اور بالمشافہ گفتگو سے لوگوں کی ضروریات کی تکمیل فرماتے۔" (المقدمہ ص ۳۷۸)

لیکن جب نبوت کا عہد سعادت ختم ہو گیا تو بقول ابن خلدون:

"ومن بعده صلوات الله عليه وسلامه تعذر الخطاب الشفاهی" (مقدمہ ص ۳۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بالمشافہ مخاطبت سے استفادہ کرنا مشکل ہو گیا۔

Marfat.com

اس خطاب شفاہی کی سعادت سے محرومی کے بعد مسلمانوں کی شرعی زندگی کا مرجع و ماویٰ قدرتاً وہی سرمایہ ہو سکتا تھا جسے پہنچا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ یہ سرمایہ اور ذخیرہ جسے بطور متروکہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں چھوڑا تھا کیا تھا؟ امام شافعیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے جو کچھ چھوڑا ہے اس کا ایک حصہ تو وہ ذخیرہ ہے جو:

نقلة عامة عن عامة (الرسالۃ ص ۱۲۷)

یعنی جو تواتر کے ساتھ مسلمانوں کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ تک اس طریقہ سے منتقل کرتا ہوا چلا آ رہا ہے کہ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور دوسرا حصہ اس متروکہ نبوی کے سرمایہ کا وہ حصہ ہے جو امام شافعیؒ ہی کے الفاظ میں:

علم الخاصة سنة من خبر الخاصة يعرفها العلماء

(الرسالۃ ص ۱۲۷)

اس خبر الخاصہ سے کیا مراد ہے؟ امام شافعیؒ اس کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خبر الوحد عن الواحد حتى ينتهى الىٰ النبى صلى الله عليه وسلم (الرسالۃ ص ۹۹)

یعنی ایک شخص اس خبر کو کسی دوسرے شخص سے نقل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے۔

امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ میں اس پر بڑی قوی دلیلیں دی ہیں کہ "خبرالخاصہ" سے اگرچہ اس قسم کا علم اور یقین تو حاصل نہیں ہو سکتا جو "نقل العامتة عن العامة" کا قدرتی اور طبعی اثر ہے۔ ان دونوں خبروں پر آپ نے بڑے دلائل دیے ہیں لیکن ان کا یہاں نقل کرنا سعی لاحاصل ہے۔

بتایا یہ جا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی اور بھی زیادہ ضرورت لاحق ہوگئی جو آپؐ کی زندگی میں تھی۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کے انتقال کے بعد مختلف مسائل میں اجتہاد کیا۔ سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت کا مسئلہ پیش آیا۔ خلافت کے بارہ میں اختلاف واقع ہوگیا اور اختلاف نے شدت اختیار کرلی' لیکن جب یہ دلیل پیش کی گئی کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کی امامت

Marfat.com

کے لیے پسند فرمایا۔ اس کو ہم اپنی دنیا کی امامت کے لیے پسند کرلیں' تو یہ اختلاف سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت پر ختم ہوگیا۔

سیدنا ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوگئے اور انہوں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی تو مسلمانوں میں جیش اسامہ کی روانگی' قتل مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سے جنگ کے اختلافی مسائل کو اجتہاد ہی سے حل کیا۔

سیدنا علیؓ بھی مجتہدین صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔ انہوں نے بھی بہت سے مسائل میں اجتہاد فرمایا جن میں سے چند ایک مسائل ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

1- بنجر زمین کی آبادکاری:

بنجر زمین کی آبادکاری کو فقہی اصطلاح میں احیاء الموات کہتے ہیں۔ موات سے مراد ایسی اراضی ہوتی ہے جن سے کسی قسم کا کوئی فائدہ اٹھایا نہ جا رہا ہو اور احیاء سے مراد ایسی اراضی کو ناکارہ پن سے نکال کر کارآمد بنانا ہے۔

بنجر زمین کو آباد کرنا جائز ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ خلق خدا کو فائدہ پہنچے۔ ایسی زمین کی دو حالتوں میں سے ایک حالت ہوگی۔

1- یہ زمین کسی شخص کی ملکیت نہ ہوگی' ایسی صورت میں اسے آباد کرنے والا اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کے معاوضہ میں کچھ دینا نہیں پڑے گا۔ سیدنا علیؓ دوران خطبہ فرمایا کرتے تھے: ''لوگو! جس نے کوئی بنجر زمین آباد کی' وہ اس کی ملکیت ہوگی۔''
(المحلی جلد ۸ ص ۲۳۶)

2- یہ زمین کسی شخص کی ملکیت ہو اور مالک کی عدم توجہی سے بنجر اور بے آباد ہوگئی ہو' ایسی صورت میں اسلامی اسٹیٹ کے کسی بھی شہری کے لیے اس کو آباد کرنا جائز ہوگا۔ چنانچہ ایک شخص نے سیدنا علیؓ سے عرض کیا: ''میں ایک بنجر اور بے آباد زمین پر گیا جس کے مالک اس کی آبادکاری سے عاجز تھے۔ میں نے اس زمین کو سیراب کرنے کے لیے نہریں بنائیں اور فصل بو دی۔'' یہ سن کر سیدنا علیؓ نے فرمایا: ''اس کی پیداوار کو مزے سے کھاؤ۔ تم نے ایسا کر کے اصلاح کی ہے فساد نہیں برپا کیا' تعمیر کی ہے تخریب نہیں کی۔''
(کتاب الخراج' یحییٰ بن آدم ص ۱۶۳)

Marfat.com

2- امیر کے بارہ میں سیدنا علیؓ کا نظریہ:

سیدنا علیؓ کی رائے یہ تھی کہ امت کا معاملہ کسی امیر یا خلیفہ کے وجود کے ساتھ ہی درست رہ سکتا ہے۔ وہ امیر چاہے جس طرح کا بھی ہو۔ سیدنا علیؓ فرمایا کرتے تھے: "معاویہؓ تم پر غالب آجائیں گے۔" لوگوں نے پوچھا: "تو پھر جنگ کا کیا فائدہ؟" فرمایا: "لوگوں پر ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔" (کنز العمال حدیث نمبر ۱۴۳۶۶)

سیدنا علیؓ کے نزدیک خلیفہ اور امیر میں مندرجہ ذیل صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ عقل' بلوغ کیونکہ کسی انسان کے مکلف ہونے کے لیے یہ دو باتیں بنیاد ہیں۔ تیسری صفت اسلام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المومنین سبیلاً

(النساء: ۱۴۱)

"اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔"

ایک اور صفت احکام شریعت کا علم ہے کیونکہ لوگوں کی زندگیوں کو ان احکامات کے مطابق ڈھالنا اس کی ذمہ داری ہے اور شرعی احکام کے نہ جاننے کی صورت میں وہ یہ ذمہ داری پوری نہیں کر سکے گا۔

حکومت کا انتظام سنبھالنے اور اسے چلانے کی قدرت بھی اس میں ہو۔ علاوہ ازیں مرد ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ حدیث نبوی ہے: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے حکومت کی باگ ڈور کسی عورت کے حوالے کر دی ہو۔" (بخاری)

تقویٰ' انصاف پروری اور قریشی ہونا بھی صفات خلیفہ میں سے ہے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے فرمایا: "خلافت قریش کی ہے۔" (کنز العمال حدیث نمبر ۱۶۴۹)

سیدنا علیؓ کے نزدیک خلیفہ کے فرائض حسب ذیل ہیں:

1- شریعت اسلامیہ کا احکام کی تطبیق یعنی مسلم معاشرہ کی عملی زندگی میں اسلامی احکام کو جاری و ساری کرنا۔

2- لوگوں میں عدل قائم کرنا۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں: "تین باتیں ایسی ہیں جو

Marfat.com

مسلمانوں کے امام اور خلیفہ میں پائی جائیں تو وہ صحیح معنوں میں اپنی ذمہ داریوں کے بار دوش سے سبکدوش ہونے والا امام ہوگا۔ جب فیصلہ کرے تو عدل کرے' اپنی رعایا سے چھپ کر پردوں میں نہ بیٹھے اور قریب و بعید سب پر کتاب اللہ کا نفاذ کرے۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۱۴۳۱۵)

-3 زکوٰۃ کی وصولی۔

-4 حدود قائم کرنا اور قصاص لینا۔

-5 قاضی مقرر کرنا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: "پانچ باتوں کا تعلق مسلمانوں کے امام سے ہے۔ نماز جمعہ' نماز عیدین' صدقات کی وصولی' قاضیوں کی تقرری اور قصاص لینا۔ (الروض النضیر جلد ۴ ص ۱۴۳)

-6 پبلک فنڈز کی حفاظت اور انہیں اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے وقت میانہ روی اختیار کرنا۔ ابو عبید نے کتاب الاموال میں ذکر کیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے مسلمانوں کے بیت المال کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہوگئے اور آپ کے پاس سوائے روئی کے ایک جبہ اور دار ابجرد کی بنی ہوئی چادر کے اور کچھ نہ تھا۔ (کتاب الاموال ص ۲۷۰) عبداللہ ابن زریر فرماتے ہیں کہ میں عیدالاضحیٰ کے روز سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ہمیں حریرہ (ایک قسم کا کھانا جو آٹا' دودھ اور گھی ملا کر تیار کیا جاتا ہے) پیش کیا۔ میں نے عرض کیا: "اگر آپ ہمیں بطخ کا گوشت پیش کرتے تو کیا ہی اچھا ہوتا کیونکہ اب مال و دولت کی فراوانی ہوگئی ہے۔" سیدنا علیؓ نے فرمایا: "ابن زریر! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ" خلیفہ کے لیے اللہ کے مال میں سے دو پیالوں کے سوا اور کچھ حلال نہیں۔ ایک پیالہ جسے وہ اور اس کے اہل و عیال کھائیں' اور ایک پیالہ جسے وہ مہمان داری کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرے گا۔"

(مسند احمد جلد ۱ ص ۷۸' کنز العمال حدیث نمبر ۲۸۰۱۲)

-7 خلیفہ اور امیر کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے حکمت عملی اور دیگر سیاسی طریقوں کو استعمال کرے جن میں تہدید و ترغیب

Marfat.com

دونوں نہوں لیکن رعیت پر سختی نہ ہو۔ چنانچہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص کہتا ہے کہ سیدنا علیؓ نے مجھے عکبرا کا عامل مقرر فرمایا۔ پھر اس علاقہ کے لوگوں کے سامنے مجھ سے فرمایا: "دیہی علاقوں کے لوگ بڑے دھوکہ باز ہوتے ہیں ان سے ہرگز دھوکہ نہ کھانا اور ان پر عائد شدہ تمام رقمیں وصول کرنا۔" فرمایا: "اب جاؤ' پھر آ کر مجھ سے ملنا۔" جب میں واپس آیا تو آپ نے فرمایا: "جو باتیں میں نے تم سے کیں تھیں وہ صرف انہیں سنانے کے لیے کی تھیں لیکن اصل بات اب سنو۔ ایک درہم کی وصولی کے لیے بھی کسی کو ایک کوڑا نہ مارنا' کسی کو تنگ نہ کرنا' کسی سے زبردستی ایک بھی بکری یا گائے وصول نہ کرنا۔ ہمیں ان سے استطاعت کے مطابق وصولی کا حکم دیا گیا ہے۔"

(کنزالعمال حدیث نمبر ۱۴۳۴۶)

8- امیر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ رعایا سے چھپ کر پردے میں نہ رہے تاکہ ضرورت مندوں کو اپنی عرض داشتیں پیش کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں: "تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی امیر میں پائی جائیں تو وہ ایسا امیر بننے کے قابل ہوگا جو اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ احسن طریق سے اٹھا سکے۔ جب فیصلہ کرے تو عدل کرے' رعایا سے چھپ کر پردے میں نہ رہے اور قریب و بعید سب پر کتاب اللہ کے احکامات نافذ کرے۔" (کنزالعمال حدیث نمبر ۱۴۳۱۵)

9- سیدنا علیؓ امیر کی خرید و فروخت کو ناپسند فرماتے تھے۔ اگر اس کے لیے خریداری کرنا ضروری ہو تو ایسے شخص سے خریداری کرے جسے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ امیر ہے۔ ابن مطر کا کہنا ہے کہ سیدنا علیؓ ایک مرتبہ کرابیس کے بازار میں تشریف لے گئے اور ایک دکاندار سے فرمایا: "مجھے تین درہم میں ایک اچھی سی قمیض دے دو۔" اس شخص نے آپ کو پہچان لیا۔ آپ نے اس سے قمیض نہیں خریدی ایک اور دکاندار کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے بھی آپ کو پہچان لیا۔ آپ نے اس سے بھی کچھ نہیں لیا۔ پھر ایک نوخیز لڑکے کے پاس جا کر اس سے تین درہم میں قمیض خریدی اور اسے زیب تن فرما لیا۔ اس کے بعد اس

Marfat.com

لڑکے کا والد جو دکان کا مالک تھا آیا' اس سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے بیٹے نے امیر المومنین کو تین درہم میں قمیض فروخت کی ہے۔ تم امیر المومنین سے دو درہم لے لیتے تو اچھا تھا۔ وہ شخص ایک درہم لے کر آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ یہ ایک درہم واپس لے لیں۔ آپ نے اس سے اس درہم کے بارہ میں استفسار کیا تو اس نے کہا کہ "وہ قمیص دو درہم کی تھی۔" آپ نے فرمایا: "اس نے قمیض میری رضامندی سے فروخت کی اور میں نے رضامندی سے اسے خریدا یعنی باہمی رضامندی سے اس کی خرید و فروخت ہوئی ہے لہذا قیمت میں کمی بیشی کی اب کوئی گنجائش نہیں۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ص ۱۰۷)

3- تعزیر کے بارہ میں موقف:

تعزیر ایسے جرم کے ارتکاب پر جس کی حد شریعت نے مقرر نہ کی ہو' سزا دینے کو کہتے ہیں۔ سیدنا علیؓ جرم اور سزا میں تناسب و مطابقت کے قائل تھے یعنی اگر جرم بڑا ہوتا تو اس کی سزا بھی سخت ہوتی' اسی لیے آپ کا قول ہے کہ "جس شخص نے سیدنا داؤد علیہ السلام پر زنا کا الزام لگایا میں اسے دو حد کے برابر کوڑے لگاؤں گا۔"

(محلی ابن حزم جلد ۱۱ص ۴۰۹)

تعزیر کے طریقے متعین نہیں ہیں۔ عدالت یا قاضی گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لے گا کہ وہ کون سی تعزیری سزا ہے جو مجرم کو آئندہ جرم کرنے سے باز رکھنے کے لیے کافی ہو۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جرم کی سنگینی اور مجرم کی حالت میں تناسب کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ اس کے بعد قاضی یا عدالت اس کے لیے سزا تجویز کرے۔ سیدنا علیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے تعزیری سزاؤں کے لیے درج ذیل طریقے اختیار فرمائے۔

1- تہدید یعنی ڈرانا دھمکانا: سیدنا علیؓ بعض دفعہ مجرم کو صرف ڈرا دھمکا کر چھوڑ دیتے اور کوئی سزا نہ دیتے۔

2- کوڑے لگانا: آپ اکثر تعزیری سزائیں کوڑے لگا کر دیتے۔ آپ نے روزہ خور' اجنبی عورت کے ساتھ ایک ہی بستر پر پکڑے جانے والے شخص اور گواہی چھپانے والے گواہوں وغیرہ کو کوڑے لگا کر تعزیری سزائیں دیں۔

Marfat.com

3- سیدنا علیؓ کثرت سے قید کی سزائیں بھی دیتے تھے اور اگر کوئی اوباش شخص کسی قبیلے میں ہوتا تو اسے تعزیری سزا کے طور پر قید کر دیتے۔

(کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۷۹)

4- آپ کبھی ایسا بھی کرتے کہ بدکار اور فاسق و اوباش شخص کو قید خانہ میں پابند سلاسل کر دیتے جسے اس زمانہ میں اقفال کہا جاتا تھا۔ پھر اس کے لیے ایک شخص مقرر ہوتا جو نماز کے اوقات میں ان بیڑیوں کو ایک طرف سے کھول دیتا۔

5- کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ مجرم کو گندگی میں غوطے دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ایک عورت کی چارپائی کے نیچے سے پکڑا گیا۔ جب اسے سیدنا علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے حکم فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور الٹا کر کے گندی جگہ میں غوطہ دو کیونکہ یہ اس سے بھی زیادہ بری جگہ میں تھا۔ (محلی جلد ۱۱ ص ۴۰۴)

6- سیدنا علیؓ کے نزدیک بعض مرتبہ جرم کی سنگینی اور اس کی وسعت اس نوعیت کی ہوتی کہ اس کی سزا میں مجرم کی گردن اڑا دی جاتی، جیسے جھوٹی احادیث کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے کا جرم کیونکہ اس عمل سے نہ صرف اسلام کا روشن چہرہ داغدار ہو جاتا ہے بلکہ اہل اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام سے انحراف کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس لیے آپ فرمایا کرتے تھے: "جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ پر جھوٹ گھڑے گا یعنی آپ سے جھوٹی حدیث روایت کرے گا، اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

(المصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۳۰۸)

ذیل میں سیدنا علیؓ کی طرف سے دی گئی چند تعزیری سزائیں ذکر کی جاتی ہیں:

1- ایک مرد ایک اجنبی عورت کے بستر پر کسی پردہ وغیرہ کی رکاوٹ کے بغیر پہنچ گیا۔ اس جرم کی سزا سیدنا علیؓ نے یہ دی کہ دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگائے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۴۰۱، کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۶۰۱ محلی جلد ۱۱ ص ۴۰۳)

2- ایک شخص پکڑ کر آپ کی خدمت میں لایا گیا جس نے کسی گھر میں نقب زنی کی تھی لیکن چوری کا مال باہر نہیں نکالا تھا۔ آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا اور تعزیراً چند کوڑے لگا کر چھوڑ دیا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۱۹۹، کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۹۱۱)

3- ربیعہ بن زکار کہتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علیؓ نے ایک گاؤں کی طرف نظر دوڑا کر پوچھا کہ یہ کیسا گاؤں ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ زرارہ نامی گاؤں ہے۔ یہاں کپڑا بنا جاتا ہے اور شراب فروخت ہوتی ہے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر آگ منگوائی اور گاؤں کو آگ لگا دینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "خبیث شے کا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھا جاتا ہے۔ اور سارا گاؤں جل گیا۔"
(کتاب الاموال ص ۹۶، کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۷۴۴)

4- فسق و فجور کی اشاعت اور لوگوں میں فسق و فجور کی باتوں کی تشہیر کو بھی آپ ایک قابل تعزیر جرم سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا: "جس شخص نے زنا کی کسی واردات کو لوگوں میں بیان کیا یا اس کی تشہیر کی تو باوجود سچا ہونے کے اسے سزا ملے گی۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۷ ص ۳۴۱)

5- کسی قبیلے یا قوم میں اگر کوئی اوباش یا بدکردار قسم کا شخص ہوتا تو آپ اسے پس دیوار زندان کر دیتے۔ اگر اس کا مال ہوتا تو وہ اس پر خرچ ہوتا ورنہ بیت المال سے اس کے اخراجات ادا کیے جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "مسلمانوں سے ایک برائی کو مقید کر دیا گیا ہے۔ اب اس پر مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔" (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۷۹)

4- خراج کے بارہ میں نظریہ:

بزور شمشیر فتح ہونے والی اراضی پر امیر المومنین کی طرف سے لگائے گئے ٹیکس کو خراج کہتے ہیں۔ بزور شمشیر فتح ہونے والی اراضی وہ ہیں جنہیں امیر المومنین فاتحین میں تقسیم نہ کرے بلکہ مالکوں کے قبضہ میں رہنے دے اور اس پر ٹیکس (خراج) عائد کر دے۔ اس لیے خراج وہ ٹیکس ہے جو عین اراضی پر لگایا جاتا ہے اس حیثیت سے کہ ان اراضی پر

عمومی ملکیت ہوتی ہے چاہے یہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوں یا غیر مسلموں کے۔ اس لیے سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ دونوں کا طریق کار یہ تھا کہ اگر اہل سواد میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جاتا اور اپنی زمین میں رہنا چاہتا تو اسے خراج کی ادائیگی کے بدلے وہاں رہنے دیتے۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۹ ص ۱۴۱' کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۱۶۸)

معروف تو یہی ہے کہ خراج زمین کا ٹیکس ہے اور عشر زمین کی پیداوار کا ٹیکس یعنی زکوٰۃ ہے۔ ذمی عشر ادا کرنے کے مکلف نہیں ہیں اس لیے کہ عشر اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے۔ اگر خراجی زمین میں مقیم مسلمان پر خراج کے ساتھ ساتھ عشر کی ادائیگی بھی لازم کر دی جائے تو اس پر ذمی کے مقابلے میں زیادہ بوجھ پڑ جائے گا حالانکہ مالیت کے لحاظ سے دونوں کی زمینیں مساوی ہوتی ہیں۔ اس لیے سیدنا علیؓ کی رائے یہ تھی کہ مسلمان پر عشر اور خراج دونوں کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔ بلکہ اس سے صرف خراج وصول کیا جائے اور عشر کی معافی دے دی جائے۔ سیدنا علیؓ کا قول ہے: "ایک زمین پر عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے۔ جب وہ زمین کا خراج ادا کر دے تو باقی ماندہ پر کوئی چیز عائد نہیں ہوگی چاہے وہ سو وسق کیوں نہ ہو۔ (الروض النضیر جلد ۲ ص ۶۳۵) امام یحییٰ بن آدمؒ نے سیدنا علیؓ کے طریق کار کو یوں بیان کیا ہے کہ "سیدنا علیؓ خراجی زمین سے خراج کے سوا اور کچھ وصول نہیں کرتے تھے۔" (کتاب الخراج ص ۱۲۸)

اور سیدنا علیؓ کے نزدیک خراج کی مقدار کیا تھی؟ اس بارہ میں روایات میں ہے کہ آپ گندم کی گھنی فصل والی خراجی زمین سے فی جریب ۱/۳ .۱ درہم اور ایک صاع گندم' متوسط فصل والی زمین سے فی جریب ۲ درہم اور ہلکی فصل والی زمین سے فی جریب ایک درہم۔ اسی طرح اگر گنا یا انگور کی کاشت ہوتی تو فی جریب دس درہم خراج وصول کرتے۔ (الروض النضیر جلد ۲ ص ۶۳۱) مصعب بن یزیدؓ انصاری سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: "امیرالمومنین سیدنا علیؓ نے مجھے مدائن کے چار دیہات بھقبات ذات' نہر شیر' نہر ملک اور نہر جوبر کی طرف خراج کی وصولی کے لیے بھیجا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ گھنی فصل والی زمین سے فی جریب ڈیڑھ درہم' متوسط سے ایک درہم اور ہلکی سے ۲/۳ درہم خراج وصول کروں۔ آپ نے مجھے یہ بھی حکم دیا کہ کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں کی صورت میں فی جریب دس درہم وصول کروں اور ایسے باغات سے جن میں کھجور کے درخت اور عام

Marfat.com

درخت ہوں، فی جریب دس درہم وصول کروں اور کھجور کے ایسے درخت جو دیہات سے دور الگ تھلگ ہوں، انہیں راہ گیروں کے لیے چھوڑتے ہوئے کوئی وصولی نہ کروں۔ نیز کھیرے، ککڑی اور خرنوب (ایک درخت کا نام) پر بھی کچھ وصول نہ کروں اور ان کے مالکوں کے لیے چھوڑ دوں۔ (الروض النفیر جلد۲ ص ۶۳۱)

سیدنا علیؓ خراج کی وصولی میں نرمی برتنے کا حکم فرماتے ہیں کیونکہ موسم کی ناسازگاری کی وجہ سے بعض دفعہ فصل اچھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص راوی ہے کہ مجھے آپ نے عکبرا کے علاقہ میں خراج کی وصولی کے لیے مقرر فرمایا اور اس علاقے کے لوگوں کے سامنے مجھے ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ میں ان سے خراج کی پوری رقم وصول کروں۔ اور اس سلسلہ میں نہ کوئی چھوٹ دوں اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی کمزوری دکھاؤں۔ پھر مجھے ظہر کے وقت آنے کے لیے فرمایا، جب میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا: ''میں نے تم سے ان لوگوں کے سامنے جو باتیں کہی ہیں وہ کہنے کی نہ تھیں کیونکہ یہ لوگ بہت دھوکے باز اور فریبی ہیں، لیکن اب تمہیں ان کے ساتھ طرز عمل کے بارہ میں حکم دیتا ہوں کہ ان سے ہرگز وہ غلہ نہ لینا جسے وہ بطور خوراک استعمال کرتے ہیں اور ایک درہم کی وصولی کے لیے کسی کو ایک کوڑا بھی نہ لگانا اور نہ ہی برا بھلا کہنا کیونکہ ہمیں ایسا کرنے کا حکم نہیں ملا۔ ان سے وہ جانور ہرگز نہ لینا جن پر یہ کام کرتے ہیں۔ ہمیں تو حکم ملا ہے کہ ہم ان کے زائد مال سے وصول کریں۔ اگر تم اس حکم کے مطابق عمل کرو گے تو ٹھیک ہے ورنہ خدا کے یہاں میری بجائے تم پکڑے جاؤ گے۔ اگر مجھے تمہاری طرف سے میرے حکم کی خلاف ورزی کی کوئی اطلاع ملی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔'' میں نے عرض کیا: ''پھر تو میں جس طرح خالی ہاتھ جاؤں گا اسی طرح آپ کے پاس خالی ہاتھ واپس آجاؤں گا۔'' فرمایا: ''چاہے ایسا ہی کیوں نہ ہو۔'' (کتاب الاموال لابی عبید ص ۴۴، کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۶، تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۱۹۸، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۱ ص ۸۲)۔

5- جزیہ کے بارہ میں موقف:

اسلامی حکومت میں رہائش پذیر کافروں پر عائد کردہ ٹیکس جزیہ کہلاتا ہے۔ یہ

Marfat.com

ٹیکس اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس سے لیا جائے گا۔ بشرطیکہ ان کے ساتھ عقد ذمہ ہو چکا ہو۔ یہود و نصاریٰ کے اہل کتاب ہونے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں رہے مجوس تو وہ بھی اہل کتاب ہیں لیکن کتاب چھوڑ چکے ہیں۔ اس لیے جہاں تک ذمی ہونے کا تعلق ہے ان کے ساتھ بھی یہود و نصاریٰ جیسا سلوک کیا جائے گا۔ سیدنا علیؓ ان کو اہل کتاب میں سے شمار کرتے ہیں۔ (المغنی جلد ۸ ص ۴۹۷)

ذمی کے غلام پر بھی جزیہ عائد ہوگا اور اس کی ادائیگی اس کا آقا کرے گا۔ (المغنی جلد ۸ ص ۵۱۰) فقیر سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان سے ان کی استطاعت کے مطابق وصولی کریں۔" (مسند زید جلد ۲ ص ۶۳۱)

سیدنا علیؓ کی رائے تھی کہ کسی شخص پر اتنا جزیہ نہ لگایا جائے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۱۴۳۴۶' المغنی جلد ۸ ص ۵۳۷' سنن کبریٰ بیہقی جلد ۹ ص ۲۰۵' کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۷۴)۔

سیدنا علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں جزیہ کی وہی رقم برقرار رکھی جو پہلے سے چلی آ رہی تھی۔ خوش حال ذمیوں پر ۴۸ درہم' متوسط پر ۲۴ درہم اور تنگ دستوں پر ۱۲ درہم سالانہ۔ (مسند زید جلد ۲ ص ۶۳۱)

جزیہ کی وصولی میں خراج کی طرح سختی نہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا اس لیے کہ اگر اسلامی حکومت کو ایک درہم یا ایک دینار کا خسارہ ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کے دل اسلامی حکومت کی محبت میں دھڑکنا چھوڑ دیں اور اسلام کے انصاف کی گواہی نہ دیں۔ آپ زکوۃ کی ادائیگی سے بڑھ کر جزیہ کی ادائیگی میں سہولت دیتے تھے۔ آپ ہر قوم سے جو اس کے پاس ہوتا بطور جزیہ قبول کر لیتے تھے اور ان پر درہم و دینار کی ادائیگی ضروری قرار نہ دیتے تھے۔ آپ اہل حرفہ سے انکی بنی ہوئی اشیا لے لیتے۔ گندم والے سے گندم' مال والے سے مال اور رسیوں والوں سے رسیاں لے لیتے۔ پھر چودھریوں کو بلا کر انہیں سونا چاندی دیتے جو وہ لوگ آپس میں تقسیم کر لیتے۔ پھر آپ ان سے فرماتے: "یہ چیزیں بھی لے کر آپس میں تقسیم کر لو۔" وہ کہتے کہ ہمیں ان اشیاء کی ضرورت نہیں ہے۔" فرماتے: "تم نے بہترین مال (سونا چاندی) خود لے لیا اور بدترین

Marfat.com

چیزیں میرے ذمہ چھوڑ دیں۔ تمہیں یہ سامان اٹھانا ہوگا۔"
(کتاب الاموال لابی عبید ص ۴۴' المغنی جلد ۸ ص ۵۰۴)

ذمی کی موت سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمان ہونے کی وجہ سے بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ سیدنا علیؑ نے فرمایا: "جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور اس کی زمین ہو تو اس سے جزیہ معاف ہو جائے گا اور خراج لیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۴۱۱' کنزالعمال حدیث نمبر ۱۴۸۵) سیدنا علیؑ کے عہد خلافت میں ایک چوہدری مسلمان ہوگیا تو آپ نے اس سے فرمایا: "اگر تو اپنی زمین پر سکونت پذیر رہے گا تو ہم تجھ سے جزیہ ہٹا لیں گے اور اسے خراج کی صورت میں تیری زمین سے لیں گے۔ اور اگر تو وہاں سے کہیں اور چلا جائے گا تو پھر تیری زمین کے ہم زیادہ حقدار ہوں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۴۱۱' مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۳۷۱' کتاب الاموال ص ۴۸) اسی طرح فقر اور ناداری کی وجہ سے بھی جزیہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ سیدنا علیؑ کے نزدیک اس کے وجود کے لیے مالداری شرط ہے۔ (المغنی جلد ۵ ص ۶۶۱)

6- رضاعت:

کسی غیر کے بچے کو اپنے بچے کے ساتھ دودھ پلانے کو رضاعت کہتے ہیں۔
رضاعت کے احکام اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہیں۔

(1) سیدنا علیؑ نے رضاعت پر مرتب ہونے والے احکام کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ رضاعت بچے کے خطام یعنی دودھ چھڑوانے سے قبل ہو۔ آپ کا قول ہے کہ: "دودھ چھوڑنے کے بعد کوئی رضاعت نہیں۔" (مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۴۱۶' جلد ۷ ص ۴۶۴' کنزالعمال ۱۵۷۰۰) آپ نے اس کے لیے زیادہ سے زیادہ عمر کی حد مقرر کی ہے یعنی جس بچے نے اپنی عمر کے پہلے دو سالوں میں دودھ پیا اس کے لیے رضاعت کے احکام ثابت ہوں گے۔ آپ کا قول ہے: "رضاعت کے دو سال ہیں' اس لیے جس نے دو سالوں کے درمیان دودھ پیا اس کے لیے حرمت کے احکام ثابت ہوں گے۔ اگر دودھ پلانا دو سالوں کے بعد ہوگا تو اس کے لیے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔" (کنزالعمال

Marfat.com

حدیث نمبر ۱۵۶۹۶، مغنی جلد ۷ ص ۵۴۲، تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۸۳)

(2) دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ بچے کے پیٹ میں داخل ہو۔ اس میں دودھ چوسنے کی تعداد کی کوئی قید نہیں۔ اگر بچے نے ایک دفعہ دودھ چوسا اور دودھ اس کے معدے میں پہنچ گیا تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: "رضاعت چاہے قلیل ہو یا کثیر اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۲۲۲، سنن کبریٰ بیہقی، جلد ۷ ص ۴۵۷، محلی لابن حزم جلد ۱۰ ص ۱۲، المغنی جلد ۷ ص ۵۳۶، کنز العمال ۱۵۶۹۶) حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں سیدنا علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ تین دفعہ سے کم چوسنے میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۶۹)

سیدنا علیؓ اثبات رضاعت کے لیے گواہوں کی اسی تعداد کی شرط لگاتے ہیں جو کسی کے خلاف گواہی دینے کے لیے مقرر ہے۔ اس لیے آپ ایک عورت کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے اور اس گواہی کی بنا پر زوجین میں تفریق کا حکم صادر نہیں فرماتے تھے۔ (محلی جلد ۹ ص ۴۰۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "یحرم فی الرضاع مایحرم من النسب" یعنی رضاعت کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔ رضاعت پر مرتب ہونے والے احکام کی یہ بہترین تعبیر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حرمت نظر، لمس اور نکاح سب کو شامل ہے جیسا کہ یہ ان رشتہ داروں کی بھی نشان دہی کرتا ہے جو حرمت رضاعت میں داخل ہیں۔ تاہم سیدنا علیؓ کا قول ہے: "اس عورت سے نکاح نہ کرو جسے تمہارے بھائی کی بیوی یا تمہارے باپ کی بیوی، یا تمہارے بیٹے کی بیوی نے دودھ پلایا ہو۔" (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۲۲) اگر کسی نے ان مذکورہ بالا عورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ لاعلمی کی وجہ سے نکاح کر لیا تو علم ہوتے ہی نکاح فسخ ہو جائے گا۔ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور مہر کی رقم بھی ادا کر دی۔ ابھی اس نے ہم بستری نہیں کی تھی کہ اسے پتہ چل گیا کہ یہ عورت اس کی رضاعی بہن ہے۔ سیدنا علیؓ نے فتویٰ دیا کہ عورت مہر کی رقم واپس کر دے اور دونوں میں جدائی ہو جائے۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۱۴۵۰۴)

Marfat.com

آپ کا قول ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے رضاعی ماں اور رضاعی بہن کو حرام کر دیا ہے یعنی ان سے نکاح حرام ہے۔ (مسند زید جلد ۴ ص ۳۳۴)

7- مزارعت:

مزارعت کا مطلب ہے کہ زمین دیکھ بھال یا کاشت کی غرض سے کسی کے حوالے کر دی جائے اور پیداوار میں دونوں شریک ہوں۔

سیدنا علیؓ مزارعت کے جواز کے قائل تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے نصف پیداوار پر بٹائی کا معاملہ طے کیا تھا۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ پھر سیدنا عمرؓ اور پھر سیدنا عثمانؓ نے بھی یہی طریقہ اپنایا۔ چنانچہ ان تینوں خلفاء کے بعد سیدنا علیؓ بھی اسی طریق پر گامزن رہے۔ (المغنی جلد ۵ ص ۳۸۴' محلی لابن حزم جلد ۸ ص ۲۱۴) سیدنا علیؓ بٹائی پر زمین کی کاشت کا معاملہ طے کیا کرتے تھے۔ (المغنی جلد ۵ ص ۳۸۲) ایک شخص نے آپ کے پاس آ کر ایک دوسرے شخص کی چغلی کھائی کہ اس نے زمین لے رکھی ہے اور وہاں فلاں فلاں کام کر رہا ہے۔ متعلقہ شخص نے آ کر عرض کیا: "میں نے یہ زمین آدھی پیداوار کی بنیاد پر لی ہے۔ میں اس کی نہریں کھودتا ہوں' اسے درست کر کے آباد کرتا ہوں۔" سیدنا علیؓ نے فرمایا: "جاؤ' کوئی حرج کی بات نہیں۔" (محلی ابن حزم جلد ۸ ص ۲۱۵' مصنف عبدلرزاق جلد ۸ ص ۹۹)

8- مضاربت:

مضاربت ایسے کاروبار کو کہتے ہیں جس میں سرمایہ ایک فریق کا ہو اور کام دوسرا فریق کرے اور منافع میں دونوں شریک ہوں۔ مضاربت اس وقت تک درست اور صحیح نہیں ہو سکتی جب تک کہ منافع میں کام کرنے والے کا حصہ تہائی یا چوتھائی وغیرہ متعین نہ کر دیا جائے۔ پھر اگر منافع ہوگا تو طرفین اسے اسی نسبت سے تقسیم کر لیں گے جو انہوں نے مقرر کی ہے اور اگر نقصان ہوگا تو یہ سارا نقصان راس المال یعنی سرمایہ لگانے والے کے حساب سے جائے گا اور کام کرنے والے کو اس کا کوئی حصہ برداشت کرنا نہیں پڑے گا۔ تاہم اس کی جدوجہد اور دوڑ دھوپ ضائع ہو جائے گی کیونکہ اب اسے کوئی رقم وصول نہ ہوگی۔ سیدنا علیؓ فرماتے تھے: "نقصان مال یعنی سرمایہ پر ڈالا جائے گا اور منافع اسی نسبت

Marfat.com

سے تقسیم ہوگا جو انہوں نے مقرر کی ہوگی۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۲۴۸، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا ص ۱۷۱، محلی ابن حزم جلد ۸ ص ۱۲۶، کشف الغمہ شعرانی جلد ۲ ص ۲۲)

مال مضاربت مضارب یعنی کام کرنے والے کے ہاتھوں میں امانت ہے اس لیے اس کے ضیاع کی صورت میں مضارب پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوگا۔ (مسند زید جلد ۳ ص ۶۴۳) اگر کام کرنے والا حد سے تجاوز کر کے ایسا اقدام اٹھا لے جو اسے اٹھانا نہیں چاہیے تھا یا ایسی چیز خرید لے جس کی خریداری سے اسے روکا گیا ہو تو ایسی صورت میں بھی وہ تاوان نہیں دے گا کیونکہ اس نے یہ سب کچھ منافع کی حصول کی امید پر کیا تھا جس کا ایک حصہ اسے بھی مل جاتا۔ اس لیے اس کا یہ تجاوز نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ (المغنی جلد ۵ ص ۲۳، ص ۴۸) سیدنا علیؓ کا فرمان ہے: "جو شخص منافع میں شریک یعنی حصہ دار ہو اس پر کوئی تاوان نہیں۔" (مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۲۵۳) المغنی جلد ۵ ص ۴۸)

9- چوری کے بارہ میں سیدنا علیؓ کا موقف:

چوری کہتے ہیں کہ کسی مکلف کا خفیہ طور پر محفوظ جگہ سے نصاب کے برابر ایسا مال لے لینا جس پر کوئی حق نہ ہو۔ اس تعریف سے پتہ چلا کہ مال مسروقہ کی قیمت نصاب کے مطابق ہو، اس لیے معمولی چیزوں کو اٹھانے جنہیں عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ سیدنا علیؓ نے لوہے کا خود چرانے پر جس کی قیمت اس وقت ربع دینار تھی، چور کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے سیدنا علیؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے لوہے کا خود چرانے پر جس کی قیمت ربع دینار تھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۲۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۱۴۴، کنزالعمال حدیث نمبر ۱۳۹۱۸، تفسیر قرطبی جلد ۶ ص ۱۶۰، المغنی لابن قدامہ جلد ۸ ص ۲۴۲) سیدنا علیؓ کے فعل کی روایت ہے لیکن آپ سے قولی روایت یہ ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم پر قطع ید نہیں (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۲۳۳، کنزالعمال ۱۳۹۱۸، کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰۱) اور قولی روایت پر عمل فعلی روایت پر عمل سے اولیٰ ہے۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مال مسروق میں چور کا کسی قسم کا کوئی حق نہ ہو۔ اس مال میں اگر چور کا کسی قسم کا کوئی حق ہوگا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مثلاً

Marfat.com

کسی شخص نے بیت المال سے کوئی شے چرا لی۔ سیدنا علیؓ فرماتے تھے کہ بیت المال سے کسی شے کے چرانے سے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس شے اور مال میں اس کا بھی حصہ ہے۔ (کنز العمال ۱۳۹۲۱' المغنی جلد ۸ ص ۲۷۷)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ کھلی جگہ میں مال غنیمت میں آئے ہوئے ہتھیار لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے لوہے کی خود اٹھالی اور اس پر کپڑا ڈال کر کھسکنے لگا۔ ایک شخص نے اسے دیکھ لیا اور پکڑ کر سیدنا علیؓ کے پاس لے آیا۔ لیکن آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا اور فرمایا کہ اس شخص کا بھی تو اس مال میں حصہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۱۳۰' مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۲۱۲' کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۹۱۹' محلی لابن حزم جلد ۱۱ ص ۳۲۷)

پھر یہ بھی کہ چوری محفوظ مقام سے کی گئی ہو۔ اگر مال مسروقہ محفوظ مقام میں نہیں ہوگا تو اسے چرانے پر قطع ید نہیں۔ اسی بنا پر سیدنا علیؓ پرندوں کی چوری پر قطع ید نہیں کرتے تھے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰۷) اور اسی طرح درختوں پر لگے ہوئے پھلوں اور کچی کھجوروں کی چوری پر جب تک انہیں توڑ کر محفوظ نہ کر لیا جائے' ہاتھ نہیں کاٹتے تھے۔ (مسند زید جلد ۴ ص ۵۱۶)

اگر چور نے محفوظ جگہ سے چوری کی تو جب تک مال مسروقہ کو اس جگہ سے نکال کر باہر نہیں لے جائے گا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ آپ کا قول ہے: ''چور کا ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹا جائے گا جب تک وہ مسروقہ مال گھر سے باہر نکال نہ لے جائے۔'' (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ ص ۱۹۸' کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۹۱۰' کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰۴' محلی ابن حزم جلد ۱۱ ص ۳۲۰)

چوری دو طرح سے ثابت ہوتی ہے۔ ایک تو چور کے اعتراف سے اور دوسرے گواہی اور شہادت۔ اگر گواہ حد جاری کرنے کے موقع سے غائب ہو جائے تو سیدنا علیؓ اسے رجوع عن الشہادۃ شمار کرتے تھے۔ اس لیے آپ چور کا ہاتھ اس وقت تک نہ کاٹتے تھے جب تک گواہ حاضر نہ ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک چور آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے قید خانہ میں ڈال دیا۔ جب صبح ہوئی اور اسے اور اس کے خلاف گواہی دینے والوں کو بلایا تو پتہ چلا کہ ایک گواہ موقع سے غائب ہے۔ آپ نے چور کو چھوڑ دیا اور اس کا

Marfat.com

ہاتھ نہیں کاٹا۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۹۰۸)

اگر حد جاری ہونے کے بعد گواہ گواہی سے رجوع کر لیں یا یوں کہیں کہ گواہی میں ہم سے غلطی ہوگئی ہے تو وہ اس ہاتھ کی دیت ادا کریں گے جو ان کی گواہی کی وجہ سے کاٹ دیا گیا تھا۔ دو شخص سیدنا علیؓ کے پاس آئے اور ایک شخص کے خلاف چوری کی گواہی دی۔ چنانچہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر یہ دونوں آدمی ایک دوسرے شخص کو پکڑ کر لے آئے اور کہا کہ اصل میں چوری اس نے کی ہے' پہلے کے بارہ میں ہم سے غلطی ہوگئی۔ آپ نے اس دوسرے کے خلاف ان دونوں کی گواہی تسلیم نہیں کی اور پہلے شخص کے ہاتھ کی دیت بھی ان سے وصول کر لی اور فرمایا: ''اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم دونوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو میں تم دونوں کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

(بخاری باب اذا اصاب قوم من رجل' کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۹۳۰)

10- قضا کے بارہ میں نظریہ:

قضا سے مراد لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنا ہے۔ قضا کا منصب ایک پر خطر منصب ہے کیونکہ اس میں ہر وقت لغزش کا احتمال بہت زیادہ ہے۔ سیدنا علیؓ کے نزدیک قاضیوں کی تین قسمیں ہیں۔ دو قسمیں جہنم میں جائیں گی اور ایک قسم جنت میں جائے گی۔ جہنم میں جانے والے دو قسم کے قاضیوں میں سے ایک وہ ہے جس نے قصداً حق کے متعلق زیادتی کی ہوگی اور دوسرا وہ ہوگا جس نے اپنی رائے سے کام لیا ہوگا اور غلطی کر بیٹھا ہوگا۔ جنت میں جانے والا قاضی وہ ہوگا جس نے حق کے متعلق اپنی رائے پر پوری طرح سوچ بچار کر کے درست فیصلہ کیا ہوگا۔ اس روایت کے راوی ابو العالیہ سے قتادہ نے پوچھا: ''اس قاضی کو کیا ہوگیا جس نے حق کے متعلق اپنی رائے پر غور و فکر کیا اور پھر بھی غلطی کر گیا؟'' ابو العالیہ نے کہا: ''اگر وہ چاہتا تو فیصلے کرنے کے لیے نہ بیٹھتا جب کہ اسے فیصلہ کرنا آتا ہی نہ تھا۔''

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۷)

چونکہ قضا کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لیے سیدنا علیؓ کی رائے یہ تھی کہ امام المسلمین ہی قاضیوں کا تقرر کرے گا۔ اس کے امراء یعنی گورنر اور عمال یہ کام نہیں کریں

Marfat.com

گے۔

قضا کا عہدہ ولایت عامہ کا عہدہ ہے' اس لیے قاضی کے لیے عقل' بلوغ اور اسلام کی وہی شرطیں ہیں جو مسلمانوں کی ولایت عامہ پر فائز ہونے والے شخص کے لیے ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں کہ ان پر نہ صرف سیدنا علیؓ متفق ہیں بلکہ پوری امت کا اجماع ہے۔ چنانچہ قاضی کے لیے پہلی بات یہ ہے کہ لوگوں کے مال و دولت سے اس کا دامن پاک ہو۔ وہ بردبار ہو کہ کوئی کلمہ یا حملہ اسے بھڑکا نہ سکے اور کسی کی غلط حرکت سے وہ غصے میں نہ آئے۔ اسے احکام شریعت اور ناسخ و منسوخ پر پورا پورا عبور ہو۔ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ ایک قاضی سے فرمایا: "کیا تمہیں شرعی احکام کے ناسخ و منسوخ کا علم ہے؟" اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا: "تو خود ہلاک ہوا اور دوسروں کو ہلاک کیا۔"

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ص ۱۱۷)

قاضی کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اسے اپنے سے پہلے قاضیوں کے فیصلوں کا علم ہو تا کہ وہ اپنے فیصلوں میں ان کے دائرے سے باہر نہ جائے تا کہ فیصلوں میں تضاد و انتشار پیدا نہ ہو۔ اس میں اتنا تواضع ہو کہ اہل علم و دانش سے مشورہ لینے میں کوئی عار محسوس نہ کرے' اس لیے کہ اس قسم کے مشوروں سے وہ فیصلوں میں غلطی کرنے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ وہ حق گوئی اور حق پرستی میں اس قدر جری اور بے باک ہو کہ اسے بادشاہ وقت کی ناراضگی کی بھی پروا نہ ہو۔ ان تمام خصوصیات کو سیدنا علیؓ نے اپنے قول میں جمع فرما دیا ہے: "ایک قاضی کو اس وقت تک قاضی نہیں بننا چاہیے جب تک اس کے اندر پانچ صفات نہ ہوں۔ وہ پاک دامن ہو' بردبار ہو' اسے اپنے پیش رو قاضیوں کے فیصلوں کا بخوبی علم ہو۔ وہ اہل علم و دانش سے مشورے بھی لیتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سلسلے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتا ہو اور نہ گھبراتا ہو۔"

(مغنی جلد ۹ص ۴۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کی نیت یہ تھی کہ قضاء کے طریق کار اور عدالتی نظام میں ایسی ترامیم کی جائیں جو معاشرے میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے مناسب حال ہوں' لیکن آپ نے اس کام کو حالات درست ہونے تک موخر رکھا۔ آپ سے یہ منقول ہے کہ آپ نے قاضیوں کو حکم دیا تھا کہ پرانے طریق کار کے مطابق فیصلے کریں

Marfat.com

تا کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں اختلاف پیدا نہ ہو جائے۔
(مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ ص ۳۲۹)

ملکی اور سیاسی حالات پر سکون ہونے کی چاہت میں سیدنا علیؓ کی رائے یہ تھی کہ کسی قاضی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے قاضی کے فیصلے کے خلاف فیصلہ دے۔ سیدنا علیؓ نے خود اپنے ہاتھوں سے اہل نجران اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان معاہدہ لکھا تھا۔ سیدنا عمرؓ کے زمانے میں اہل نجران کی تعداد بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ آپ کو خوف ہوا کہ کہیں ان کے ہاتھوں سے لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔ ادھر ان کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے۔ یہ لوگ سیدنا عمرؓ کے پاس آ کر معاہدہ کی تبدیلی کا مطالبہ کرنے لگے۔ سیدنا عمرؓ نے ان کی خواہش کے مطابق تبدیلی کر دی۔ پھر یہ لوگ اس پر نادم ہوئے۔ سیدنا عمرؓ نے ان پر کچھ عائد کیا۔ انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اسے ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ سیدنا عمرؓ نے ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ جب سیدنا علیؓ خلیفہ ہوئے تو یہ لوگ آپ کے پاس آ کر کہنے لگے: "امیر المومنین! آپ نے اپنی زبان سے سفارش کی تھی اور اپنے دائیں ہاتھ سے معاہدہ لکھا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ معاہدہ کی پہلی دستاویز کو بحال فرما دیجئے۔ سیدنا علیؓ نے جواباً فرمایا: "کم بختو! سیدنا عمرؓ معاملات کے بارے میں بڑے ہی راست رو تھے۔ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۲۱۰) اور میں ان کے کیے ہوئے فیصلے کو ہرگز رد نہیں کروں گا۔" (المغنی جلد ۹ ص ۵۷)

اسلامی اسٹیٹ کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل قائم کرے اور حق دار کو اپنا حق حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ مقدمہ کے فریقین حصول انصاف کے لیے جس کے ذریعے ان کے درمیان جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے' نہ تو قاضی کو کوئی رقم ادا کرتے اور نہ ہی حکومت کو بلکہ قاضی اور محکمہ قضاء کے تمام اخراجات کی حکومت خود کفالت کرتی۔ سیدنا علیؓ قاضی شریحؒ کو قضا کے کام کی انجام دہی پر بیت المال سے باقاعدہ مشاہرہ دیا کرتے تھے۔ آپ نے جب کوفہ میں انہیں قضاء کا کام سپرد کیا تو ان کا مشاہرہ پانچ سو درہم ماہانہ مقرر فرمایا۔

اپنے فیصلوں میں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے قاضی کو مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے:

Marfat.com

1- وہ پیش ہونے والے مقدمہ کا تفصیلی مطالعہ کرے پھر کوئی حکم صادر کرے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے ایک مرتبہ قاضی شریح ؒ سے فرمایا تھا: "تمہاری زبان اس وقت تک تمہارے ماتحت اور غلام ہے جب تک تم اسے حرکت میں نہ لاؤ۔ جب تم نے اپنی زبان استعمال کرلی تو پھر تم اس کے غلام بن گئے۔ اس لیے خیال رکھو کہ کیا فیصلہ کر رہے ہو اور کس شے کے متعلق فیصلہ کر رہے ہو اور کیسے فیصلہ کر رہے ہو۔" (کنزالعمال نمبر ۱۴۴۳۳)

2- جب کوئی قاضی فیصلہ کرے اور اس سے فیصلہ کرنے میں غلطی ہو جائے' پھر اسے اس کا علم ہو جائے تو وہ اپنا فیصلہ واپس لے لے۔

(مسند زید جلد ۴ ص ۱۲۳)

3- قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقدمات کے فریقوں کے ساتھ برابر کا سلوک کرے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کے پاس ایک شخص مہمان بن کر مقیم ہوا اور کئی روز تک ٹھہرا رہا۔ وہ کسی مقدمہ میں فریق مقدمہ تھا۔ سیدنا علیؓ نے اس سے پوچھا کہ آیا وہ کسی مقدمہ میں فریق ہے؟ اس نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے اسے اپنے ہاں سے چلے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا: "ہمیں اس سے روکا گیا ہے کہ ہم کسی مقدمہ کے ایک فریق کو مہمان بنالیں اور دوسرے فریق کو نظرانداز کر دیں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۰۰' سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۳۷' کنزالعمال حدیث نمبر ۱۴۴۲۹' المغنی جلد ۹ ص ۸۲)

4- مقدمات کے فریقوں کے ساتھ چیخ چیخ کر بولنے کے سیدنا علیؓ سخت مخالف تھے کیونکہ اس سے ہر فریق مقدمہ کو دلائل دیتے وقت اس کی زبان لڑکھڑائے گی۔ چنانچہ سیدنا علی نے ابوالاسود کو قضا کا عہدہ دے کر پھر انہیں معزول فرما دیا۔ انہوں نے معزولی کا سبب پوچھا تو فرمایا: "دراصل میں نے دیکھا ہے کہ تمہاری گفتگو مقدمہ کے فریقین سے اونچی ہو جاتی ہے۔"

(المغنی جلد ۹ ص ۱۰۴)

5- سیدنا علیؓ کے نزدیک قاضی کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اہل علم و دانش سے مشورہ کرتا رہے تاکہ کوئی حق حق دار کو ملنے سے رہ نہ جائے۔ سیدنا علیؓ اس مجلس

Marfat.com

شوریٰ کے ایک رکن تھے جو آپ سے پہلے خلفاء کے زمانے میں بنی ہوئی تھی اور جب کبھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو خلیفہ وقت اس مجلس سے مشورہ کرتا۔ چنانچہ سیدنا عثمانؓ کے پاس جب کسی مقدمے کے سلسلہ میں روفریق آتے تو آپ ایک سے فرماتے کہ جاؤ علیؓ کو بلا لاؤ اور دوسرے سے فرماتے کہ جاؤ طلحہؓ، زبیرؓ اور چند دوسرے صحابہ کرامؓ کو لے آؤ۔ جب سارے آجاتے تو پھر آپ فریقین کو بیان دینے کا حکم دیتے اور پھر بلائے ہوئے حضرات سے رائے معلوم کرتے۔ اگر ان کی رائے وہی ہوتی جو آپ کی ہوتی تو فیصلہ صادر فرما دیتے اور ان اصحاب سے مفید مشورہ نہ کرتے۔"

(شرح ادب القاضی' خصاف جلد ا ص ۳۰۵)

تصوف:

تصوف کیا ہے؟ عام کیا خاص لوگوں کے نزدیک بھی تصوف کے معنی دور از کار ضال اور مضل ہیں، لیکن چودھویں صدی کے مجدد مولانا اشرف علی تھانویؒ جنہوں نے تصوف کے جھاڑ جھنکار کو خاصی حد تک صاف کر کے اس کو کتاب و سنت کے تابع بنایا، کے نزدیک اس کے معنی " فقہ باطن" کے ہیں۔ چنانچہ مولانا تھانویؒ نے اپنے رسالہ " حقیقت تصوف" میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس شے کو بیان فرمایا ہے۔ علم حدیث' علم فقہ اور دوسرے قرآنی علوم کی طرح مشائخ کرام نے قرآن و حدیث سے " علم تصوف" کو نکال کر باطن کی صفائی کے بعض اذکار و اشغال و مراقبات خاص طریقہ سے بتلائے ہیں کہ ان پر عمل کر کے انسان کو " تزکیہء باطن" اور " تزکیہء قلب" نصیب ہوتا ہے۔ جو اسلام کا مقصود اصلی ہے۔

پیشہ ور اور نام نہاد صوفیوں کے نزدیک تصوف بے عملی کا نام ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ اسلام میں تصوف کمال عمل کا نام ہے۔ جس کو حدیث میں " احسان" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس کمال عمل تصوف کو اس کے غیر محقق معتقدین اور منکرین دونوں نے مسائل زندگی سے فرار و بیزاری اور رہبانیت و خانقاہ نشینی باور کرا رکھا ہے۔

Marfat.com

جہاں تک تصوف کا تعلق ہے کوئی بھی صاحب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ تزکیۂ باطن کے لیے قرآن و حدیث کی نصوص موجود ہیں، لیکن ہمارے مشائخ کرام کے نزدیک تصوف کے اکثر سلسلے سیدنا علیؓ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی شیعہ حضرات کی ایک سازش ہے، حالانکہ محدثین کے نزدیک سلسلہ صحبت کی یہ کڑیاں ثابت نہیں ہوتیں۔ یہ اکثر سلسلے سیدنا حسن بصری کے ذریعہ سیدنا علیؓ سے جا کر ملتے ہیں، لیکن سیدنا حسن بصری کی صحبت اور تعلیم محدثین کے نزدیک سیدنا علیؓ سے ثابت نہیں، بلکہ امام ترمذی اور دیگر محدثین نے اس بات کا بھی انکار کیا ہے کہ سیدنا حسن بصری نے بلاواسطہ سیدنا علیؓ سے سماع کیا ہے۔

حقیقت یہ کہ سیدنا علیؓ کے فضائل و مناقب کے بارہ میں جس قدر غلط روایات بنائی گئیں۔ اس قدر غلط روایات کسی اور صحابی کے بارہ میں نہیں بنائی گئیں۔ بعض کتابوں میں ان کی تعداد ۳۰ ہزار بتلائی گئی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۴۷۲) بعض روایات میں ہے کہ فضائل علیؓ کا شمار ممکن نہیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے منہ سے کہلوایا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

”اگر تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور جنات حساب میں لگ جائیں اور تمام انسان لکھنے لگ جائیں تو فضائل علیؓ کا شمار نہیں کر سکتے۔“ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۴۶۶)

حالانکہ اس قسم کی ساری روایات شیعہ، مجہول اور کذاب راویوں سے مروی ہیں۔ انہیں موضوع روایات میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جس کو خطیب نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے المستدرک میں سیدنا جابر بن عبداللہؓ کی زبان سے نقل کیا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”علی نیک لوگوں کے امام اور فاجروں کے قاتل ہیں۔ جو ان کی مدد کرے اس کی مدد کی جائے گی اور جو انہیں رسوا اور ذلیل کرے اسے رسوا کیا جائے گا۔“

(المستدرک جلد ۳ ص ۱۲۹، تاریخ بغداد جلد ۴ ص ۲۱۹)

حاکم نے اس روایت کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ ”صحیح الاسناد“ ہے، لیکن حافظ ذہبی نے اس کو رد کرتے ہوئے لکھا:

Marfat.com

قلت بل واللّٰہ موضوع و احمد کذاب فما اجھلک علی سعۃ معرفتک

”میں کہتا ہوں کہ بخدا روایت موضوع ہے اور احمد کذاب ہے۔ حاکم نے اپنی اس وسعت علمی کے باوجود کتنی بڑی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔“

اس روایت کے تین راوی (۱) احمد بن عبداللہ بن یزید الحرانی (۲) عبدالرزاق بن ہمام اور (۳) عبداللہ بن عثمان بن خثیم وضاع، ضعیف اور شیعہ ہیں۔ گویا کہ اس روایت کا ایک روای شیعہ، ایک ضعیف اور ایک وضاع الحدیث ہے، لیکن تعجب ہے پھر بھی حاکم اسے ”صحیح الاسناد“ کہہ رہا ہے، اسی وجہ سے حاکم کے مستدرک کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ اس کا چوتھائی حصہ منکرات اور واہی روایات سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں سو (۱۰۰) سے زیادہ روایات موضوع ہیں۔ (الرسالہ المستطرفہ ص ۱۹)

خود حاکم کیا تھا؟ اس کے بارہ میں ابن طاہر نے یہاں تک کہا ہے کہ میں نے ابو اسماعیل عبداللہ الانصاری سے ابوعبداللہ الحاکم کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ”حدیث میں تو امام ہے لیکن رافضی خبیث ہے۔“

حاکم کے بارہ میں تفصیل گذر چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

انہیں روایات کی روشنی میں اہل تصوف نے ایسے ہی سیدنا علیؓ کے ساتھ تصوف کے اکثر سلسلوں کو جوڑ دیا، وگرنہ آپ کے اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تصوف کے سلسلوں کا کوئی وجود نہیں تھا اور پھر جس بزرگ (سیدنا حسن بصری) کی معرفت ان سلاسل کو جوڑا گیا ان کا سماع بلکہ لقاء ہی سیدنا علیؓ سے ثابت نہیں۔

تقریر و شاعری

سیدنا علیؓ کو حق تعالیٰ شانہ نے تقریر و خطابت میں ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف مواقع پر آپ نے اپنی خطابت سے لوگوں کے پژمردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی اور قوائے عمل کے اضمحلال کو یکسر دور کر دیا۔ الفاظ کی بندش اور موقع و محل پر ان کا استعمال آپ کی خاص خصوصیات تھیں۔

عربی کی مشہور کتاب نہج البلاغہ میں سیدنا علیؓ کے خطابت، خطوط اور حکیمانہ

Marfat.com

اقوال کو جمع کیا گیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کتاب کے مولف شریف المرتضیٰ المشہور بعلم الھدیٰ (المتوفی ۴۰۶ھ) ہیں، لیکن اس کتاب کا بڑا حصہ جعلی ہے اور شیعہ علماء نے اسے بنا کر سیدنا علیؓ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اگرچہ شیعہ علماء نے اس بات کی تردید کی ہے، لیکن اس بات کو ان لوگوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ کتاب کی تالیف کے وقت سے لے کر نہج البلاغت کے بہت بڑے حصہ کے متعلق علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد کا یہی خیال تھا کہ اس کا امیر المومنین سیدنا علیؓ کی طرف انتساب درست اور صحیح نہیں ہے اور وہ یہ یقین کرتے تھے کہ اس کے مشمولات کو فصحاء شیعہ نے لکھا ہے جن میں خود سید شریف رضی تھا۔ چنانچہ ابن خلکان نے اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں شریف المرتضیٰ کے احوال میں لکھا ہے کہ:

قد اختلف الناس فی کتاب نهج البلاغة المجموع من کلام الامام علی بن ابی طالب رضی اللّٰه عنه، هل هو جمعه ام جمع اخیه الرضی وقد قیل انه لیس من کلام علی وانما الذی جمعه و نسبه الیه هو الذی وضعه واللّٰه اعلم

"لوگوں کو کتاب نہج البلاغتہ کے بارہ میں جو مجموعہ ہے سیدنا علیؓ کے کلام کا، اختلاف ہے کہ اسے شریف المرتضیٰ نے جمع کیا یا ان کے بھائی رضی نے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سیدنا علیؓ کا کلام نہیں ہے اور جس نے اسے جمع کیا اور ان کی طرف منسوب کیا اسی نے اسے بنایا ہے۔" واللہ اعلم

(وفیات الاعیان جلد ا ص ۴۷۸)

علامہ یافعی نے مراۃ الجنان جلد ۳ ص ۵۵ اور ابن العماد نے شذرات الذہب جلد ۳ ص ۲۵۷ میں ابن خلکان کی رائے کی تائید کی ہے۔

علامہ ذہبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

وهو (الشریف المرتضی) المتهم بوضع کتاب نهج البلاغة، وله مشارکة قویة فی العلوم و من طالع کتابه نهج البلاغة جزم بانه مکذوب علی امیر المومنین رضی اللّٰه عنه ففیة السب الصراح والحط علی

Marfat.com

السيديتن ابى بكر وعمر وفيه التناقض والا شياء الركيكة و العبارات التى من له معرفة بنفس القرشين الصحابة و بنفس غيرهم ممن بعد هم من المتاخرين، جزم بان اكثره باطل

"ان پر کتاب نہج البلاغۃ کے بنانے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔ ان کو مختلف علوم میں مہارت تامہ اور قویہ حاصل تھی۔ اور جس نے ان کی کتاب نہج البلاغۃ کا مطالعہ کیا ہے اسے یقین ہے کہ امیر المومنین کے نام پر بنائی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں کھلی گالیاں ہیں اور دو سرداروں ابو بکرؓ اور عمرؓ کی توہین ہے، اور اس میں ایسا تناقض، رکیک باتیں اور عبارتیں ہیں جسے قریشی صحابہ کرامؓ کا طریقہ کتابت اور گفتگو معلوم ہے اور وہ ان کے بعد کے لوگوں کے اسلوب کو پہچانتا ہے وہ یقین کرے گا کہ اس کا بڑا حصہ باطل ہے۔"

(میزان الاعتدال جلد۲ ص ۲۰۱، لسان المیزان جلد۴ ص ۲۲۳)

امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ عسقلانی کی رائے میں شریف مرتضیٰ نے اس کتاب کو خود لکھ کر سیدنا علیؓ کی طرف منسوب کر دیا ہے اور اس کتاب کے جعلی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ:

1- اس میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی کھلی توہین نظر آتی ہے۔
2- اس کے بیانوں میں تناقض اور اختلاف ہے۔
3- اس میں ایسی رکیک باتیں اور عبارتیں ہیں جو صحابہ کرامؓ کے مزاج اور اسلوب سے دور اور متاخرین کے رویہ کے قریب معلوم ہوتی ہیں۔

بہر حال یہ مسلمہ امر ہے کہ اس کتاب کا اکثر حصہ جعلی ہے اور مولف کتاب خواہ وہ شریف المرتضیٰ ہو یا سید شریف رضی، نے خود تصنیف کر کے شامل کتاب کر دیا ہے۔
لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا علیؓ نہایت فصیح اللسان شخص تھے اور خطابت میں نہایت زبان آور اور قادر الکلام تھے۔ ان کے کلام سے حکمت کے سوتے پھوٹتے تھے اور بلاغت کا دریا ان کی زبان سے رواں تھا۔ واعظ ایسے تھے کہ قلب و نگاہ پر چھا جاتے تھے۔ کلام و بیان پر اس درجہ قدرت تھی کہ جس بات کو چاہتے اور جس طرح چاہتے ادا کرتے۔

Marfat.com

چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ان کی وہ تقریریں جو مختلف مواقع پر آپ نے اپنے فوجیوں اور لشکریوں کو کیں ان کی تشبیہات اور ندرت بیانی ہماری تائید کرتی ہیں۔

جہاں تک شعر وشاعری کا تعلق ہے، اس میں بھی آپ کو ایک خاص درک حاصل تھا، چنانچہ بعض روایات میں بھی آپ کے کچھ شعر منقول ہیں جیسے جنگ خیبر میں آپ نے یہ شعر پڑھا تھا:

انا الذی سمتنی امی حیدره
کلیث غابات کریه المنظره

لیکن جس طرح نثر میں ایک کتاب نہج البلاغہ کے نام سے تالیف کر کے سیدنا علیؓ کی طرف غلط منسوب کر دی گئی۔ اسی طرح شعر میں ایک پورا دیوان "دیوان علی" کے نام سے لکھ کر آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا، حالانکہ ان اشعار کی زبان ہی اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ سیدنا علیؓ جیسا فصیح و بلیغ انسان ایسے بودے شعر نہیں کہہ سکتا، لیکن لوگ بغیر سوچے سمجھے صرف اس وجہ سے کہ یہ سیدنا علیؓ کے اشعار ہیں، ان کو بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔

Marfat.com

اخلاق و عادات

اعتراف حق

سیدنا علیؓ میں اللہ تعالیٰ نے ایک خوبی یہ رکھی تھی کہ وہ اعتراف حق سے کبھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ جب بھی کبھی اپنے سے بڑے یا اپنے سے چھوٹے کی خوبیوں کا اعتراف کرنا پڑا آپ نے کبھی اس میں بخل سے کام نہ لیا، بلکہ ان خوبیوں کا برملا اظہار فرمایا۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سیدنا عمرؓ کے پاس گئے جب کہ ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا عمرؓ سے کہا کہ: ''آپ کو خوشخبری ہو۔''

فواللّٰہ لقد کان اسلامک عزاً و لقد ھجرتک فتحاً و ولایتک عدلاً و لقد صحبت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی توفی وھو عنک راض ثم صحبت ابابکر فتوفی وھو عنک راض ولقد ولیت فما اختلف فی ولایتک اثنان

''بخدا آپ کا اسلام لانا اہل اسلام کے لیے باعث عزت ہوا۔ آپ کا ہجرت فرمانا وجہ کشائش ہوا۔ آپ کی ولایت (خلافت) سراپا عدل تھی۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و ہم نشینی فرمائی تھی، اور جب آپ نے انتقال فرمایا تو وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر ان کے بعد آپ کو سیدنا ابوبکرؓ کی ہم نشینی کا موقع ملا۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ کی خلافت پر دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔''

Marfat.com

سیدنا عمرؓ نے جب یہ سنا تو کہا، ابن عباسؓ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے؟ سیدنا ابن عباسؓ ذرا ہچکچائے۔ سیدنا علیؓ جو اس وقت وہاں موجود تھے، فوراً بول اٹھے، ہاں ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ (نعم نشھد بذالک)

(کتاب الآ ثار ص ۲۰۷، ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۲۱۵)

اسی طرح ایک اور روایت سیدنا علیؓ سے منقول ہے، سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ابولولو مجوسی نے سیدنا عمرؓ پر قاتلانہ حملہ کیا تو میں سیدنا عمرؓ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ''امیر المومنین! آپ کے رونے کا کیا سبب ہے؟'' سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں میں جنت میں جاؤں گا یا جہنم میں؟ اس وجہ سے رو رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کو خوشخبری ہو، کیونکہ میں نے سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات سے بے شمار دفعہ سنا۔ آپ ؐ فرماتے تھے:

سیدا کھول اہل الجنۃ ابوبکر و عمر و انعما

''ابو بکرؓ و عمرؓ پختہ عمر کے جنتیوں کے سردار ہوں گے اور یہ بڑے عمدہ سردار ہیں۔''

سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ: ''اے علیؓ آپ اس کی گواہی دیتے ہیں۔'' سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے کہا ہاں میں اس بات کا گواہ ہوں۔''

وانت یا حسن فاشھد علی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان عمر من اھل الجنۃ

''اور اے بیٹے حسنؓ تو بھی اس بات کی گواہی دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عمرؓ اہل جنت میں سے ہے۔'' (کنز العمال جلد ۲ ص ۳۶۴)

اسی طرح علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ خلافت فاروقی کے دوران سیدنا علیؓ نے سیدنا عمرؓ کو دیکھا کہ سوار ہو کر کہیں جا رہے ہیں۔ پوچھا، امیر المومنین! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ فرمایا بیت المال کے اونٹوں میں سے صدقہ کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے اس کو ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ یہ سن کر سیدنا علیؓ نے فرمایا:

لقد اذللت الخلفاء بعدك

''آپ نے اپنے بعد والے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔''

Marfat.com

سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

ابوالحسن! یہ شی کوئی قابل ملامت چیز نہیں ہے۔ پھر فرمایا:

والذی بعث محمداً بالنبوۃ لو ان عتا قاً ذھبت بشاطی الفرات لاخذ بھا عمر یوم القیامۃ

"قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبوت عطاء کر کے بھیجا، اگر بکری کا بچہ بھی فرات کی کنارے گم ہو جائے گا تو روز قیامت عمرؓ کو اس کے بارہ میں بھی باز پرس ہو گی۔"

(سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۱۴۰، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۳۶)

اسی طرح جہاں کہیں بھی اعتراف حق کا موقع ملا آپ نے کبھی اس سے گریز نہ کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے بارہ میں فرمایا:

کانا امامی ھدیٰ راشدین مصلحین منجحین خرجا من الدنیا خمیصین

"وہ دونوں امت محمدیہ کے لیے امام ہدایت تھے، راشدین تھے، نیکی کے کاموں میں کامیاب اور کامران تھے۔ دنیا سے بھوکے رخصت ہوئے یعنی دنیا کی کوئی طمع نہیں تھی۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۹)

اسی بارہ میں سیدنا علیؓ کے شاگرد عبد خیر نے آپ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ جعل ابابکر و عمر حجۃً علی من بعد ھما من الولاۃ ای یوم القیمۃ فسبقا واللّٰہ سبقاً بعیداً و اتعبا واللّٰہ من بعدھما اتعاباً شدیداً

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کو بعد میں آنے والے تمام حکام پر حجت بنایا ہے۔ بخدا یہ دونوں سب پر سبقت لے گئے اور ان دونوں نے اخلاص و تقویٰ کے لحاظ سے بعد میں آنے والوں کو سخت مشقت میں ڈال دیا۔"

(اسدالغابہ جلد ۴ ص ۶۸)

سیدنا علیؓ نے اپنی خلافت کے ایام میں ایک دفعہ لوگوں کے سامنے خطبہ

Marfat.com

میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا الفاروقؓ کے مقام اور درجہ کو یوں بیان فرمایا:

سبق رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وثنی ابو بکر رضی اللّٰہ عنہ وثلّث عمر رضی اللّٰہ عنہ ثم خبطنا فتنۃ أو اصابتنا فتنۃ فکان ماشا اللّٰہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے انتقال میں سبقت فرمائی، پھر دوسرے نمبر پر ابو بکرؓ پھر تیسرے نمبر پر عمرؓ تشریف لائے۔ پھر ہم میں کئی قسم کے فتنے آ ٹپکے چنانچہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہ ہوا۔"

(مسند احمد جلد ۱ ص ۱۴۷، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۱۷۳، حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۷۴)

نزال بن سبرہ الہلالی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ نہایت خوشگوار موڈ میں تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ امیر المومنینؓ! اصحاب رسول کے بارہ میں ہمیں کچھ بتلایئے؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابی میرے ساتھی اور رفیق کار تھے۔ ہم نے کہا: ابو بکرؓ کے بارہ میں کچھ بتایئے؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا:

ذاك امراء سماہ اللّٰہ الصدیق علی لسان جبرئیل ولسان محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان خلیفۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی الصلواۃ رضیہ لدیننا فرضیناہ لدنیانا

"ابو بکرؓ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانوں سے ان کا نام "صدیق" رکھا ہے، اور وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا، پس ہم نے اپنے دنیوی معاملات کے لیے انہیں پسند کرلیا۔" (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۱۶، ۲۲۱)

خلاصہ یہ کہ سیدنا علیؓ میں اللہ تعالیٰ نے اعتراف حق کی خوبی کوٹ کوٹ کی بھری ہوئی تھی۔ باوجود اس بات کہ یہ آپ کے عہد خلافت میں سبائیوں کا ایک جم غفیر آپ کے اردگرد جمع تھا، جو دل و جان سے سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ بن عفان کے

Marfat.com

مخالف تھے، لیکن پھر بھی آپ اپنی گفتگو اور اپنے خطبات میں ان حضرات کی فضیلت کا اعتراف فرماتے رہتے۔ اس بارہ میں شیعہ سنی دونوں کی کتابیں اس قسم کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن یہاں ہم نے صرف چند ایک ذکر کی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اعتراف حق کی یہ خوبی ہر شخص میں نہیں ہوتی۔ اس خوبی کے لیے بہت بڑے ظرف کی ضرورت ہوتی ہے اور جس میں یہ خوبی ہو وہ واقعتاً بہت بڑا آدمی ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے سیدنا علیؓ ابن ابی طالب ایک بہت بڑے انسان تھے۔

دیانت و امانت

انسان کے فضائل اخلاق میں دیانت و امانت ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے سیدالملائکہ جبرئیل علیہ السلام کو بھی امانت سے متصف کیا، اور اکثر انبیاء کی صفت میں قرآن حکیم میں یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ "انی لکم رسول امین"۔ (میں تمہارے لیے امانت دار قاصد ہوں) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از اعلان نبوت مکہ کے لوگ "امین" کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امانت و دیانت انسانی صفات کی ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے۔

والذین ہم لامانتھم و عھدھم راعون (مومنون)

"اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کی رعایت اور پاس رکھتے ہیں۔"

سیدنا علیؓ نے بچپن ہی سے نبوت کے سایہ عاطفت میں تربیت پائی تھی۔ اس وجہ سے آپ میں بھی یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو آپ کے پاس جو امانتیں رکھی ہوئیں تھیں، وہ آپ نے سیدنا علیؓ کے سپرد فرمائیں تاکہ وہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی غیر موجودگی میں ان کو ان کے مالکان کے سپرد کر دیں۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۹، و دیگر کتب سیرۃ وغیرہ)

اپنے زمانہ خلافت میں جب اقتدار کی زمام کار آپ کے ہاتھ میں تھی، آپ نے بیت المال یعنی پبلک کے روپے کو نہایت اچھے طریقے سے صرف کیا۔ باہر سے جو مال غنیمت آتا تو بعض روایات میں ہے کہ آپ نہایت احتیاط سے اس کے برابر حصے

کرتے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ اصفہان سے مال آیا۔ اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ سیدنا علیؓ نے اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم کیا۔

(ازالتہ اخفاء جلد ۲ ص ۲۶۶)

اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں خوف آخرت بہت تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اس دنیا میں کسی قسم کی کوئی زیادتی ہوگئی تو قیامت کی روز اس کا محاسبہ بھی ہوگا اور مواخذہ بھی، لہذا وہ آخرت کی باز پرس سے بہت ڈرتے تھے۔

سادگی اور زہد:

صحابہ کرامؓ اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی کا طرہ امتیاز سادگی اور تواضع تھا۔ آج دنیا میں رشوت اور کرپشن زندگی کے ہر شعبہ میں جاری وساری ہے۔ اس کا بنیادی عنصر غیر سادہ زندگی ہے۔ سیدنا علیؓ کی زندگی کا اگر مطالعہ کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی اپنے پیشرووں کی طرح نہایت سادہ تھی۔ سیدہ فاطمہؓ سے رشتہ ازدواج قائم ہونے سے قبل اور اس کے بعد میں کئی سال تک آپ کا ذریعہ معاش آب کشی تھا یعنی آپ مختلف لوگوں کے باغات میں جا کر کنویں سے پانی نکال کر ان کے باغوں کو سینچتے اور اس بات میں آپ کو کوئی عار نہ تھی، کیونکہ اسلام میں گداگری اور مانگنا سب سے بڑی عار ہے۔ محنت مزدوری کر کے روزی کمانا اسلام کے نزدیک کوئی عار نہیں۔

کتابوں میں آتا ہے کہ بعض لوگ آپ سے مسائل پوچھنے آتے تو آپ اس وقت کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے گئے، کبھی اپنی قمیض کو پیوند لگاتے اور کبھی کوئی اور کام کرتے ہوتے۔ چنانچہ جب سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا سعد بن معاذؓ سیدنا علیؓ کو سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کے لیے آمادہ کرنے کے لیے گئے

"در آں وقت حضرت شتر خود را بردہ بود در باغ یکے از انصار آب می کشید باجرت"

(جلاء العیون ص ۱۲۱، بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۳۷)

"سیدنا علیؓ اس وقت بھی اپنے اونٹ کو لے کر ایک انصاری کے باغ میں آب کشی کے لیے مزدوری کرنے گئے ہوئے تھے۔"

آپ کی سادگی اور بے تکلفی ہی تھی کہ آپ گاہے گاہے فرش خاک پر بھی سو

جاتے، چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو" ابو تراب" کہا جانے لگا۔ روایات میں ہے کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھائی ۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ نہایت غمناک تھا۔ نماز کے اختتام کے بعد آپ سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازہ پر پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ سیدنا علیؓ دروازے کے سامنے زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قم یا ابا تراب" (اے ابوتراب کھڑے ہو جایئے) اور جونہی سیدنا علیؓ اٹھے، صحابہ کرامؓ نے دکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے سیدنا علیؓ کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۴۳)

اسی طرح کی ایک اور روایت امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؓ سیدہ فاطمہؓ کے ہاں سے نکلے اور مسجد میں آ کر فرش پر سو گئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور سیدنا علیؓ کو گھر پر نہ دیکھا۔ سیدہ فاطمہؓ سے پوچھا کہ علیؓ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا مسجد میں ہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ سیدنا علیؓ مسجد میں فرش خاک پر سو رہے ہیں۔ چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور پیٹھ مبارک غبار آلود ہے۔ امام بخاری نقل فرماتے ہیں کہ یہ حالت دیکھ کر

فجعل یمسح عن ظهره فیقول اجلس یا ابا تراب

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے ان کی پیٹھ صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ مٹی والے اب اٹھ بیٹھ۔" (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۵)

اس طرح کے اور کئی واقعات آپ کی کتاب زندگی میں موجود ہیں' جن سے آپ کی طبیعت کی سادگی، تواضع اور بے تکلفی کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نہایت سادہ زندگی گزارتے تھے اور آپ کے طعام، رہائش، لباس اور روز مرہ کی زندگی میں سادگی کا چلن تھا۔ عیش وعشرت کی زندگی سے آپ کو قلبی طور پر نفرت تھی۔

اسی سادگی اور تواضع سے آپ کے زہد و اتقاء کا بھی پتہ چلتا ہے۔ تاریخ کے رپورٹر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی زندگی زہد و اتقاء کا ایک مثالی نمونہ تھی۔ گذشتہ صفحات میں ہم نے ایک روایت نقل کی ہے کہ

Marfat.com

كان علي يشبه بعمر يعني في السيرة
''سیدنا علیؓ کی سیرت سیدنا عمرؓ سے مشابہ تھی۔''
(کتاب الخراج یحییٰ ابن آدم ص ۲۴)

اورسیدنا عمرؓ کے کاشانہ فقر میں دنیوی شان وشکوہ کا گزر نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ جب مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ تشریف لائے اور اس کو مستقل طور پر اپنا دارالخلافہ بنایا تو تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ آپ دار الامارت کی بجائے ایک عام سے مکان میں فروکش ہوئے ۔لوگوں نے قصر خلافت میں قیام پر اصرار کیا، لیکن آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

لاحاجة لي في نزوله لان عمر بن الخطاب كان يبغضه
''مجھے قصر خلافت میں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں ، کیونکہ عمر بن الخطابؓ قصر شاہی میں قیام کو ناپسند فرماتے تھے۔'' (الاخبار الطوال ص ۱۵۶)

ایام خلافت ہی میں ایک مرتبہ آپ کے دستر خوان پر ایک شخص عبداللہ بن زریر آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھا (راوی کا بیان ہے کہ عیدالاضحیٰ کا دن تھا) آپ کے دستر خوان پر معمولی سا کھانا تھا جس کو خریرہ کہتے ہیں۔ ابن زریر نے کہا ، امیر المومنین کیا آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی خوبیاں رکھی ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا ابن رزیر میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

لا يحل للخليفة من مال الله الا قعصتان ، قعصة يا كلها هو واهله و قعصة يضعها بين يدى الناس
''خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے۔ ایک پیالہ وہ خود کھائے اور اپنے اہل و عیال کو کھلائے ، اور دوسرا پیالہ جس کو وہ خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔'' (مسند امام احمد جلد ا ص ۷۸)

''آپ سیدنا عمرؓ کی طرح نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ عہد خلافت میں کوئی شاہانہ کروفر اور امیرانہ تزک و احتشام نہیں تھا۔ در دولت پر نہ کوئی حاجب تھا اور نہ دربان۔ کئی دفعہ بھوکے پیٹ ہی سو گئے۔ فقر و فاقہ کی اکثر نوبت آجاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ۔ دوران خطبہ

سامعین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ''کون شخص میری تلوار کا خریدار ہے؟ بخدا اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو میں اپنی اس تلوار کو کبھی فروخت نہ کرتا۔''

سامعین میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر تہ بند کی قیمت دینے کا وعدہ کیا۔ جس پر آپ نے اپنی تلوار فروخت نہ کی۔ (ازالتہ الخفاء)

بعض مرتبہ آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا اور آپ اپنی کوئی شے فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ:

''ایک روز سیدنا علیؓ اپنی تلوار لے کر بازار میں تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میری اس تلوار کو کون خریدنے کے لیے تیار ہے؟ فرمایا اگر ایک چادر کی قیمت کے درہم میرے پاس ہوتے تو میں تلوار کو فروخت نہ کرتا۔''

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۳ ص ۲۸۵ 'حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۸۳)

''سیدہ فاطمہؓ سے شادی سے قبل آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں ہی قیام پذیر تھے۔ شادی کے وقت آپ کے پاس ایک زرہ تھی۔ جو آپ نے سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں فروخت کی (زرقانی علی المواہب جلد ۲ ص ۳) اور شیعہ حضرات کے مطابق ۴۰۰ درہم میں فروخت کی۔ (کشف الغمہ فی معرفتہ الائمہ جلد ۱ ص ۴۸۵، بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۳۹) سیدنا عثمانؓ نے زرہ خرید کر قیمت اور زرہ دونوں سیدنا علیؓ کو دے دیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جا کر پیش کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رقم سے جو جہیز کی اشیاء سیدہ فاطمہؓ کے لیے سیدنا صدیق اکبرؓ کی معرفت خریدیں وہ حسب ذیل ہیں:

''ایک قمیض، ایک اوڑھنی، ایک خیبری سیاہ چادر، ایک بنی ہوئی چارپائی، بستر کے دو گدے، ایک گدا کھجور کی چھال سے بھرا ہوا اور دوسرا گدا بھیڑ کی اون سے بھرا ہوا تھا، ایک بالین، ایک صوف کا کپڑا، ایک چمڑے کا مشکیزہ، ایک لکڑی کا پیالہ، ایک گھڑا اور چند مٹی کے برتن۔ یہ تھی سیدنا علیؓ کے گھر کی کل کائنات۔ اسی سامان کو لے کر سادگی اور زاہد کے تاجدار سیدنا علیؓ الگ مکان

میں اپنی رفیقہ حیات سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ رہنے لگے۔ جو کچھ سیدہ فاطمہؓ اپنے میکے سے لائی تھیں سیدنا علیؓ کئی سال تک اس میں ایک شی کا بھی اضافہ نہ فرما سکے۔

ادھر سیدہ فاطمہؓ اپنے سسرال میں نہایت مفلسانہ زندگی کے دن گزارتی رہیں۔ چکی پیستے پیستے سیدہؓ کے ہاتھوں میں گڑھے پڑ گئے۔ صرف ایک چادر تھی جس کو وہ گھر میں اوڑھتیں۔ گھر میں ہفتوں دھواں نہ اٹھتا۔ چنانچہ اپنے گھر کی معاشی حالت کے بارہ میں سیدنا علیؓ خود فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں سخت بھوک لگی۔ میں مدینہ طیبہ کے نواحی علاقہ میں مزدوری کے لیے نکلتا کہ کچھ رقم کما کر کھانے پینے کے لیے کچھ خرید سکوں۔ مجھے ایک بڑھیا ملی جو اینٹ پتھر اکھٹے کر رہی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس سے ایک ڈول کے بدلہ میں ایک کھجور طے ہوئی۔ میں نے سولہ ڈول پانی نکالا یہاں تک کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ بہر حال ۱۶ کھجوریں لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے بھی ان کھجوروں میں سے کھایا۔" (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۳۵)

"غرضکہ سیدنا علیؓ سیدہ فاطمہؓ شادی کے کافی عرصہ بعد تک مفلسانہ زندگی گزارتے رہے، کیونکہ نہ آپ تاجر تھے اور نہ ہی کسی فن سے آشنا و ماہر۔ آپ کا اکثر کام یہ تھا کہ آب کشی کر کے لوگوں کے باغ سینچتے۔ اس وجہ سے سیدہ فاطمہؓ نے نہایت عسرت کی زندگی آپ کے ہاں گزاری۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر اپنے گھر کا سارا کام خود کرتیں۔ نہ کوئی خادمہ نہ خادم۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ابا جان کے ہاں اپنی اس زندگی کے بارہ میں کچھ بیان کرنے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ نبوت میں موجود نہ تھے، لہذا واپس تشریف لے آئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ تشریف لائے تو صدیقہ کائناتؓ نے سیدہ فاطمہؓ کے آنے کی اطلاع دی۔ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی پیاری بیٹی کے ہاں تشریف لائے اور سیدہ فاطمہؓ سے پوچھا کہ کس وجہ سے تم گئی تھیں۔ سیدہؓ نے اپنی تکلیف بیان کی اور خادم کا مطالبہ کیا

جو گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتاؤں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے بہتر اور مفید ہو۔" فرمایا کہ جب تم سونے کے لیے جاؤ تو ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور ۳۳ دفعہ الحمدللہ، ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔" فرمایا:

هذا خير لكما من خادم (بخاری جلد ا ص ۴۳۹، جلد ۲ ص ۹۳۵)

"یہ تم دونوں کے لیے ایک خادم سے زیادہ بہتر ہوگا۔"

آپ کی طبیعت کی سادگی اور زہد و اتقاء پر ضرار اسدی کا وہ بیان بھی دلالت کرتا ہے جو انہوں نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کے سامنے سیدنا علیؓ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے دیا تھا۔ ضرار اسدی نے کہا تھا:

"ان کے لباس کی سادگی دیدنی تھی۔ کھانا تکلفات سے یکسر خالی، سادہ اور موٹا جھوٹا۔ وہ ہم ہی کی طرح رہتے تھے، کچھ امتیاز نہیں تھا۔۔۔ وہ غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے۔ ان کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل و انصاف سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا تھا۔ اکثر مواقع پر میں نے خود دیکھا کہ کاروان شب رخت سفر باندھنے کو ہے، چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے منزل مقصود کی جانب رینگتا ہوا جا رہا ہے۔ جھلملاتے ستارے چراغ سحری کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہد ان شب زندہ دار دعائے نیم شبی کے لیے اپنے نرم و نازک بستروں پر کروٹیں لے رہے ہیں، لیکن وہ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لے کر مار گزیدہ او عاشق خواب نادیدہ کی طرح بے قرار اور اشکبار دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں: "اے دنیا! اے فریب دینے والی دنیا! یہ فریب کسی اور کو دے۔ تو مجھ سے اپنی چاہت اور انسیت کا اظہار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے، حالانکہ میں نے تجھے تین طلاق دے دی ہوئی ہیں اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے پر حرام قرار دیا ہوا ہے۔ میں کبھی بھی تیری طرف آنے کا نہیں، کیونکہ تیری عمر قلیل، تیرا مقصد ذلیل لیکن راستہ اور سفر طویل اور زادہ راہ بالکل حقیر و قصیر ہے۔"

(روضۃ النظرہ جلد ۲ ص ۲۱۲)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ سیدنا علیؓ کی زندگی کے دو دور تھے۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال تک اور دوسرا سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت سے سیدنا علیؓ کی شہادت تک کا۔ پہلے دور میں آپ کی معاشی زندگی نہایت مفلسانہ تھی۔ اور اسی دور میں سیدہ فاطمہؓ شکایت لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں کہ مجھے کوئی خادم گھر کے کام کاج کے لیے عطاء فرمایئے کیونکہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں کو چھالے پڑ گئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بجائے خادم عطاء فرمانے کے تسبیحات تعلیم فرمائیں جس کو آپ اپنی وفات تک پڑھتی رہیں۔ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنی خلافتوں میں باغ فدک کا انتظام بھی آپ کے سپرد فرما دیا۔ خمس یعنی رشتہ داران رسول کا خمس میں جو حق تھا وہ بھی خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں میں سیدنا علیؓ کے ہاتھوں تقسیم ہوتا تھا۔ چنانچہ سیدنا علیؓ خود فرماتے ہیں کہ میں نے عباسؓ، فاطمہؓ اور زید بن حارثہؓ کی موجودگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم قرابت داران رسول کا خمس میں جو حصہ ہے، اس کی تقسیم کی ذمہ داری اگر آپ اپنی زندگی میں میرے سپرد فرما دیں تو بہتر ہوگا تاکہ آپ کے بعد کوئی شخص اس بارہ میں ہمارے ساتھ جھگڑا پیدا نہ کر سکے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ میری اس درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس کام کا متولی بنا دیا اور میں آپ کے زمانہ میں اس خمس کے حصہ کو بنو ہاشم میں تقسیم کرتا رہا۔ پھر ابو بکرؓ نے مجھے اس کی تقسیم کا ذمہ دار بنایا، پھر مجھے عمر بن الخطابؓ نے بھی اس خمس کی تقسیم کا والی بنایا اور عہد فاروقی میں بھی میں نے بنو ہاشم کو خمس کا مال تقسیم کیا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ کی خلافت کے آخری سال میں بہت سامال غنیمت آیا، لہذا عمر بن الخطابؓ نے ہم لوگوں کا حق خمس الگ کر کے میری طرف آدمی بھیجا اور فرمایا کہ اس مال کو لے کر سابق دستور کے مطابق بنو ہاشم میں تقسیم کر دوں۔ اس وقت میں نے جواب میں کہا: "امیر المومنین! ہم بنو ہاشم اب معاشی طور پر بہتر ہیں اور ہمارے مقابلہ میں دوسرے مسلمان زیادہ ضرورت مند ہیں، لہذا یہ مال انہیں دے دیجئے" یہ جواب سن کر سیدنا عمرؓ نے وہ مال دوسرے مسلمانوں کو دے دیا۔

(ابوداؤد جلد۲ ص ۶۱، کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰، مسند احمد جلد ۱ ص ۸۴)

Marfat.com

سیدنا عمرؓ نے دوسرے صحابہ کی طرح سیدنا علیؓ کا پانچ ہزار درھم سالانہ وظیفہ بھی مقرر فرمایا۔ سیدنا عثمانؓ بن عفان کے عہد خلافت میں آپ کا بقدر کفایت روزینہ مقرر ہو گیا جس سے آپ کے معاشی حالات نہایت بہتر ہو گئے۔

چنانچہ محمد بن کعب القرظی سیدنا علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک وقت وہ تھا جب میں بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا، اور آج میری زکواۃ ۴۰ ہزار درھم ہوتی ہے۔ (وان صدقتی الیوم لاربعون الفا) (مسند احمد جلد ا ص ۱۵۹)

اپنے عہد خلافت میں سیدنا علیؓ ذاتی طور پر بیت المال سے بہت قلیل وظیفہ لیتے تھے جو بقدر کفایت اور بقدر ضرورت ہوتا تھا کیونکہ اموال فئی اور غنائم میں سے سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے زمانے میں آپ کو باقاعدہ حصہ ملتا تھا جس سے آپ کی مالی اور معاشی حالت اچھی ہو گئی تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے متعدد قطعات اراضی متعین فرما دیے تھے۔ الفیقر ان' بئر قیس اور الشجرۃ اور سیدنا عمرؓ نے آپ کے لیے ینبع کے مقام پر ایک قطعہ اراضی متعین فرما دیا تھا۔ پھر سیدنا علیؓ نے وہاں آبادی قائم کی اور ینبع کے ساتھ وہاں مزید اضافہ فرمایا لیا۔ (معجم البلدان' یاقوت الحموی جلد ۲۰ ص ۴۵۰)

ینبع کے بارہ میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ: " وہ ایک ایسا مقام ہے جس کو ایک قلعہ کی حیثیت حاصل ہے۔ وہاں کھجور کے باغات ہیں اور پانی کے چشمے بھی جن کی وجہ سے وہاں سرسبز و شاداب کھیتیاں ہیں۔ اس مقام پر سیدنا علیؓ کے کئی اوقاف تھے اور ان کے متولی ان کی اولاد تھی۔" (معجم البلدان تحت "ینبع ")

اس کے علاوہ آپ کی کچھ اور جائیدادیں بھی کتابوں میں ملتی ہیں۔

(ملاحظہ ہو وفاء الوفا للسمھودی جلد ۴ ص ۱۲۷۲)

مختصر یہ کہ سیدنا علیؓ کی زندگی نہایت سادہ، متواضع اور زہد و اتقاء کی زندگی تھی۔ مال کی طمع آپ میں بالکل نہیں تھی۔ چنانچہ جب آپ کی معیشت بہتر ہوئی تو آپ اپنی آمدنی کا بہت بڑا حصہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صرف فرما دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے دو قمیصیں خریدیں۔ اپنے غلام سے فرمایا کہ ایک قمیض تم لے لو۔ چنانچہ ایک اس نے لے

Marfat.com

لی۔ دوسری قمیض سیدنا علیؓ نے جب زیب تن کی تو اس کی آستینیں لمبی تھیں۔ آپ نے زائد مقدار کاٹ دی اور کاٹنے کے بعد بغیر سلائی کے اسے استعمال فرمایا۔

(اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۴)

انفاق فی سبیل اللہ

نبی اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی تعلیمات کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ آپ نے صحابہ کرامؓ کے قلوب سے دنیا اور خصوصی طور پر مال کی محبت بالکل نکال دی تھی۔ چنانچہ جنگ تبوک کے موقع پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنا سارا مال، سیدنا عمرؓ نے نصف اور سیدنا عثمانؓ نے ایک تہائی فوج کا ایک ایک تسمہ تک دیا۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۶۴، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۱۶)

سیدنا علیؓ نے بھی اپنی استطاعت سے بڑھ کر اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کیا۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق ایک وقت آپ پر ایسا بھی آیا جب ۴۰ ہزار درھم آپ کی زکوۃ نکلتی تھی۔ تنگ دستی کے زمانہ میں بھی آپ سائلین کو اپنے پر ترجیح دیتے۔ تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ آپ کھانا کھانے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی سائل نے دروازہ پر آ کر سوال کیا اور آپ نے وہ سب کچھ اسے عطاء فرما دیا جو کھانے کے لیے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اور یہ آیت ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔

ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً و اسیراً

اصابت رائے

سیدنا علیؓ صائب الرائے تھے۔ اگرچہ عہد نبوت میں مہمات امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ ہی سے مشورہ لیا ہے، لیکن پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو آپ کی اصابت رائے پر اعتماد تھا، اور سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ نے اپنے عہد ہائے خلافت میں سیدنا علیؓ کی علمی اور فکری صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، چنانچہ

Marfat.com

شیعی مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ:

وکان یوخذ عنه الفقه فی ایام ابی بکر، علی بن ابی طالب و عمر بن الخطاب و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت و عبداللّٰه بن مسعود

"سیدنا ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں فقہی مسائل ان حضرات سے دریافت کئے جاتے تھے، علی بن ابی طالبؓ، عمر بن الخطابؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ۔" (تاریخ یعقوبی جلد۲ ص ۳۸)

سیدنا صدیقؓ نے جب روم کی فتح کا ارادہ فرمایا تو اکابر مہاجرین و انصار کو مدعو فرمایا اور غزوہ روم کے بارہ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب فرمایا۔ چنانچہ اکابر صحابہ کرامؓ نے اپنی اپنی رائے کے مطابق مشورہ دیا۔ جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو سیدنا علی بن ابی طالبؓ مجلس کے ایک کونے میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا، "ابوالحسن! آپ کی کیا رائے ہے؟ (ماذا تریٰ یا ابا الحسن) سیدنا علیؓ نے اس بارہ میں اپنی رائے پیش کی کہ آپ بذات خود لشکر کے ساتھ تشریف لے جائیں یا صرف فوج بھیج دیں، انشاء اللہ فتح آپ کے قدم چومے گی۔ سیدنا ابو بکرؓ نے پوچھا کہ یہ نتیجہ آپ نے کہاں سے اخذ کیا؟ سیدنا علیؓ نے کہا، "امیر المومنین میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اس دین کا مقابلہ کرے گا اس پر یہ دین غالب آ کر رہے گا اور اہل دین بھی غالب آئیں گے۔ یہ سن کر سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا" سبحان اللہ یہ کتنا حسین فرمان نبوی ہے" فرمایا:

لقد سررتنی سرك اللّٰه

"اے علیؓ تو نے ہمیں خوش کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش وخرم رکھے۔"

(کنز العمال جلد۳ ص ۱۴۳، یعقوبی جلد۲ ص ۱۳۲)

اسی طرح سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

علی اقضانا و ابی اقرأنا

"سیدنا علیؓ ہمارے بہترین قاضی ہیں اور ابی بن کعبؓ بہترین قاری ہیں۔"

(طبقات ابن سعد جلد۲ ص ۱۰۲، بخاری جلد۲ ص ۶۴۴)

Marfat.com

سیدنا علیؓ کی اس اصابت رائے کی وجہ سے ہی سیدنا عمرؓ نے ۱۳ ھ میں انہیں مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ص ۱۳۱، سیرۃ عمر ۶۳) قاضی بنانے کے علاوہ سیدنا عمرؓ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے تھے جیسے دیت کے بارہ میں مشورہ، مجبور عورت کے حق میں مشورہ، شراب خوری کی سزا کے بارہ میں مشورہ، بدفعلی کی سزا کے بارہ میں مشورہ، اسلامی تاریخ کے بارہ میں مشورہ، عراق کی مفتوحہ زمینوں کے بارہ میں مشورہ، غزوہ روم کے متعلق مشورہ وغیرہ، کیونکہ سیدنا عمرؓ انہیں صائب الرائے سمجھتے تھے۔ ایسے ہی سیدنا عثمان بن عفانؓ بھی اپنے عہد خلافت میں سیدنا علیؓ سے مہماتی امور میں مشورہ لیتے تھے۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد جلد ا ص ۱۰۴، مجمع الزاوائد جلد ۶ ص ۲۷۲، فروع کافی جلد ۳ ص ۱۷۵، نول کشور وغیرہ)

عبادات

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر صحابہ کرامؓ کی مدح اور تعریف فرمائی ہے، لیکن ایک مقام پر ان کی عبادت کی تعریف ایک عجیب انداز سے فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم، تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللّٰہ و رضواناً، سیمٰھم فی وجوھھم من اثر السجود (الفتح: ۲۹)

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ دیکھتا ہے تو ان کو رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی رضا کے خواہاں ہیں۔ (ان کے قبول ہونے کی علامت) ان کے چہروں میں نمودار ہے سجدوں کے اثر سے۔“

اس آیت میں جہاں صحابہ کرامؓ کے اور وصف بیان کیے گئے وہاں انہیں رکوع اور سجدہ کرنے والے بھی بتایا گیا اور یہ بھی بتایا کہ ان کے چہروں پر ان کے سجدوں کے اثرات آپ کو نظر آئیں گے۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابہ کرامؓ بہت زیادہ عبادت گزار

Marfat.com

تھے۔ سیدنا علیؓ بھی چونکہ ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ راشد تھے اور آپ نے آغوش نبوت میں پرورش پائی تھی، لہذا ان کے عبادت گزار ہونے پر یہ آیت نص صریح ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے تو اس آیت کی تفسیر میں '' والذین معہ'' سے ابو بکر صدیقؓ۔'' اشداء علی الکفار'' سے عمر فاروقؓ، '' رحماء بینھم'' سے عثمان غنیؓ، '' رکعاً سجداً'' سے علی بن ابی طالبؓ اور '' یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً'' سے دوسرے تمام صحابہ کرامؓ مراد لیے ہیں۔
(فتح البیان جلد ۹ ص ۴۰)

اس آیت کی اس تفسیر سے اگرچہ ہم متفق نہیں، لیکن اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ بعض حضرات سیدنا علیؓ کو غیر معمولی عبادت گزار تصور کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض روایات بھی وضع کی گئیں۔ امام ترمذی نے اپنی جامع میں سیدنا انسؓ کا بیان نقل فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز مبعوث ہوئے اور منگل کے روز سیدنا علیؓ نے نماز پڑھی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اور اس میں مسلم الاعور کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ اور مسلم الاعور محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ نیز مسلم نے یہ روایت دحیہ کے ذریعہ سیدنا علیؓ سے بھی نقل کی ہے۔

امام ترمذی نے خود اس حدیث کے راوی پر جرح کر کے اس کی حقیقت کو منکشف فرما دیا ہے اور اس راوی کے علاوہ روایت کے دوسرے راوی بھی ضعیف ہیں۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ غار حرا میں جو سب سے پہلی وحی آئی تھی اس میں نماز کا کوئی حکم نہیں تھا۔ نماز کا حکم اور وہ بھی صرف رات کی نماز کا سورہ علق کے قریباً ایک سال بعد سورہ مزمل میں دیا گیا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام اعلان نبوت فرمائیں اور اس سے اگلے روز سیدنا علیؓ نماز پڑھنی شروع کر دیں۔ یہ اور اس قسم کی دوسری کئی روایات شیعہ حضرات نے گھڑی ہوئی ہیں تا کہ لوگوں کو بے وقوف بنایا جائے، چنانچہ اس حدیث کی سند میں بھی ایک راوی اسماعیل بن موسیٰ شیعہ ہے۔

عبادات میں ایک چیز التزام ہے۔ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ عبادت میں التزام بہت فرماتے تھے۔ چنانچہ مسند امام احمد میں ایک حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر سے فرمایا کہ: '' تم دونوں میاں بیوی ہر نماز کے بعد ۱۰ بار سبحان اللہ، ۱۰ بار الحمد للہ اور ۱۰ بار اللہ اکبر پڑھ لیا

Marfat.com

کرو اور سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمداللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔" سیدنا علیؓ کا بیان ہے کہ جب سے سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے اس ذکر کی تلقین فرمائی میں نے ایک روز اس کو ترک نہیں کیا۔(فواللہ ماترکتھن منذ علمنیھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سیدنا علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر ابن الکواء نے کہا "صفین کی رات بھی" سیدنا علیؓ نے فرمایا:

قاتلکم اللہ یا اھل العراق نعم و لا لیلة صفین

"اے اہل عراق اللہ تمہیں ہلاک کرے ہاں، صفین کی رات بھی میں نے اس کو نہیں چھوڑا۔" (مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۱۰۶، ۱۰۷)

سیدنا علیؓ کی عبادت کی یہ ایک خاص خصوصیت ہے جو کم عبادت گزاروں کو میسر آتی ہے۔ بہر حال سیدنا علیؓ نہایت عبادت گذار، قائم اللیل اور صائم النہار تھے اور اس کی بڑی وجہ رسالت کی تربیت اور کفالت تھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن ہی سے انہیں اپنی کفالت میں لیا تھا اور ان کا بچپن اور جوانی آپؐ ہی کے زیر سایہ گزری تھی۔ انہوں نے نبوت کی عبادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، لہذا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ان کی عبادت میں دوسرے عام صحابہؓ کے مقابلہ میں کوئی خصوصیت نہ ہو؟ یہ تو سیدنا علیؓ تھے۔آپ کے پوتے سیدنا علی ابن الحسینؓ کا تو لقب ہی زین العابدین" (عبادت گزاروں کی زینت) تھا اور ان کے بارہ میں زبیر بن سعید قرشی نے کہا ہے:

لم ار ھاشمیاً قط کان اعبد اللہ منہ

"میں نے کسی ہاشمی کو ان سے زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا۔"

(مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۰۸)

شجاعت و بسالت:

شجاعت و بہادری سیدنا علیؓ کا مخصوص وصف تھا۔ چنانچہ آپ نے عہد نبوی میں غزوہ بدر سے لے کر قریباً تمام غزوات میں شرکت فرمائی اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ غزوہ بدر میں آپ عنفوان شباب میں تھے۔ جنگ میں آپ نے قریشی فوج کے ستون عتبہ کے بیٹے ولید کو قتل کیا۔ غزوہ احد میں قریش کے علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ کو جہنم رسید کیا۔

Marfat.com

بعض حضرات نے سیدنا علیؓ کی جنگ احد میں شمولیت کے بارہ میں زیب داستان کے طور پر عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں۔ لکھا ہے کہ ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اور علم سیدنا علیؓ کے پاس تھا اور مشرکین کا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں۔ سیدنا علیؓ نے ان کے علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ کو قتل کر دیا یہاں تک کہ نو افراد نے بالترتیب علم سنبھالا اور سیدنا علیؓ ہر ایک کو قتل کرتے رہے۔ اور سرداران قریش کی ایک جماعت کو بھی قتل کیا۔ یہ دیکھ کر جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ''آپ یہ مواسات کا عمل دیکھ رہے ہیں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اس سے ہوں اور یہ مجھ سے ہے۔'' پھر ہمیں آسمان سے ایک چیخ سنائی دی اور یہ آواز آئی:

لا فتى الا على لا سيف الا ذوالفقار

''علیؓ کے سوا اور کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ اور کوئی تلوار نہیں۔''

یہ روایت درایت اور روایت کے اصولوں کے لحاظ سے غلط اور گھڑنتو ہے کیونکہ ذوالفقار جنگ بدر کے مال غنیمت میں حاصل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہی۔ سیدنا علیؓ کے پاس جنگ احد میں یہ تلوار نہیں تھی۔

دوسری بات یہ کہ آسمان سے جو آواز آئی اور میدان احد میں کسی اور نے بھی سنی یا صرف ایک آدمی کے کان میں وہ آواز پہنچی تھی۔

تیسری بات یہ کہ بقول ابن جوزی یہ روایت موضوع ہے اور اس کو گھڑنے والا عیسیٰ بن مہران ایک جلا بھنا شیعہ تھا اور وہ موضوع احادیث روایت کیا کرتا تھا۔
(اللالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ جلد ۱ ص ۳۶۴، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۲۴)

چوتھی بات یہ کہ ابورافعؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ جنگ احد میں شریک ہی نہیں تھے اور سیدنا عباسؓ نے قبول اسلام کے بعد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا تھا اور یہ ۸ ھ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حلقہ غلامی میں آئے ہیں۔ اور جو روایت اور جو واقعہ ان کی جانب منسوب کیا جا رہا ہے وہ شوال ۳ ھ کا ہے۔

پانچویں بات یہ کہ جنگ احد میں سیدنا علیؓ علم بردار رسول نہ تھے بلکہ یہ سعادت سیدنا مصعب بن عمیرؓ کے حصہ میں آئی تھی۔

چھٹی بات اس بارہ میں یہ ہے کہ اس جنگ میں کفار کے دو علم بردار قتل ہوئے نہ کہ نو۔

ان سب باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت سراسر غلط اور جھوٹی ہے۔ اس مضمون کی ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی طرف بھی منسوب کی گئی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ احد کی دن آسمان سے ایک آواز آئی کہ:

لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار

"لیکن اس روایت کے گھڑنے والوں کی بھی عقل ماری گئی اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ احد مدینہ طیبہ میں ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اس وقت مکہ معظمہ میں تھے اور ان کی عمر پانچ چھ سال تھی۔ انہوں نے آسمان سے آئی ہوئی یہ آواز مکہ میں سن لی لیکن میدان احد میں موجود صحابہ اس آواز کو نہ سن سکے۔"

پھر اس روایت کا راوی یحییٰ بن سلمہ بن کہیل ہے جس کی بابت علمائے جرح و تعدیل نے اچھے الفاظ استعمال نہیں کیے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس کی روایت نہ لکھی جائے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں۔ امام نسائی نے لکھا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہے۔ (الموضوعات جلد ۱ ص ۳۸۲، اللالی المصنوعہ جلد ۱ ص ۳۶۴)

یہ یحییٰ بن سلمہ بن کہیل ویسے بھی شیعہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے روایت نقل کی ہے۔

النظر الی علی عبادۃ

"سیدنا علیؓ کو دیکھنا عبادت ہے۔" (میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۳۸۱)

حالانکہ یہ روایت بالکل غلط اور گھڑنتو ہے اور سوائے شیعہ کے کوئی اور اسے روایت نہیں کر سکتا۔

بہر حال جن روایات کے راوی عیسیٰ بن مہران جیسے رافضی اور دشمن صحابہ اور یحییٰ بن سلمہ بن کہیل جیسے منکر الحدیث اور متروک الحدیث لوگ ہوں ان روایات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سیدنا علیؓ نے جنگ احد میں سیدنا حمزہ اور سیدنا ابو دجانہؓ اور دیگر مجاہدین اسلام کی طرح اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور دشمنان اسلام کو جہنم رسید کیا۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۳۷۵)

غزوہ احزاب جس میں سارے جزیرہ عرب کے لوگ اسلام کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ بدلے کر آئے تھے۔ اس غزوہ میں بھی آپ اپنی بہادری کے جوہر دکھانے میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ بلکہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب میدان میں آ کر مسلمانوں کو للکارا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تلوار عنایت فرما کر انہیں میدان میں بھیجا اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ! کفر کے مقابلہ میں علیؓ کی مدد فرمانا۔ چنانچہ آپ نے میدان میں آتے ہی عمرو بن عبدود کو اپنی تلوار سے ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

آپ نے غزوہ خیبر میں بھی شرکت فرمائی اور دوسرے مجاہدین اسلام کی طرح اپنی شجاعت و بہادری کے نمایاں جوہر دکھائے، لیکن اس جنگ کے بارہ میں بھی کچھ لوگوں نے سیدنا علیؓ کی شجاعت اور بہادری کے عجیب وغریب قصے گھڑ لیے ہوئے ہیں جو روایتاً اور درایتاً دونوں لحاظ سے غلط ہیں۔ خیبر کے دس قلعے تھے۔ سات ایک دائرے کے اندر اور تین الگ الگ تھے۔ نو قلعے مختلف صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں فتح ہوئے جن میں سیدنا سعد بن عبادہؓ، سیدنا محمد بن مسلمہؓ، سیدنا عمر بن الخطابؓ اور سیدنا خباب المنذر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہودی پہلوان مرحب قلعہ قموص میں رہتا تھا۔ مرحب والے قلعہ قموص کا جب محاصرہ ہوا تو رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کو سر میں درد محسوس ہونے لگا اس وجہ سے اس معرکہ میں آپ خود تشریف نہیں لے جا سکے چنانچہ اس پر حملہ کے وقت لشکر کی کمان سیدنا عمرؓ کے ہاتھ میں تھی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ یہ لشکر دو حصوں پر منقسم تھا۔ میمنہ اور میسرہ۔ ایک حصہ کے امیر سیدنا عمر بن الخطابؓ تھے اور دوسرے کی سیدنا محمد بن مسلمہؓ انصاری۔ اس لشکر کا جھنڈا آپ نے سیدنا علیؓ کو عطا فرمایا۔ جب باہر کا لشکر قلعہ پر حملہ کرتا ہے تو فوج قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتی ہے۔ یہی حال قلعہ قموص کا بھی ہوا۔ مورخین کی روایات کے مطابق مسلمان ۲۰ روز تک اس قلعہ کا محاصرہ کیے رہے لیکن یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ ان ۲۰ دنوں میں مرحب مبازرت کے لیے قلعہ سے باہر نہ آیا۔ لیکن جس روز رایہ (جھنڈا) سیدنا علیؓ کو دیا گیا اسی روز مرحب باہر آ گیا۔ اس بات کو عام عقل تسلیم نہیں کرتی۔

Marfat.com

ابن قیم کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ مرحب کو سیدنا علیؓ نے قتل کیا۔ مگر موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری اور ابو الاسود سے روایت کیا ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا۔ جب مرحب نے نکل کر مبارزت طلب کی تو محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے، اس نے میرے بھائی محمود بن مسلمہؓ کو قتل کیا ہے۔ یہ گئے دونوں کے بیچ میں ایک درخت پڑ گیا۔ دونوں موقع تلاش کرتے رہے۔ آخر محمد بن مسلمہؓ نے اسے قتل کر دیا۔ سلمہ بن سلامہ اور مجمع بن حارثہ بھی یہی کہتے ہیں کہ مرحب کو محمدؓ بن مسلمہ نے قتل کیا۔

واقدی کا بیان ہے کہ محمد بن مسلمہؓ کی ضرب سے مرحب کی دونوں ساقیں (پنڈلیاں) کٹ گئی تھیں۔ انہوں نے چھوڑ دیا اور کہا کہ تکلیف کا مزہ چکھو جس طرح میرے بھائی نے تکلیف اٹھائی۔ اس کے بعد اس طرف علیؓ آئے تو انہوں نے اس کی گردن مار دی اور اس کی تلوار اور سامان لے لیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "ہاں میں نے قتل کیا ہے۔ مگر اس کا پیر پہلے سے کٹا ہوا تھا۔" حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے اس کی تلوار، مغفر اور نیزہ وغیرہ سب محمد بن مسلمہؓ کو دلوایا۔ یہ تلوار محمد بن مسلمہؓ کی اولاد کے پاس موجود تھی۔ اور اس پر مرحب کا نام کھدا ہوا تھا۔ (واللہ اعلم)

مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر نکلا۔ یہ بھی عظیم الجثہ، طویل القامت اور بڑا شہ زور تھا۔ اس کے مقابل سیدنا زبیر بن العوامؓ گئے۔ سیدہ صفیہؓ (زبیر کی والدہ) نے کہا "یا رسول اللہ! یہ میرے لڑکے کو قتل کر دے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا "نہیں، تمہارا لڑکا اسے قتل کرے گا۔" آخر سیدنا زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔

قلعہ قموص پر تقریباً ۲۰ روز محاصرہ رہا۔ یہ سب سے مستحکم قلعہ تھا۔ اور اس قلعہ پر سیدنا علیؓ کے کارناموں کے متعلق بہت مبالغہ آمیز روائتیں مشہور ہیں۔

(اصح السیر ص ۲۳۶، حکیم عبدالرؤف دانا پوری)

یہ بیان اردو کے ایک سیرت نگار حکیم عبدالرؤف دانا پوری کا ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کے سیدنا علیؓ کے ہاتھوں مرحب کا قتل کوئی یقینی بات نہیں بلکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے قتل کیا تھا۔ کیونکہ مرحب نے ان کے

Marfat.com

بھائی محمود بن مسلمہ انصاریؓ کو شہید کیا تھا اور تجرباتی شہادت بھی یہی ہے۔

علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے:

"محمد ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے مارا تھا۔ مسند احمد بن حنبل اور نووی کی شرح میں بھی ایک روایت یہی ہے، لیکن صحیح مسلم اور حاکم جلد ۲ ص ۲۹ میں حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔" (سیرت النبی جلد ا ص ۴۸۹)

مولانا شبلیؒ نے اگرچہ سیدنا علیؓ کے مرحب کو قتل کرنے کی روایت کو اصح الروایات لکھا لیکن یہ چیز محل نظر ہے، کیونکہ حاکم تو بذات خود شیعہ ہے جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں لکھا ہے۔ دوسرے صحیح مسلم کی روایت بھی معلول ہے، اور اگر معلول نہ بھی مانی جائے تو اصح الروایات بھی نہیں۔

جنگ خیبر میں سیدنا علیؓ کی بہادری کا ایک واقعہ افسانوی طرز پر یوں لکھا ہے کہ: "سیدنا علیؓ نے جب مرحب کو تلوار ماری تو اس نے وار سپر پر روکا، لیکن ذوالفقار حیدری سپر، خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر گئی۔ مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے سیدنا علیؓ کے ہاتھ سے سپر گر گئی۔ آپ نے قلعہ کا در جو سرتا پاسنگ کا تھا، اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا اور واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو اپنی جگہ سے بھی نہ ہل سکا۔ یہ روایات محمد ابن اسحاق اور حاکم نے بیان کی ہیں۔ (طبری جلد ۲ ص ۳۰۱)

علامہ شبلی ان روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ یہ بازاری قصے ہیں، اور علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کہ کلھا واھیۃ (یہ سب لغو روایتیں ہیں)

غزوہ ہوازن میں بھی سیدنا علیؓ کا ایک نہایت نمایاں کردار نظر آتا ہے۔ آغاز جنگ میں جب کافروں نے مسلمانوں پر دفعتاً تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس وقت جو ممتاز صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے ان میں ایک سیدنا علیؓ بھی تھے۔

خلافت عثمانی میں جب سبائیوں اور شورش پسندوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا اور باہر سے قصر خلافت پر پتھر مارے تو سیدنا عثمانؓ کے صاحبزادے سیدنا ابانؓ سیدنا

علیؓ کے پاس گئے اور کہا "چچا جان اب تو سنگ باری تک نوبت آ گئی۔ آپ اس بارہ میں کچھ کریں" سیدنا ابانؓ کا بیان ہے:

فمشی معی فرماهم حتی فترت یده

"یہ سن کر سیدنا علیؓ میرے ساتھ چل پڑے اور آپ نے ان لوگوں کو پتھر مارنے شروع کر دیے حتی کہ آپ کے ہاتھ تھک گئے۔"

آپ نے پھر سیدنا ابانؓ سے فرمایا:

یا ابن اخی اجمع موالیکم و من کان منکم بسبیل ثم لتکن هذه مالکم

"بھتیجے! اپنے ساتھیوں اور جو تم میں سے یہاں ہیں ان کو جمع کر لو۔ پھر اس اجتماعی قوت کے ساتھ رہو۔" (انساب الاشراف بلاذری جلد ۵ ص ۷۸)

اس محاصرہ کے زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب باغیوں اور سبائیوں نے سیدنا عثمانؓ پر پانی بند کر دیا۔ اس وقت سیدنا جبیر بن مطعمؓ سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کے چچا زاد بھائی پر باغیوں نے پانی بند کر دیا ہے۔ اس نازک صورت حال میں سیدنا علیؓ نے اپنی شجاعت اور بہادری سے سیدنا عثمانؓ کو پانی پہنچایا۔ (انساب الاشراف جلد ۵ ص ۷۷، منتہی الآمال جلد ۱ ص ۲۳۵)

شیعی مؤلف ابن ابی الحدید کے مطابق کئی مرتبہ آپ نے باغیوں کو قصر خلافت سے پیچھے ہٹایا حالانکہ اس وقت باغیوں کے مقابلہ میں آنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ (ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۶۱ جلد ۱۰ ص ۵۸۱)

بہادر شخص اکثر اپنے دشمنوں اور مخالفین سے زیادتی کر بیٹھتا ہے اور جوش انتقام میں اعتدال کو ہاتھ سے کھو دیتا ہے لیکن سیدنا علیؓ نے اپنی شجاعت اور بہادری کے ساتھ ساتھ اپنے مخالفین سے کبھی زیادتی نہیں کی بلکہ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آئے اور یہی بہادری کا نقطہ کمال ہے۔ ایک مرتبہ جنگ میں ان کا ایک حریف گر کر برہنہ ہو گیا۔ آپ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تاکہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

جنگ جمل میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا اگرچہ مخالف گروپ میں تھیں۔ دونوں کے نظریہ میں اگرچہ ذرا سا اختلاف تھا، لیکن سیدنا علیؓ نے میدان کارزار میں بھی ان کے

Marfat.com

مرتبہ اور ان کی حرمت کو قائم رکھا۔ چنانچہ ایک موقع پر جب ایک شخص نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے سیدہؓ کو نیچے گرایا تو سیدنا علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی بلکہ بعد میں اعلان کر دیا کہ خبردار! کوئی شخص اس واقعہ جمل کے بارہ میں ام المومنینؓ کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرے۔ آج کے بعد بھی سیدہؓ کی وہی عزت و حرمت ہے جو آج سے پہلے تھی۔ (ولھا بعد حرمتھا الاولیٰ)

سیدنا زبیر بن العوامؓ کا قاتل ابن جرموز جب ان کا سر اور ان کی تلوار لے کر سیدنا علیؓ کو خوشخبری دینے کے لیے آیا تو آپ آبدیدہ ہو گئے۔ قاتل کے ہاتھ سے تلوار لے کر فرمایا: "واللہ اس تلوار نے بار ہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکلات اور مصائب کے بادل ہٹائے۔" پھر ابن جرموز کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

بشر قاتل ابن صفية بالنار

"صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خوشخبری دے دو۔"

حاکم نے نقل کیا ہے کہ آپ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ:

"ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔"

(مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۷)

مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے جنگ جمل میں سیدنا طلحہؓ کے صاحبزادے محمدؓ کی لاش کو دیکھ کر بھی بہت افسوس فرمایا اور اپنے بیٹے سیدنا حسنؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"کاش تیرا باپ آج سے ۲۰ سال پہلے وفات پا چکا ہوتا۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۲۵)

آپ نے ان حضرات کے بارہ میں ایسے کلمات کیوں ارشاد فرمائے؟ ایک تو اپنی بلند ظرفی، اعلیٰ حوصلگی اور شجاعت و بہادری کی وجہ سے، اور دوسرے اس وجہ سے کہ آپ ان حضرات کو مومن کامل سمجھتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ آپ نے واقعہ صفین میں اپنے بعض آدمیوں کو سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کا کافر کہتے ہوئے سنا۔ آپ نے ان لوگوں کو فرمایا:

لاتقولوا فانهم زعموا انا بغينا عليهم و زعمنا انهم بغوا علينا

Marfat.com

"ان کو ایسا نہ کہو کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ ہم نے ان پر چڑھائی کی ہے ہمارا گمان ہے کہ انہوں نے ہم پر چڑھائی کی ہے۔"

(ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲۹، المنتقیٰ ذہبی ص ۳۲۵)

ایسا ہی آپ نے سیدنا معاویہؓ کے ان ساتھیوں کے بارہ میں فرمایا جو جنگ صفین میں شہید ہو گئے تھے۔ "وہ سب مومن تھے۔" (ھم المومنون)

(منہاج السنہ جلد ۳ ص ۶۱)

یہاں معاملہ کفر اور ایمان کا نہیں تھا بلکہ ہر شخص دین کی بات کرتا تھا، لیکن بعض دشمنان صحابہ اور دشمنان دین کی وجہ سے یہ دونوں جنگیں (جمل اور صفین) برپا ہو گئیں۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کے پڑپوتے سیدنا محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ اپنے خلاف لڑنے والوں کے متعلق کہتے تھے کہ ہم نے ان سے اس لیے جنگ نہیں کی کہ وہ کافر تھے اور نہ اس لیے کہ وہ ہمیں کافر کہتے تھے۔ بلکہ بات یہ تھی کہ:

رأینا انا علی حق و رأو انهم علی حق

"ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔"

(قرب الاسناد ص ۴۵)

غرضکہ سیدنا علیؓ ایک شجاع، بہادر، فراخ حوصلہ اور مخالفین سے اعلیٰ سلوک کرنے والے تھے اور اس بارہ میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔

گھریلو زندگی:

سیدنا علیؓ کی گھریلو زندگی دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک زندگی شادی سے قبل دوسری شادی کے بعد۔ جیسا کہ کتاب کے شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ سیدنا علیؓ کے والد نہایت مفلوک الحال اور قلاش آدمی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ کثیر العیال بھی۔ آپ کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں جن کی پرورش ان جیسے نادار اور تنگ حال آدمی کے لیے نہایت مشکل تھی۔

اس کے برعکس ان کے بھائی سیدنا عباسؓ ایک مالدار شخص تھے۔ بلکہ مکہ و بیرون مکہ ان کا ساہوکارہ چلتا تھا۔ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عباسؓ

کے پاس جا کر ابو طالب کی تنگدستی اور کثیر العیالی کی بات کی اور تجویز پیش کی کہ ابو طالب کے بچوں کی کفالت ہم اپنے ذمہ لے لیں۔ سیدنا عباسؓ نے آپ کی تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ ابو طالب کے دو بچے ان دونوں نے اپنی کفالت میں لے لیے۔ سیدنا جعفرؓ کی پرورش سیدنا عباسؓ نے اپنے ذمہ لے لی اور سیدنا علیؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے۔

(طبری جلد۲ ص ۵۷، زرقانی جلد ا ص ۲۸۰، البدایہ والنہایہ جلد۳ ص ۲۵، ابن ابی الحدید جلد ا ص ۱۵)

سیدہ فاطمہؓ سے شادی سے پہلے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ آپ کی مستقل خانگی زندگی سیدہ فاطمہؓ کی شادی کے بعد شروع ہوئی جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ مکان میں سیدہؓ کے ساتھ رہنے لگے۔ چنانچہ اب آپ کو اپنی گھریلو زندگی چلانے کے لیے کسب معاش کے لیے جدو جہد کرنا پڑی۔ کسی ہنر وفن سے تو واقف نہ تھے، لہذا تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی تو اونٹ پر گھاس لاد کر روزی کمائی، لیکن جب ایک دن سیدنا حمزہؓ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا تو پھر آپ کا یہ معاشی ذریعہ بھی ختم ہو گیا۔

یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کچھ عرصہ کنوؤں سے پانی نکال کر باغوں کی سقائی اور سیرابی کا پیشہ بھی اختیار کیے رکھا۔ چنانچہ جب سیدنا ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمر الفاروقؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے معیت میں سیدنا علیؓ کو سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کے لیے تیار کرنے آئے تو اس وقت بھی سید علیؓ اپنا اونٹ لے کر ایک انصاری کے باغ میں آب کشی کے لیے گئے ہوئے تھے۔ غرضکہ آپ کا مستقل پیشہ محنت مزدوری تھا۔ مدینہ طیبہ کی زندگی میں مختلف غزوات کے مال غنیمت میں بھی آپ کو حصہ ملتا رہا۔ جنگ خیبر کے بعد اموال فیئے میں سے بھی گھر کی گزر اوقات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امداد فرماتے رہے۔

ابو داؤد اور مسند احمد میں سیدنا علیؓ کا اپنا بیان ہے کہ:

''میں نے سیدنا عباسؓ، سیدنا زید بن حارثہؓ اور سیدہ فاطمہؓ کی موجودگی میں نبی اکرم صلی اللہ علی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم قرابت

Marfat.com

داران رسول کا خمس میں جو حصہ ہے اگر جناب اپنی زندگی میں اس کی تقسیم کی ذمہ داری میرے سپرد فرما دیں تو بہتر ہو گا تاکہ بعد میں کوئی شخص اس بارہ میں ہمارے ساتھ جھگڑا نہ پیدا کر سکے۔ میری اس عرضداشت کو قبول فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کام کا متولی بنا دیا۔ عہد نبوی میں میں اس خمس کے حصہ کو بنو ہاشم میں تقسیم کرتا رہا۔ پھر ابو بکرؓ نے بھی مجھے اس تقسیم کا متولی مقرر فرمایا اور میں عہد صدیقی میں بھی بنو ہاشم میں اس کی تقسیم کرتا رہا۔ پھر عمر بن الخطابؓ نے مجھے اس خمس کی تقسیم کا ذمہ دار بنایا اور میں فاروقی عہد میں بھی اس کو بنو ہاشم میں تقسیم کرتا رہا یہاں تک کہ فاروقی خلافت کے آخری سالوں میں عمر بن الخطابؓ کے پاس بہت سا مال غنیمت آیا۔ چنانچہ انہوں نے ہم لوگوں کا حق خمس الگ کر کے میری طرف آدمی بھیجا اور فرمایا کہ آپ اس مال کو لے کر حسب دستور تقسیم کر دیں۔ اس وقت میں نے عرض کیا۔ امیر المومنین ہم لوگ اب اس مال سے مستغنی ہیں کیونکہ اب ہماری معاشی حالت بہتر ہو گئی ہے اور دوسرے مسلمان اس مال کے ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ چنانچہ عمر ابن الخطابؓ نے وہ مال دوسرے حاجت مند اور ضرورت مند مسلمانوں کے لیے بیت المال میں واپس کر دیا۔"

(ابو داؤد جلد ۲ ص ۶۱، مسند احمد جلد ۱ ص ۸۴، کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۰)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جب مختلف اطراف و اکناف سے مال غنیمت مدینہ طیبہ میں آنے لگا تو آپ نے دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح سیدنا علیؓ کے لیے پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر فرما دیا۔

سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ مسند خلافت پر خود جلوہ افروز ہوئے تو آپ کی معاشی حالت اور بہتر ہو گئی۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

لقد رایتنی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی لاربط الحجر علی بطنی من الجوع وان صدقتی الیوم لاربعون الفا

"ایک وہ زمانہ تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھوک کی شدت

کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ میری سالانہ زکواۃ کی رقم ۴۰ ہزار درھم ہوتی ہے۔" (مسند احمد جلد ا ص ۱۵۹)

اب جو شخص ۴۰ ہزار درہم اپنے مال کی زکواۃ دیتا ہے، اس کا اپنا مال کتنا ہو گا جب کہ زکواۃ کی شرح اڑھائی فیصد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عہد خلافت میں سیدنا علیؓ نہایت متمول آدمی تھے۔

مالی طور پر تو آپ کی خانگی زندگی کا یہ حال تھا، لیکن میاں بیوی کے آپس کے تعلقات بھی بہت اچھے تھے۔ کبھی کبھی ہر گھر کی طرح سیدہ فاطمہؓ سے کچھ رنجش بھی ہو جاتی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں پڑ کر صلح صفائی کرا دیتے۔ چنانچہ شیعہ حضرات نے اپنی کتابوں میں ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدہ فاطمہؓ جب سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاں سے فدک نہ ملنے کی وجہ سے واپس آئیں تو اس وقت آپ نہایت غضبنا کی کی حالت میں تھیں۔ اسی غصہ کی حالت میں سیدناؓ نے سیدہ علیؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

یابن ابی طالب! اشتملت مشیمة الجنین وقعدت حجرة الظنین

"اے ابو طالب کے بیٹے! تو اس طرح چادر میں چھپ گیا جس طرح بچہ رحم مادر میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور تو لوگوں سے اس طرح پوشیدہ ہو کر بیٹھ گیا جیسے ایک تہمت ناک شخص پوشیدہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔"

ملا باقر مجلسی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

مانند جنین دررحم پردہ نشین شدہ خائناں درخانہ گریختہ، بعد از آنکہ شجاعان دہر را بر خاک ہلاک افگندی مغلوب ایں نامردان گردیدۂ۔۔۔۔۔ خود را ذلیل کردی۔ در روز یکہ دست از سطوت خود برداشتی گرگاں می درند و می برند و تو از جائے خود حرکت نمی کنی۔

"تم رحم مادر میں بچہ کی طرح پردہ نشین ہو گئے ہو اور خائب و خاسر لوگوں کی طرح گھر میں گھس کر بیٹھ گئے ہو۔ زمانہ کے بڑے بڑے بہادروں کو آپ نے بچھاڑ دیا لیکن ان نامردوں سے مغلوب ہو گئے۔۔۔۔۔ جس روز سے تم نے

سطوت و دبدبہ سے ہاتھ کھینچ لیا اسی روز سے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کر دیا۔
بھیڑیے پھاڑ رہے ہیں، لیکن تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے۔"
(الامالی طوسی، حصہ دوم ص ۲۹۵، احتجاج طبرسی ص ۵۹، بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۴۳، حق الیقین فارسی ص ۱۲۵)

شیعی عالم شیخ صدوق نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوذر غفاری فرماتے ہیں:
"میں اور سیدنا جعفر طیارؓ ہجرت حبشہ سے واپس آئے اس وقت انہوں نے سیدنا علیؓ کو ایک لونڈی ہدیہ کے طور پر دی۔ یہ خادمہ سیدنا علیؓ کے گھر میں رہتی تھی۔ ایک دفعہ سیدہ فاطمہؓ نے سیدنا علیؓ کو اس لونڈی کے ساتھ بے تکلفی کی حالت میں دیکھ لیا اور اسی وقت غیرت کی وجہ سے رنجیدہ ہو کر فرمانے لگیں: "مجھے اجازت دیں تاکہ میں اپنے ابا کے گھر چلی جاؤں۔" سیدنا علیؓ نے کہا آپ جا سکتی ہیں۔ چنانچہ سیدہ فاطمہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جانے لگیں۔ ادھر سیدہ فاطمہؓ رنجیدہ ہو کر گھر سے نکلیں ادھر جبرئیل امین حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ فاطمہؓ علیؓ کے خلاف شکایت لے کر آ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سلام کے بعد فرماتے ہیں کہ فاطمہؓ کی شکایت دربارہ علیؓ قبول نہ کرنا ---- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کی شکایت سن کر انہیں واپس گھر بھیج دیا اور سیدنا علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کی پاسداری کے لیے اس لونڈی کو آزاد کر دیا اور ساتھ ہی چار سو درہم اہل مدینہ پر صدقہ کیے۔
(علل الشرائع نمبر ۱۳۰ ص ۱۶۳، بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۴۳)

اسی طرح ملا باقر مجلسی نے ایک اور واقعہ سیدہ فاطمہؓ کی سیدنا علیؓ سے ناراضگی کی بابت نقل کیا کہ ایک روز نماز صبح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو پڑھائی۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کے چہرہ اقدس پر پریشانی اور غم کے آثار تھے۔ نماز کے بعد سرور کائنات علیہ الصلواۃ والتحیاۃ سیدہ فاطمہؓ کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔ ہم ساتھ تھے۔ آپ نے سیدہؓ کے دروازہ پر پہنچ کر دیکھا کہ سیدنا علیؓ دروازہ کے سامنے فرش خاک پر لیٹے ہوئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علیؓ کی پشت مبارک پر سے مٹی

Marfat.com

جھاڑنے لگے اور فرمایا: "قم یا ابا تراب" اے ابوتراب اٹھو۔ پھر یہ دونوں سیدہ فاطمہؓ کے گھر میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہشاش بشاش اور پرمسرت چہرہ کے ساتھ منزل فاطمہؓ سے باہر تشریف لائے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا: "یا رسول اللہ آپ غمناک چہرہ سے منزل فاطمہؓ میں داخل ہوئے تھے لیکن انتہائی پر مسرت چہرہ کے ساتھ باہر تشریف لائے اس کی کیا وجہ ہے؟" فرمایا:

کیف لا افرح وقد اصلحت بین اثنین احب اهل الارض الی اهل السماء

"میں کیوں خوش نہ ہوں جب کہ میں نے ایسے دو شخصوں کے مابین صلح و آشتی کروا دی ہے جو آسمان والوں کے نزدیک زمین والوں سے زیادہ پسندیدہ تھے۔" (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۴۴)

اسی طرح کے اور کئی واقعات تاریخ کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ گاہے بگاہے سیدنا علیؓ سے خفا ہو جاتی تھیں۔ جیسے سیدنا علیؓ کا ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمانا وغیرہ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۱ ص ۵۲۸، جلد ۲ ص ۷۸۷ جلاء العیون جلد ۱ ص ۲۲۷، امالی شیخ صدوق ص ۶۵ وغیرہ)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کی خانگی زندگی میں کافی اتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز تھے اس میں وہ ہمواری نہیں تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹیوں کو سیدنا ابو العاصؓ اور سیدنا عثمانؓ کے ہاں تھی۔

سادگی:

صحابہ کرامؓ کی غذا بالکل سادہ ہوتی تھی۔ وہ کھانے کے لیے نہیں جیتے تھے بلکہ جینے کے لیے کھاتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکیں۔ چنانچہ ان کی غیر معمولی عبادت اور زہد و ورع نے ان کی معاشرت کو بالکل سادہ بنا دیا تھا۔ سیدنا علیؓ کی معاشرت بھی بالکل سادہ تھی، نہ عمدہ اور نفیس لباس کا شوق تھا اور نہ عمدہ اور لذیذ کھانوں کا۔ روکھا پھیکا اور سادہ کھاتے اور لباس بھی سادہ اور معمولی زیب تن فرماتے۔ البتہ عمامہ کا شوق تھا اور فرمایا کرتے تھے: "عمامے عربوں کے تاج ہیں۔" (العمائم تیجان العرب)

Marfat.com

کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی زیب تن ہوتی۔ کبھی کبھی سفید ٹوپی بھی پہنتے۔ کتابوں میں مرقوم ہے تہبند نصف ساق تک ہوتی تھی اور کرتے کی آستین چھوٹی ہوتی تھیں۔

ظاہری طمطراق اور نمائش کا بالکل شوق نہ تھا۔ اسی وجہ سے پیوند لگا لباس زیب تن ہوتا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دل میں خشوع وخضوع پیدا کرتا ہے۔ عجب وتکبر کو پاس پھٹکنے نہیں دیتا اور مسلمانوں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ سیدنا علیؓ گرمیوں کا لباس سردیوں میں پہنتے اور سردیوں کا لباس گرمیوں میں یعنی گرمی اور سردی کا آپ پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ پوچھنے پر بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یوم خیبر کو دعا دی تھی کہ:

اللھم اذھب الحر و البرد

"اے اللہ اس سے گرمی اور سردی دور فرما۔"

(مسند احمد جلد ا ص ۹۹، ابن ماجہ جلد ا ص ۷۵)

اور فرمایا کہ اس روز سے مجھے گرمی اور سردی بالکل نہیں لگتی۔

اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تو یہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی دعا کا اثر ہے۔ اس میں سیدنا علیؓ کی اپنی ذات کی کوئی خوبی نہیں، لیکن یہ حدیث درایتاً اور روایتاً صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حدیث کا سیاق وسباق یہ بتا رہا ہے کہ جس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ارشاد فرمائی اس کا وہاں کوئی موقع نہ تھا کیونکہ یہ حدیث اس موقع پر فرمائی گئی جب غزوہ خیبر میں سیدنا علیؓ کو جھنڈا دینے کے لیے بلایا گیا اور انہوں نے دربار رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے آشوب چشم ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی آنکھوں کو تھوک لگایا اور فرمایا:

الھم اذھب عنہ الحر والبرد

"اے اللہ اس سے گرمی اور سردی کو دور فرما۔"

اس سے مراد یہاں کپڑوں کی گرمی اور سردی نہیں ہے بلکہ آنکھوں کی گرمی اور سردی مراد ہے کیونکہ آشوب چشم کی بیماری زیادہ تر گرمی سے ہوتی ہے اور سردی سے بھی آنکھوں کی کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، لہذا حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے سیدنا علیؓ کی

Marfat.com

آنکھوں کے لیے یہ دُعا فرمائی ہوگی۔

روایتاً یہ کہ اس حدیث کے دو راوی عثمان بن ابی شیبہ اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اگرچہ علمائے حدیث میں شمار ہوتے ہیں لیکن حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے کہ: "ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں، مگر ان سے غلطیاں ہوتی ہیں"۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ: "ان کی متعدد روایات موضوع ہیں۔" ابن عدی نے بھی ان کی متعدد روایات کو منکر قرار دیا ہے۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے بارہ میں امام ابوزرعہ رازیؒ فرماتے ہیں افسوس انہیں جتنا قوی ہونا چاہیے تھا اتنے قوی نہیں۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ان کی احادیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ امام شعبہ فرماتے ہیں۔" میں نے اتنے زیادہ کمزور حافظہ کا کوئی اور شخص نہیں دیکھا"۔ ابن عدی کا قول ہے کہ اس کا حافظہ خراب تھا۔ فحش غلطیاں کرتے تھے جس کی وجہ سے اس کی اکثر روایات غلط ہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان اور امام ترمذی نے بھی ان پر جرح کی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۶۱۳)

امام احمد نے اس حدیث کا ایک راوی منہال ذکر کیا ہے۔ اس روای پر بھی محدثین نے جرح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۱۹۲)

امام نسائی نے ایک اور سند کے ساتھ اس روایت کو اپنی کتاب " خصائص علی بن ابی طالبؓ " میں نقل کیا ہے لیکن علامہ ابی اسحاق الحوینی الاثری نے اس سند کے رجال پر کافی بحث کی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے جس طرح اور کئی ہزار روایات سیدنا علیؓ کے بارہ میں گھڑی گئی ہیں۔

ازواج و اولاد

سیدنا علیؓ نے اپنی زندگی کے مختلف اوقات میں کئی شادیاں کیں جن میں سے ۱۴ لڑکے اور ۱۷ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی اپنی نسل بقول واقدی صرف پانچ لڑکوں سے چلی جن کے نام یہ ہیں:

(۱) سیدنا حسنؓ (۲) سیدنا حسینؓ (۳) سیدنا محمد بن الحنفیہؒ (۴) سیدنا عباسؓ (۵) اور سیدنا

Marfat.com

عمرؓ آپ نے سب سے پہلی شادی سیدہ فاطمہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کی' ۴۰۰ درھم مہر مقرر ہوا۔ یہ شادی سیدنا صدیق اکبرؓ کی ترغیب پر ہوئی۔ سیدنا علیؓ کی مالی حالت اس زمانہ میں نہایت کمزور تھی۔ چنانچہ شادی کے مصارف کے لیے آپ نے اپنی زرہ چار سو درہم میں سیدنا عثمانؓ کے ہاتھوں فروخت کی۔ سیدنا عثمانؓ نے ۴۰۰ درہم میں اور بقول زرقانی ۴۸۰ درہم میں زرہ خرید کر رقم اور زرہ دونوں سیدنا علیؓ کو واپس کر دیں۔ سیدنا علیؓ نے رقم اور وہ زرہ دونوں بارگاہ رسالت میں جا کر پیش کر دیں۔ سرور کائناتؐ نے سیدنا عثمانؓ کو بہت دعائیں دیں۔ (فدعا لعثمان بدعوات) سیدہؓ کا جہیز سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے خریدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نے ایک ایک چیز کو اٹھا کر ملاحظہ فرمایا اور پھر دعا دی۔

خداوند مبارک گرداں ایں را بر اہل بیت من۔

"اے اللہ میرے اہل بیت کے لیے ان اشیاء میں برکت فرما۔"

(جلاء العیون ص ۱۷۶، ایران)

سیدہ ام سلمہؓ اور سیدہ عائشہؓ نے نہایت احسن طریق سے اپنی اس بیٹی کو رخصت کیا اور خوشی اور محبت سے فرمایا:

فما راینا عرساً احسن من عرس فاطمة

"ہم نے فاطمہؓ کی شادی سے بہتر کوئی اور شادی نہیں دیکھی۔"

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ شادی جنگ بدر کے بعد ہوئی، لیکن صحیح یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ہوئی۔ چنانچہ علامہ کرمانی نے لکھا ہے:

انکحها رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم علياً بعد وقعة احد

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کا سیدنا علیؓ سے نکاح جنگ احد کے بعد کیا۔" (بخاری جلد ا ص ۵۳۲ حاشیہ)

اس لحاظ سے یہ شادی ۳ھ کے اواخر میں یا ۴ھ کی ابتدا میں ہوئی۔ لیکن ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں لکھا ہے کہ یہ شادی ۲۱ محرم کو ہوئی اس وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شادی ۲۱ محرم ۴ھ میں ہوئی۔

Marfat.com

سیدہ فاطمہؓ سے دو لڑکے سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ اور دو صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ کبریٰ اور سیدہ ام کلثومؓ کبریٰ پیدا ہوئیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ایک اور لڑکا محسن نامی بھی پیدا ہوا اور وہ بچپن ہی میں انتقال کر گیا۔ چنانچہ علامہ ابن عساکر نے لکھا ہے:

ویقال و محسناً ومات وھو صیغر

"اور کہا جاتا ہے کہ ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محسن تھا اور وہ بچپن ہی میں انتقال کر گیا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۳۲)

ابن کثیر نے اس کو صیغہ تمریض سے نقل کیا ہے کہ جو قابل اعتبار نہیں ہوتا، لہذا ہمارے خیال میں سیدہؓ کے ہاں محسن نامی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔

سیدنا حسنؓ کی پیدائش پر سیدنا علیؓ نے ان کا نام حمزہ اور ایک روایت کے مطابق حرب رکھا تھا اور سیدنا حسینؓ کا نام جعفر رکھا تھا لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ اور حسینؓ رکھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۳۲)

عام مشہور یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ سب سے پہلے پیدا ہوئے، لیکن ملا باقر مجلسی کی ایک عبارت کے مطابق سیدہ ام کلثومؓ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ سے بڑی تھیں۔ چنانچہ ملا صاحب نے سیدہ فاطمہؓ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ سن کر جناب فاطمہؓ کو نہایت صدمہ ہوا اور متفکر و متردد ہو گئیں، یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ جب رات ہوئی امام حسنؓ کو دائیں اور امام حسینؓ کو بائیں کاندھے پر اٹھایا اور بایاں ہاتھ ام کلثومؓ کا اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے پدر بزرگوار کے گھر تشریف لے گئیں ـــــ واپسی پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ کو اور فاطمہؓ نے امام حسینؓ کو اٹھایا اور ام کلثومؓ کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے مسجد میں تشریف لائے۔" (جلاء العیون جلد ۱ ص ۲۱۷)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ ام کلثومؓ دونوں بھائیوں سے عمر میں بڑی تھیں۔ تبھی تو وہ ہاتھ پکڑ پیدل چل رہی تھیں جبکہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ چلنے کے قابل نہیں تھے اس لیے انہیں کاندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔

سیدنا علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ ایک دفعہ خیال

Marfat.com

آیا کہ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کی جائے۔ سیدہ فاطمہ ؓ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو وہ ناراض ہو گئیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ ''رسول اللہ'' ﷺ کی بیٹی اور ''عدواللہ'' کی بیٹی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جس پر سیدنا علیؓ نے ارادہ ترک فرما دیا: (بخاری جلد ۱ ص ۴۳۸، جلد ۲ ص ۷۸۷)

روایات میں ہے کہ سیدہ فاطمہؓ اس دنیا سے انتقال فرماتے وقت سیدنا علیؓ کو یہ وصیت کر گئی تھیں کہ میرے بعد اگر آپ شادی کرنا چاہیں تو میری بڑی بہن زینب کی بیٹی امامہؓ بنت ابی العاصؓ سے شادی کرنا۔ چنانچہ آپ نے سیدہ امامہؓ سے شادی کی۔ (ملاحظہ ہو اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۰۰، مروج الذھب جلد ۲ ص ۲۹۸، فروغ کافی جلد ۲ ص ۲۴۳ لکھنو) بعض روایات کے مطابق ان سے ایک لڑکا محمد الاوسط پیدا ہوا لیکن بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ کی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ سیدنا علیؓ جب کوفہ میں شہید ہوئے اس وقت سیدنا علیؓ کی ازواج میں سے سیدہ امامہؓ زندہ تھیں۔ سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح سیدنا مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا اور انہی کے نکاح میں ان کا انتقال ہوا۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۰۷، الاصابہ جلد ۳ ص ۴۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہؓ سلام اللہ علیہا اکثر مغموم رہتیں۔ آپ کی اپنی عمر اس وقت ۲۸۔۲۹ سال تھی۔ بچے ابھی چھوٹے تھے لہذا اس بیماری کی حالت میں خلیفۃ الرسول سیدنا صدیق اکبرؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ آپ کے گھر آ کر آپ کی خدمت سرانجام دے جاتیں۔ غم رسول ﷺ میں طبیعت روز بروز زیادہ خراب ہوتی گئی۔ چنانچہ رسول اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے قریباً چھ ماہ بعد ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ منگل کی رات سیدہ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئیں۔ سیدہ اسماءؓ نے سیدنا علیؓ کی معاونت سے غسل دیا اور سیدنا صدیق اکبرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں سیدہؓ پر انہوں نے چار تکبیریں پڑھیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۹، کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۸)

نماز جنازہ کے بعد آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ قبر میں خود سیدنا علیؓ، سیدنا عباسؓ اور سیدنا فضل بن عباسؓ اترے اور حسرت و یاس کے ساتھ سیدہؓ کو دفن کیا۔

سیدہ فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں انتقال فرمانے کے لحاظ

Marfat.com

سے سب سے آخری بیٹی تھیں۔ باقی تین بیٹیاں پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔

سیدنا علیؓ نے ایک شادی سیدہ ام البنین بنت حزام بن خالد بن ربیعہ سے کی۔ ان کا تعلق بنو کلاب سے تھا۔ اس وجہ سے انہیں ام البنین کلابیہ بھی کہتے ہیں۔ عرب میں یہ قبیلہ اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے ضرب المثل تھا۔ اس اہلیہ سے سیدنا عباسؓ، سیدنا جعفرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ یہ چاروں حضرات سیدنا حسینؓ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

لیلیٰ بنت مسعود بن خالد الدارمیہ سے بھی آپ نے شادی فرمائی اور ان سے عبداللہ اور ابو بکر پیدا ہوئے۔ یہ دونوں بھی سیدنا حسینؓ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

اسماء بنت عمیسؓ کا تعلق خثعم سے تھا۔ ان کی والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔ سیدہ اسماءؓ کی ایک بہن ام المومنین میمونہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ایک اور بہن ام الفضل لبابہ سیدنا عباسؓ بن عبدالمطلب کے حبالہ عقد میں تھیں اور ایک اور بہن سلمٰی بنت عمیسؓ سید الشہداء حمزہؓ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ جن سے ایک لڑکی امامہؓ پیدا ہوئیں۔

سیدہ اسماءؓ نے زندگی کے بہت نشیب و فراز دیکھے۔ پہلے ان کی شادی سیدنا جعفرؓ بن ابی طالب سے ہوئی۔ ان سے ان کے تین لڑکے عبداللہؓ، عونؓ اور محمدؓ پیدا ہوئے۔ سیدہ اسماءؓ نے سیدنا جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ اور مدینہ طیبہ کی دونوں ہجرتیں کیں، جو ایک خاص اعزاز تھا۔

آٹھ ہجری میں جب سیدنا جعفر طیارؓ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تو سیدہ اسماءؓ نے سیدنا ابو بکرؓ سے نکاح کر لیا۔ ان سے ان کے ہاں محمد ابن ابی بکرؓ پیدا ہوئے جو سیدنا علیؓ کے ربیب تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کی رحلت کے بعد سیدہ اسماءؓ بنت عمیس نے سیدنا علیؓ سے نکاح کیا اور ان سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا جو سیدنا علیؓ کی زندگی ہی میں انتقال کر گیا۔

عروہؓ بن مسعود ثقفی کی صاحبزادی سیدہ ام السعید بنت عروہ ثقفی بھی سیدنا علیؓ کے حبالہ عقد میں آئیں اور ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

Marfat.com

محیاۃ بنت امراء القیس بن عدی الکلبیہ سے بھی سیدنا علیؓ نے نکاح کیا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن میں ہی راہی ملک عدم ہوگئی۔

ام حبیبہ بنت ربیعہ سے بھی سیدنا علیؓ نے نکاح فرمایا۔ یہ ام ولد تھیں۔ ان سے عمر اور رقیہؓ پیدا ہوئے۔ یہ دونوں جڑواں تھے۔ جناب عمرؓ سیدنا علیؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ۸۵ سال کی عمر میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا۔ صاحبزادی رقیہؓ سے سیدنا مسلم بن عقیل نے نکاح کیا تھا اور ان سے عبداللہ بن مسلم پیدا ہوئے تھے۔ بعض کتابوں میں ام حبیبہ کا نام صہباء بھی آیا ہے۔

خولہ بنت جعفر بن قیس یہ حنفیہ کے نام سے مشہور تھیں اور بکر بن وائل کی اولاد میں سے تھیں۔ یہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں گرفتار ہو کر آئیں۔ علامہ ہاشم خراسانی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ جب یہ گرفتار ہو کر آئیں تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا:

ابا بکر گفت خذھا یا ابا الحسن بارک اللہ لک فیھا

"سیدنا ابو بکرؓ نے کہا اے ابوالحسن (سیدنا علیؓ کی کنیت) اسے لے لیں، اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو برکت عطا فرمائے۔"

سیدنا محمد ابن حنفیہؓ (جن کو محمد بن علیؓ بھی کہتے ہیں) انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ کی نرینہ اولاد میں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے بعد یہ سب سے زیادہ عالم تھے۔ ان کے بارہ میں علامہ خیرالدین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا محمد بن حنفیہؓ نے فرمایا:

الحسن و الحسین افضل منی وانا اعلم منھما

"حسنؓ اور حسینؓ مجھ سے افضل ضرور ہیں لیکن میں علم میں ان دونوں سے زیادہ ہوں۔" (الاعلام خیر الدین الزرکلی جلد ۷ ص ۱۸۲)

اسی طرح سید جمال الدین نے لکھا ہے:

کان محمد بن الحنفیہ احد رجال الدھر فی العلم و الزھد والعبادۃ والشجاعۃ وھو افضل ولد علی بن ابی طالب بعد الحسن والحسین

Marfat.com

"محمد ابن الحنفیہؒ اپنے زمانہ کے لوگوں میں علم، زہد، عبادت اور شجاعت میں فائق تھے اور سیدنا علیؓ کی اولاد میں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے بعد وہی سب سے افضل تھے۔" (عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۴۷)

علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ کی زندگی میں سوائے چار بیویوں کے باقی سب کا انتقال ہوگیا تھا۔ ان چار کے نام یہ ہیں۔

(۱) سیدہ امامہؓ (۲) سیدہ ام البنین (۳) سیدہ لیلیٰؓ اور (۴) سیدہ اسماءؓ

سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے تا زندگی اور کسی سے نکاح نہیں کیا۔

ان ازواج کے علاوہ آپ کی متعدد لونڈیاں بھی تھیں ان سے آپ کے حسب ذیل صاحبزادیاں پیدا ہوئیں:

(1) سیدہ نفیسہ: ان کی کنیت صغریٰ تھی۔ یہ کثیر بن عباس بن عبدالمطلب کی اہلیہ تھیں۔

(2) زینب صغریٰ: یہ محمد بن عقیل کی زوجہ تھیں۔

(3) رقیہ صغریٰ: یہ عبدالرحمٰن بن عقیل کی اہلیہ تھیں۔ یہ عبدالرحمٰن میدان کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

(4) امامہ: یہ سیدنا عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کی زوجہ تھیں۔

(5) ام ہانی: یہ عبداللہ بن عقیل کی بیوی تھیں۔

(6) خدیجہ: یہ عبدالرحمٰن بن عقیل کی اہلیہ تھیں۔

(7) فاطمہ: یہ محمد ابن ابی سعید بن عقیل کے حبالہ عقد میں تھیں۔ یہ دونوں صاحبزادیاں میدان کربلا میں موجود تھیں۔

(8) میمونہ: یہ عبداللہ اکبر بن عقیل کے عقد میں تھیں۔

Marfat.com

امیر المومنین سیدنا

علی رضی اللہ عنہ

شخصیت و کردار

حکیم محمود احمد ظفر